



حصہ دوم

# کہف سورہ

## کے فوائد

محیوب العلماء و الصالحین  
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد  
مجددی علیہ  
نقشبندی





# سورة کہف کے فوائد (جلد دوم)



از افادات

محبوب العلماء والصلحاء  
حضرت مولانا حافظ میر ذوالفقار احمد صاحب مدظلہ العالی

علماء و دیوبند کے علوم کا پاسبان  
دینی و علمی کتابوں کا عظیم مرکز ٹیلیگرام چینل

حنفی کتب خانہ محمد معاذ خان

درس نظامی کیلئے ایک مفید ترین  
ٹیلیگرام چینل



# جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں



نام کتاب ..... سورۃ کہف کے فوائد (جلد دوم)

از افادت ..... حضرت مولانا حافظ پیر ذوالفقار احمد شیبزی

پروف ریڈنگ و تخریج ..... شعبہ دارالتصنیف معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

کمپوزنگ ..... شعبہ دارالتصنیف معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

اشاعت اول ..... جولائی 2019ء

تعداد ..... 1100



مکتبۃ الفقیر



ناشر

معہد الفقیر پرنٹنگ پریس، پرانا بابائی پاس بالمقابل حافظ رائس مل، جھنگ

پتہ: چک نمبر 390 گ ب بڑا، سمندری، فیصل آباد

Phone: +92-41-3426390, 0300-9652292, 03228669680

E-Mail : AlfaqeerFsd@yahoo.com

www.Tasawwuf.co, www.eMahad.com

mixlr.com/tasawwuf mixlr.com/emahad

twitter.com/eMahadOfficial www.facebook.com/eMahadOfficial/

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ





# فہرست مضامین

37

عرض ناشر

پانچواں رکوع (آیات 32 تا 44)

39



40

رکوع کا خلاصہ

41

ربط

41

قصہ برائے بے شہائی دنیا و انجام شرک

41

دوبندوں کی کہانی قرآن کی زبانی



42	فوائد السلوک	◆
43	افتتاح قصہ	◆
43	قرآن میں ”جنت“ کا 7 طرح استعمال	◆
44	دونوں باغوں کی منظر کشی	◆
45	کھجور کی فضیلت	◆
46	قابل غور بات	◆
47	موسم کی مثال کھجور کے درخت جیسی	◆
49	دونوں باغوں کی جامعیت کا بیان	◆
49	پانی کی فراوانی کا بیان	◆
50	باغ کے پھل کا بیان	◆
50	قرآن میں لفظ ”ثمرات“ کا 4 طرح استعمال	◆
51	باغوں والے مشرک کی اپنے ساتھی سے گفتگو	◆
51	پہلا مرض..... مال و دولت پر فخر	◆
52	”نفر“ کے متعلق تین اقوال	◆
52	ایک عبرت ناک واقعہ	◆
53	اپنی اوقات کا خیال رکھیے	◆
56	مال، حسن بصری <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کی نظر میں	◆
56	تکبر میری چادر ہے	◆
57	مال و دولت اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کی دلیل نہیں	◆
59	دوسرا مرض..... شرک	◆
59	نفس کی حقیقت	◆
59	نفس کی تین قسمیں	◆
60	تیسرا مرض..... خوش فہمی	◆



61	چوتھا مرض..... انکارِ قیامت
61	اللہ کے بارے میں حسنِ ظن رکھو
62	قرآن میں لفظ ”ظن“ کا 4 طرح استعمال
62	یقین کے 10 مقامات
63	شک و تہمت کے مقامات
64	قیامتِ صغریٰ اور کبریٰ
65	قیامت قریب ہو رہی ہے
66	قیامت کا انکار کفر ہے
68	پانچواں مرض..... جھوٹا دعویٰ
69	نگاہِ نبوت میں عقلمند اور بیوقوف کون؟
69	حکمت بھرے اقوال
70	اہلِ خیر کی دس علامات
71	مومن دوست کا خیر خواہانہ جواب
71	شکرِ الہی کے ترک پر زجر
72	قرآن میں لفظ ”تراب“ کا 3 طرح استعمال
72	خلقتِ انسانی از روئے قرآن
73	انسانی پیدائش کے مراتب
77	فوائد السلوک
77	مومن دوست کا پہلا اعلان..... اعلانِ توحید
78	ایک ننھا شہید
80	مومن دوست کا دوسرا اعلان..... بیزاریِ شرک
81	شرک کی اقسام
81	نورِ توحید اور آتشِ شرک



82	شرک کے تین قرآنی اسباب	◆
85	اللہ تعالیٰ شرک سے پاک ہے	◆
88	شرک کی سزا	◆
90	شرک کی مختلف صورتیں	◆
93	طلبہ کے لیے علمی نکتہ	◆
94	انعاماتِ الہیہ کی نسبت اللہ کی طرف کرنے کی تلقین	◆
95	امام مالک رحمہ اللہ کے مکان کی تختی	◆
95	”ماشاء اللہ“ کہنے سے حاجات پوری ہوتی ہیں	◆
96	جنت کا دروازہ	◆
97	آفات سے حفاظت	◆
97	فوائد السلوک	◆
98	ایمان کے ثمرہ کا بیان	◆
98	پہلا متوقع عذاب	◆
98	قرآن مجید میں ”حسان“ کا 2 طرح استعمال	◆
99	قرآن مجید میں ”اسماء“ کا 6 معانی میں استعمال	◆
100	بستی میں داخل ہونے کی دعا	◆
100	دوسرا متوقع عذاب	◆
101	باغ کی تباہی کا بیان	◆
102	مشرک کا اظہارِ افسوس	◆
102	باغ کی تباہی کی منظر کشی	◆
103	اپنے شرک پر ندامت	◆
104	باغوں والے کی بے یار و مددگاری کا بیان	◆
104	باغوں والے کی بے بسی کا بیان	◆



105	اللہ کے اختیاراتِ کاملہ کا بیان	◆
105	آخرت میں ثواب، دنیا میں انجام	◆
106	مصیبتیں بخشواتی ہیں	◆
106	اس قصہ سے حاصل ہونے والا سبق	◆
111	مال داروں کی غلط فہمی	◆
112	نعمتوں کی قدر دانی کریں	◆
114	عجب اور تکبر کا نقصان	◆
114	سب نعمتیں اللہ کی طرف سے	◆
115	فکر آخرت کا درس	◆
115	دنیا کی حقیقت	◆
115	مقصد پر نظر	◆
116	سمجھدار انسان کون؟	◆
116	بے مقصد..... بے قیمت	◆
116	بلب کی مثال	◆
117	گلاب کے پودے کی مثال	◆
118	گائے کی مثال	◆
119	بے قیمت چیز کی حیثیت	◆
119	روڈ ایکسیڈنٹ کی مثال	◆
120	مسلمانوں کو مار کیوں پڑ رہی ہے؟	◆
120	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اللہ کی مدد	◆
121	ضرورت اور مقصد کا فرق	◆
121	ہمارا بہت بڑا المیہ	◆
122	ایک کلرک کا واقعہ	◆



123	روٹی، کپڑا اور مکان کا نعرہ
123	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مقصد زندگی پر نظر
124	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اپنے مقصد پر نظر
124	جس کا کھائے..... اسی کے گیت گائے!!!
125	بسیار خوری اور طرح طرح کی بیماریاں
126	”سیون کورد میل“
126	رنج و راحت..... زندگی کا حصہ
127	مایوس نہ ہوں
128	دنیا کی زندگی کی مثال
128	ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مقصد زندگی پر نظر
129	نبی علیہ السلام اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما میں نسبت اتحادی
130	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول
131	روٹی..... اس قدر اہم کیوں؟
131	کھجور کی غذائیت
131	رہنے دوا بھی ساغر و مینا مرے آگے
132	کھانے کی نبوی ترتیب
132	ایک دیہاتی کی سیدھی سادی ترتیب
133	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مقصد زندگی پر نظر
136	شاہانہ زندگی
137	کل اور آج کے فقیر میں فرق
138	امت پر اللہ کی بے شمار نعمتیں
138	حلال و حرام کا خیال
139	دوستی کا حیران کن معیار



- 139 ایک خوش کن خبر کا پُر مسرت اظہار
- 140 نماز نہ پڑھنے کے طرح طرح کے بہانے
- 140 ترجیحات کا تعین
- 141 ایک صحابی کا نصیحت آموز واقعہ
- 146 پکا عہد

## چھٹارکوع (آیات 45 تا 49)

147

- 148 رکوع کا خلاصہ
- 149 فانی دنیا کی زندگی کی مثال
- 150 فوائد السلوک
- 150 دنیاوی زندگی کی مثال بارش کی مانند
- 151 دنیا میٹھی ہے، ہری بھری ہے
- 151 یہ دنیا دار فانی ہے
- 152 قدرتِ خداوندی کا بیان
- 154 حیاتِ دنیا کی رونق کا بیان
- 155 ”مال“ کو ”مال“ کہنے کی وجہ
- 155 فوائد السلوک
- 156 ”بنات“ کو زینت کیوں نہیں کہا؟
- 159 بے پردگی کا انجام
- 159 اعمالِ صالحہ کا دربارِ الہی میں مرتبہ
- 160 ”باقیاتِ صالحات“ کی مراد
- 160 اعمالِ صالحہ کا انعام



	”باقیات صالحات“ حدیث کی روشنی میں	◆
161	فوائد السلوک	◆
164	فانی چیز کی فنایت پر کیا غم؟	◆
164	احوال قیامت کا بیان	◆
164	قیامت کے دن پہاڑوں کا حال	◆
165	قرآن میں پہاڑوں کے تذکرے سے 19 مقاصد	◆
166	پہاڑوں کے پانچ قرآنی احوال	◆
170	فوائد السلوک	◆
170	قیامت کے دن زمین کا حال	◆
171	قیامت کے دن لوگوں کا حال	◆
172	حشر کی کہانی، قرآن کی زبانی	◆
173	قرآن میں لفظ ”حشر“ کا 2 طرح استعمال	◆
174	”حشر“ کے استعمال کے قرآنی مقامات	◆
175	دربارِ الہی میں پیشی کا بیان	◆
176	اللہ تعالیٰ کی پکار	◆
177	منکرین قیامت سے پہلا خطاب	◆
177	برہنہ بدن، برہنہ پا پیشی	◆
180	قرآن میں لفظ ”المخلق“ کا 8 طرح استعمال	◆
181	منکرین قیامت سے دوسرا خطاب	◆
181	طلبہ کے لیے علمی نکتہ	◆
182	نامہ اعمال کی پیشی کا بیان	◆
183	اعمال ناموں کو اڑانے والی ہوا	◆
183	قرآن اور نامہ اعمال	◆



- 185 قیامت میں مجرمین کے خوف کا منظر
- 186 قرآن میں لفظ ”مجرم“ اور اس سے متعلقہ الفاظ کا استعمال
- 186 آیات کو جھٹلانے والے مجرم جنت سے محروم
- 187 مجرم کی سزا
- 189 مجرموں کے عمل خاک کی طرح اڑیں گے
- 189 مجرموں کی ناامیدی
- 190 مجرموں سے خطاب خداوندی
- 190 مجرمین کی حسرت و حیرت کا بیان
- 191 قرآن میں لفظ ”ویل“ کا 12 قسم کے لوگوں کیلئے استعمال
- 192 قرآن میں بیان کردہ مختلف گناہ
- 195 گناہ کبیرہ کی تعریف
- 196 قرآن میں لفظ ”کبیر“ اور اس سے متعلقہ الفاظ کا استعمال
- 198 چھوٹے سے چھوٹا گناہ بھی نہ کرو
- 200 حاضری اعمال کا بیان
- 200 اُمت محمدیہ کا مفلس کون؟
- 201 بدی کی جزا بقدر اعمال
- 203 فوائد السلوک
- 204 اہل کشف کو اعمال کی صورتیں نظر آ جاتی ہیں
- 205 حشر میں ظلم نہ ہونے کا بیان

ساتواں رکوع (آیات 50 تا 53)





	رہب	◆
210	قصہ آدم و ابلیس	◆
211	قصہ آدم و ابلیس کے تکرار کی حکمت	◆
212	قرآن مجید میں لفظ ”قول“ کا 7 طرح استعمال	◆
212	ماسورین سجدہ کا بیان	◆
213	70 ہزار فرشتوں کا روزانہ طواف	◆
215	فرشتوں کی ڈیوٹیاں	◆
215	کافروں کو جہنم میں داخل کرنا	◆
215	ایمان والوں کو ثابت قدم رکھنا	◆
216	ارواح قبض کرنا	◆
216	دوزخ پر نگرانی	◆
217	انسان کی حفاظت	◆
218	عرش کا اٹھائے رکھنا	◆
218	اہل جنت کی خاطر مدارت کرنا	◆
218	اعمال لکھنا	◆
219	وحی لانا	◆
220	مومنین کی امداد	◆
220	فرشتوں کا کھانا پینا	◆
221	فرشتوں کا کلام اور ان کی شکلیں	◆
221	حکم خداوندی کا بیان	◆
222	سجدہ شیطانی چال کے لیے ڈھال	◆
222	نماز میں دو سجدوں کا فلسفہ	◆
222	لفظ ”سجدہ“ کی تحقیق	◆

# سورۃ کہف کے فوائد (جلد دوم)



- 223 قرآن میں لفظ ”سجدہ“ کا 8 طرح استعمال
- 224 مسجود کا بیان
- 224 آدم علیہ السلام کے پانچ نام
- 224 ”آدم“ کہنے کی وجہ
- 225 جنت سے خارجہ
- 226 حضرت آدم و موسیٰ علیہ السلام کا مکالمہ
- 227 آدم علیہ السلام کا مادہ تخلیق
- 228 آگ پر مٹی کی فضیلت اور اس کی پانچ وجوہات
- 229 قرآن کی روشنی میں آدم علیہ السلام کے 12 اعزازات
- 232 آدم علیہ السلام کی عمر، تعداد حج اور تدفین
- 232 فرشتوں کا حکم بجالانے کا بیان
- 233 شیطان کے 70 قرآنی نام
- 238 ابلیس، جن تھا یا فرشتہ؟
- 238 ”ابلیس“ کو ”ابلیس“ کیوں کہتے ہیں؟
- 239 حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ کا فرمان
- 239 حضرت شیخ عبدالکریم جیلی رحمہ اللہ کا فرمان
- 240 شیطان کے آلات گمراہی
- 240 فسق ابلیس کا بیان
- 240 لفظ ”فسق“ کی تحقیق
- 241 فاسق کون؟
- 241 طلبہ کے لیے علمی نکتہ
- 242 شیطانوں کی دوستی سے بچنے کا بیان
- 243 ابلیس کی بیگم صاحبہ!!!



243	اولادِ شیطان کے نام	◆
244	میاں بیوی میں جھگڑا کروانے والا	◆
245	متکبر سے توبہ کی اُمید نہیں	◆
245	فوائد السلوک	◆
245	شیطان دوستی سے بچنے کے سبب کا بیان	◆
246	قرآن میں لفظ ”عدو“ کا 11 طرح استعمال	◆
247	قرآن میں لفظ ”عداوت“ کا 6 طرح استعمال	◆
248	شیطان کے ”یُسّ البَدَل“ ہونے کا بیان	◆
249	شیاطین کی پہلی مذمت	◆
249	شیاطین کی دوسری مذمت	◆
250	تخویفِ اخروی کا بیان	◆
250	کفار کی شرکیہ عادت پر پختگی کا بیان	◆
251	طلبہ کے لیے علمی نکتہ	◆
252	کافر و معبودِ باطل کا تعلق توڑنے کا بیان	◆
252	”مَوْثِقًا“ کی تفسیر	◆
253	مجرمین کو آتشِ دوزخ کا سامنا	◆
253	طلبہ کے لیے علمی نکتہ	◆
254	کفار کو جہنم میں گرنے کے یقین کا بیان	◆
254	آیتِ بالا کی تفسیر بزبانِ نبوت	◆
255	دوزخ سے فرار ناممکن ہونے کا بیان	◆
255	آدم علیہ السلام و ابلیس کے قصہ میں سبق	◆
256	آخرت کی یاد	◆
258	دید کا وعدہ	◆



- 259 جنت ہمارا وطن اصلی
- 260 جنت ملکیت نہیں، میراث ہوگی
- 261 بادشاہوں سے بھی زیادہ سہولیات
- 262 Migration خانہ بدوشی ہے

## آٹھواں رکوع (آیات 54 تا 59)

263

- 264 رکوع کا خلاصہ
- 265 ربط آیات
- 266 نصیحت الہی کا بیان
- 266 محل نصیحت کا بیان
- 267 قرآن مجید کے نام
- 269 قرآن مجید کے اوصاف
- 270 شیخ سہل بن عبد اللہ تیسری رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان
- 270 قرآن مجید کے تین نور
- 270 قراء کی تین قسمیں
- 271 قرآن مجید کس چیز کے لیے شفا ہے؟
- 271 حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان
- 272 حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان
- 272 منصوص لہم کا بیان
- 273 جامعیت قرآن کا بیان
- 273 حکوۃ معاندین کا بیان
- 274 "انسان" کو "انسان" کیوں کہتے ہیں؟



275	قرآن میں لفظ ”انسان“ کے 20 مصداق	◆
278	لفظ ”جدال“ کی تحقیق	◆
278	قرآن میں لفظ ”جدال“ کا 13 طرح استعمال	◆
280	کفار کے لیے دوزجر	◆
280	پہلا زجر	◆
280	ہدایت کے متعلق صوفیاء کے ارشادات	◆
281	ہدایت کی اقسام	◆
281	انواع ہدایت	◆
282	فوائد السلوک	◆
282	دوسرا زجر	◆
283	پوری انسانیت مغفرت کی خواہاں	◆
286	قرآن میں لفظ ”استغفار“ کا 3 طرح استعمال	◆
287	استغفار کی فضیلت	◆
287	کفار کی غفلت کا پہلا نتیجہ	◆
288	سنت الہی اور سنت نبوی	◆
288	قرآن مجید میں لفظ ”اول“ کے 9 مصداق	◆
289	غفلت کا دوسرا نتیجہ	◆
290	انبیاء علیہم السلام کا فرض منصبی	◆
290	قرآن میں لفظ ”ارسال“ کا 6 طرح استعمال	◆
291	رسول کی تعریف	◆
292	قرآن میں لفظ ”رسول“ کا 8 طرح استعمال	◆
293	قرآن میں لفظ ”مبشر“ کا 3 طرح استعمال	◆
293	مجادلہ کفار کا بیان	◆



294	نوعیتِ مجادلہ کا بیان	◆
294	قرآن میں لفظ ”باطل“ کا 5 طرح استعمال	◆
295	غرضِ مجادلہ کا بیان	◆
295	کفار کا وحی کو مذاق بنانے کا بیان	◆
297	سب سے بڑے ظالم کا بیان	◆
297	آیاتِ الہی سے اعراض کا بیان	◆
297	کفار کی غفلت کا بیان	◆
298	فوائد السلوک	◆
298	اعراض و نسیان کے سبب کا بیان	◆
298	”قلب“، صوفیاء کرام کی اصطلاح میں	◆
299	قلوب کی اقسام	◆
299	قلوب کی مشابہت	◆
300	دل برتن کی مانند ہے	◆
300	دل کی چار صفات	◆
301	دل کو زندہ کرنے کا طریقہ	◆
301	دل کی آنکھیں	◆
301	بیمار دل کا علاج	◆
302	دل کی دوا..... پانچ چیزیں	◆
302	دل کے بگاڑ کے چھ اسباب	◆
303	دل کی سختی کے اسباب	◆
303	قلب کے پاک ہونے کی علامت	◆
303	دلوں کے جاسوس	◆
303	عارفین کے قلوب، باغات کی مانند	◆



304	دلوں کا دھنس جانا	◆
304	دل کو بیدار رکھو	◆
304	اپنے دل کو مسجد بنا لو	◆
305	کفار کا دین سمجھی سے محرومی کا بیان	◆
305	”فقہ“ کا لغوی معنی	◆
305	”فقہ“ کا اصطلاحی معنی	◆
306	اصل فقہ کون؟	◆
306	فقہ کے چار حروف	◆
307	فقہ، شیطان پر بھاری	◆
307	فقہ فی الدین؛ بہت بڑی دولت	◆
307	فقہ و تصوف؛ یک جان دو قلب	◆
307	فوائد السلوک	◆
308	ازلی بد بختوں کی بد بختی کا بیان	◆
308	تاخیر عذاب کے سبب کا بیان	◆
309	رحمت الہی کے 100 حصے	◆
309	رحمت کی انتہاء	◆
310	علم خداوندی کا بیان	◆
311	لفظ ”کسب“ کا قرآنی استعمال	◆
311	لفظ ”عجل“ کی تحقیق	◆
312	فوائد السلوک	◆
312	عذاب کا وقت مقرر ہے	◆
313	ظالم بستیوں کی ہلاکت کا بیان	◆
313	لفظ ”قریہ“ کی تحقیق	◆



314

قرآن میں لفظ ”قریۃ“ کے 7 مصداق

315

قرآن میں لفظ ”ہلاک“ کا 4 طرح استعمال

315

وعدہ ہلاکت کا بیان

316

مسلمانوں کی حالت زار

## نواں رکوع (آیات 60 تا 70)

317



318

رکوع کا خلاصہ

318

ربط آیات:

319

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ:

320

علم کی شاخیں:

322

تشریحی اور تکوینی علوم:

325

واقعہ موسیٰ و خضر علیہ السلام کے 8 مناظر

325

پہلا منظر..... رفیق سفر کی آگاہی کا بیان

327

پنجمیرانہ قوت ارادی کی پہلی شق

327

مجمع البحرین

328

پنجمیرانہ قوت ارادی کی دوسری شق

329

علمی سفر

331

دوسرا منظر..... حضرت یوشع کا مچھلی کو بھول جانا

332

تلی ہوئی مچھلی زندہ کیسے ہوگئی؟

334

طلبہ کے لیے علمی نکتہ

335

مچھلی کا زندہ ہونا

336

تیسرا منظر..... کھانا طلبی کا بیان



337

بلا مقصد سفر میں تھکاوٹ کا بیان



338

”سفر“ کو ”سفر“ کیوں کہتے ہیں؟



339

سفر کی دو قسمیں



339

زادِ مسافر



339

آخرت کا مسافر



340

فوائد السلوک



342

حضرت یوشع علیہ السلام کا دیدار قصور



343

شیطان کی وسوسہ اندازی



344

لفظ ”شیطان“ کی تحقیق



345

شیطان کے خلاف تین مددگار



345

سمکِ موسیٰ کے عجوبہ ہونے کا بیان



346

موسیٰ علیہ السلام کا منزل پانے کا بیان



347

طلبہ کے لیے علمی نکتہ



349

چوتھا منظر..... حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات



350

حضرت خضر علیہ السلام کی شخصیت



351

خضر علیہ السلام بھی اولادِ آدم میں سے ہیں



352

کنگھی کرنے والی عورت اور اس کے بیٹے کی خوشبو



355

طلبہ کے لیے علمی نکتہ



355

حضرت خضر علیہ السلام کے علم لدنی کا بیان



356

کیا حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے؟



356

اللہ تعالیٰ کے علم سے موازنہ



358

علم لدنی



359

علم نافع







359	علم کے تین قرآنی نام	◆
360	مراتب علم	◆
360	علم کے تدریجی مراحل	◆
361	لذتِ علم	◆
361	علمِ نافع کی اقسام	◆
362	امام صاحب رحمہ اللہ کا فرمان	◆
362	جامع علم	◆
362	علم کی زکوٰۃ	◆
363	علم کی زینت	◆
363	حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان	◆
364	حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان	◆
364	حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کا فرمان	◆
364	حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان	◆
365	امام شافعی رحمہ اللہ کا فرمان	◆
365	شیخ سہل بن عبد اللہ تستری رحمہ اللہ کا فرمان	◆
365	شیخ ابوالاسود رحمہ اللہ کا فرمان	◆
365	شیخ فتح موصلی رحمہ اللہ کا فرمان	◆
366	امام غزالی رحمہ اللہ کا فرمان	◆
366	علم لدنی کسے کہتے ہیں؟	◆
367	عالم کون ہوتا ہے؟	◆
369	شیخ اکبر ابن عربی رحمہ اللہ کا فرمان	◆
369	علماء و فقہاء کے درجات	◆
370	عالم کی موت	◆



370	علماء آخرت کی علامات	◆
371	عالم ظاہری اور عارف ربانی میں فرق	◆
372	صوفیاء کرام کی وصیتیں	◆
373	عالم باللہ کون ہوتا ہے؟	◆
373	عالم ربانی کسے کہتے ہیں؟	◆
374	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مطالبہ استفادہ	◆
374	اتباع کی تعریف	◆
375	اتباع کی اقسام مع ثمرات	◆
377	سچی پیروی کی برکت	◆
377	ملنے والوں سے راہ پیدا کر	◆
384	طلبہ کے لیے علمی نکتہ	◆
385	حضرت خضر علیہ السلام کی پہلی پیشگی معذرت	◆
385	حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کی تحقیق انیق	◆
388	حضرت خضر علیہ السلام کی دوسری پیشگی معذرت	◆
389	اصلاح عام اور ذاتی اصلاح کی تعلیمات	◆
391	حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وعدے کا بیان	◆
392	معصیت کیا ہے؟	◆
394	شرط استفادہ کا بیان	◆
395	مفتی محمد حسن رحمہ اللہ کی بیعت کا واقعہ	◆

## دسواں رکوع (آیات 71 تا 82)

399



400

رکوع کا خلاصہ



401	پانچواں منظر..... حضرت خضر علیہ السلام کا کشتی کو پھاڑنا	◆
403	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پہلا اعتراض	◆
407	ٹینگی معذرت کی پہلی یاد دہانی	◆
408	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پہلی معذرت	◆
408	عجیب و غریب ہرن	◆
410	چھٹا منظر..... لڑکے کا قتل	◆
411	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دوسرا اعتراض	◆
411	تزکیہ نفس کا طریقہ	◆
411	تزکیہ کی نسبت	◆
412	تزکیہ نفس کی دو صورتیں	◆
413	تزکیہ نفس، تصفیہ قلب	◆
414	طلبہ کے لیے علمی نکتہ	◆
414	ٹینگی معذرت کی دوسری یاد دہانی	◆
415	طلبہ کے لیے علمی نکتہ	◆
416	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دوسری معذرت	◆
416	حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ کی رحمت ہو	◆
417	”عذر“ کی تعریف و اقسام	◆
418	ساتواں منظر..... ایک بستی میں زلزلہ	◆
419	بستی اور بستی والے	◆
419	حجاج بن یوسف کی غیرت ایمانی	◆
422	آٹھواں منظر..... ٹیڑھی دیوار کی مرمت کا واقعہ	◆
422	دیوار کی مرمت کا طریقہ کار	◆
423	طلبہ کے لیے علمی نکتہ	◆



424	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تیسرا اعتراض	◆
425	وقتِ جدائی	◆
426	قرآن میں لفظ ”فراق“ کا 8 مقامات پر استعمال	◆
428	گزشتہ واقعات کی حقیقت کشائی کا بیان	◆
428	حضرت خضر علیہ السلام کی نصیحتیں	◆
429	سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات	◆
431	خضر علیہ السلام کی سخاوت کا واقعہ	◆
435	حضرت خضر علیہ السلام کا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر	◆
437	حضرت خضر والیاس علیہ السلام کے معمولات	◆
439	پہلے واقعہ کی حکمت کا بیان	◆
439	مسکین کی تعریف	◆
440	اسلام اور جدید عصری تقاضے	◆
440	مدارس دین کے قلعے ہیں	◆
442	طلبہ کے لیے علمی نکتہ	◆
443	دوسرے واقعہ کی حکمت کا بیان	◆
445	کچھ طغیان کے بارے میں	◆
446	قرآن میں لفظ ”طغیان“ کا 3 طرح استعمال	◆
446	بچے کا نعم البدل	◆
448	تیسرے واقعہ کی حکمت کا بیان	◆
449	لڑکوں کے نام	◆
449	دیوار کے نیچے دبے خزانے کا بیان	◆
451	یتیم کسے کہتے ہیں؟	◆
451	والدین کی نیکی کا بیان	◆



- 452 نیکی اور بدی کے اثرات
- 455 بارگاہِ الہی کی رعایتِ ادب کی ایک مثال
- 456 حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے فہمِ قرآن کا کمال
- 459 موسیٰ علیہ السلام کا تعجب بھی عجیب تھا
- 463 موسیٰ علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام کے احوال میں مشابہت
- 467 تفسیری نکات
- 469 سرپرستِ دینے کا بُرا انجام
- 476 باپ کی تحملِ مزاجی بھی دیکھیے!
- 480 دیواری اُجرت نہ لینے کا عذر
- 481 طلبہ کے لیے علمی نکتہ
- 483 حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے تنبیہ لطیف کا بیان
- 484 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال پر حضرت خضر علیہ السلام کا آنا
- 484 حضرت خضر علیہ السلام دجال کا مقابلہ کریں گے
- 485 حیات و موتِ خضر کا مسئلہ عقیدہ نہیں ہے
- 486 حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے قصہ میں سبق
- 486 علم کی انتہاء تک پہنچانا ممکن
- 487 مفت سے مفتی!!
- 488 جینٹیک انجینئرنگ کے کرشمے

گیارہواں رکوع (آیات 83 تا 101)



493	تین واقعات تین اصول	◆
494	سکندر ذوالقرنین کا واقعہ	◆
495	سوال مشرکین کا بیان	◆
495	لفظ ”قرنین“ کی مختلف تفسیریں	◆
496	ذوالقرنین کی نبوت اور ولایت میں اختلاف	◆
497	ذوالقرنین کے چار فضائل	◆
497	ذوالقرنین کی فقیری	◆
498	عجیب و غریب لوگ	◆
499	تمہید قصہ	◆
500	ذوالقرنین کی حکمرانی کا بیان	◆
501	فوائد السلوک	◆
501	ذوالقرنین کی مادی طاقت	◆
501	فوائد السلوک	◆
502	اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا موازنہ	◆
502	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا اثر	◆
503	سکندر ذوالقرنین کے تین اسفار کا ذکر	◆
503	پہلا سفر..... مغربی مہم کا آغاز	◆
504	ذوالقرنین مغرب میں منتہائے آبادی پر	◆
504	دنیا کا آخری کنارہ	◆
505	سورج غروب ہونے کا منظر	◆
505	ذوالقرنین کی پہلی ملاقات، کافر قوم سے	◆
506	طلبہ کے لیے علمی نکتہ	◆
507	فسادی قوم سے سلوک میں اختیار	◆





507	حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ
508	طلبہ کے لیے علمی نکتہ
508	ظالم کا انجام دنیوی
509	ظالم کا انجام اخروی
509	مومن صالح کا انعام اخروی
510	فوائد السلوک
510	مومن صالح کا انعام دنیوی
510	دوسرا سفر..... مشرقی مہم کا آغاز
512	ذوالقرنین مشرق میں منتہائے آبادی پر
512	ذوالقرنین کی دوسری ملاقات، وحشی قوم سے
513	قوم کے طرز زندگی کا بیان
514	ذوالقرنین کی وسعت سلطنت کا بیان
514	تیسرا سفر..... غالباً شمالی مہم کا ذکر
515	ذوالقرنین کی تیسری ملاقات، یاجوج ماجوج کی ستائی ہوئی قوم سے
515	ترجمان کی ضرورت
517	یاجوج ماجوج کی ستائی ہوئی قوم کی درخواست
517	”یاجوج ماجوج“ کو ”یاجوج ماجوج“ کیوں کہتے ہیں؟
517	فساد کسے کہتے ہیں؟
517	اہل فساد کی اقسام
518	دل، نیت اور روح کا فساد
518	دیوار بنانے کی فرمائش
519	مالی تعاون سے استغنائے سکندری
519	جانی تعاون کا مطالبہ



520	وعدہ سکندری کا بیان
521	آلاتی تعاون کا مطالبہ
521	تعمیر کا پہلا مرحلہ
522	سد سکندری کہاں واقع ہے؟
523	تعمیر کا دوسرا مرحلہ
524	پائیداری تعمیر کی گارنٹی کا بیان
525	شکر سکندری کا بیان
525	عقیدہ آخرت پر یقین سکندری
526	ایک صحابی کا سد سکندری دیکھنا
526	وعدہ خداوندی پر یقین سکندری
526	علامہ شبیر احمد عثمانی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کی تحقیق
529	سکندر ذوالقرنین کے قصہ میں سبق
529	①... اللہ کی رضا کا حصول
530	نیک لوگوں کا شیوہ
530	خدمت خلق کا جذبہ بیدار کریں
531	②... اللہ کی زمین پر اللہ کا حکم لاگو کرنا
532	مختلف نظامہائے زندگی
532	نفاذ شریعت..... ہمارا درود
533	کلمے کی بنیاد یہ حاصل کیا جانے والا ملک
534	احسان کا بدلہ احسان
534	توہین رسالت پر سراپا احتجاج
535	دل کی آواز
535	لشکر غزا اور لشکر دعا



## سورۃ کہف کے فوائد (جلد دوم)



- 536 ..... فتنہ دجال سے بچاؤ کیسے؟ ◆
- 537 ..... مبادی قیامت ◆
- 537 ..... دجال کا حلیہ، ظہور اور جائے خروج ◆
- 537 ..... زمانہ دجال کی طوالت ◆
- 538 ..... دجال کی شعبہ بازیوں ◆
- 538 ..... دجال کے مقبوعین ◆
- 538 ..... عورتوں کو زیادہ متاثر کرے گا ◆
- 539 ..... ایمان کا امتحان ◆
- 539 ..... تینوں حرم دجال سے محفوظ ◆
- 540 ..... ایک حق پرست آدمی کی استقامت ◆
- 540 ..... نزول عیسیٰ علیہ السلام ◆
- 541 ..... دجال کا خاتمہ ◆
- 541 ..... یاجوج ماجوج اور ان کا فتنہ ◆
- 543 ..... یاجوج ماجوج کا محل و مقام ◆
- 543 ..... یاجوج ماجوج کی قومیت ◆
- 544 ..... چائنہ کی کہانی..... ایک دوست کی زبانی ◆
- 545 ..... کوہ طور پر محصور ہونا ◆
- 545 ..... یاجوج ماجوج کی فتوحات ◆
- 545 ..... یاجوج ماجوج کی موت ◆
- 546 ..... یاجوج ماجوج کی لاشوں سے زمین کی پاکی ◆
- 546 ..... قحط کا خاتمہ اور برکات کا ظہور ◆
- 547 ..... ایسی برکات آج کل کیوں نہیں؟ ◆
- 547 ..... برکات کا اختتام ◆



547	سب مومنوں کی وفات	◆
548	بے شرمی کی انتہاء	◆
548	قیامت کن لوگوں پر آئے گی؟	◆
548	تخفیفِ اخروی..... صور میں پھونک مارنے کا بیان	◆
549	بیانِ حشر	◆
549	کفار کا جہنم کو دیکھنے کا منظر	◆
550	علاماتِ کفار کا بیان	◆
550	پہلی علامت	◆
551	فوائد السلوک	◆
551	دوسری علامت	◆
551	فوائد السلوک	◆
552	مشرکین کی بدبختی	◆

## بارہواں رکوع (آیات 102 تا 110)

553



554	رکوع کا خلاصہ	◆
555	موجودہ اور سابقہ دور میں مماثلت	◆
556	رحمتِ الہی کا ذکر	◆
557	منکرین کی خام خیالی کا بیان	◆
558	کافروں کی مہمانی کا بیان	◆
558	سب سے زیادہ خسارے والوں کا بیان	◆
559	فوائد السلوک	◆



560	سب سے زیادہ گھائے والوں کی دو علامات
560	پہلی علامت
561	حالاتِ حاضرہ
562	فوائد السلوک
562	دوسری علامت
563	طلبہ کے لیے علمی نکتہ
564	ضیاعِ اعمال کے دو اسباب
564	پہلا سبب..... آیاتِ الہی سے انکار
565	دوسرا سبب..... لقاءِ الہی سے انکار
565	کفر کے دو نتیجے
565	پہلا نتیجہ
565	حبطِ عمل کی تین صورتیں
566	دوسرا نتیجہ
567	دنیا کا وزنی، آخرت کا بے وزن
567	طلبہ کے لیے علمی نکتہ
568	کفر کی سزا کا بیان
568	سزا کا پہلا سبب
569	سزا کا دوسرا سبب
569	ایمان و عمل صالح کا بیان
570	تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے
572	ایمان و عمل صالح کا انعام
573	فردوس کی تحقیق
573	جنت الفردوس کی پیدائش



574	مبلغین کا مقام	◆
574	جنت الفردوس میں دوام رہائش کا بیان	◆
575	عظمتِ الہی کا بیان	◆
576	شانِ نزول	◆
577	فوائد السلوک	◆
578	بشریت خاتم الانبیاء ﷺ کا اثبات	◆
578	حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ کی تحقیق انیق	◆
579	شرکیہ عقیدہ کی تردید	◆
580	قرآن مجید میں لفظ ”بشر“ کے 13 مصداق	◆
582	رسالت خاتم الانبیاء ﷺ کا اثبات	◆
582	لفظ ”وحی“ کے قرآنی استعمالات	◆
583	عقیدہ توحید کا بیان	◆
583	لقائے الہی کا شوق دلانے کا بیان	◆
584	لقائے الہی کے حصول کے لیے دو اصول	◆
584	پہلا اصول..... عمل، صالح ہو	◆
585	دوسرا اصول..... عمل، اخلاص سے بھرپور ہو	◆
585	شانِ نزول	◆
586	ریا کاری شرک ہے	◆
588	ریا کاری کے لیے جہاد کرنے کا وہاں	◆
588	نماز کو ریا کاری سے بچانا	◆
589	فوائد السلوک	◆
590	ارکانِ عبادت	◆
591	سب سے نفع بخش عبادت	◆



591

عبادت کی حقیقت

591

زاهد اور عارف کی عبادت میں فرق

591

عبادت کی مٹھاس

592

ہماری تن آسانی

592

مدارس عربیہ کے طلبہ کے بارے میں ذہن صاف کر لیں

593

اچھا ملک؟

594

سورۃ کہف کے آخر کی تین باتیں

597

سورۃ کہف کا خلاصہ



597

تین دور تین مثالیں

597

پہلی مثال (اصحاب کہف)

597

پہلا دور (دور ظلم و ستم)

598

دوسرا دور (دور ایمان و عافیت)

598

تیسرا دور (دور فتح و نصرت)

599

دوسری مثال (نبی علیہ السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم)

599

پہلا دور (دور ظلم و ستم)

599

دوسرا دور (دور ایمان و عافیت)

599

تیسرا دور (دور فتح و نصرت)

600

تیسری مثال برصغیر (ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش)

600

پہلا دور (دور ظلم و ستم)

601

دوسرا دور (دور ایمان و عافیت)

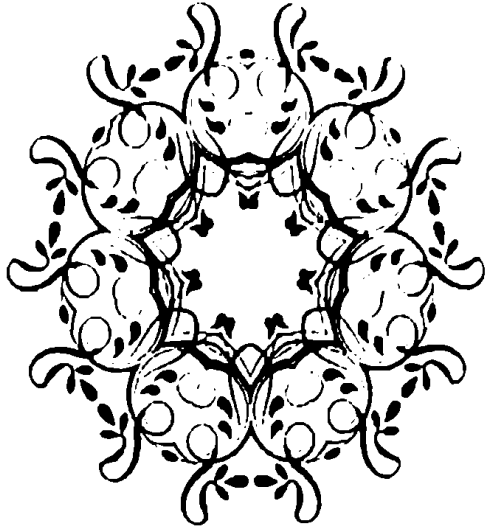


601	پاکستان کی قدر کیجیے	◆
602	آزادی کی قیمت؟	◆
603	پاکستان کا دفاع	◆
604	پاکستان کا مطلب کیا..... لا اِلهَ اِلاَّ اللہ	◆
604	فطری محبت	◆
604	پاکستان سے محبت کی حد؟	◆
605	پاکستان کے وفادار بنیں..... غدار نہیں	◆
605	پاکستان کے جانباز سپاہی	◆
606	اسلام میں جذبہ حب الوطنی کا احترام	◆
610	طلبہ کے لیے علمی نکتہ	◆
613	فقط گفتار نہیں..... کردار بھی	◆
614	ملک پاکستان کی مثال	◆
614	پاکستان کو توڑنے والوں کا انجام بد	◆
616	تیسرا دور (دور فتح و نصرت)	◆
616	غزوہ ہند..... احادیث کی روشنی میں	◆
618	ظہورِ امام مہدی..... احادیث کی روشنی میں	◆
622	سورہ کہف اور حالاتِ حاضرہ	◆
624	پہلا دن (برطانوی سامراج کا دور)	◆
624	دوسرا دن (سپر پاور امریکہ کا دور)	◆
624	تیسرا دن (اسرائیل کا دور)	◆
625	بیت المقدس کی فتح	◆
626	اسرائیل کی تباہی	◆
627	ملک شام کے حالات	◆





- 627 ملک شام کے متعلق بشارتیں
- 633 قربِ قیامت اور بلادِ شام
- 636 مادی دور..... دجالی دور





# عرضِ ناشر



ہم نے جس دور میں آنکھیں کھولی ہیں وہ فتنوں کا دور ہے..... سیاہ فتنوں کا..... فتنہ ایک ایسی دھند کی مانند ہوتا ہے جس کے اُس طرف کوئی چیز نظر نہیں آتی اور اگر دھند سیاہ ہو تو پھر اس کی شدت کا اندازہ خود ہی لگا لیجیے.....!!!

قیامت کی علاماتِ کبریٰ میں سے ”خروجِ دجال“ بھی ہے، دجال کا زمانہ، فتنوں اور آزمائش پر مبنی ہوگا، اس وقت لوگوں کا ایمان خطرے میں پڑ جائے گا۔ نبی رحمت ﷺ نے اپنی اُمت کو فتنہ دجال سے زیادہ کسی اور فتنہ سے نہیں ڈرایا۔ حدیث پاک میں ”سورہ کہف“ کی تلاوت اور اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کو، دجالی فتنوں سے حفاظت کا لائحہ عمل قرار دیا گیا ہے۔

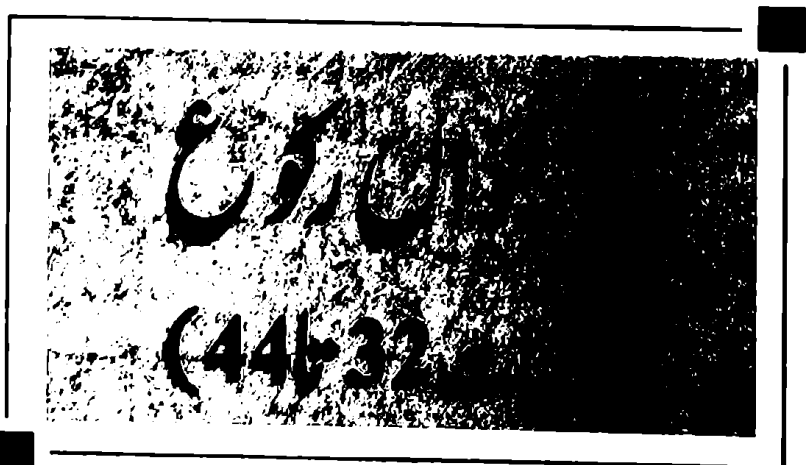
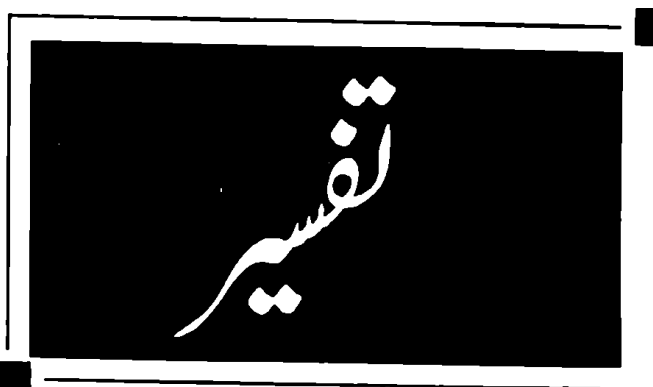
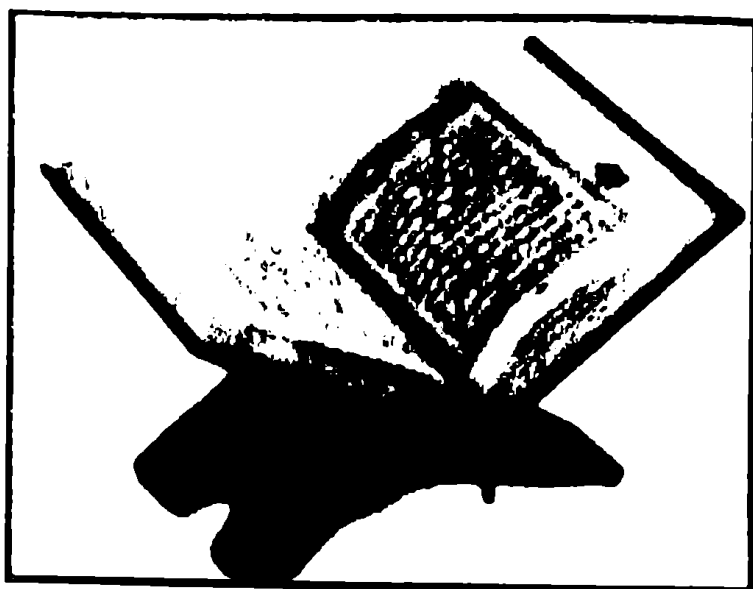
موجودہ حالات میں ایسے ہی فتنوں سے ہمارا واسطہ ہے جس کے ورے حق کا پہچانا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ ایسے پُر فتن دور میں راستہ جاننے والوں کا ہاتھ پکڑ کر چلنے ہی میں عافیت ہے۔ دورِ حاضر میں راستوں کے نشیب و فراز سے واقفیت رکھنی والی ایک شخصیت ہمارے شیخ سیدی و مرشدی حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی

ہے، جنہیں ہمہ وقت اُمت کے ایمان کی فکر دامن گیر رہتی ہے، چنانچہ اکثر و بیشتر حضرت والا اصلاحی مجالس میں اپنے متوسلین و سالکین کو حفاظتِ ایمان کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ عموماً یہ سلسلہ سال کے بارہ مہینوں میں وقتاً فوقتاً چلتا رہتا ہے، تاہم رمضان المبارک 1437ھ کے آخری عشرے میں اعتکاف کے دوران حضرت والا نے موجودہ حالات اور سامعین کے فائدے کے پیش نظر ”سورۃ کہف“ کے تفسیری نکات بالتفصیل بیان فرمائے اور اس کی تعلیمات کی روشنی میں ایمان کی حفاظت کے ذرائع پر روشنی ڈالی، جس کا سامعین کو خاطر خواہ فائدہ ہوا۔ حضرت کے انہی دُروس کو ترتیب دینے کے بعد کتابی صورت میں شائع کیا جا رہا ہے، تاکہ غائبین بھی استفادہ کر سکیں۔

اللہ رب العزت کی مدد و نصرت سے کمپوزنگ، تخریج، ڈیزائننگ اور پرنٹنگ کے مراحل سے گزر کر پائے تکمیل کو پہنچی ہے اور ”مکتبۃ الفقیر“ کی کاوش کے نتیجے میں زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

ہمارے لیے یہ سعادت کی بات ہے کہ ہمیں حضرت والا کی ان نادر باتوں کو قارئین تک پہنچانے کا موقع ملتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو اُمت کے ہر فرد کے لیے ایمان کی حفاظت کا ذریعہ بنائے اور ہم سب کو حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے فیض سے مستفیض فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

الرَّاجِیْ اِلٰی عَفْوِ رَبِّهِ الْكَرِیْمِ  
فقیر سیف اللہ احمد نقشبندی مجددی



## رکوع کا خلاصہ



اس رکوع میں دوزمینداروں کا قصہ بیان کیا گیا ہے:

- ◆ ایک بڑا زمیندار تھا اور دوسرا چھوٹا زمیندار۔
- ◆ بڑا زمیندار مادہ پرست تھا اور چھوٹا خدا پرست تھا۔
- ◆ بڑا زمیندار مشرک تھا، جبکہ چھوٹا موحد تھا۔
- ◆ بڑا زمیندار ناشکرا اور چھوٹا زمیندار شکر گزار بندہ تھا۔
- ◆ بڑا زمیندار متکبر تھا، جبکہ چھوٹا منکسر المزاج تھا۔
- ◆ بڑا زمیندار دنیا پرست تھا، جبکہ چھوٹا آخرت پرست تھا۔
- ◆ بڑا زمیندار قیامت کا انکاری تھا، جبکہ چھوٹا قیامت کا اقراری تھا۔
- ◆ بڑا زمیندار جھوٹی آرزوؤں میں الجھا ہوا تھا، جبکہ چھوٹا زمیندار اللہ سے اُمیدیں وابستہ کیے ہوئے تھا۔
- ◆ چنانچہ جب عذاب آیا تو بڑے زمیندار کا کوئی مددگار نہ تھا، اس کا باغ برباد ہو گیا..... جبکہ چھوٹے زمیندار کا مال و دولت بچ گیا۔

رہ: ۱۱

اس سے پہلے گزر گیا کہ کفار نے دنیا کی ظاہری ٹھاٹھ باٹھ پر گھمنڈ کیا اور مسلمان فقراء کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا تو اب آنے والی آیات مبارکہ میں بیان کیا جا رہا ہے کہ خدا سے غافل کافر مشرک کو سمجھنا چاہیے کہ جن چیزوں کو وہ قابل افتخار سمجھتا ہے، وہ تو آنے جانے والی چیزیں ہیں، چنانچہ کہا جاتا ہے: "الْمَالُ غَاذٌ وَرَاحٌ" (مال، صبح ہوتا ہے تو شام کو نہیں ہوتا اور اگر شام کو ہوتا ہے تو صبح نہیں ہوتا)۔ چنانچہ دنیا کے دھوکے میں آنے والے کو یہ سمجھنا چاہیے کہ ممکن ہے فقیر مالدار ہو جائے اور مالدار فقیر، بلکہ فخر کی چیز تو اللہ تعالیٰ کی بندگی ہے جو کہ فقراء مسلمانوں کو حاصل ہے۔

## قصہ برائے بے ثباتی دنیا و انجام شرک

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَحَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زُرْعًا ﴿٣٢﴾

اور (اے پیغمبر!) ان لوگوں کے سامنے ان دو آدمیوں کی مثال پیش کرو۔ جن میں سے ایک کو ہم نے انگوروں کے دو باغ زے رکھے تھے، اور ان کو کھجور کے درختوں سے گھیرا ہوا تھا، اور ان دونوں باغوں کے درمیان کھیتی لگائی ہوئی تھی۔

دو بندوں کی کہانی قرآن کی زبانی: ۱

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ

### اور بتلا ان کو مثل دو مردوں کی

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آخرت کی زندگی ہمیشہ کی زندگی ہے، وہاں کوئی فنا نہیں ہے۔ یہاں سے دنیا کی فنایت کو دل و دماغ میں بٹھانے کے لیے دو بندوں کی مثال پیش کی جا رہی ہے۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ بنی اسرائیل کے دو بندے (یہود اور قطورس) تھے۔ ایک امیر آدمی تھا اور اس کا باغ تھا اور ایک فقیر آدمی تھا، مگر ایمان والا تھا۔ دونوں بھائی تھے یا آپس میں پڑوسی تھے۔ بہر حال کوئی نہ کوئی آپس میں تعلق تھا۔

بعض مفسرین نے لکھا کہ وہ مکہ مکرمہ کے دو آدمی (حضرت ابوسلمہ مخزومی اور اسود مخزومی) تھے۔ بہر حال بنی اسرائیل کے ہوں یا مکہ مکرمہ کے، واقعہ دو بندوں کا ہے۔ ایک امیر تھا، مشرک تھا اور ایمان سے خالی تھا اور دوسرا فقیر تھا، مگر ایمان والا تھا۔  
[تفصیل کے لیے دیکھیے مظهری تحت ہذہ الآیۃ]

### فوائد السلوک: ﴿١٨﴾

..... اس آیت مبارکہ میں ایسے فقیر کے لیے انتہائی اپنائیت کا انداز ہے جو صرف اللہ کی ذات پہ بھروسہ رکھنے والا ہو اور اس مالدار کے لیے بڑا ڈراوا ہے جس کے انگ انگ میں تکبر رچ بس چکا ہو۔ جیسے حدیث شریف میں آتا ہے: ”إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صَوْرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ، وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ“ [صحیح مسلم، رقم: ۲۵۶۴] (اللہ تعالیٰ تمہاری شکلوں اور تمہارے اموال کو نہیں دیکھتا، بلکہ وہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے)۔



## افتتاحِ قصہ: (۱)

جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ

کر دیے ہم نے ان میں سے ایک کے لیے دو باغ انگور کے  
اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں کہ جس شخص کو ہم نے باغ دیے، اس کے پاس انگوروں  
کے دو باغ تھے۔ ان باغوں کے درمیان کھیتی بھی تھی اور اس کے اطراف میں کھجور کے  
درخت بھی تھے۔

یہاں دو باغ کیوں فرمائے؟ ذرا اس کی حقیقت کو سمجھ لیجیے۔ باغ کے درمیان میں  
پانی کی نہر تھی..... جن لوگوں کے ہاں نہری پانی ہوتا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ جب نہر سے پانی  
لیا جاتا ہے اور اس کا نالہ آگے لے کر جاتے ہیں تو کھیت دو طرف الگ الگ ہو جاتے  
ہیں۔ حالانکہ ان کا مالک ایک ہی ہوتا ہے۔ مگر اس نالے کے ایک طرف کھیت الگ نظر  
آتا ہے اور دوسری طرف الگ نظر آتا ہے..... وہاں بھی معاملہ ایسا ہی تھا۔ وہ مالک بھی  
ایک تھا اور باغ بھی ایک تھا، لیکن درمیان میں پانی کا نالہ گزرنے کی وجہ سے وہ ایک کی  
جگہ دو باغ نظر آتے تھے۔ اس لیے اللہ رب العزت نے فرما دیا کہ ہم نے ایک بندے  
کو دو باغ عطا کیے تھے۔ ان انگور کے دو باغوں کے درمیان جو حصہ تھا اس میں کھیتی  
باڑی ہوتی تھی اور اس کے اطراف میں کھجور کے باغ لگے ہوئے تھے۔

## قرآن میں ”جنت“ کا 7 طرح استعمال: (۱)

قرآن مجید میں ”جنت“ کا لفظ 7 طرح سے استعمال ہوا ہے:

①..... توحید کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاللَّهُ يَدْعُوًا إِلَى الْجَنَّةِ

وَالْمَغْفِرَةِ بِأَذْنِهَا﴾ [البقرة: ۲۲۱]



۲) یمن کا ایک باغ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَا اٰصْحٰبَ

الْخَنْدَقِ [القلم: ۱۷]

۳) بنی اسرائیل کے دو بھائیوں کا باغ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاضْطَرَبَ

لَهُمْ مِّثْلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ﴾ [الكهف: ۳۲]

۴) دنیاوی باغات کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَيَجْعَلُ لَكُمْ

جَنَّتٍ وَيَجْعَلُ لَكُمْ اَنْهٰرًا﴾ [نوح: ۱۲]

۵) اس جنت کے معنی میں جس کا مومنین سے وعدہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد

فرماتے ہیں: ﴿وَسَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ﴾

[آل عمران: ۱۳۳]

۶) ایک مثالی باغ کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اَيُّوْذُ اَحَدُكُمْ اَنْ

تَكُوْنَ لَدٰى جَنَّتَيْنِ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ [البقرة: ۲۶۶]

۷) قومِ سبا کا باغ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿لَقَدْ كَانَ لِسَبَآ فِيْ مَسْكِنِهِمْ

اَيَّٰةٌ جَنَّتَيْنِ عَنْ يَمِيْنٍ وَشِمَالٍ﴾ [سبا: ۱۵]

[بصائر ذوی التعمیر: ۲/۳۵۲۳۵۲ باختصار، وجوہ القرآن، صفحہ ۱۳۳]

دونوں باغوں کی منظر کشی: ((

وَحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زُرْعًا﴾

اور گردان کے کھجوریں اور رکھی دونوں کے بیچ میں کھیتی

یعنی دونوں باغوں کے درمیان واقع ہونے والی زمین بھی بنجر نہ تھی، بلکہ اس میں ایک کھیتی تھی، اس طرح ان باغوں میں پھل بھی تھے اور غلے کی پیداوار بھی تھی اور ترتیب

بھی بڑی پیاری تھی، ایک خوشنما اور دلکش منظر بنا ہوا تھا۔  
کھجور کی فضیلت: (۱)

کھجور بڑی برکت والی چیز ہے، اللہ تعالیٰ نے اس میں بڑی طاقت رکھی ہے، احادیث مبارکہ سے اس کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ ان میں سے دو روایات پیش خدمت ہیں:

..... ﴿اُمُّ الْمُؤْمِنِينَ سَيِّدَةُ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا﴾ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

(( لَا يَجُوعُ أَهْلُ بَيْتِ عِنْدَهُمُ التَّمْرُ )) [صحیح مسلم، رقم: ۲۰۴۶]

”اس گھر کے لوگ بھوکے نہیں رہتے، جس گھر میں کھجور ہو۔“

..... ﴿اُمُّ الْمُؤْمِنِينَ سَيِّدَةُ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا﴾ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

(( يَا عَائِشَةُ! بَيْتٌ لَا تَمْرُ فِيهِ جِيعًا أَهْلُهُ، يَا عَائِشَةُ، بَيْتٌ لَا تَمْرُ فِيهِ جِيعًا أَهْلُهُ أَوْ جَاعَ أَهْلُهُ )) [صحیح مسلم، رقم: ۲۰۴۶]

”اے عائشہ! جس گھر میں کھجور نہ ہو اس گھر کے رہنے والے بھوکے ہیں۔ اے عائشہ! جس گھر میں کھجور نہ ہو اس گھر کے رہنے والے بھوکے ہیں۔“

”اے عائشہ! جس گھر میں کھجور نہ ہو اس گھر کے رہنے والے بھوکے ہیں۔ اے عائشہ! جس گھر میں کھجور نہ ہو اس گھر کے رہنے والے بھوکے ہیں۔“

جس گھر میں کھجور نہ ہو اس گھر کے رہنے والے بھوکے ہیں۔“

آپ ﷺ نے یہ بات دو یا تین مرتبہ دہرائی۔

..... ﴿حَضْرَتُ انس رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ﴾ فرماتے ہیں: ”رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُقْعِيًا يَأْكُلُ تَمْرًا“ [صحیح مسلم، رقم: ۲۰۴۴] (میں نے نبی ﷺ کو اقواء کے طریقہ پر (دونوں پنڈلیاں کھڑی

کر کے سرین زمین پر لگائے ہوئے) کھجوریں کھاتے ہوئے دیکھا ہے)۔

..... ﴿حَضْرَتُ عبد اللہ بن جعفر رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ﴾ فرماتے ہیں: ”رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ الْقِثَاءَ بِالرُّطْبِ“ [ایضاً، رقم: ۲۰۴۳] (میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ

وَسَلَّمَ يَأْكُلُ الْقِثَاءَ بِالرُّطْبِ“ [ایضاً، رقم: ۲۰۴۳] (میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ

آپ ﷺ کھجوروں کے ساتھ کٹری کھا رہے تھے۔

..... حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مَنْ أَكَلَ سَبْعَ تَمْرَاتٍ مِمَّا بَيْنَ لَابَتَيْهَا حِينَ يُصْبِحُ، لَمْ يَضُرَّهُ سُمْ حَتَّى يُمْسِيَ“ [ایضاً، رقم: ۲۰۴۷] (جو آدمی صبح کے وقت مدینہ منورہ کے دونوں پتھر یلے کناروں کے درمیان سات کھجوریں کھائے گا تو شام تک اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔)

..... حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”مَنْ تَصَبَّحَ بِسَبْعِ تَمْرَاتٍ عَجْوَةً، لَمْ يَضُرَّهُ ذَلِكَ الْيَوْمَ سُمْ، وَلَا سِحْرٌ“ [صحیح مسلم، ایضاً] (جو آدمی صبح کے وقت مدینہ منورہ کی سات عدد کھجوریں کھائے گا تو اس آدمی کو اس دن نہ کوئی زہر نقصان پہنچائے گا اور نہ ہی کوئی جادو)۔

..... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”إِنَّ فِي عَجْوَةِ الْعَالِيَةِ شِفَاءً - أَوْ إِنَّهَا تَرِيَّاقٌ - أَوَّلُ الْبُكَرَةِ“ [ایضاً، رقم: ۲۰۴۸] (عجوة عالیہ میں شفا ہے، صبح کے وقت عجوة کھجور کا استعمال کرنا تریاق ہے۔ عالیہ، مدینہ منورہ کے بالائی حصہ کی عجوة کھجور کو کہا جاتا ہے)۔

یہ حدیث بلاشبہ کھجوروں کی اہمیت و فضیلت کو اجاگر کرتی ہے، ساتھ ہی اس حدیث سے یہ جواز بھی نکلتا ہے کہ ہم کھجوروں کو جمع کر کے گھر میں رکھ سکتے ہیں، تاکہ تھوڑا تھوڑا اس میں سے کھاتے رہیں اور گھر کبھی کھجوروں سے خالی نہ ہو۔

قابل غور بات: ۱

یہاں ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس گھر میں کھجور نہیں، اس گھر کے رہنے والے کیا واقعی بھوکے ہیں؟ یعنی ان کی بھوک نہیں مٹی، جبکہ مشاہدے میں یہ بات آتی ہے کہ

لوگ بغیر کھجور کے بھی شکم سیر ہو رہے ہیں؟

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں اہل بیت یا اہلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے یہاں کھجوروں کی پیداوار ہوتی ہے اور ان کی خوارک ہی کھجور ہے، جیسا کہ نبی ﷺ کے زمانے میں نجد و مدینہ والے جن کے یہاں مہینہ گزر جاتا، مگر ان کے پاس سوائے کھجور و پانی کے کچھ بھی نہیں ہوتا تھا، اسی سے ان کا گزر بسر ہوتا۔

آج کل کوئی بھی جگہ ایسی نہیں جہاں صرف کھجور خوراک کے طور پر استعمال ہوتی ہو، نجد اور مدینہ میں بھی نہیں۔ اس بات سے کھجور کی اہمیت کم نہیں ہو جاتی کیونکہ اس حدیث سے اصل کھجوروں کی اہمیت و فضیلت بیان کرنا اور گھروالوں کے لیے غذائی ضروریات کی ذخیرہ اندوزی کے جواز کا اظہار اور اس کی ترغیب دینا مقصود ہے۔ یہ غذا بھی ہے اور شفا بھی۔ اس لیے ہمیں کھجوروں کی طرف التفات کرنا چاہیے۔

آج ہمارے گھروں میں متعدد قسم کی مٹھائیاں، بسکٹ اور نمک پارے موجود ہوتے ہیں جن سے گھر والے بھی وقتاً فوقتاً ناشتہ کرتے رہتے ہیں اور گھر آنے والے مہمانوں کی بھی ضیافت کرتے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ ان سامانوں کی جگہ ہمارے گھر میں کھجور ہوتی۔ سنت پر بھی عمل ہو جاتا اور اس سے نہ صرف جسمانی قوت حاصل ہوتی، بلکہ جسمانی بیماریوں سے شفا بھی ملتی۔

### مومن کی مثال کھجور کے درخت جیسی: ①

..... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ۚ﴾ [ابراہیم: ۲۴] (کیا تم نے نہیں دیکھا

کہ اللہ نے کلمہ طیبہ کی کیسی مثال بیان کی ہے؟ وہ ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑ زمین میں مضبوطی سے جمی ہوئی ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں۔

♦..... سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”أَخْبِرُونِي بِشَجَرَةٍ تُشَبِّهُهُ أَوْ كَالرَّجُلِ الْمُسْلِمِ لَا يَتَحَاتُّ وَرَقُهَا، وَلَا وَلَا وَلَا تَوْتِي أَكْلَهَا كُلَّ حِينٍ“

”مجھے بتاؤ، وہ کون سا درخت ہے جو مسلمان کے مشابہ ہے؟ جس کے پتے نہیں جھڑتے، نہ جاڑوں میں نہ گرمیوں میں، جو اپنا پھل ہر موسم میں لاتا رہتا ہے۔“

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میرے دل میں آیا کہ کہہ دوں، وہ درخت کھجور کا ہے۔ لیکن میں نے دیکھا کہ مجلس میں سیدنا ابوبکر ہیں، سیدنا عمر ہیں اور وہ خاموش ہیں تو میں بھی چپ رہا۔ بالآخر رسول اللہ ﷺ نے خود ہی فرمایا:

”هِيَ النَّخْلَةُ“

”وہ کھجور کا درخت ہے۔“

پھر جب مجلس ختم ہوئی اور سب اٹھے تو میں نے اپنے والد سیدنا عمر سے یہ ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا:

”مَا مَنَعَكَ أَنْ تُكَلِّمَ؟“

”پھر آپ نے بتایا کیوں نہیں؟“

میں نے عرض کیا:

”لَمْ أَرَكُم تَكَلِّمُونَ، فَكِرِهْتُ أَنْ أَتَكَلَّمَ أَوْ أَقُولَ شَيْئًا“

”میں آپ سب کو خاموش دیکھ کر خاموش رہا، بولنا مناسب نہیں سمجھا۔“  
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”لَا أَنْ تَكُونَ قُلَّتَهَا، أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ كَذَا وَكَذَا“ [صحیح بخاری، رقم: ۴۶۹۸]  
”اگر تم یہ جواب دے دیتے تو مجھے زیادہ سے زیادہ مال ملنے پر بھی اتنی خوشی نہ ہوتی  
جتنی تمہارا جواب سن کر ہوتی۔“

﴿كُلَّتَا الْجَنَّتَيْنِ اَتْتَا كُلَّهُمَا وَلَمْ تَظْلِمَا مِنْهُ شَيْئًا ۚ وَفَجَّرْنَا خِلْفَهُمَا نَهْرًا﴾ (۳۳)

دونوں باغ پورا پورا پھل دیتے تھے، اور کوئی باغ پھل دینے میں کوئی کمی نہیں چھوڑتا  
تھا، اور ان دونوں کے درمیان ہم نے ایک نہر جاری کر دی تھی۔

## دونوں باغوں کی جامعیت کا بیان: ﴿۱﴾

﴿كُلَّتَا الْجَنَّتَيْنِ اَتْتَا كُلَّهُمَا وَلَمْ تَظْلِمَا مِنْهُ شَيْئًا﴾

دونوں باغ لاتے ہیں اپنا میوہ اور نہیں گھٹاتے اس میں سے کچھ  
وہ ایسے باغ تھے کہ جو اپنا پھل پورا دیتے، کسی سال بھی کمی نہ کرتے۔ حالانکہ عام  
طور پر باغات کبھی ایک سال اچھا اور پورا پھل دیتے ہیں اور اگلے سال کمزور اور کم پھل  
دیتے ہیں۔

## پانی کی فراوانی کا بیان: ﴿۱﴾

﴿وَفَجَّرْنَا خِلْفَهُمَا نَهْرًا﴾ (۳۳)

اور بہادی ہم نے ان دونوں کے بیچ نہر  
اللہ تعالیٰ نے باغوں کے درمیان ایک نہر کا پانی جاری کر دیا تھا، تاکہ ایک تو منظر

فرحت بخش رہے، دوسرا یہ کہ جب بارش نہ ہو تب بھی باغ وغیرہ خشکی سے خراب نہ ہونے پائے۔

﴿وَكَانَ لَهُ ثَمَرٌ فَقَالَ لِصَاحِبِهِ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ قَلًا وَأَعَزُّ نَفَرًا﴾<sup>(۳۳)</sup>  
اور اس شخص کو خوب دولت حاصل ہوئی تو وہ اپنے ساتھی سے باتیں کرتے ہوئے کہنے لگا کہ میرا مال بھی تم سے زیادہ ہے، اور میرا جتھہ بھی تم سے زیادہ مضبوط ہے۔

### باغ کے پھل کا بیان: (۱)

وَكَانَ لَهُ ثَمَرٌ

اور ملا اس کو پھل

لفظ ”ثمر“ درختوں کے پھل کو بھی کہا جاتا ہے اور مال و زر کو بھی، چنانچہ اس شخص کے پاس درختوں کا پھل بھی خوب تھا اور اس کے علاوہ مال و زر وغیرہ بھی بکثرت تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کے پاس صرف باغات اور کھیت ہی نہیں، بلکہ سونا چاندی اور تمام اسباب عیش دوسرے بھی موجود تھے، خود اس کے الفاظ میں جو قرآن نے نقل کیے اس میں أَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ قَلًا بھی اسی مفہوم کو ادا کرتے ہیں۔

### قرآن میں لفظ ”ثمرات“ کا 4 طرح استعمال: (۱)

قرآن میں ”ثمرات“ کا لفظ 4 طرح سے استعمال ہوا ہے:

①..... مختلف پھلوں کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ﴾ [النحل: ۶۷]

②..... مال و دولت کی کثرت کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَكَانَ لَهُ

ثَمَرٌ ﴿٣٢﴾ [الکہف: ۳۲]

③..... بیٹوں اور پوتوں کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ

بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ﴾ [البقرة: ۱۵۵]

④..... پھول اور کلی کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿ثُمَّ كُلِي مِن كُلِّ

الثَّمَرَاتِ﴾ [النحل: ۶۹]

[بصارِ ذوی التمیز: ۲/۳۳۹]

باغوں والے مشرک کی اپنے ساتھی سے گفتگو: ﴿

فَقَالَ لَصَاحِبِهِ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ

پھر بولا اپنے ساتھی سے جب باتیں کرنے لگا اس سے

تو کافر نے تکبر و تفاخر کے طور پر باتیں کیں، اسے اپنے مال و اسباب پر گھمنڈ تھا،

ساتھ ساتھ مسلمان بھائی کو حقارت آمیز الفاظ سے مخاطب کر رہا تھا۔ جیسے آج کل کے

مسٹر حضرات کا اندازِ گفتگو ہی بدلا ہوتا ہے اور غریب مسلمانوں کو حقیر سمجھتے ہیں، کہتے ہیں

کہ یہ تو پتھر کے زمانے کے لوگ ہیں۔

پہلا مرض..... مال و دولت پر فخر: ﴿

أَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ قَالًا وَأَعَزُّ نَفَرًا ۝۳۳

میرے پاس زیادہ ہے تجھ سے مال اور آبرو کے لوگ

عام طور پر ہم نے دیکھا ہے کہ کسان لوگ جب بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں تو اپنی فصل

کی باتیں کرنا ان کو اچھا لگتا ہے۔ اسی لیے اس نے بھی کہا کہ دیکھو! میرا مال بھی تجھ سے

زیادہ ہے اور میرے پاس کام کرنے والے لوگ بھی تجھ سے زیادہ ہیں۔



## ”نفر“ کے متعلق تین اقوال: (۱)

آیت بالا میں ”نَفَرًا“ سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلے میں مفسرین کرام کے تین اقوال

درج ذیل ہیں:

①..... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد غلام ہیں۔

②..... حضرت مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں بیٹے مراد ہیں۔

③..... حضرت ابوسلیمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے کنبہ اور قوم مراد ہے۔

[زادالمسیر تحت هذه الآية من سورة الكهف]

## ایک عبرت ناک واقعہ: (۱)

ہمارے جھنگ کے علاقے میں ایک بڑے زمیندار کی اتنی لینڈ ہولڈنگ تھی کہ اس کی زمین میں تین ریلوے اسٹیشن بنے ہوئے تھے۔ پہلا ریلوے اسٹیشن بھی اس کی زمین میں، دوسرا اور تیسرا بھی اس کی زمین میں تھا۔ اتنا بڑا وہ زمیندار تھا۔

ایک مرتبہ اپنے دوستوں کے ساتھ شہر کے چوک میں کھڑا آئس کریم کھا رہا تھا، کسی دوست نے کہہ دیا: یار! کاروبار اچھا نہیں، پریشان ہوں، بہت مصروف رہنا پڑتا ہے۔ اس نے جب سنا تو اس کو ذرا نخرہ چڑھا اور کہنے لگا: تم لوگوں کے پلے ہی کیا ہے؟ تم ہر وقت یہی سوچتے ہو کہ آئے گا کہاں سے؟ اور مجھے دیکھو! میں ہر وقت پریشان رہتا ہوں

کہ لگاؤں گا کہاں پہ؟ میری تو آنے والی چالیس نسلوں کو کو بھی کام کرنے کی ضرورت نہیں یہ تکبر کا بول اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آیا، وہ شخص کسی بیماری میں مبتلا ہوا اور 6 مہینے کے اندر اندر اس دنیا سے چلا گیا۔ اس کا ایک ہی بیٹا تھا، جس کی عمر سترہ، اٹھارہ سال تھی، وہ اکیلا اس کی تمام میراث کا وارث بن گیا، اربوں روپے اس کے اکاؤنٹ میں تھے، جوانی بھی

تھی..... ایسے لوگوں کے بُرے دوست بہت جلدی بن جاتے ہیں..... ایک، دو دوستوں نے اس کو عیاشی کی راہ دکھائی، یہ اس کے لیے ایک نیا تجربہ تھا، اس کو یہ کام بڑا اچھا لگا۔ چنانچہ یہ رات کو نئے نئے مہمان بدلنے لگ گیا، کسی کو پچاس ہزار دیا جا رہا ہے، کسی کو ایک لاکھ مل رہا ہے اور ایک سے ایک بہتر ماڈل آ رہا ہے۔

لوگوں نے سمجھایا، مگر یہ جوان تھا، آگ کی عمر تھی، اس نے سنا ہی نہیں، جب اس نے اپنے علاقے میں جی بھر کر بُرائی کر لی تو کسی نے کہا: ذرا بڑے شہر کا مزہ چکھو، اس نے بڑے شہر جانا شروع کر دیا، پھر کسی نے کہا: ذرا باہر کے کلبوں میں جا کر دیکھو۔ تو اس نے بیرون ملک کے نائٹ کلبوں میں جانا شروع کر دیا، شراب شباب کا عادی بن گیا۔

چنانچہ یہ ابھی بائیس، پچیس سال کا تھا کہ بیماریوں کا مجموعہ بن گیا، حتیٰ کہ ایک ایسا وقت آیا کہ نہ مال رہا، نہ جائیداد رہی، نہ صحت رہی، ساری کی ساری زمین بیک گئی، بلکہ ایک ایسا بھی وقت آیا کہ جس گھر میں یہ خود رہتا تھا، وہ بھی اس کو بیچنا پڑ گیا۔

چنانچہ جب اس نے گھر بیچا تو اب یہ نوبت آ گئی کہ لوگوں سے مانگ کر کھانے لگا۔ چنانچہ جس چوک میں اس کے باپ نے کھڑے ہو کر کہا تھا کہ میری چالیس نسلوں کو بھی پروا نہیں! اسی چوک میں کھڑے ہو کر اس کا یہ بیٹا اللہ کے نام کی بھیک مانگتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے دکھا دیا کہ اگر میں پروردگار دینا جانتا ہوں تو واپس لینا بھی جانتا ہوں۔

اپنی اوقات کا خیال رکھیے: (۱)

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ ایک واقعہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حاسدین نے سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کو شکایت لگائی کہ یہ جو آپ کا لاڈلا غلام ”ایاز“ ہے، اس نے ایک الماری بنائی ہوئی ہے، یہ اس کو تالا لگا کے رکھتا ہے، اس کی چابی کسی دوسرے بندے کو



نہیں دیتا، الماری میں اس نے کچھ چھپایا ہوا ہے، جسے یہ روزانہ کھول کھول کر دیکھتا رہتا ہے، ہمیں شک ہے کہ اس نے خزانے سے ہیرے اور موتی چرائے ہوں گے اور وہاں چھپا کے رکھے ہوں گے۔ بادشاہ نے ایاز کو بلایا اور اس سے پوچھا:

ایاز! تم نے کوئی الماری بنائی ہوئی ہے؟

ایاز نے جواب دیا: جی! بنائی ہوئی ہے۔

بادشاہ نے پوچھا: تم اس الماری کو تالا لگا کے رکھتے ہو؟

ایاز نے کہا: جی ہاں!

بادشاہ نے پوچھا: تم کسی کو اس کی چابی دیتے ہو؟

ایاز نے کہا: جی نہیں!

بادشاہ نے پوچھا: خود روزانہ اسے کھول کے دیکھتے ہو؟

کہنے لگا: جی ہاں!

بادشاہ نے کہا: اس کی چابی مجھے دو۔

ایاز نے چابی دے دی۔

بادشاہ نے وہ چابی ایک بندے کو دی اور کہا کہ جو کچھ اس الماری میں ہے، وہ لا کے سب کے سامنے رکھو، حاسدین نے جب یہ بات سنی تو وہ بغلیں بجانے لگے، ان کو خوشی ہوئی کہ آج اس کا پول کھلے گا، آج بادشاہ کو پتہ چلے گا کہ یہ اندر سے کتنا کھوٹا ہے؟ اتنے میں وہ بندہ واپس آ گیا، اس کے پاس تین چیزیں تھیں:

① ..... بوسیدہ سا کرتہ۔

② ..... ایک بوسیدہ سا جوتا۔

③..... ایک بوسیدہ سی چادر۔

بادشاہ نے پوچھا: کیا الماری میں یہی کچھ تھا؟ اس نے کہا: بادشاہ سلامت! صرف یہی چیزیں تھیں، بادشاہ نے ایاز سے پوچھا: کیا یہ چیزیں اس قابل ہیں کہ تم اُن کو تالے میں رکھو اور پھر روزانہ ان کو دیکھو؟

ایاز نے کہا: بادشاہ سلامت! جب میں آپ کے پاس حاضر ہوا تھا، اس وقت میں نے یہ کرتہ پہنا ہوا تھا، یہ چادر باندھی ہوئی تھی اور یہ جوتا پہنا ہوا تھا، میں نے ان کو تالے میں اس لیے رکھا ہوا ہے کہ روزانہ ان کو دیکھ کر اپنے آپ کو اپنی اوقات یاد دلاتا رہوں کہ ایاز! یاد رکھو! کسی وقت میں تمہاری یہ اوقات تھی اور اب بادشاہ کے تم پر بہت احسانات ہیں، تو ان کا لحاظ کرنا اور بادشاہ کا وفادار بن کر رہنا۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کاش! اس دیہاتی بندے جیسی سمجھ ہمیں بھی نصیب ہو جائے۔ ذرا ہم اپنی اوقات کو تو دیکھیں کہ جب ہم اس دنیا میں آئے تھے تو ہمارے پاس کیا تھا؟ نہ ہمارے دانت تھے، نہ ہمارے جسم میں اتنی طاقت تھی کہ خود اُٹھ کے بیٹھ جائیں یا کھڑے ہو سکیں، نہ بول سکتے تھے، نہ عقل پہنچتے تھی، نہ علم تھا، نہ گھر تھا، نہ اولاد تھی، غرض کچھ بھی نہیں تھا اور آج جو کاریں اور بہاریں ہیں، روٹی اور بوٹی ہے، واللہ! یہ سب نعمتیں پروردگار کی عطا کردہ ہیں، کہیں جاتے ہیں تو لوگ ادب کی وجہ سے کھڑے ہو جاتے ہیں، اس میں ہمارا کوئی کمال نہیں، یہ اس مالک کا کرم ہے، جب اس اللہ نے بن مانگے ہمیں اتنی نعمتیں دی ہیں تو ہم خود کو اپنی اوقات کیوں یاد نہ دلائیں؟ چنانچہ ہمیں چاہیے کہ اللہ کے حکم کو ماننے کے لیے ہمہ وقت تیار رہیں اور زبان سے یہ کہتے رہیں کہ اے میرے مولا! تُو نے ہمیں اتنی نعمتیں دی ہیں کہ ہم ان کا حق کبھی ادا نہیں کر سکتے، ہم

ساری زندگی سجدے میں سر ڈال کر پڑے رہیں، تب بھی ہم آپ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کر سکتے۔

مال، حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں: (۱)  
حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”الْمَالُ دَاءُ الْمُتَكَبِّرِينَ“ (مال، متکبرین کی بیماری ہے)۔

تکبر میری چادر ہے: (۱)  
قرآن مجید میں تقریباً 50 سے زائد مقامات پر تکبر کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ ان میں سے چند آیات مندرجہ ذیل ہیں:

..... سورۃ النساء میں ارشاد فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا﴾  
[النساء: ۳۶]

..... سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا: ﴿وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۚ إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا﴾ ۳۷ ﴿كُلُّ ذَلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا﴾ ۳۸  
[بنی اسرائیل: ۳۷، ۳۸]

..... سورۃ القصص میں ارشاد فرمایا: ﴿وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطَرَتْ مَعِيشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسْكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِنْ بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا﴾ [القصص: ۵۸]

..... سورۃ الحديد میں ارشاد فرمایا: ﴿لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ﴾ [الحديد: ۲۳]

..... ایک حدیث قدسی میں آتا ہے: ”الْكِبْرِيَاءُ رِدَائِي، وَالْعِظْمَةُ إِزَارِي، فَمَنْ نَازَعَنِي وَاحِدًا مِنْهُمَا، قَذَفْتُهُ فِي النَّارِ“ [سنن ابی داؤد، رقم: ۴۰۹۰] (تکبر میری چادر ہے،

عظمت میرا زار ہے پس جو کوئی مجھ سے ان دونوں میں سے ایک بھی کھینچے گا تو میں اسے آگ میں پھینک دوں گا۔

الماریِ اسرار کے تالے کو ذرا کھول  
اے نطفہِ ناپاک! تُو آنکھیں تو ذرا کھول  
زیبا نہیں دیتا ہے تکبر کا تجھے بول  
ظاہر ہوا جاتا ہے ترے ڈھول کا سب پول

مال و دولت اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کی دلیل نہیں: (۱)

قرآن پاک میں متعدد مقامات پر اس بات کا رد کیا گیا ہے کہ مال دینے اور نہ دینے کا سلسلہ اور ہے، جبکہ رضا کا سلسلہ اور ہے۔ ذرا غور کیجیے! اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ راضی پیغمبروں پر ہے اور پھر تمام پیغمبروں کے امام اور سردار خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے سب سے زیادہ راضی ہے، لیکن آپ ﷺ کی مالی حیثیت یہ تھی کہ چھوٹا سا کمرہ تھا اور اس میں چراغ بھی نہیں تھا، اندھیرے میں نماز پڑھتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ دو دو مہینے تک ہمارے چولہے میں آگ نہیں جلتی تھی کہ پکانے کے لیے کچھ نہیں ہوتا تھا، کسی نے پوچھا کہ پھر وقت کیسے گزرتا تھا؟ تو فرماتی ہیں کہ ردی قسم کی کھجوریں ہوتی تھیں جن کو لوگ خوش ہو کر نہیں کھاتے تھے، وہ کبھی ہمیں مل جاتی تھیں اور کچھ دودھ انصار تحفے کے طور پر دے جاتے تھے جس سے گزارہ ہو جاتا تھا۔ اگر مال، خوشی اور ناراضگی کا معیار ہوتا تو آپ ﷺ کی مالی پوزیشن یہ نہ ہوتی کہ فاقہ پر فاقہ آتا ہے اور آپ ﷺ اپنا جو تاج مبارک اپنے ہاتھ سے گانٹھ لیتے تھے۔

ایک عورت کھڑی پر خود کپڑے بنتی تھی، جب اس نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی تہبند بہت پرانی ہے تو ایک لنگی بُن کر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کی اور عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ یہ استعمال کریں، آپ ﷺ نے بدل لی، نئی پہن کر آئے تو حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! یہ مجھے دے دیں۔ سارے صحابہ ان کے پیچھے پڑ گئے کہ تم نے آپ ﷺ سے لنگی کیوں مانگی؟ تمہیں معلوم نہیں کہ آپ ﷺ پرانی لنگی بدل کر یہ پہن کر تشریف لائے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ میں نے آپ ﷺ سے لنگی استعمال کرنے کے لیے نہیں مانگی، بلکہ اس لیے مانگی ہے کہ یہ آپ ﷺ کے جسم مبارک کے ساتھ لگی ہے، اس کو میں اپنے کفن کے لیے رکھوں گا۔

[صحیح بخاری، رقم: ۶۰۳۶]

اللہ تعالیٰ کی خوشی اور ناراضگی کا معیار مال و دولت نہیں، بلکہ دین اور ایمان ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے: ”إِنَّ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ يُعْطِي الدُّنْيَا مَنْ يُحِبُّ وَمَنْ لَا يُحِبُّ“ (بے شک اللہ تعالیٰ دنیا دیتا ہے اس کو جس کے ساتھ محبت کرتا ہے اور اس کو بھی جس کے ساتھ محبت نہیں کرتا)۔۔۔ قارون جیسے باغی اور سرکش کو بھی دنیا دی، آج بھی دنیا میں اکثر مالدار وہی لوگ ہیں۔۔۔ آگے فرمایا: ”وَلَا يُعْطِي الدِّينَ إِلَّا لِمَنْ أَحَبَّ“ [مسند احمد بن حنبل، رقم: ۳۶۷۲] (اور دین صرف اس کو دیتا ہے جس کے ساتھ رب کی محبت ہوتی ہے)۔ تو جس کو ایمان کی دولت نصیب ہے وہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہے۔

[تفسیر ذخیرۃ الجنان، تحت آیت ہذہ الایۃ من سورۃ الکہف]

﴿وَدَخَلَ جَنَّتَهُ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ﴾ قَالَ مَا أَظُنُّ أَنْ تَبِيدَ هَذِهِ أَبَدًا ﴿۴۵﴾

اور وہ اپنی جان پر ستم ڈھاتا ہوا اپنے باغ میں داخل ہو گیا۔ کہنے لگا: میں نہیں سمجھتا کہ یہ باغ کبھی بھی تباہ ہوگا۔

دوسرا مرض..... شرک: (۱)

وَدَخَلَ جَنَّتَهُ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ

اور گیا اپنے باغ میں اور وہ بُرا کر رہا تھا اپنی جان پر  
یعنی وہ متکبر بندہ تھا۔ اس کو اپنے مال پر گھمنڈ تھا جس کی وجہ سے وہ اپنی جان پر ظلم  
کرنے والا تھا۔

نفس کی حقیقت: (۱)

..... حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ”النَّفْسُ هِيَ مَأْوَى كُلِّ حَسَنَةٍ وَ  
سَيِّئَةٍ“ (نفس، ہر نیکی اور بدی کا سرچشمہ ہے)۔

..... شیخ اکبر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”النَّفْسُ بَحْرٌ لَا سَاحِلَ لَهُ“ (نفس،  
خواہشات کا ایک ایسا سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں)۔

..... شیخ سہل بن عبد اللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”النَّفْسُ كَافِرَةٌ فَقَاتِلْهَا بِمُخَالَفَةِ  
هَوَاهَا“ (نفس، کافر ہے پس اس کی خواہشات کی مخالفت کر کے اس کے ساتھ قتال کیا  
کرو)۔

نفس کی تین قسمیں: (۱)

مشائخ فرماتے ہیں کہ نفس کی تین قسمیں ہیں:

①..... عوام الناس کا نفس۔ نفس کی یہ قسم لوگوں کو بُرائی کا حکم دیتی ہے۔ اسے ”نفسِ  
انارہ“ کہتے ہیں۔

②..... خواص کا نفس۔ یہ نفس گناہ سرزد ہو جانے کے بعد اس پر ملامت کرتا ہے۔ اسے



”نفسِ لوامہ“ کہتے ہیں۔

③ اخص الخواص کا نفس۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اطمینان حاصل کر چکا ہوتا ہے۔  
اسے ”نفسِ مطمئنہ“ کہتے ہیں۔ اسی کے متعلق شیخ ابن عطاء اللہ فرماتے ہیں: ”ہی العارفۃ باللہ تعالیٰ، الّتی لَا تَصْبِرُ عَنِ اللّٰهِ طَرْفَةَ عَیْنٍ“ (اسے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور یہ پلک جھپکنے کے برابر بھی اللہ کی یاد سے غافل ہونا گوارا نہیں کرتا)۔

تیسرا مرض..... خوش فہمی: (۱)

قَالَ قَآظِنٌ اَنْ تَبَيَّنَ هٰذِهِ اَبَدًا ﴿٣٥﴾

بولا: نہیں آتا مجھ کو خیال کہ خراب ہووے یہ باغ کبھی

جب آدمی اپنے باغ یا کھیت کو سیٹ کر لیتا ہے تو دیکھ کر اس کا جی چاہتا ہے کہ یہ ہمیشہ اسی طرح رہے، کبھی خراب نہ ہو۔ وہ بندہ بھی جب اپنے باغ میں داخل ہوتا تھا تو دیکھ کر سوچتا تھا کہ میرا یہ باغ ہمیشہ اسی طرح رہے گا اور یہ کبھی بھی خراب نہیں ہوگا۔  
یعنی اللہ کی طرف سے ڈھیل ملنے، دماغ پر غفلت کے پردے پڑ جانے اور شوق و ہوس کی ہمہ گیری کے سبب وہ خیال کرنے لگا کہ جو کچھ میرے پاس ہے وہ زندگی بھر میرے پاس رہے گا، کبھی برباد نہ ہوگا۔

﴿وَقَآظِنٌ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۖ وَلَیِّنْ رُّدَّتْ اِلٰی رَبِّیْ لَاجِدَنَّ خَیْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا﴾ ﴿٣٦﴾

اور میرا خیال یہ ہے کہ قیامت کبھی نہیں آئے گی، اور اگر کبھی مجھے اپنے رب کے پاس واپس بھیجا بھی گیا، تب بھی مجھے یقین ہے کہ مجھے اس سے بھی اچھی جگہ ملے گی۔

چوتھا مرض ..... انکار قیامت: ((

وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً

اور نہیں خیال کرتا ہوں میں کہ قیامت ہونے والی ہے  
اس کا چوتھا مرض یہ تھا کہ قیامت کے بارے میں اس کا عقیدہ بگاڑ کا شکار ہو چکا تھا۔  
چنانچہ یہاں وہ کہہ رہا ہے کہ میرے خیال میں قیامت قائم ہونے والی نہیں۔ اگر ہے تو  
بس یہی زندگی ہے۔

اللہ کے بارے میں حسن ظن رکھو: ((

..... اللہ رب العزت حدیث قدسی میں ارشاد فرماتے ہیں:

”أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي، وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِي“ [صحیح بخاری، رقم: ۷۴۰۵]

”میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہوں اور میں اس کے ساتھ ہوتا  
ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے۔“

..... نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ)) [صحیح بخاری، رقم: ۵۱۳۳]

”بدگمانی سے بچو، کیونکہ بدگمانی بہت جھوٹی بات ہے۔“

..... ایک اور حدیث میں بھی آتا ہے:

((لَا يَمُوتَنَّ أَحَدُكُمْ إِلَّا وَهُوَ يُحْسِنُ الظَّنَّ بِاللَّهِ عَزَّوَجَلَّ)) [صحیح مسلم، رقم: ۲۸۷۷]

”تم میں سے کوئی ہرگز اس حالت میں نہ مرے، مگر اللہ تعالیٰ کے بارے میں اس کا اچھا  
گمان ہو۔“

## قرآن میں لفظ ”ظن“ کا 4 طرح استعمال: (۱)

قرآن مجید میں لفظ ”ظن“ اجمالی طور پر 4 معانی میں استعمال ہوا ہے:

① یقین ② شک ③ تہمت ④ گمان۔

پھر ان میں سے بعض معانی کے لیے متعدد مقامات پر بھی وارد ہوا ہے۔

## یقین کے 10 مقامات: (۱)

قرآن مجید میں لفظ ”ظن“ یقین کے معنی میں 10 مقامات پر مستعمل ہے:

①..... سورۃ البقرہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلْقُوا رَبِّهِمْ﴾  
[آیت: ۴۶]

②..... سورۃ القیامہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَوَظَنَ أَنَّهُ الْفِرَاقُ﴾<sup>(۳۸)</sup> [آیت: ۲۸]

③..... سورۃ الحاقہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنِّي ظَنَنْتُ أَنِّي مُلْقٍ حِسَابِيَّةٍ﴾<sup>(۴۰)</sup>  
[آیت: ۲۰]

④..... سورۃ الجن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَأَنَّا ظَنَنَّا أَن لَّنْ نُّعْجِزَ اللَّهَ فِي الْأَرْضِ﴾  
[آیت: ۱۲]

⑤..... سورۃ المطففین میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ﴾<sup>(۴۱)</sup> [آیت: ۴]

⑥..... سورۃ فصلت میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَوَظَنُوا أَنَّهُمْ مِّنْ مَّحْضٍ﴾<sup>(۴۲)</sup>  
[آیت: ۴۸]

⑦..... سورۃ یونس میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَوَظَنُوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ﴾<sup>(۴۳)</sup> [آیت: ۲۲]

⑧..... سورۃ التوبہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَوَظَنُوا أَن لَّا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ﴾  
[آیت: ۱۱۸]

- ①..... سورة البقرہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ﴾ [آیت: ۲۳۰]
- ②..... سورة ص میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَقَدْ دَاوُدُ إِنَّمَا فَتَنَّ﴾ [آیت: ۲۳]
- شک و تہمت کے مقامات: (۱)

قرآن مجید میں لفظ ”ظن“ شک و تہمت کے معنی میں 14 مقامات پر استعمال ہوا ہے، جو کہ درج ذیل ہیں:

①..... سورة الانبیاء میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَذَا النُّونِ إِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ أَنْ لَنْ نَقْدِرَ عَلَيْهِ﴾ [آیت: ۸۷]

②..... سورة الحج میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿مَنْ كَانَ يَظُنُّ أَنْ لَنْ يَنْصُرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَاءِ﴾ [آیت: ۱۵]

③..... سورة الاحزاب میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا﴾ [آیت: ۱۰]

④..... سورة الجاثیہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَقَالَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ﴾ [آیت: ۲۲]

⑤..... سورة سبا میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ [آیت: ۲۰]

⑥..... سورة الفتح میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَقَدْ ظَنَّ الْمُنَافِقُ﴾ [آیت: ۱۲]

⑦..... سورة الفتح میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَيُعَذِّبُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ الظَّالِمِينَ بِاللَّهِ ظَنَّ السَّوْءِ﴾ [آیت: ۶]

⑧..... سورة آل عمران میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ﴾

الْجَاهِلِيَّةِ ﴿١٥٣﴾ [آیت: ۱۵۳]

۹..... سورۃ الجاثیہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنْ تَنْظُرْ إِلَّا ظَنًّا وَمَا نَحْنُ

بِمُسْتَيْقِنِينَ﴾ ﴿٣٢﴾ [آیت: ۳۲]

۱۰..... سورۃ الحشر میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَنْظُرُوا أَنَّهُمْ فَإِنِّعْتُهُمْ حُصُونُهُمْ مِّنَ

اللَّهِ﴾ [آیت: ۲]

۱۱..... سورۃ یونس میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا﴾

[آیت: ۳۶]

۱۲..... سورۃ الجن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَأَنَّا ظَنَنَّا أَن لَّنْ نَقُولَ الْإِنسَ وَالْجِنُّ

عَلَى اللَّهِ كَذِبًا﴾ [آیت: ۵]

۱۳..... سورۃ الجن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَأَنَّهُمْ ظَنُّوا كَمَا ظَنَنْتُمْ أَن لَّنْ يَبْعَثَ

اللَّهُ أَحَدًا﴾ [آیت: ۷]

۱۴..... سورۃ الانشقاق میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّهُ ظَنَّ أَن لَّنْ يَحْضُرَ﴾ ﴿١٤﴾ بَلَىٰ ۚ إِنَّ

رَبَّنَا كَانَ بِهِ بَصِيرًا﴾ [آیت: ۱۴، ۱۵]

[بصارِ ذوی التمیز: ۳/۵۴۵ تا ۵۴۷]

## قیامتِ صغریٰ اور کبریٰ: ۱

قیامت کے دو بڑے مراحل ہیں:

۱..... قیامتِ صغریٰ: اس سے مراد کسی انسان کا مرجانا ہے۔ چنانچہ ہر انسان کی موت

ہی اس کے لیے قیامت ہے۔ اسی کی طرف اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَحَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُمْ

السَّاعَةُ بُعْثَتْ قَالُوا لِمَ حُسِرَتْ﴾ [الانعام: ۳۱] (یہاں تک کہ جب قیامت اچانک ان کے

سامنے آکھڑی ہوگی تو وہ کہیں گے: ہائے افسوس! میں اشارہ کیا گیا ہے۔ نیز ایک دوسری آیت سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ انسان، موت کے وقت یہ حسرت کرے گا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَأَنْفِقُوا مِنْ قَا رَزَقْنٰكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ﴾ [النافقون: ۱۰] (اور ہم نے تمہیں جو رزق دیا ہے اس میں سے اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کر لو، قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کے پاس موت آجائے تو وہ یہ کہے کہ اے میرے پروردگار! تُو نے مجھے تھوڑی دیر کے لیے اور مہلت کیوں نہ دے دی)۔

②..... قیامتِ کبریٰ: اس سے مراد حساب کتاب کے لیے دوبارہ زندہ ہونا ہے۔

### قیامت قریب ہو رہی ہے: ①

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے قریب ہونے کی خبر دے رکھی ہے۔ مندرجہ ذیل آیات میں ملاحظہ فرمائیں:

..... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَقَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمَحِ الْبَصَرِ أَوْ هُوَ أَقْرَبُ﴾ [النحل: ۷۷] (اور قیامت کا معاملہ آنکھ جھپکنے سے زیادہ نہیں ہوگا، بلکہ اس سے بھی جلدی)۔

..... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿قُلْ عَسَىٰ أَنْ يَكُونَ قَرِيبًا ۝۵۱﴾ [الاسراء: ۵۱] (کہہ دینا کہ کیا بعید ہے کہ وہ وقت قریب ہی آگیا ہو)۔

..... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿إِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ ۝۱﴾ [الانبیاء: ۱] (لوگوں کے لیے ان کے حساب کا وقت قریب آ پہنچا ہے اور وہ ہیں کہ غفلت کی حالت میں منہ پھیرے ہوئے ہیں)۔

..... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ﴾ [الانبیاء: ۹۷] (اور سچا وعدہ پورا ہونے کا وقت قریب آجائے گا)۔

..... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿يَسْأَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ ۖ وَقَايِدُرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا﴾ [الاحزاب: ۶۳] (لوگ تم سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ اور تمہیں کیا پتہ شاید قیامت قریب ہی آگئی ہو)۔

..... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَقَايِدُرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ﴾ [الشوریٰ: ۱۷] (اور تمہیں کیا پتہ، شاید کہ قیامت کی گھڑی قریب ہی ہو)۔

..... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾ [القمہ: ۱] (قیامت قریب آگئی ہے اور چاند پھٹ گیا ہے)۔

..... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَنَزَلْنَا قَرِيبًا﴾ [المعارج: ۷] (اور ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں)۔

[المعجم المفہر لمعانی القرآن العظیم: ۲/ ۹۳۵]

### قیامت کا انکار کفر ہے:

قرآن مجید نے قیامت اور آخرت سے انکار کرنے والوں کے لیے مختلف سزائیں تجویز کی ہیں:

..... اعمال کا ضائع ہو جانا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ الْآخِرَةِ حَبِطَتْ أُعْمَالُهُمْ﴾ [الاعراف: ۱۳۷] (اور جن لوگوں نے ہماری نشانیوں کو اور آخرت کا سامنا کرنے کو جھٹلایا ہے، ان کے اعمال غارت ہو گئے ہیں)۔

..... عذاب شدید۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَيَلِّ لِلْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيدٍ﴾ [ابراہیم: ۲] (افسوس ہے ان لوگوں پر جو حق کا انکار کرتے ہیں، کیونکہ انہیں سخت عذاب ہونے والا ہے)۔

..... دنیا و آخرت میں بُری حالت۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ﴾ [النمل: ۶۰] (جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کی بری حالت ہے)۔

..... دردناک عذاب۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَأَنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ أَغْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا﴾ [الاسراء: ۱۰] (اور یہ بتاتا ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ان کے لیے ہم نے ایک دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے)۔

..... انوارات قرآنیہ سے محرومی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا مَسْتُورًا﴾ [الاسراء: ۴۵] (اور اے پیغمبر! جب تم قرآن پڑھتے ہو تو ہم تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ایک اُن دیکھا پردہ حائل کر دیتے ہیں)۔

..... صراطِ مستقیم سے ہٹ جانا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَأَنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنُكَيِّبُونَّ﴾ [المونون: ۷۴] (اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، وہ راستے سے بالکل ہٹے ہوئے ہیں)۔

..... بھڑکتی ہوئی آگ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَأَعْتَدْنَا لِلْمَن كَذَّابٍ بِالسَّاعَةِ سَعِيرًا﴾ [الفرقان: ۱۱] (اور جو کوئی قیامت کی گھڑی کو جھٹلائے، اس کے لیے ہم نے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے)۔





اعمال بد کو ان کی نظر میں مرغوب کر دینا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ أَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْتَهُونَ﴾ [النمل: ۴] (اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے ان کے اعمالِ بدن کی نظر میں مرغوب کر رکھے ہیں، سو وہ بھٹکتے پھرتے ہیں)۔

پر لے درجے کی گمراہی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿بَلِ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلَالِ الْبَعِيدِ﴾ [سبا: ۸] (بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ خود عذاب میں اور پر لے درجے کی گمراہی میں مبتلا ہیں)۔

..... ذکر الہی سے دل کا بیزار ہو جانا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَإِذَا ذُكِّرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ ۖ وَإِذَا ذُكِّرَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهَا إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ﴾ [الزمر: ۲۵] (اور جب کبھی تنہا اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل بیزار ہو جاتے ہیں اور جب اس کے سوا دوسروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو یہ لوگ خوشی سے کھل اٹھتے ہیں)۔

پانچواں مرض..... جھوٹا دعویٰ: ﴿

وَلَيْنُزِدْنَاهُ مِنْ رَبِّي لَاجِدًا خَيْرًا مِمَّا مُنْقَلَبًا﴾

اور اگر کبھی پہنچا دیا گیا میں اپنے رب کے پاس۔ پاؤں گا بہتر اس سے وہاں پہنچ کر انسان سمجھتا ہے کہ دنیا میں جیسے اللہ تعالیٰ نے مجھے عیش و آرام دیا ہے، جب میں مرجاؤں گا تو مجھے آخرت میں بھی اسی طرح عیش و آرام ہی ملے گا۔ وہ اپنے اعمال کو نہیں دیکھتا، بلکہ اپنے مال کو اللہ کے ہاں اپنی قبولیت کی دلیل سمجھتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں اور دنیا میں بھی اتنا دیا ہے، اول تو قیامت کا دن آنا نہیں، اور اگر آ بھی گیا تو

وہاں بھی مجھے اسی طرح بڑا باغ ملے گا اور میں وہاں بھی بڑا بن کر زندگی گزاروں گا۔  
 دنیا والوں کا یہ طریقہ ہے کہ وہ کافر اور فاجر ہوتے ہوئے بھی یوں سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ  
 کے مقبول بندے ہیں جب اس نے ہمیں یہاں دولت دی ہے تو وہاں بھی ہمیں خوب  
 زیادہ نعمت و دولت ملے گی، یہ لوگ قیامت کو مانتے تو نہیں ہیں لیکن اہل ایمان سے  
 قیامت کی باتیں سن کر یوں کہہ دیتے ہیں کہ اگر بالفرض قیامت آ ہی گئی تو وہاں بھی  
 ہماری نوازش میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

نگاہِ نبوت میں عقلمند اور بیوقوف کون؟

حدیث پاک میں آتا ہے: ”الْكَيْسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ  
 وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنَّى عَلَى اللَّهِ الْأَمَانِيَّ“ [شعب الایمان، رقم: ۱۰۵۳۶]  
 (عقلمند وہ ہے جس نے اپنے نفس کو گھٹیا جانا اور موت کے بعد والی زندگی کے لیے عمل کیا  
 اور کمزور وہ ہے جس نے اپنے نفس کو اس کی خواہشات کے پیچھے دوڑایا اور اللہ سے تمنا  
 کرنے لگا)۔

حکمت بھرے اقوال:

..... حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”إِفْعَلُوا الْخَيْرَ وَلَا تَحْقِرُوا مِنْهُ شَيْئًا، فَإِنَّ  
 صَغِيرَهُ كَبِيرٌ وَقَلِيلُهُ كَثِيرٌ“ (نیکی کرو اور چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو بھی حقیر مت سمجھو، اس  
 لیے کہ چھوٹی نیکی بھی بڑی ہوتی ہے اور تھوڑی بھی زیادہ ہوتی ہے)۔

..... حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”الْخَيْرُ لَا يَبُلَى“ (نیکی کبھی بوسیدہ  
 نہیں ہوتی)۔

اہل خیر کی دس علامات : (۱)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”أَهْلُ الْخَيْرِ“ (نیک لوگوں) چند علامات سے پہچانے جاتے ہیں۔ وہ علامات مندرجہ ذیل ہیں:

- ①..... سچ بولنا۔
- ②..... امانت کو ان کے مالک تک پہنچانا۔
- ③..... وعدہ پورا کرنا۔
- ④..... عاجزی۔
- ⑤..... صلہ رحمی کرنا۔
- ⑥..... کمزور لوگوں پر ترس کھانا۔
- ⑦..... سخاوت۔
- ⑧..... حسن اخلاق سے پیش آنا۔
- ⑨..... بردباری۔
- ⑩..... علم پھیلانا۔

[موسوعۃ السنن ان: ۷/ ۴۲۷ بتصرف]

﴿قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ سَوَّاهُ رَجُلًا ۖ﴾

اس کے ساتھی نے اس سے باتیں کرتے ہوئے کہا: کیا تم اس ذات کے ساتھ کفر کا معاملہ کر رہے ہو جس نے تمہیں مٹی سے، اور پھر نطفے سے پیدا کیا، پھر تمہیں ایک بھلا چنگا انسان بنا دیا؟

مومن دوست کا خیر خواہانہ جواب: (۱)

قَالَ لَدَا صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ

کہا اس کو دوسرے نے جب بات کرنے لگا

ایک اچھا دوست بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی انعام ہے جو وقتاً فوقتاً بندے کو اچھے کاموں کی طرف گائیڈ کرے۔ نیکی کی ترغیب دے، گناہ سے روکے، ہمدرد ہو۔ یہاں بھی نصیحت کرنے والا بڑا ہمدرد دوست تھا، اس کی خیر خواہی چاہتا تھا، لیکن جب وہ کافر مشرک دوست نہ مانا تو اب ہمدرد دوست جھڑکی دے رہا ہے۔ چنانچہ آج بیٹا رو رہا ہے کہ ابو تو ہر وقت ڈانٹتا ہے، بیٹی رو رہی ہے کہ ماں تو ہر وقت نصیحت ہی کر رہی ہے، شاگرد پریشان ہے کہ استاد جی تو ہر وقت ہی ترغیب دیتے رہتے ہیں، ادھر ایک غلطی ہو گئی اور ادھر سے ایک لیکچر شروع ہو گیا، مرید ناراض ہے کہ شیخ تو بس کوستا ہی رہتا ہے۔ حالانکہ آج ہمارے سروں پہ بڑوں کا سایہ ہے اور یہ اللہ کی نعمت ہے، ان ہستیوں کی قدر کریں۔

شکرِ الہی کے ترک پر زجر: (۱)

اَكْفَرْتُ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ سَوَّيْتُكَ رَجُلًا ۖ

کیا تو منکر ہو گیا اس سے جس نے پیدا کیا تجھ کو مٹی سے پھر قطرہ سے۔ پھر پورا کر دیا تجھ کو مرد چنانچہ ”مِنْ تُرَابٍ“ میں انسان کے مادہ بعید کا ذکر ہے اور ”مِنْ نُّطْفَةٍ“ میں انسان کے مادہ قریب کا ذکر ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا خاک سے بنایا گیا تھا، اس لیے مٹی اولادِ آدم کے لیے مادہ بعید ہے اور نطفہ ہر انسان کا مادہ قریب ہے۔



یعنی اللہ نے تمہیں پیدا کیا۔ اگر وہ چاہتا تو تمہاری بصارت نہ ہوتی، سماعت نہ ہوتی، تمہارے جسم کے اعضا ٹھیک نہ ہوتے، تمہاری صحت اچھی نہ ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے صحت کے ساتھ صحیح سالم انسان بنایا، یہ تجھ پر اللہ تعالیٰ کا کتنا فضل اور کرم ہے۔ ”فَتَبَرَّكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ“۔

### قرآن میں لفظ ”تراب“ کا 3 طرح استعمال: ①

قرآن میں لفظ ”تراب“ 3 طرح سے استعمال ہوا ہے:

①..... بوسیدہ ہڈیوں کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿إِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظًا﴾ [المؤمنون: ۸۲]

②..... چوپایہ کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَلَيْتَنِي كُنْتُ تُرَابًا﴾ [النبا: ۴۰] بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس آیت مبارکہ میں ”تُرَابًا“ سے حضرت آدم علیہ السلام مراد ہیں، کیونکہ یہ شیطان کا مقولہ ہے جو روزِ محشر نہایت افسوس کرے گا۔

③..... مٹی کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ﴾ [غافر: ۶۷] (وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا)۔

[بصار ذوی التمییز: ۲/ ۲۹۷]

### خلقتِ انسانی از روئے قرآن: ①

①..... انسان کوئی قابلِ قدر چیز نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿هَلْ آتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا قَدْ كُورًا﴾ ① [الانسان: ۱] (انسان پر کبھی ایسا وقت آیا ہے کہ نہیں جب وہ کوئی قابلِ ذکر چیز نہیں تھا)؟

②..... انسان کی اصل مٹی سے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِنْ طِينٍ

لَا زِبَّ ۝ [الصافات: ۱۱] (ان کو تو ہم نے لیس دارگارے سے پیدا کیا ہے)۔

③..... انسان کی پیدائش نطفے سے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظًا فَكَسَوْنَا الْعِظَ لَحْمًا ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ﴾ [المومنون: ۱۳] (پھر ہم نے اس بوند کو جمے ہوئے خون کی شکل دے دی، پھر اس جمے ہوئے خون کو ایک لوتھڑا بنا دیا، پھر اس لوتھڑے کو ہڈیوں میں تبدیل کر دیا، پھر ہڈیوں کو گوشت کا لباس پہنایا، پھر اسے ایسی اٹھان دی کہ وہ ایک دوسری ہی مخلوق بن کر کھڑا ہو گیا)۔

④..... انسان کی پیدائش ماں کے پیٹ سے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاللَّهُ أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا﴾ [النحل: ۷۸] (اور اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے اس حالت میں نکالا کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے)۔

⑤..... انسان کی پیدائش تین اندھیروں میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمٍ ثَلَاثٍ﴾ [الزمر: ۶] (وہ تمہاری تخلیق تمہاری ماؤں کے پیٹ میں اس طرح کرتا ہے کہ تین اندھیروں کے درمیان تم بناوٹ کے ایک مرحلے کے بعد دوسرے مرحلے سے گزرتے ہو)۔

⑥..... انسان کی ساخت سب سے خوبصورت۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾ [الانسان: ۴] (ہم نے انسان کو بہترین سانچے میں ڈھال کر پیدا کیا ہے)۔

انسانی پیدائش کے مراتب: (۱)

محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے تورات میں پڑھا، یا فرمایا مصحف

ابراہیم میں پڑھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”يَا اِبْنَ آدَمَ! مَا اَنْصَفْتَنِي، خَلَقْتُكَ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا“  
 ”اے ابن آدم! تو نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ میں نے تجھے پیدا کیا اور تو کچھ  
 بھی نہ تھا۔“

”وَجَعَلْتُكَ بَشَرًا سَوِيًّا“

”اور میں نے تجھے درست آدمی بنایا۔“

”وَخَلَقْتُكَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِينٍ“

”اور میں نے تجھ کو مٹی کے گارے سے پیدا کیا۔“

”ثُمَّ جَعَلْتُكَ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَكِينٍ“

”پھر میں نے نطفہ کو حفاظت کی جگہ یعنی رحم میں رکھا۔“

”ثُمَّ خَلَقْتُ النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْتُ الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْتُ الْمُضْغَةَ عِظَامًا“

فَكَسَوْتُ الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَأْنَاكَ خَلْقًا آخَرَ“

”پھر میں نے نطفہ سے لوتھڑا بنایا۔ پھر لوتھڑے سے گوشت کی بوٹی بنایا۔ پھر میں نے

بوٹی میں ہڈیاں بنائیں۔ پھر میں نے ہڈیوں کو گوشت پہنایا۔ پھر ہم نے تجھے ایک

دوسری تخلیق کے ساتھ پیدا فرمایا۔“

”يَا اِبْنَ آدَمَ! هَلْ يَقْدِرُ عَلَى ذَلِكَ غَيْرِي؟“

”اے آدم کے بیٹے! کیا میرے علاوہ کوئی اس کام پر قادر ہے؟“

”ثُمَّ خَفَّفْتُ ثِقْلَكَ عَلَى اَمِّكَ حَتَّى لَا تَتَمَرَّضَ بِكَ وَلَا تَتَأَذَّى“

”پھر میں نے تیرے بوجھ کو تیری ماں پر ہلکا کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ تیری وجہ سے نہ



بیمار ہوئی اور نہ اس کو تکلیف ہوئی۔“

”ثُمَّ أُوحِيَتْ إِلَى الْأُمْعَاءِ أَنْ اتَّسِعِي“

”پھر میں نے آنتوں کو حکم دیا کہ وہ پھیل جائیں۔“

”وَإِلَى الْجَوَارِحِ أَنْ تَفَرَّقِي“

”اور دوسرے اعضاء کو حکم دیا کہ وہ آپس میں جدا ہو جائیں۔“

”فَاتَّسَعَتِ الْأُمْعَاءُ مِنْ بَعْدِ ضَيْقِهَا“

”چنانچہ آنتیں پھیل گئیں حالانکہ اس سے پہلے وہ تنگ تھیں۔“

”وَتَفَرَّقَتِ الْجَوَارِحُ مِنْ بَعْدِ تَشْبِيكِهَا“

”اور اعضاء جدا جدا ہو گئے حالانکہ اس سے پہلے وہ جڑے ہوئے تھے۔“

”ثُمَّ أُوحِيَتْ إِلَى الْمَلِكِ الْمُؤَكَّلِ بِالْأَرْحَامِ أَنْ يُخْرِجَكَ مِنْ بَطْنِ أُمِّكَ“

”پھر میں نے اس فرشتے کو القا کیا جو رحموں پر مقرر ہے کہ وہ تجھ کو تیری ماں کے پیٹ

سے نکالے۔“

”فَاسْتَخْلَصَكَ عَلَى رِيشَةٍ مِّنْ جَنَاحِهِ“

”اور اس نے اپنے پر کے ایک بال کے ساتھ تجھے نجات دلائی۔“

”فَاطْلَعْتُ عَلَيْكَ فَإِذَا أَنْتَ خَلْقٌ ضَعِيفٌ لَيْسَ لَكَ سِنٌّ يَّقْطَعُ وَلَا ضِرْسٌ

يَطْحَنُ“

”پھر جب میں نے تجھے دیکھا تو تو ایک انتہائی کمزور مخلوق تھا، تیرے پاس نہ کاٹنے

والے دانت تھے نہ چبانے والی داڑھی۔“

”فَاسْتَخْلَصْتُ لَكَ فِي صَدْرِ أُمِّكَ عِرْقًا يَدْرُ لَكَ لَبَنًا بَارِدًا فِي الصَّيْفِ حَارًّا“



فِي الشِّتَاءِ“

”پھر میں نے تیرے لیے تیری ماں کے سینے میں ایسی رگ رکھ دی کہ تیرے لیے گرمی کے موسم میں ٹھنڈا دودھ مہیا کرتی ہے اور سردیوں میں گرم دودھ۔“

”وَاسْتَخْلَصْتُ لَكَ مِنْ بَيْنِ جِلْدٍ وَ لَحْمٍ وَ دَمٍ وَ عُرُوقٍ“

”اور میں نے یہ دودھ جلد، گوشت، خون اور رگوں کے درمیان سے تیرے لیے چن رکھا ہے۔“

”ثُمَّ قَذَفْتُ لَكَ فِي قَلْبٍ وَالِدَتِكَ الرَّحْمَةَ وَفِي قَلْبِ أَبِيكَ التَّحَنُّنَ“

”پھر میں نے تیری لیے تیری ماں کے دل میں رحم کو ڈال دیا۔ اور تیرے باپ کے دل میں شفقت اور پیار کو ڈال دیا ہے۔“

”فَهُمَا يَكْدَانِ وَ يَجْهَدَانِ وَ يُرَبِّيَانِكَ وَ يُغْذِيَانِكَ وَ لَا يَنَامَانِ حَتَّى يُنَوِّمَاكَ“

”پس والدین تیرے لیے سرتوڑ کوشش کرتے تھے اور مشقت اٹھاتے تھے اور تجھے پالتے تھے اور تجھے غذا دیتے تھے اور خود نہیں سوتے تھے یہاں تک کہ تجھے نہ سلا دیتے۔“

”إِبْنِ آدَمَ: أَنَا فَعَلْتُ ذَلِكَ بِكَ لَا لِشَيْءٍ اسْتَأْهَلْتُهُ بِهِ مِنِّي أَوْ لِحَاجَةٍ

اسْتَعْنْتُ عَلَى قَضَائِهَا“

”اے آدم کے بیٹے! میں نے تیرے ساتھ یہ جو کچھ کیا، یہ اس وجہ سے نہیں کہ تیرا مجھ پہ کوئی حق بنتا تھا یا مجھے کوئی ضرورت تھی کہ جس کو پورا کرنے کے لیے تجھ سے مدد مانگوں (بلکہ تیرے وجود کا اس طرح بنانا صرف میری رحمت اور میرا احسان ہے)۔“

”إِبْنِ آدَمَ: فَلَمَّا قَطَعَ سِنُّكَ وَ طَحَنَ ضِرْسُكَ أَطْعَمْتُكَ فَكَيْهَةَ الصَّيْفِ فِي أَوَانِهَا وَ فَكَيْهَةَ الشِّتَاءِ فِي أَوَانِهَا“

”اے ابن آدم! جب تیرے دانت کاٹنے لگے اور تیری داڑھیں چبانے لگیں تو میں نے تجھ کو گرمی کے موسم میں گرمی کے پھل کھلائے اور سردی کے پھل موسم میں سردی کے پھل۔“

”فَلَمَّا أَنْ عَرَفْتُ أَنَّ رَبُّكَ عَصَيْتَنِي“

”جب تجھے پتہ چل گیا کہ میں تیرا رب ہوں تو تُو نے میری نافرمانی کی۔“

”فَالآنَ إِذَا عَصَيْتَنِي فَادْعُنِي فَإِنِّي قَرِيبٌ مُجِيبٌ“

”اور باوجودیکہ تُو میرا نافرمان بندہ بن گیا ہے تو اب بھی مجھ سے دعا مانگ۔ بے شک میں تیرے قریب ہوں اور دعا کو قبول کرنے والا ہوں۔“

”وَادْعُنِي فَإِنِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ“ [تفسیر درمنثور تحت آیہ سورۃ عبس، ۲۰]

”اور مجھے پکار کیونکہ میں غفور اور رحیم بھی ہوں۔“

### فوائد السلوک: ۱

..... احسان فراموشی مترادف کفر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ہمارا محسن حقیقی ہے جس نے ہمیں اتنا پیارا وجود دیا۔ قرآن مجید میں 30 سے زیادہ مقامات پہ انسانی تخلیق کا بیان فرمایا کہ شاید انسان کے اندر اپنے محسن حقیقی کی طرف متوجہ ہونے کا احساس پیدا ہو جائے۔

﴿لَكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِرَبِّي أَحَدًا﴾ (۴۸)

جہاں تک میرا تعلق ہے، میں تو یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ اللہ میرا پروردگار ہے، اور میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں مانتا۔

مومن دوست کا پہلا اعلان..... اعلانِ توحید: ۱

لَكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبِّي

پھر میں تو یہی کہتا ہوں وہی اللہ ہے میرا رب  
 ”لَکِنَّا“ اصل میں ”لَکِن اَنَا اَعْتَقِدُ“ ہے۔ جس کا معنی ہے کہ میں تو یہ عقیدہ رکھتا  
 ہوں کہ اللہ میرا پروردگار ہے۔ اس میں اپنے دین و عقیدہ کا اعلان بھی ہے اور مخاطب کو  
 سمجھانا بھی ہے کہ تو مشرک ہے اور مشرک ہونا بدترین چیز ہے۔

### ایک ننھا شہید: (۱)

رسول اللہ ﷺ عموماً اس حدیث کو بیان فرمایا کرتے تھے کہ جاہلیت کے زمانے  
 میں ایک عورت پہاڑ کی چوٹی پر اپنی بکریاں چرایا کرتی تھی، اس کے ساتھ اس کا لڑکا بھی  
 تھا۔ ایک مرتبہ اس نے اپنی ماں سے دریافت کیا:

”يَا أُمّاهُ! مَنْ خَلَقَكَ؟“

”اماں جان! تمہیں کس نے پیدا کیا ہے؟“

اس نے کہا:

”اللّٰهُ“

”اللہ نے۔“

لڑکے نے کہا:

”فَمَنْ خَلَقَ أَبِي؟“

”میرے والد کو کس نے پیدا کیا؟“

اس نے جواب دیا:

”اللّٰهُ“

”اللہ نے۔“

پوچھا:

”فَمَنْ خَلَقَنِي؟“

”مجھے کس نے پیدا کیا ہے؟“

اس نے جواب دیا:

”اللہ“

”اللہ نے۔“

پھر پوچھا:

”فَمَنْ خَلَقَ السَّمَاءَ؟“

”آسمان کو کس نے پیدا کیا؟“

اس نے جواب دیا:

”اللہ“

”اللہ نے۔“

پھر پوچھا:

”فَمَنْ خَلَقَ الْأَرْضَ؟“

”زمین کو کس نے پیدا کیا؟“

اس نے جواب دیا:

”اللہ“

”اللہ نے۔“

پھر پوچھا:

”فَمَنْ خَلَقَ الْجَبَلُ؟“

”ان پہاڑوں کو کس نے بنایا ہے؟“

ماں نے جواب دیا:

”اللّٰهُ“

”ان کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔“

پھر پوچھا:

”فَمَنْ خَلَقَ هَذِهِ الْغَنَمَ؟“

”ان ہماری بکریوں کا خالق کون ہے؟“

ماں نے کہا:

”اللّٰهُ“

”اللہ ہی ہے۔“

اس نے کہا:

”فَإِنِّي أَسْمَعُ لِلّٰهِ شَأْنًا“

”سبحان اللہ! اللہ کی اتنی بڑی شان ہے۔“

بس اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اس قدر سما گئی کہ وہ تھر تھر کانپنے لگا اور پہاڑ سے گر پڑا اور جان اللہ کے سپرد کر دی۔

[تفسیر ابن کثیر تحت آیۃ سورۃ المؤمنون، ۹۰]

مومن دوست کا دوسرا اعلان ..... بیزاری شرک:

وَلَا أُشْرِكُ بِرَبِّيْ أَحَدًا ۝۳۸



اور نہیں مانتا شریک اپنے رب کا کسی کو

اس کا فرد عقیدہ شخص کے سامنے اس کا مومن دوست علی الاعلان فرما رہے ہیں کہ پروردگار وحدہ لا شریک ہے اور اس کے علاوہ میں کوئی خدا تسلیم نہیں کرتا۔ گویا کہ توحید پر اس کا عقیدہ بڑا پاک تھا۔

### شرک کی اقسام: (۱)

دین میں شرک دو قسم پر ہے:

- ①..... شرک عظیم: یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک ٹھہرانا۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ﴾ [النساء: ۴۸] (بے شک اللہ اس بات کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے)۔
- ②..... شرک صغیر: کسی کام میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو بھی خوش کرنے کی کوشش کرنا۔ اسی کا دوسرا نام ریا اور نفاق ہے۔

[بصار ذوی التمییز: ۳/ ۳۱۳، ۳۱۴]

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”لَيْسَ الشِّرْكَ عِبَادَةُ الْأَصْنَامِ فَحَسْبُ، بَلْ هُوَ مُتَابَعَتُكَ هَوَاكَ“ (شرک، فقط بتوں کی عبادت کا نام نہیں، بلکہ خواہشاتِ نفسانیہ کی اتباع بھی شرک کا ایک درجہ ہے)۔

### نورِ توحید اور آتشِ شرک: (۱)

شیخ یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”لِلتَّوْحِيدِ نُورٌ وَلِلشِّرْكِ نَارٌ، وَإِنَّ نُورَ التَّوْحِيدِ أَحْرَقَ سَيِّئَاتِ الْمُؤَحِّدِينَ، كَمَا أَنَّ نَارَ الشِّرْكِ أَحْرَقَتْ حَسَنَاتِ الْمُشْرِكِينَ“ (توحید ایک نوری چیز ہے اور شرک ناری چیز ہے۔ چنانچہ نورِ توحید توحید



پرستوں کے گناہوں کو جلا دیتا ہے جیسے آتش شرک مشرکین کی نیکیوں کو جلا دیتی ہے۔

## شرک کے تین قرآنی اسباب

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں شرک کے تین اسباب بیان فرمائے ہیں:

پہلا سبب..... آباؤ اجداد کی اندھی تقلید: (۱)

اللہ تعالیٰ نے 20 مقامات پہ فرمایا ہے کہ مشرکین کے شرک کا ایک سبب یہ تھا کہ وہ اپنے مشرک آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کرتے تھے۔ چنانچہ اس بارے میں کچھ نمونے پیش کیے جاتے ہیں:

..... حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللَّهَ وَحْدَهُ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا﴾ [الاعراف: ۷۰] (انہوں نے کہا: کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہم تنہا اللہ کی عبادت کریں اور جن بتوں کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں، انہیں چھوڑ بیٹھیں)؟

..... حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿قَالُوا يٰصَلِحُ قَدْ كُنْتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَذَا أَتَنْهَانَا أَنْ نَعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا﴾ [ہود: ۶۲] (وہ کہنے لگے: اے صالح! اس سے پہلے تو تم ہمارے درمیان اس طرح رہے ہو کہ تم سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں، جن بتوں کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں، کیا تم ہمیں ان کی عبادت کرنے سے منع کرتے ہو)؟

..... حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عِقْفُونُ﴾ ۵۱ ﴿قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عِبَادِينَ﴾ ۵۲ ﴿قَالَ

لَقَدْ كُنْتُمْ أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٥٣﴾ [الانبیاء: ۵۲ تا ۵۴] (وہ وقت یاد کرو جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ یہ کیا صورتیں ہیں جن کے آگے تم دھرنا دیے بیٹھے ہو؟ وہ بولے کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ان کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے۔ ابراہیم نے کہا: حقیقت یہ ہے کہ تم بھی اور تمہارے باپ دادے بھی کھلی گمراہی میں مبتلا رہے ہو)۔

..... حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿قَالُوا يَشْعِيبُ اَصْلَوْثُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ فَاَيَعْبُدُ اٰبَاؤُنَا﴾ [ہود: ۸۷] (وہ کہنے لگے: اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں یہ حکم دیتی ہے کہ ہمارے باپ دادا جن کی عبادت کرتے آئے تھے، ہم انہیں بھی چھوڑ دیں؟)

..... حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿قَالُوا اَجِئْنَا لِتُلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَیْہِ اٰبَاءُنَا وَتَكُوْنُ لَكُمَا الْكِبْرِیَاءُ فِی الْاَرْضِ﴾ [یونس: ۷۸] (کہنے لگے: کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ جس طور طریقے پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے، اس سے ہمیں برگشتہ کر دو اور اس سر زمین میں تم دونوں کی چودھراہٹ قائم ہو جائے؟)

..... حضرت یوسف علیہ السلام جیل میں دو ساتھیوں سے فرماتے ہیں: ﴿يَصْحَابِی السِّجْنِیَّ اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾ فَاَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِہِ اِلَّا اَسْمَاءَ سَمَّیْتُوْہَا اَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ بِہَا مِنْ سُلْطٰنٍ﴾ [یوسف: ۳۹، ۴۰] (اے میرے قید خانے کے ساتھیو! کیا بہت سے متفرق رب بہتر ہیں، یا وہ ایک اللہ جس کا اقتدار سب پر چھایا ہوا ہے؟ اس کے سوا جس جس کی تم عبادت کرتے ہو، ان کی حقیقت چند ناموں



سے زیادہ نہیں ہے جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لیے ہیں۔ اللہ نے ان کے حق میں کوئی دلیل نہیں اتاری)۔

..... قریش مکہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هَؤُلَاءِ ۚ مَا يَعْبُدُونَ إِلَّا كَمَا يَعْبُدُ آبَاؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ﴾ [ہود: ۱۰۹] (لہذا اے پیغمبر! یہ مشرکین جن بتوں کی عبادت کرتے ہیں، ان کے بارے میں ذرا بھی شک میں نہ رہنا۔ یہ تو اسی طرح عبادت کر رہے ہیں جیسے ان کے باپ دادے پہلے ہی عبادت کیا کرتے تھے)۔

### دوسرا سبب..... جہالت:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں 13 مقامات پہ شرک کا دوسرا سبب جہالت قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿قُلْ أَفَغَيْرَ اللَّهِ تَأْمُرُونَنِي أَعْبُدُ أَيُّهَا الْجَاهِلُونَ﴾ [الزمر: ۲۳] (کہہ دو کہ کیا پھر بھی اے جاہلو! تم مجھ سے کہتے ہو کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کرو)؟

### تیسرا سبب..... شیطان کی اطاعت:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں 5 مقامات پہ شرک کا تیسرا سبب شیطان کی اطاعت بتایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿ثَالِثًا لَّعَدُ ارَّسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ [النحل: ۶۳] (اے پیغمبر اللہ کی قسم! تم سے پہلے جو امتیں گزری ہیں، ہم نے ان کے پاس پیغمبر بھیجے تھے تو شیطان نے ان کے اعمال کو خوب بنا سنوار کر ان کے سامنے پیش کیا۔ چنانچہ وہی آج ان کا سرپرست بنا ہوا ہے اور اس کی وجہ سے ان کے لیے دردناک عذاب تیار ہے)۔

## اللہ تعالیٰ شرک سے پاک ہے: (۱)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں 25 مقامات پہ کھلے دھلے الفاظ میں اعلان فرمایا ہے کہ میں ہر قسم کے شرک سے پاک ہوں۔ کچھ مقامات یہ ہیں:

..... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۖ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةً ۚ إِنَّهُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَهُ وَاحِدٌ ۚ سُبْحَنَهُ أَنْ يَكُونَ لَكَ وَلَدٌ ۚ لَكَ فِي السَّمَوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ﴾ [النساء: ۱۷۱] (لہذا اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور یہ مت کہو کہ خدا تین ہیں۔ اس بات سے باز آ جاؤ، کہ اسی میں تمہاری بہتری ہے، اللہ تو ایک ہی معبود ہے، وہ اس بات سے بالکل پاک ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اسی کا ہے)۔

..... ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ﴿وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوا لَهُ بَنِينَ وَبَنَاتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ سُبْحَنَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُصِفُونَ ۚ ۝۱۰۰﴾ [الانعام: ۱۰۰، ۱۰۱] (اور لوگوں نے جنات کو اللہ کے ساتھ خدائی میں شریک کر دے لیا، حالانکہ اللہ نے ہی ان کو پیدا کیا ہے۔ اور سمجھ بوجھ کے بغیر اس کے لیے بیٹے اور بیٹیاں تراش لیں۔ حالانکہ اللہ کے بارے میں جو باتیں یہ بناتے ہیں وہ ان سب سے پاک اور بالا و برتر ہے۔ وہ تو آسمانوں اور زمین کا موجد ہے۔ اس کا کوئی بیٹا کہاں ہو سکتا ہے، جبکہ اس کی کوئی بیوی نہیں؟ اسی نے ہر چیز پیدا کی ہے)۔

..... ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ لَا شَرِيكَ لَهُ ۚ وَبِذَلِكَ أُهْرِتُ﴾ [الانعام: ۱۶۲، ۱۶۳] (کہہ دو کہ بے شک

میری نماز، میری عبادت اور میرا جینا مرنا سب کچھ اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اسی بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔

..... ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ﴿وَيَجْعَلُونَ لِلّٰهِ الْبَنَاتِ سُبْحَنًا ۚ وَلَهُمْ مَا يَشْتَهُونَ﴾ [النحل: ۵۷] (اور اللہ کے لیے تو انہوں نے بیٹیاں گھڑ رکھی ہیں۔ سبحان اللہ! اور خود اپنے لیے وہ بیٹے چاہتے ہیں، جو اپنی خواہش کے مطابق ہوں)۔

..... ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ﴿قُلْ لَوْ كَانَ مَعَهُ آلِهَةٌ كَمَا يَقُولُونَ إِذًا لَّابْتَغَوْا إِلَىٰ ذِي الْعَرْشِ سَبِيلًا﴾ [الاسراء: ۴۲، ۴۳] (کہہ دو کہ اگر اللہ کے ساتھ اور بھی خدا ہوتے جیسے کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو وہ عرش والے حقیقی خدا پر چڑھائی کرنے کے لیے کوئی راستہ پیدا کر لیتے۔ حقیقت ہے کہ جو باتیں یہ لوگ بناتے ہیں، اس کی ذات ان سے بالکل پاک اور بہت بالا و برتر ہے)۔

..... ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُن لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُن لَّهُ وِثِيٌّ مِنَ الذَّلٰلِ وَكَبِّرُهُ تَكْبِيرًا﴾ [الاسراء: ۱۱۱] (اور کہو کہ تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جس نے نہ کوئی بیٹا بنایا، نہ اس کی سلطنت میں کوئی شریک ہے، اور نہ اسے عاجزی سے بچانے کے لیے کوئی حمایتی درکار ہے۔ اور اس کی ایسی بڑائی بیان کرو جیسی بڑائی بیان کرنے کا اسے حق حاصل ہے)۔

..... ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ﴿قَالَهُمْ مِّنْ دُونِهِ مَنِ ذُوِّیْ ۚ وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا﴾ [الکہف: ۲۶] (اس کے سوا ان کا کوئی رکھوالا نہیں ہے اور وہ اپنی حکومت میں کسی کو شریک نہیں کرتا)۔

..... ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۗ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِذَا ۗ



تَكَادُ السَّمُوتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۖ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمَنِ وَلَدًا ۖ وَقَايَنُبَغْيٍ لِلرَّحْمَنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ۖ ﴿٩٢﴾ [مریم: ۸۸ تا ۹۲] (اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدائے رحمن کی کوئی اولاد ہے۔ ایسی بات کہنے والو! حقیقت یہ ہے کہ تم نے بڑی سنگین حرکت کی ہے۔ کچھ بعید نہیں کہ اس کی وجہ سے آسمان پھٹ پڑیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں کہ ان لوگوں نے خدائے رحمن کے لیے اولاد ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ حالانکہ خدائے رحمن کی یہ شان نہیں ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو)۔

..... ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُبْسِتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ۖ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَن يَفْعَلُ مِنْ ذَلِكُمْ مِثْلَ شَيْءٍ ۚ سُبْحَنَ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ ۚ﴾ [الروم: ۲۰] (اللہ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا، پھر اس نے تمہیں رزق دیا، پھر وہ تمہیں موت دیتا ہے، پھر تمہیں زندہ کرے گا۔ جن کو تم نے اللہ کا شریک مانا ہوا ہے، کیا ان میں سے کوئی ہے جو ان میں سے کوئی کام کرتا ہو؟ پاک ہے وہ اور بہت بالا و برتر اس شرک سے جس کا ارتکاب یہ لوگ کرتے ہیں)۔

..... ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ﴿أَمْرٌ لَهُمُ الْغَيْرُ اللَّهِ ۚ سُبْحَنَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۚ﴾ [الطور: ۲۳] (کیا اللہ کے سوا ان کا کوئی اور خدا ہے؟ پاک ہے اللہ اس شرک سے جو یہ کر رہے ہیں)۔

..... ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ﴿وَلَنْ نُشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا ۚ وَأَنْتَ تَعْلَىٰ جَدًّا رَبَّنَا فَاتَّخِذْ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا ۚ﴾ [الجن: ۲، ۳] (اور اب اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو عبادت میں ہرگز شریک نہیں مانیں گے۔ اور یہ کہ ہمارے پروردگار کی بہت اونچی شان ہے، اس نے نہ کوئی بیوی رکھی ہے، اور نہ کوئی بیٹا)۔



..... ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝۱ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝۲ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۝۳ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۝۴﴾ [الاخلاص] (کہہ دو: بات یہ ہے کہ اللہ ہر لحاظ سے ایک ہے۔ اللہ ہی ایسا ہے کہ سب اس کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور اس کے جوڑ کا کوئی نہیں)۔

### شرک کی سزا: (۱)

قرآن مجید میں شرک کرنے والوں کے لیے مختلف قسم کی سزاؤں کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔ ان میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:

..... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَقَارُودُ النَّارِ﴾ [المائدہ: ۷۲] (یقین جانو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے، اللہ نے اس کے لیے جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے)۔

..... ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ﴿ذَلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ قَآكَانُوا يَعْمَلُونَ ۝۸﴾ [الانعام: ۸۸] (یہ اللہ کی دی ہوئی ہدایت ہے جس کے ذریعے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے، راہِ راست تک پہنچا دیتا ہے اور اگر وہ شرک کرنے لگتے تو ان کے سارے نیک اعمال اکارت ہو جاتے)۔

..... ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ ۖ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَا كُنْتُمْ آيَاَنَا تَعْبُدُونَ ۝۲۸﴾ [یونس: ۲۸] (اور یاد رکھو وہ دن جب ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے، پھر جن لوگوں نے شرک کیا تھا، ان سے کہیں گے کہ ذرا اپنی جگہ ٹھہرو، تم بھی اور وہ بھی جن کو تم نے اللہ کا شریک مانا تھا۔ پھر ان کے درمیان عابد اور معبود کا جو رشتہ تھا، ہم وہ ختم کر دیں گے اور

ان کے وہ شریک کہیں گے کہ تم ہماری عبادت تو نہیں کرتے تھے۔

..... ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ﴿وَجَعَلُوا لِلَّهِ اُنْدَادًا لِّيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِهِ ط قُلْ تَتَّبِعُوا فَإِنَّ مَصِيرَكُمْ إِلَى النَّارِ ﴿٣٠﴾﴾ [ابراہیم: ۳۰] (اور انہوں نے اللہ کے ساتھ اس کی خدائی میں کچھ شریک بنا لیے، تاکہ لوگوں کو اس کے راستے سے گمراہ کریں۔ ان سے کہو کہ تھوڑے سے مزے اڑالو، کیونکہ آخر کار تمہیں جانا دوزخ ہی کی طرف ہے)۔

..... ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ﴿ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يُخْزِيهِمْ وَيَقُولُ اَيْنَ شُرَكَّائِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تُشَاقُّونَ فِيهِمْ﴾ [النحل: ۲۷] (پھر قیامت کے دن اللہ انہیں رسوا کرے گا اور ان سے پوچھے گا کہ کہاں ہیں وہ میرے شریک جن کی خاطر تم مسلمانوں سے جھگڑا کیا کرتے تھے)؟

..... ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتُلْقَىٰ فِي جَهَنَّمَ مَلُوفًا قَدْ حُورًا ﴿٣٩﴾﴾ [الاسراء: ۳۹] (اور اے انسان! اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بنا، ورنہ تجھے ملامت کر کے، دھکے دے کر دوزخ میں پھینک دیا جائے گا)۔

..... ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ﴿اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ط

اَنْتُمْ لَهَا وِرْدٌ ﴿٩٨﴾ لَوْ كَانَ هَؤُلَاءِ اِلٰهًا قَاوَرُ دُوهَا ط وَكُلٌّ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿٩٩﴾﴾ [الانبیاء: ۹۸، ۹۹] (اے شرک کرنے والو! یقین رکھو کہ تم اور جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو، وہ سب جہنم کا ایندھن ہیں۔ تمہیں اسی جہنم میں جا اترنا ہے۔ اگر یہ واقعی خدا ہوتے تو اس جہنم میں نہ جاتے۔ اور سب کے سب اس میں ہمیشہ رہیں گے)۔

..... ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ﴿اِنَّكُمْ لَذٰلِكَ اِلَیْهِمُ الْعَذَابِ الْاَلِیْمِ ﴿٣٨﴾﴾ [الصافات: ۳۸، ۳۹] (چنانچہ ان سے کہا جائے گا کہ تم سب کو دردناک عذاب کا مزہ چکھنا ہوگا اور تمہیں کسی اور بات کا نہیں، خود تمہارے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا)۔

..... ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ﴿أَنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ وَاحِدٌ فَاسْتَقِيمُوا إِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوهُ ۖ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِينَ ۖ﴾ [فصلت: ۶] (البتہ مجھ پر یہ وحی نازل ہوتی ہے کہ تمہارا خدا بس ایک ہی خدا ہے۔ لہذا تم اپنا رخ سیدھا اسی کی طرف رکھو، اور اسی سے مغفرت مانگو۔ اور بڑی تباہی ہے ان مشرکوں کے لیے)۔

### شُرک کی مختلف صورتیں: (۱)

قرآن عظیم الشان میں شرک کی بہت ساری صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ جن میں سے چند ایک یہاں ذکر کی جا رہی ہیں:

..... تین خداؤں کا قائل ہونا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ ۖ وَقَامِنُ إِلَهِ إِلَٰهٍ وَاحِدٌ﴾ [المائدہ: ۷۳] (وہ لوگ بھی یقیناً کافر ہو چکے ہیں جنہوں نے یہ کہا ہے کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے، حالانکہ ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں ہے)۔

..... حلال کو حرام قرار دینا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَاجْعَلِ اللَّهُ مِنْ بُحَيْرَةٍ وَلَا سَابِئَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ ۖ وَلَٰكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۖ وَكَثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝﴾ [المائدہ: ۱۰۳] (اللہ نے کسی جانور کو نہ بحیرہ بنانا طے کیا ہے، نہ سائبہ، نہ وصیلہ اور نہ حامی، لیکن جن لوگوں نے کفر اپنایا ہوا ہے، وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور ان میں سے اکثر لوگوں کو صحیح سمجھ نہیں ہے)۔

..... حرام کو حلال قرار دینا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ﴾ [التوبہ: ۲۹] (وہ اہل کتاب جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، نہ یوم آخرت پر۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی حرام کی



ہوئی چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے، ان سے جنگ کرو)۔

..... غیر اللہ کو پکارنا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ط وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ ۝۱۳﴾ اِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ ؕ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ ط وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ ط وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ ۝۱۴﴾ [فاطر: ۱۳، ۱۴] (یہ ہے اللہ جو تمہارا پروردگار ہے، ساری بادشاہی اسی کی ہے۔ اور اسے چھوڑ کر جن جھوٹے خداؤں کو تم پکارتے ہو، وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ اگر تم ان کو پکارو گے تو وہ تمہاری پکار سنیں گے ہی نہیں، اور اگر سن بھی لیں تو تمہیں کوئی جواب نہیں دے سکیں گے۔ اور قیامت کے دن وہ خود تمہارے شرک کی تردید کریں گے۔ اور جس ذات کو تمام باتوں کی مکمل خبر ہے اس کے برابر تمہیں کوئی اور صحیح بات نہیں بتائے گا)۔

..... غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخَنَازِيرِ وَقَاءَ أَهْلٍ بِهَا لَغَيْرِ اللَّهِ﴾ [البقرة: ۱۷۳] (اس نے تو تمہارے لیے بس مردار جانور، خون اور سور حرام کیا ہے، نیز وہ جانور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو)۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ سورہ بقرہ کی مندرجہ بالا آیت کے تحت لکھتے ہیں:

”لَوْ أَنَّ مُسْلِمًا ذَبَحَ ذَبِيحَةً وَ قَصَدَ بِذَبْحِهَا التَّقَرُّبَ إِلَى غَيْرِ اللَّهِ صَارَ مُرْتَدًّا وَ ذَبِيحَتُهُ ذَبِيحَةُ مُرْتَدٍّ.“ [تفسیر کبیر تحت آیہ سورۃ البقرہ، ۱۷۳]

”اگر کوئی مسلمان کسی جانور کو ذبح کرے اور ذبح کرتے وقت غیر اللہ کے قرب کی نیت کرے تو وہ شخص مرتد ہو جائے اور اس کا ذبح کیا ہوا جانور، مرتد کا ذبح کیا ہوا شمار کیا



جائے گا۔“

..... بتوں کی پوجا کرنا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿إِذْ قَالَ لِأَبْنَيْهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ﴾ ④ ﴿قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنًا قَافَظَلُ لَهَا عِكِفِينَ﴾ ⑤ [الشعراء: ٤٠، ٤١] (جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور انہی کے آگے دھرنا دیے رہتے ہیں)۔

..... جنات کی عبادت کرنا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوا آلَ بَنِيْنَ وَبَنَتْ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ [الانعام: ١٠٠] (اور لوگوں نے جنات کو اللہ کے ساتھ خدائی میں شریک قرار دے لیا، حالانکہ اللہ نے ہی ان کو پیدا کیا ہے۔ اور سمجھ بوجھ کے بغیر اس کے لیے بیٹے اور بیٹیاں تراش لیں)۔

..... سورج کی پوجا کرنا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَجَدُوهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّامِسِ مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ [النمل: ٢٣] (میں نے اس عورت اور اس کی قوم کو پایا ہے کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر سورج کے آگے سجدے کرتے ہیں)۔

..... حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کی عبادت کرنا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَعْيسَى ابْنُ مَرْيَمَ أَأَنْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأَهْلِي الْهَيْئِ مِنْ دُونِ اللَّهِ قَالَ سُبْحَنَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ بِحَقٍّ﴾ [المائدة: ١١٦] (اور اس وقت کا بھی ذکر سنو جب اللہ کہے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے علاوہ دو معبود بناؤ؟ وہ کہیں گے: ہم تو آپ کی ذات کو شرک سے پاک سمجھتے ہیں۔ میری مجال نہیں تھی کہ میں ایسی بات کہوں جس کا مجھے کوئی حق نہیں)۔

..... چاند کی پوجا کرنا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هَذَا رَبِّي ۖ فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ ۝﴾ [فصلت: ۳۷] (پھر جب انہوں نے چاند کو چمکتے دیکھا تو کہا کہ یہ میرا رب ہے۔ لیکن جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہنے لگے: اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ دیتا تو میں یقیناً گمراہ لوگوں میں شامل ہو جاؤں)۔

..... اللہ کی طرف بیوی کی نسبت کرنا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَأَنذُ تَعْلَىٰ جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا ۝﴾ [الجن: ۳] (اور یہ کہ ہمارے پروردگار کی بہت اونچی شان ہے، اس نے نہ کوئی بیوی رکھی ہے، اور نہ کوئی بیٹا)۔

..... اللہ کی طرف اولاد کی نسبت کرنا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا ۝ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ۝﴾ تَكَادُ السَّمَوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ أَن دَعَوْا لِلرَّحْمَنِ وَلَدًا ۝ ۙ وَقَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمَنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ۝﴾ [مریم: ۸۸ تا ۹۲] (اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدائے رحمن کی کوئی اولاد ہے۔ ایسی بات کہنے والو! حقیقت یہ ہے کہ تم نے بڑی سنگین حرکت کی ہے۔ کچھ بعید نہیں کہ اس کی وجہ سے آسمان پھٹ پڑیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں کہ ان لوگوں نے خدائے رحمن کے لیے اولاد ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ حالانکہ خدائے رحمن کی یہ شان نہیں ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو)۔

### طلبہ کے لیے علمی نکتہ: ۱

باغ کے مالک کے الفاظ میں تو شرک نہیں، کیونکہ اس نے تو کہا تھا: ﴿وَقَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً﴾ (میرا خیال نہیں کہ قیامت قائم ہو جائے)۔ چنانچہ یہ کفر ہے، شرک نہیں۔ لیکن اس نے اعتقاد کے لحاظ سے شرک کیا تھا۔ وہ اس طرح کہ وہ یہ سمجھتا تھا کہ

اس کے باغ کا پھلنا پھولنا اور بڑھنا محض اس کی محنت و قوت کا ثمرہ ہے، کسی اور طاقت کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بھائی نے اس سے کہا: ﴿وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ﴾ (تم نے اپنے باغ میں داخل ہوتے وقت ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ کیوں نہیں کہا) خود اس نے اپنے باغ کو دیکھ کر ہاتھ ملتے ہوئے کہا: ﴿يَلَيَّتَنِي لِمَ أَشْرِكُ بِرَبِّي أَحَدًا﴾ (اے کاش کہ میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا) گویا اس نے شرک کا خود اعتراف کیا۔

[مسائل الرازی، صفحہ ۲۴۰، ۲۴۱]

﴿وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ ۚ إِنَّ تَرَنِ أَنَا أَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَوَلَدًا﴾ ﴿۳۹﴾ ﴿فَعَسَىٰ رَبِّي أَن يُّؤْتِيَنِي خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَاءِ فَتُصْبِحَ صَعِيدًا زَلَقًا﴾ ﴿۴۰﴾

اور جب تم اپنے باغ میں داخل ہو رہے تھے، اس وقت تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ! (جو اللہ چاہتا ہے، وہی ہوتا ہے، اللہ کی توفیق کے بغیر کسی میں کوئی طاقت نہیں)۔ اگر تمہیں یہ نظر آرہا ہے کہ میری دولت اور اولاد تم سے کم ہے تو میرے رب سے کچھ بعید نہیں ہے کہ وہ مجھے تمہارے باغ سے بہتر چیز عطا فرمادے، اور تمہارے اس باغ پر کوئی آسمانی آفت بھیج دے، جس سے وہ چکنے میدان میں تبدیل ہو کر رہ جائے۔

انعاماتِ الہیہ کی نسبت اللہ کی طرف کرنے کی تلقین: (۱)

﴿وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ﴾

اور جب تو آیا تھا اپنے باغ میں کیوں نہ کہا تو نے جو چاہے اللہ سو ہو طاقت نہیں مگر جو دے اللہ

تو نے اپنی عاجزی اور اللہ کی قدرت کا اقرار کیوں نہیں کیا اور کیوں نہیں کہا کہ اللہ کی مدد کے بغیر میں اس کو محفوظ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا جو کچھ مجھے اس باغ کو لگانے پرورش کرنے اور انتظام کرنے کی سہولت حاصل ہوئی ہے وہ اللہ کی توفیق اور اس کی مدد سے حاصل ہوئی ہے۔

اس مومن موحّد نے اپنے مخاطب سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جو تجھے باغ کی نعمت دی ہے، تجھے اس نعمت پر شکر گزار ہونا چاہیے۔ باغ میں جا کر تو نے یوں کہا کہ میرے خیال میں یہ باغ کبھی برباد نہ ہوگا اور تو قیامت آنے کا بھی منکر ہو گیا، اس کے بجائے تجھے یوں کہنا چاہیے تھا کہ ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ (اللہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور اللہ کی مدد کے بغیر کوئی قوت نہیں)۔ یہ باغ صرف اللہ تعالیٰ کی مشیت سے وجود میں آیا ہے، اسی نے تجھے اس پر قبضہ دیا ہے، جب وہ چاہے گا اسے برباد کر دے گا اور تو دیکھتا رہ جائے گا۔

امام مالک رحمہ اللہ کے مکان کی تختی:

امام دارالہجرت مالک بن انس رحمہ اللہ نے اپنے مکان کے دروازہ پر یہ لکھ رکھا تھا ”فَإِشَاءَ اللَّهِ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ“ کسی نے پوچھا کہ آپ نے یہ کیوں لکھا؟ انہوں نے فرمایا: اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ فَإِشَاءَ اللَّهِ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ﴾ (اور جب تم اپنے باغ میں داخل ہو رہے تھے، اس وقت تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ)!

”ماشاء اللہ“ کہنے سے حاجات پوری ہوتی ہیں:

ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے ایک حاجت کا سوال کیا لیکن اس کے پورا ہونے میں دیر ہو گئی تو انہوں نے ”ماشاء اللہ“ کہہ دیا۔ چنانچہ ان کی حاجت

پوری ہو کر سامنے آگئی (جلدی ہی پوری ہوگئی)۔ انہوں نے عرض کیا: اے میرے رب! میں اپنی حاجت کو اتنے اور اتنے عرصے سے طلب کر رہا تھا، اب آپ نے مجھے وہ عطا فرمائی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ اے موسیٰ! کیا تجھے علم نہیں ہے کہ تیرا ”ماشاء اللہ“ کہنا ان ضرورتوں کو زیادہ جلدی پورا کرنے والا ہے جو تو اس کے ذریعے طلب کر لے۔

[تفسیر درمنثور تحت هذه الآية من سورة الكهف]

### جنت کا دروازہ:

حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چھوڑ آئے تھے۔ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور میں دو رکعت پڑھ کر لیٹ چکا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پاؤں سے مارا اور فرمایا:

”أَلَا أَدُلُّكَ عَلَىٰ بَابٍ مِّنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ؟“

”کیا میں تجھ کو جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازے کے متعلق نہ بتاؤں؟“

میں نے عرض کیا:

”بلی“

”ضرور بتائیے۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ“ [جامع ترمذی، رقم: ۳۵۸۱]

”وہ ہے لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔“

## آفات سے حفاظت: (۱)

..... نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

”مَا أَنْعَمَ اللَّهُ تَعَالَى عَلَى عَبْدٍ نِعْمَةً مِنْ أَهْلِ وَمَالٍ وَوَلَدٍ فَيَقُولُ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا

قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ فَيَرَى فِيهِ آفَةً دُونَ الْمَوْتِ“ [شعب الایمان، رقم: ۴۳۶۹]

”اللہ تعالیٰ جس بندہ پر اہل عیال میں یا مال میں کوئی انعام فرماتے ہیں اور وہ اس کو دیکھ

کر ”ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ“ کہتا ہے تو اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کی ہر آفت کو

دور فرما دیتے ہیں، یہاں تک کہ اس پر موت آجائے۔“

..... ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ رَأَى شَيْئًا يُعْجِبُهُ فَقَالَ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ لَمْ يَضُرَّهُ.))

[شعب الایمان، رقم: ۴۳۷۰]

”جس شخص کو کوئی چیز دیکھنے میں اچھی لگے اور وہ اس کو دیکھتے ہی ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ

پڑھنے لگے تو اس چیز کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔“

فوائد السلوک: (۱) یہ لفظ ”شیئاً“ کا مطلب ہے ”کوئی چیز“ اور ”یُعْجِبُهُ“ کا مطلب ہے ”اچھا لگنا“۔

”لا قوۃ الا باللہ“ کے تین مطلب بیان کیے گئے ہیں۔

①..... اس کا کہنے والا اپنی قوت کے بیزار ہو جاتا ہے اور سارا معاملہ اللہ کے سپرد

کر دیتا ہے۔

②..... اس کے کہنے والے کو یقین ہوتا ہے کہ مخلوق کی قوت حقیقی نہیں۔ اس لیے وہ

صرف اللہ سے خوف کھاتا ہے۔

③..... اس میں فلاسفہ پڑوتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں: اشیاء کی قوت ذاتی ہے، لیکن ان کلمات

نے بتا دیا کہ قوت صرف اللہ کی ہے۔

ایمان کے ثمرہ کا بیان: (۱)

إِنْ تَرَنِ أَنَا أَقَلُّ مِنْكَ مَالًا وَوَلَدًا ۖ فَعَسَىٰ رَبِّي أَن يُؤْتِيَنِي خَيْرًا مِّمَّنْ جَنَّتِكَ

اگر تو دیکھتا ہے مجھ کو کہ میں کم ہوں تجھ سے مال اور اولاد میں۔ تو اُمید ہے کہ میرا رب دیوے مجھ کو تیرے باغ سے بہتر

رہی یہ بات کہ میں تجھ سے مال اور اولاد میں کم ہوں تو یہ بات میرے لیے کوئی غمگین اور متفکر ہونے کی نہیں ہے مجھے اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ عنقریب تیرے باغ سے بہتر باغ عطا فرمادے گا دنیا میں ہو یا آخرت میں یادوں میں۔

پہلا متوقع عذاب: (۱)

وَيُرْسِلْ عَلَيْهَا حُشْبَانًا مِّنَ السَّمَاءِ فَتُصْبِحَ صَعِيدًا زَلَقًا ۝

اور بھیج دے اس پر لو کا ایک جھونکا آسمان سے، پھر صبح کو رہ جائے میدان صاف مطلب یہ ہے کہ تو جو یہ کہتا ہے کہ میرا باغ ہمیشہ رہے گا یہ اس لیے کہتا ہے کہ اسباب ظاہرہ موجود ہیں سیراب کرنے کے لیے پانی ہے باغ کی سیچائی کے لیے آدمی موجود ہیں۔ یہ تیری بھول ہے جس ذات پاک نے تجھے یہ باغ دیا ہے وہ اس پر قادر ہے کہ آسمان سے اس پر کوئی آفت بھیج دے۔ پھر نہ کوئی درخت رہے نہ ٹہنی نہ برگ رہے نہ بار۔

قرآن مجید میں ”حسان“ کا 2 طرح استعمال: (۱)

قرآن مجید میں ”حسان“ کا لفظ 2 طرح استعمال ہوا ہے:

①..... حساب کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ



بِحُسْبَانٍ ﴿٥﴾ [الرحمن: ٥]

②..... آگ کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَعَسَىٰ رَبِّي أَن يُؤْتِيَنِي خَيْرًا

مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَاءِ﴾ [الكهف: ٢٠]

[وجوہ القرآن، صفحہ ۱۸۵، ۱۸۶]

## قرآن مجید میں ”السماء“ کا 6 معانی میں استعمال: ①

قرآن مجید میں ”السماء“ کا لفظ 6 معانی میں استعمال ہوا ہے:

①..... بمعنی گھر کی چھت۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَلْيُمْدِدْ بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَاءِ

ثُمَّ لِيُقْطِعْ﴾ [الحج: ۱۵]

②..... بمعنی بادل۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا﴾ ﴿٢٨﴾

[الفرقان: ۲۸]

③..... بمعنی بارش۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ قِدْرَارًا﴾ ﴿١١﴾

[نوح: ۱۱]

④..... بمعنی جنت کے آسمان۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَأَقَا الَّذِينَ سُعِدُوا فِي

الْجَنَّةِ خُلْدًا فِيهَا قَادِمَتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ﴾ [هود: ۱۰۸]

⑤..... بمعنی جہنم کے آسمان۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَأَقَا الَّذِينَ شَقُوا فِي

النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ﴾ ﴿١٠﴾ خُلْدًا فِيهَا قَادِمَتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ﴾ [هود: ۱۰۷]

⑥..... زمین کے بالمقابل۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿أَفَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ

فَوْقَهُمْ كَيْفَ بُنِيَتْ﴾ [ق: ۶]

[بصائر ذوی التعمیر: ۳/ ۲۶۳، ۲۶۴]



بستی میں داخل ہونے کی دعا: (۱)

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی بستی میں داخل ہونا چاہتے تو اسے دیکھتے ہی یہ دعا پڑھتے:

((اللَّهُمَّ رَبَّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَمَا أَظْلَلْنَ، وَرَبَّ الْأَرْضِينَ السَّبْعِ وَمَا أَقْلَلْنَ، وَرَبَّ الشَّيَاطِينِ وَمَا أَضَلَّلْنَ، وَرَبَّ الرِّيَّاحِ وَمَا ذَرَيْنَ، فَإِنَّا نَسْأَلُكَ خَيْرَ هَذِهِ الْقَرْيَةِ وَخَيْرَ أَهْلِهَا، وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ أَهْلِهَا وَشَرِّ مَا فِيهَا.)) [متدرک الحاکم، رقم: ۲۴۸۸]

”اے اللہ! جو ساتوں آسمانوں اور ان سب چیزوں کا مالک ہے جو آسمانوں کے نیچے ہیں اور جو ساتوں زمینوں کا اور ان سب چیزوں کا رب ہے جو ان کے اوپر ہیں اور جو شیطانوں کا اور ان سب کا رب ہے جن کو شیطانوں نے گمراہ کیا ہے اور جو ہواؤں کا اور ان سب چیزوں کا رب ہے جنہیں ہواؤں نے اڑایا ہے۔ سو ہم تجھ سے اس بستی کی اور اس کے باشندوں کی خیر کا سوال کرتے ہیں اور اس کے شر سے اور اس کے باشندوں کے شر سے اور ان چیزوں کے شر سے تیری پناہ چاہتے ہیں، جو اس کے اندر ہیں۔“

﴿أَوْ يُصْبِحَ مَاؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيعَ لَهُ طَلَبًا﴾<sup>(۴۱)</sup>

یا اس کا پانی زمین میں اتر جائے، پھر تم اسے تلاش بھی نہ کر سکو۔

دوسرا متوقع عذاب: (۱)

﴿أَوْ يُصْبِحَ مَاؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيعَ لَهُ طَلَبًا﴾<sup>(۴۱)</sup>

یا صبح کو ہو رہے اس کا پانی خشک پھر نہ لاسکے تو اس کو ڈھونڈ کر

یعنی تو پانی نکالنا بھی چاہے تو اتنا گہرا پانی ہو کہ تو پانی نکال ہی نہ سکے۔ ابھی تک تو تجھے وافر پانی مل رہا ہے جس کی وجہ سے تیرے باغ میں پھل بھی ہیں اور تجھے مال بھی مل رہا ہے جس کی وجہ سے تیرے اندر تکبر آچکا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ پانی کے اس Level (لیول) کو زمین کے اندر نیچے کر دے تو پھر تیرے باغ کا کیا بنے گا؟ پھر تیرا باغ خراب ہو جائے گا۔ اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہے: ﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَصْبَحَ قَاؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَأْتِيكُمْ بِمَاءٍ مَّعِينٍ﴾ [الک: ۳۰] (کہہ دو کہ ذرا یہ بتلاؤ کہ اگر کسی صبح تمہارا پانی نیچے کو اتر کر غائب ہو جائے تو کون ہے جو تمہیں چشمے سے اُبلتا ہوا پانی لا کر دے دے؟)

﴿وَاجْنَبْ بَشْرَهُ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰی مَا اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰی عُرْوَتِهَا وَيَقُوْلُ يَلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْ اَحَدًا﴾

اور (پھر ہوا یہ کہ) اس کی ساری دولت عذاب کے گھیرے میں آگئی، اور صبح ہوئی تو اس حالت میں کہ اس نے باغ پر جو کچھ خرچ کیا تھا، وہ اس پر ہاتھ ملتا رہ گیا، جبکہ اس کا باغ اپنی ٹٹیوں پر گرا پڑا تھا، اور وہ کہہ رہا تھا: کاش! میں نے اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ مانا ہوتا۔

**باغ کی تباہی کا بیان: ①**

وَاجْنَبْ بَشْرَهُ

اور سمیٹ لیا گیا اس کا سارا پھل

مومن و موحد بندہ نے جو کافر و مشرک ناشکرے کو شرک چھوڑنے اور توحید اختیار

کرنے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت ماننے اور اس کی گرفت سے بچنے کی تلقین کی تھی اس پر اس کافر نے دھیان نہ دیا، بالآخر عذاب آ ہی گیا اور اس کے پاس جو مال تھا اور مالدار بننے کے جو اسباب تھے، ان سب کو ایک آفت نے گھیر لیا۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ ایک آگ تھی جس نے اس کی مالیت کو جلا کر راکھ کا

ڈھیر بنا دیا۔

مشرک کا اظہارِ افسوس: ﴿۱﴾

فَاصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلَىٰ مَا أَنفَقَ فِيهَا

پھر اس نے جو کچھ اس باغ پر خرچ کیا تھا اس پر ہاتھ ملتا رہ گیا

مفسرین نے لکھا ہے کہ ایک آگ لگی اور اس کے باغ کے سارے کے سارے درخت جل گئے۔ یہ جو انگور کے درخت ہوتے ہیں یہ سیزن میں تو سرسبز ہوتے ہیں اور پھل دیتے ہیں، لیکن جب سیزن ختم ہوتا ہے تو ان کے پتے بالکل خشک ہو جاتے ہیں اور باقی درخت خشک لکڑی کی طرح رہ جاتا ہے۔ جب آگ لگی تو وہ جو خشک لکڑی کی طرح درخت تھے، وہ جل گئے اور اس کا باغ بالکل چٹیل میدان کی طرح بن گیا۔ اس نے پھلوں کو لٹکانے کے لیے جو چیزیں لگائی ہوئی تھیں وہ بھی جل کر نیچے گر گئیں۔ اب وہ افسوس کرنے لگا کہ میں نے تو اس باغ کو Develop (ڈیولپ) کرنے کے لیے اتنا پیسہ خرچ کیا تھا، اب آگ لگ گئی ہے، میرا پیسہ بھی ضائع ہو گیا اور میرا باغ بھی چلا گیا۔

باغ کی تباہی کی منظر کشی: ﴿۱﴾

وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرْوَتِهَا

اور وہ گرا پڑا تھا اپنی چھتریوں پر  
یعنی انگور کی بیلوں کی چھتریاں زمین پر گر گئیں، اس طرح سب بیلیں زمین پر آ رہیں  
اور سارا انگورستان اُجڑ گیا۔

اپنے شرک پر ندامت: (۱)

وَيَقُولُ يَلَيْتَنِي لَمْ أُشْرِكْ بِرَبِّي أَحَدًا ۝۳۱

اور کہنے لگا: کیا خوب ہوتا اگر میں شریک نہ بناتا اپنے رب کا کسی کو  
یعنی میں نے جو شرک کیا، میں نے یہ بُرا کام کیا۔ اللہ نے مجھے میرے اس باغ سے  
محروم کر دیا۔

اور کہتا تھا کہ ہائے افسوس! میں اس باغ پر مال خرچ نہ کرتا، جیسا تھا ویسے ہی بڑھتا  
رہتا۔ اگر اس پر مال نہ خرچ کرتا تو باغ جل جاتا، مگر مال تو رہ جاتا، باغ بھی ہلاک ہوا  
اور جو کچھ اس پر لگایا تھا، وہ بھی گیا۔ اب اسے اپنے مومن ساتھی کی نصیحت یاد آئی اور  
کہنے لگا: ﴿يَلَيْتَنِي لَمْ أُشْرِكْ بِرَبِّي أَحَدًا ۝۳۱﴾ (ہائے کاش! کیا ہی اچھا ہوتا کہ میں اپنے  
رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا)۔

اور بعض مفسرین کے نزدیک یہ الفاظ قیامت کے دن کہے گا کہ جب اس کو دوزخ  
میں اپنا مقام دکھایا جائے گا۔

﴿وَلَمْ تَكُنْ لَدَيْنَهُ تَنْصُرُونَ ۚ مَنْ دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مُنتَصِرًا ۝۳۲﴾

اور اُسے کوئی ایسا جتھہ میسر نہ آیا جو اللہ کو چھوڑ کر اس کی مدد کرتا، اور نہ وہ خود اس قابل تھا  
کہ اپنا دفاع کر سکے۔



باغوں والے کی بے یار و مددگاری کا بیان: ((

وَلَمْ تَكُنْ لَدَيْنَهُ مَتَاعٌ يَتَفَعَّلُونَ وَتَدْعُونَ دُونَ اللَّهِ

اور نہ ہوئی اس کی جماعت کہ مدد کریں اس کی اللہ کے سوائے

باغ کی بربادی اور صاحب باغ کی حسرت بیان فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی بے بسی کو بیان کر دیا ہے۔

یہ آیت مبارکہ خاص معنی رکھتی ہے۔ اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس متکبر بندے کے باغ کو جلادیا، اس سے نعمت کو واپس لے لیا اور فرمایا کہ جب ہم نے اپنی نعمت کو واپس لے لیا تو نہ تو کوئی اس کی مدد کرنے والا تھا اور نہ ہی وہ کوئی بدلہ لے سکتا تھا۔ اور قیامت کے دن بھی عذاب کو دفع کرنے پر قدرت رکھنے والی اس کے لیے اللہ کے سوا کوئی جماعت نہ ہوگی اور نہ وہ تنہا اپنی قوت پر اللہ کے انتقام سے بچ سکے گا۔

باغوں والے کی بے بسی کا بیان: ((

وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا

مترجم:

اور نہ ہوا وہ کہ خود بدلہ لے سکے۔ یہاں یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بے بسی میں چھوڑ دیا۔ اتنی بڑی آفت کسی پرنازل ہو جائے تو وہ تو مخلوق سے بھی بدلہ لینے سے عاجز ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے تو کوئی شخص بدلہ لے ہی نہیں سکتا۔ اللہ نے ان کفر و شرک کی وجہ سے عذاب بھیجا اور وہ اس حال میں ہو گیا کہ کسی طرح کہیں سے بھی مدد پا کر کسی طرح کا بدلہ لینے کے قابل نہ رہا۔

﴿هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلَّهِ الْحَقِّ ۖ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَخَيْرٌ عُقْبًا﴾

ایسے موقع پر (آدمی کو پتہ چلتا ہے کہ) مدد کا سارا اختیار سچے اللہ کو حاصل ہے۔ وہی ہے جو بہتر ثواب دیتا اور بہتر انجام دکھاتا ہے۔

اللہ کے اختیارات کا ملکہ کا بیان: (۱)

هٰذَا لَكَ الْمَوْلَا يَمْثِلُ الْحَقَّ

یہاں سب اختیار ہے اللہ سچے کا

یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ نے کافر کا یہ قول اسی وقت کا نقل کیا ہو جب اس نے اپنے باغوں کو تباہ دیکھ کر اظہارِ پشیمانی کیا تھا اور شرک سے توبہ کر لی تھی یا اپنے مؤمن بھائی کی نصیحت سن کر اور باغ کی اُجڑی حالت دیکھ کر سمجھ گیا تھا کہ یہ ساری مصیبت شرک کی وجہ سے آئی ہے۔ یہ حقیقت سمجھ کر اس نے بے اختیار بے تابی کی حالت میں شرک سے بیزاری کا اظہار کر دیا۔ چنانچہ اس موقع پر اس اضطراری حالت میں اس کو یقین ہو گیا کہ نصرت یا حکومت اللہ برحق کی ہی ہے۔

آخرت میں ثواب، دنیا میں انجام: (۱)

هٰذَا لَكَ الْمَوْلَا يَمْثِلُ الْحَقَّ

اسی کا انعام بہتر ہے اور اچھا ہے اسی کا دیا ہوا بدلہ

یعنی اللہ اپنے اطاعت گزاروں کو سب سے اچھا بدلہ دیتا ہے کیونکہ دوسرے لوگ جو اطاعت کا دنیا میں بدلہ دیتے ہیں وہ حقیر اور فنا پذیر ہوتا ہے اور اللہ دنیا میں تو اپنی حکمت کے مطابق اچھا بدلہ دیتا ہی ہے۔ آخرت میں عظیم الشان لازوال ثواب عنایت فرمانے والا ہے۔ اسی طرح ہم اپنے اموال کو اللہ پاک کی رضا مندی کے لیے خرچ کریں وہ



اچھے سے اچھا بدلہ دے گا اور جو کچھ اس کی رضا کے لیے خرچ کیا جائے گا، اس کا انجام بھی سب سے اچھا ہوگا۔

اس میں یہ بتا دیا کہ مومن بندوں کا اگر کوئی نقصان ہو بھی جائے تو انجام کے اعتبار سے اسے کوئی خسارہ یا نقصان نہیں کیونکہ وہ دونوں جہان میں یا کم از کم آخرت میں اس کا بدلہ پالے گا اور آخرت میں جو کچھ ملے گا اس کا اس دنیا میں حساب نہیں لگایا جاسکتا۔

**مصیبتیں بخشواتی ہیں:**

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

”مَا يَزَالُ الْبَلَاءُ بِالْمُؤْمِنِ وَالْمُؤْمِنَةُ فِي نَفْسِهِ وَوَلَدِهِ وَمَالِهِ حَتَّى يَلْقَى اللَّهَ وَمَا عَلَيْهِ خَطِيئَةٌ.“ [جامع ترمذی، رقم: ۲۳۹۹]

”مومن مرد اور مومن عورت کو اس کے جان میں اور مال اور اولاد میں تکلیف پہنچتی رہتی ہے یہاں تک کہ جب وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا تو اس کا ایک گناہ بھی باقی نہ رہے گا (تکلیفوں کی وجہ سے سب گناہ دھل چکے ہوں گے)۔“

## اس قصہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس قصے کا سبق اور لب لباب مندرجہ ذیل ہے:

..... اے بندے! اگر تمہیں اللہ تعالیٰ دنیا کے اندر نعمتیں دیتے ہیں، تم فیکٹری کے مالک ہو، تم بزنس مین ہو، تم اچھی Job (جاب) کرنے والے ہو، تم اچھی تعلیم رکھنے والے ہو اور تمہارے پاس مال پیسہ ہے، گاڑی ہے، گھر ہے، اور دنیا کی سب نعمتیں موجود ہیں تو

ان کے ہوتے ہوئے اپنے اندر گھمنڈ نہ آنے دینا، جس پروردگار نے یہ نعمتیں دی ہیں، ان کو اسی کی طرف منسوب کرنا، اپنی طرف ان نعمتوں کو منسوب نہ کرنا۔ انسان عام طور پر نعمتوں کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔ آپ قارون کا قصہ پڑھ کے دیکھ لیں۔ اس نے کیا کہا تھا؟ ”إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي“ میں نے اپنے بزنس کے علم کو لگایا اور مجھے جو اتنا مال ملا، وہ میرے علم کی وجہ سے ملا۔ اس نے اس مال کو اللہ کی طرف منسوب نہیں کیا کہ اللہ نے مجھے رزق عطا کیا ہے، بلکہ اس کو اپنی طرف منسوب کیا کہ یہ میرے علم کی وجہ سے ملا ہے۔ اس کی وجہ سے وہ اللہ کی پکڑ میں آ گیا۔

..... یہ جو صاحبِ جنتین تھا، اس نے بھی مال کو اپنی طرف منسوب کیا۔ میرا یہ باغ ہے، میرا باغ کبھی ختم نہیں ہوگا، میں نے اس کو اتنا اچھا Developel (ڈیولپ) کیا ہے، یہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور اگر میں مر بھی گیا تو آخرت میں بھی اسی طرح اچھا باغ اور ٹھکانہ مجھے مل جائے گا۔ اس نے اس سب کچھ کو اپنی طرف منسوب کیا اور اپنی طرف منسوب کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کے باغ کو جلا کر بھی رکھ دیا اور اس کو اس نعمت سے محروم بھی کر دیا۔

..... یہ قصہ ہمیں سکھا رہا ہے کہ جس بندے کو اللہ تعالیٰ دنیا میں نعمتیں عطا کرے وہ ان نعمتوں کو اپنی طرف منسوب نہ کرے، بلکہ اس منعمِ حقیقی کی طرف منسوب کرے جس نے نعمتیں عطا کی ہیں۔ یاد رکھیں! جو پروردگار نعمتیں دینا جانتا ہے وہ نعمتیں واپس لینا بھی جانتا ہے۔

ہمیں چاہیے کہ ہم اس قصے سے حاصل ہونے والا یہ سبق سیکھ لیں اور کبھی بھی ان نعمتوں کو اپنی طرف منسوب نہ کریں اور کبھی بھی ایسے نہ کہیں کہ میں نے یہ کیا، اور میں



نے یہ کیا..... نہیں نہیں، میں نے یہ نہیں کیا، اگر میری فیکٹری چل رہی ہے تو اس کو میں نہیں چلا رہا، بلکہ اللہ تعالیٰ چلا رہے ہیں۔ اگر میری زمین کھیتی دے رہی ہے تو میں اس سے کھیتی نہیں لے رہا، بلکہ اللہ تعالیٰ مجھے دے رہے ہیں۔ تو دینے والا کون ہے؟ اللہ۔ اللہ کی طرف نظر جانی چاہیے، اپنی ذات کی طرف نظر نہیں جانی چاہیے۔ انسان اپنے اندر عجب اور تکبر پیدا نہ ہونے دے۔ وہ نعمتوں کو اللہ کی طرف منسوب کرے۔ جو بندہ ایسا کرے گا وہ شکر ادا کرنے والا ہوگا اور اس کا ایمان محفوظ رہے گا۔ اور جو بندہ نعمتوں کو اپنی طرف منسوب کرے گا وہ دجالی فتنے کے اندر گرفتار ہو جائے گا اور ایمان سے محروم ہو جائے گا۔ جس بندے کو اللہ تعالیٰ نعمتیں دے، وہ کوئی بڑا بول نہ بولے، بلکہ اللہ کی نعمتوں کی قدردانی کرے، ناقدری نہ کرے، احسان فراموش نہ بنے، بلکہ اللہ کا احسان مند بنے اور کہے کہ میرے اللہ نے مجھے سب کچھ عطا کیا ہے، میں اس اللہ کا فرمانبردار بندہ بن کر زندگی گزاروں گا۔

..... یہ سبق اس زمانے کے اعتبار سے بڑا اہم ہے۔ کیونکہ آج کل ایک عام سی بات ہے کہ لوگ اچھی چیزوں کی نسبت اپنی طرف کرتے ہیں۔ اس سے ان کا نفس خوش ہوتا ہے، نفس بڑا بننا پسند کرتا ہے۔

مثال کے طور پر: آج کوئی لڑکا انٹرویو دینے کے لیے جائے اور اس کو پھرنو کری بھی مل جائے تو واپس آنے پر ماں پوچھتی ہے کہ سنا میں جی کیا ہوا؟ وہ کہتا ہے: جی! میں گیا تھا اور جو کارخانے کا مالک ہے اس نے میرا انٹرویو کیا۔ اس نے مجھ سے یہ پوچھا اور میں نے اس سے یہ کہا، اس نے یہ پوچھا اور میں نے یہ کہا، میں نے سوچا کہ میں اسے یہ بھی جواب دے دوں اور یہ بھی بتا دوں۔ میں نے یہ کہا، میں نے یہ کہا۔ اب چونکہ نوکری مل رہی ہے

اس لیے آگے سے ”میں میں“ ہو رہی ہے۔ بھئی! نوکری دینے والا کون ہے؟ اللہ۔ جب نوکری مل جاتی ہے تو اس کو اللہ یاد نہیں آتا، بلکہ کہتا ہے: میں نے یہ سوچا، میں نے یہ کہا۔ میں نے کہا کہ میں یہ بھی بتا دوں، میں نے کہا کہ میں اپنی یہ سند بھی دکھا دوں۔ اس طرح وہ اچھائی کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے اور یہ بہت بڑی غلطی ہوتی ہے۔

..... اچھا! یہی بندہ جو نوکری لینے گیا تھا، اس کو نوکری نہ ملی۔ اب جب یہ واپس آیا اور ماں نے پوچھا: بیٹا! کیا بنا؟ وہ کہتا ہے: جی! نوکری نہیں ملی۔ ماں پوچھتی ہے: کیوں نہیں ملی؟ کہتا ہے: اللہ کی مرضی۔ بھئی! جب ملی تھی، تب کیا اللہ کی مرضی نہیں تھی؟ تب بھی تو اللہ کی مرضی تھی، لیکن شیطان اور نفس بد بخت ہیں جو اس کو اپنی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ جب نوکری مل گئی تھی اس وقت اللہ یاد نہیں تھا، اس وقت اپنا نفس یاد آیا، بس میں میں کرتا رہا اور جب نہیں ملی تو اب جی اللہ کی مرضی۔ بھئی! جب ملی تھی تب بھی اللہ کی مرضی کہنی چاہیے تھی۔ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتے ہیں کہ جب میں کسی بندے کو کوئی نعمت دوں تو بندہ نعمت کا انتساب اللہ تعالیٰ کی طرف کرے، اپنی طرف نہ کرے۔

..... آپ دیکھیں گے کہ جس بندے کا کاروبار اچھا چلتا ہے وہ بڑا خوش ہو کر بتاتا ہے کہ میرا بزنس ایسا چلتا ہے، میری دکان ایسی چلتی ہے، میری فیکٹری ایسے چلتی ہے، میری کھیتی سے مجھے ایسی سبزیاں ملتی ہیں، پھل ملتے ہیں، میری میزبانی میری لگائی ہوتی ہے۔ حالانکہ اس کی دکان پر گاہک کون بھیجتا ہے؟ اللہ بھیجتا ہے نا۔ ہم نے دیکھا ہے کہ پانچ دکانیں ایک جیسی ہوتی ہیں۔ ایک دکان پر گاہکوں کی لائنیں لگی ہوتی ہیں اور باقی چار دکاندار بیٹھے گاہکوں کا منہ دیکھ رہے ہوتے ہیں، ان کے پاس کوئی گاہک ہی نہیں آتا۔ تو گاہک کون بھیجتا ہے؟ اللہ بھیجتا ہے۔ جب گاہک اللہ بھیجتا ہے تو بھئی! اپنے اس بزنس کی

نسبت بھی اللہ کی طرف کرنی چاہیے۔ یہ آج کے دور کی بڑی غلطی ہے جس میں تقریباً ہم سب کے سب لوگ شامل ہیں۔ بہت کم لوگ ہیں جو ان نعمتوں کو اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، ورنہ اپنی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔

..... ہمارے اکابر تو اس بات کا اتنا خیال کرتے تھے کہ جب کوئی بات ہوتی تو کبھی کسی کو یہ نہیں کہتے تھے کہ یہ میرا مرید ہے۔ آپ نے شیخ کی زبان سے کبھی یہ لفظ نہیں سنا ہوگا کہ یہ میرا مرید ہے۔ اس لیے کہ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ میں اس قابل ہوں کہ یہ بندہ میرا مرید بنے۔ ہاں! یہ کہتے ہیں کہ یہ میرا ساتھی ہے، یہ ہماری جماعت کا بندہ ہے، یہ ہمارا تعلق والا ہے۔ یہ الفاظ کہتے ہیں۔ یعنی وہ یہ کہتے ہیں کہ ان کو کس نے ہمارے ساتھ جوڑا ہے، اللہ نے جوڑا ہے۔ وہ اس کی نسبت اپنی طرف کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ وہ ”میرا مرید“ کہنے سے بھی گریز کرتے ہیں۔ ایسا لفظ استعمال کرتے ہیں جس سے بات اپنی طرف منسوب نہ ہو، اللہ کی طرف بات منسوب ہو جائے۔

..... تو نعمتوں کو کس کی طرف منسوب کرنا چاہیے؟ اللہ کی طرف۔ نعمتیں دینے والا کون ہے؟ اللہ۔ جبکہ آج ہم غلطی کرتے ہیں کہ نعمتوں کو اپنی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ماں کہتی ہے: میرے بیٹے بڑے اچھے بنے، بڑا بچہ بڑا سمجھدار ہے، بڑا بچہ پڑھ گیا، چھوٹا بچہ فوج میں چلا گیا اور میری بیٹی کے لیے اتنا اچھا رشتہ آیا..... میری بیٹی، میری اولاد..... بھئی! یہ میرے نہیں، بلکہ کس کے ہیں؟ اللہ کے ہیں، اللہ نے دیے ہیں۔ نعمتوں کی نسبت ہمیشہ اللہ کی طرف کیا کریں، یہ بڑا نکتہ ہے جو سمجھنے والا ہے۔ اسی لیے جو بندہ ان نعمتوں کی نسبت اپنی طرف کرتا ہے وہ اللہ کے ساتھ شرک کر رہا ہوتا ہے، وہ اپنے نفس کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرا رہا ہوتا ہے، اس کو ”شرک خفی“ کہتے ہیں۔ نظر نہیں آتا، لیکن یہ

بھی شرک ہے۔ کیونکہ یہ جو صاحبِ جنتین تھا اس نے بھی اپنی کھیتی کو اپنی طرف منسوب کیا تھا اور اللہ نے قرآن پاک میں اس کو مشرک فرمایا کہ یہ ایمان سے خالی تھا، مشرک بندہ تھا۔ تو کبھی بھی چیزوں کو اپنی طرف منسوب نہ کریں۔ ہمیشہ اللہ کی طرف منسوب کریں، کیونکہ کمال، کمال والے کا ہے، اللہ کا کمال ہے، ہمارا کوئی کمال نہیں، ہمیں اگر کوئی چیز ملی ہے تو یہ ہم پر اللہ کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں عطا فرمائی ہوئی ہے۔ اس لیے نظر اللہ کی ذات پر رہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نعمتیں بڑھاتے رہتے ہیں، ورنہ اللہ تعالیٰ بندے سے نعمتیں واپس لے لیا کرتے ہیں۔

### مال داروں کی غلط فہمی:

..... مالداروں کے اندر ایک غلط فہمی ہوتی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ مال کا ملنا ہماری خوش قسمتی ہے۔ حالانکہ مال کا ملنا خوش قسمتی نہیں ہوتی، بلکہ بندے کے اوپر آزمائش ہوتی ہے۔ اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ڈرا کرتے تھے۔ اگر آج کسی کی Increment (آمدنی/تنخواہ میں اضافہ) لگ جائے، نوکری بہتر ہو جائے، اس کی تنخواہ اچھی ہو جائے تو خوش ہوتا ہے کہ مال زیادہ ملے گا۔ بھئی! مال اچھی چیز ہے لیکن اگر ضروریات کے مطابق ہو اور دین پر خرچ ہونے والا ہو، پھر تو اچھی چیز ہے، اور اگر یہ خواہشات پہ خرچ ہونے والا ہو تو مال انسان کے لیے وبال بن جاتا ہے۔ ایسا مال جو وبال بنے، اس سے اللہ تعالیٰ ہماری اور ہماری اولادوں کی حفاظت فرمائے۔ (آمین)۔

..... جب انسان ملنے والی نعمت کو اللہ کی طرف منسوب کرے تو اس سے اللہ تعالیٰ کو خوشی ہوتی ہے کہ میں نے بندے کو نعمت دی اور بندے نے میرا احسان مانا۔ اس لیے شکر ادا کرنے والا بندہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بندہ بن جاتا ہے۔ مگر عجیب بات یہ ہے:

﴿وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّاكِرِينَ﴾ [ساز: ۱۳] ”اور تھوڑے ہیں میرے بندوں میں احسان ماننے والے۔“  
 باقی لوگ اس کو اپنی محنت کا پھل سمجھتے ہیں۔ قارون نے یہی تو کہا تھا کہ جو کچھ  
 میرے پاس ہے: ﴿إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي﴾ [قصص: ۷۸] ”یہ مال تو مجھ کو ملا ہے ایک ہنر سے جو میرے پاس ہے۔“

میں نے Business Deal (بزنس ڈیل) ایسے کی، میں نے کاروبار ایسے کیا،  
 میں نے فیصلے وقت پہ کیے اور اس کی وجہ سے مجھے زیادہ منافع ہوا۔ یہ مجھے میرے علم کی  
 وجہ سے ملا ہے۔ اسی کی وجہ سے اللہ نے اسے اس کے مال کے ساتھ ہی زمین کے اندر  
 دھنسا دیا۔

... یاد رکھیں! نعمتوں کی قدردانی کے لیے نعمتوں کے چھن جانے کا احتیاط کر لیں۔ بلکہ  
 نعمتوں کی موجودگی میں ان کی قدردانی کریں۔ جو نعمتوں کی موجودگی میں قدردانی کرتا  
 ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتیں اور زیادہ عطا فرمادیتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے:

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ﴾ [ابراہیم: ۱۱] ”اگر تم نے واقعی شکر ادا کیا تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا۔“

اس لیے نعمتوں کو بڑھانے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ انسان اللہ کا شکر ادا کرے۔  
 اٹھتے بیٹھتے، ہر وقت اللہ کا شکر ادا کرے، اللہ! تیرا شکر، اللہ! تیرا شکر، اللہ! تیرا شکر۔

نعمتوں کی قدردانی کریں: ﴿﴾

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو نعمتیں تو دیتا ہے، مگر وہ ان نعمتوں  
 کی قدردانی نہیں کرتے۔ میں ایک بندے کو جانتا ہوں۔ اس کا کاروبار اتنا اچھا ہے کہ

اگر وہ چالیس گھروں کی کفالت کی ذمہ داری لے لے تو وہ ان چالیس گھروں کو پال سکتا ہے۔ اتنا اس کے پاس رزق ہے۔ ایک مرتبہ میری اس سے ملاقات ہوئی۔ میں نے اس سے پوچھ لیا: سنائیں! آپ کا کاروبار کیسا ہے؟ کہنے لگا: جی! بس گزارا ہے..... یہ سن کر میں نے اس کی خوب کلاس لی۔ میں نے اس کو یہی الفاظ کہے: ”تجھے تیری ماں روئے“..... کیونکہ مجھے پتہ تھا کہ اس کا اس عاجز کے ساتھ بیعت کا تعلق بن گیا ہے، لہذا اگر میں اس کو سخت بات بھی کر دوں گا تو یہ سن کر برداشت کر لے گا..... میں نے اس سے کہا: تمہیں تمہاری ماں روئے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے اتنا پیسہ دیا کہ اپنے علاوہ چالیس گھروں کی کفالت کر سکتے ہو اور اللہ نے جب تمہیں اتنا دیا ہے اور پھر میں نے پوچھا ہے کہ کاروبار کیسا ہے تو منہ بنا کے کہتے ہو کہ بس گزارا ہے۔ کیوں نہیں کہہ سکتے کہ میں اپنے اللہ پہ قربان جاؤں، اس نے مجھے میری ضروریات سے بہت زیادہ عطا کیا ہے۔ اللہ کی تعریف کرتے ہوئے زبان چھوٹی ہو جاتی ہے اور انسان اللہ کی تعریف نہیں کر سکتا۔ ہمیں تو دل کھول کے اللہ کی تعریفیں کرنی چاہئیں۔ اللہ پہ میں قربان جاؤں کہ میرے مالک نے تو مجھے میری اوقات سے بڑھ کے دیا ہے۔ میں تو ان نعمتوں کا شکر ہی ادا نہیں کر سکتا۔ اگر میں ساری زندگی سجدے میں پڑا رہوں تو میں اللہ کی نعمتوں کا پھر بھی شکر ادا نہیں کر سکتا۔ چونکہ ہم شکر ادا نہیں کرتے، بلکہ اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کرتے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿وَقَادِرُوا لِلّٰهِ حَقَّ قَدْرِهِ﴾ [الزمر: ۶۷]

”اور ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر ہی نہیں پہچانی جیسا کہ اس کی قدر پہچاننے کا حق

تھا۔“

### عجب اور تکبر کا نقصان: (۱)

صاحبِ جنتین کے واقعہ سے ہمیں یہ بھی سبق ملا کہ ہم نعمت کو اللہ کی طرف منسوب کیا کریں اور اپنے اندر عجب اور تکبر نہ پیدا ہونے دیں۔ عجب اور تکبر انسان کو ہلاک کر دینے والی بیماری ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبَرٍ)) [صحیح مسلم، رقم: ۹۱]

”وہ بندہ جنت میں داخل نہیں ہو سکتا جس کے دل کے اندر ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا۔“

دیکھیں! ایک ذرہ کے برابر تکبر کتنا چھوٹا سا ہے، اگر یہ بھی ہوگا تو ایسا بندہ جنت میں نہیں جاسکے گا۔ اگر ہم نے زندگی میں کبھی بڑا بول بولا ہو یا اپنے آپ کو ہم نے پسند کی نظر سے دیکھا ہو تو دعا مانگیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اس گناہ کو بھی معاف فرما دے اور اللہ تعالیٰ ہمیں عاجزی کی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

### سب نعمتیں اللہ کی طرف سے: (۲)

اللہ تعالیٰ جو نعمتیں دیتا ہے، اگر بندہ ان کو اللہ کی طرف منسوب نہ کرے تو اللہ تعالیٰ ان نعمتوں کو پھر واپس بھی لے لیتے ہی۔ اس واقعہ سے ہم نے یہ سبق سیکھنا ہے کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے، یہ کس کی وجہ سے ہے؟ یہ ہماری وجہ سے نہیں ہے، یہ اللہ کی وجہ سے ہے،

..... صحت ہمیں اللہ نے دی ہے،

..... ایمان ہمیں اللہ نے دیا ہے،

..... عزت ہمیں اللہ نے دی ہے،

..... دنیا کا مال ہمیں اللہ نے دیا ہے،

..... گھر ہمیں اللہ نے دیا ہے،

.....بیوی اللہ نے دی ہے،

.....اولاد اللہ نے دی ہے،

جو کچھ بھی ہمارے پاس ہے، یہ ہمارا اپنا نہیں، بلکہ اللہ کا دیا ہوا ہے اور اس پر ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

### فکر آخرت کا درس:

”صاحب جنتین“ کے واقعہ میں ہمیں یہ بات سکھائی گئی ہے کہ فقط دنیا کے مال و دولت پر ہی فریفتہ نہ رہو، بلکہ اپنی آخرت کی بھی فکر کرو۔ دنیا میں اگر کوئی غریب ہے، مگر ایمان والا ہے تو وہ اس بندے سے افضل ہے جو دیکھنے میں امیر ہے، مگر ایمان سے خالی ہے۔

### دنیا کی حقیقت:

اس دنیا کی کوئی حقیقت نہیں۔ چار دن کی چاندنی پھر اندھیری رات۔ یہ تو ڈھلتی چھاؤں کی مانند ہے، یہ گزر جائے گی۔ اصل تو یہ ہے کہ انسان اپنی آخرت کو بنائے جہاں اس نے ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے۔ جو باقی رہنے والی چیزیں ہیں وہ ہمیشہ رہنے والی ہیں۔ ہمیں اپنے اعمال کی طرف توجہ دینی چاہیے اور اللہ کو راضی کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

### مقصد پر نظر:

اس بات کو یوں سمجھیں کہ انسان کی ایک ضرورت ہوتی ہے اور ایک اس کا مقصد ہوتا ہے۔ ضرورت اگر نہ بھی پوری ہو تو کوئی بات نہیں، مقصد ہر حال میں پورا ہونا چاہیے۔ چونکہ دکاندار کا مقصد مال کمانا ہوتا ہے، اس لیے کاروبار کے سیزن میں بعض دکانداروں کو دیکھا گیا ہے کہ ان کے پاس گاہکوں کے ریش کی وجہ سے کھانا کھانے کی فرصت بھی نہیں ملتی، وہ کھانا قربان کر دیتے ہیں، مگر گاہکوں کو اٹینڈ کرتے ہیں اور مال کماتے ہیں،



تاکہ ان کا مقصد پورا ہو جائے۔

اسی طرح ایک طالب علم کا مقصد امتحان میں اچھے نمبر لے کر کامیابی حاصل کرنا ہوتا ہے۔ چنانچہ جو نہی امتحان کے دن قریب آتے ہیں تو وہ اپنا کھانا پینا کم کر دیتا ہے، دوستوں سے ملنا جلنا بالکل بند کر دیتا ہے، اپنی نیند قربان کر کے ساری ساری رات پڑھتا رہتا ہے۔ گویا مقصد کے حصول کے لیے وہ اپنی تمام تر ضرورتیں قربان کر دیتا ہے۔

### سمجھدار انسان کون؟ (۱)

سمجھدار انسان وہی ہوتا ہے جو ضرورتوں کو آگے پیچھے کر لے، مگر مقصد کو ہر حال میں پورا کرے۔ اور جو بندہ اپنے مقصد کو بھول کر ضروریات کے پیچھے لگا رہے، وہ سمجھدار انسان نہیں ہوا کرتا۔

### بے مقصد..... بے قیمت: (۱)

یاد رکھیں! جب کوئی چیز اپنے مقصد کو پورا کرنا چھوڑ دیتی ہے تو وہ مالک کی نظر میں بے قیمت ہو جاتی ہے۔ اب اس کی چند مثالیں بھی سن لیجیے:

### بلب کی مثال: (۱)

فرض کیجیے! آپ کے گھر میں ایک بلب فیوز ہو گیا۔ آپ بازار سے ایک بلب خرید کر اُسے گھر لے آئے، اور آتے ہی بیوی سے کہہ دیا کہ اس بلب کو ذرا دھیان سے رکھنا، کہیں بچے اس کو توڑ نہ دیں۔ بیوی نے وہ بلب لے کر میز کے اوپر رکھ دیا۔

آپ کسی کام کے لیے کمرے سے باہر چلے گئے۔ کچھ دیر بعد کمرے میں آتے ہیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ آپ کا چھوٹا بیٹا اس بلب کو ڈبے سے نکال کر دیکھ رہا ہے۔ اس پر آپ بیوی سے ناراض ہو کر کہتے ہیں کہ میں نے آپ سے کہا تھا کہ اس کو ذرا سنبھال

کے رکھنا، آپ نے پھر اسے میز پر رکھ دیا ہے، اگر بچے نے بلب توڑ دیا تو نقصان ہو جائے گا..... ایک بلب کی وجہ سے بچے کو بھی ڈانٹ پڑ رہی ہے اور بیوی کو بھی ڈانٹ پڑ رہی ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ بلب اپنے مقصد کو پورا کرتا ہے، روشنی مہیا کرتا ہے..... بیوی نے کہا: اچھا! آپ اس کو لگا کیوں نہیں دیتے؟ اس پر آپ نے پُرانا بلب اُتار کر نیا لگا دیتے ہیں۔ اور جب چیک کرنے کے لیے بٹن دباتے ہیں تو اسی لمحے وہ بلب فیوز ہو جاتا ہے۔ اب آپ خود ہی اسے اُتار کر کوڑے میں پھینک دیتے ہیں۔

کوئی بندہ پوچھے: بھئی! تھوڑی دیر پہلے تو آپ اس بلب کی وجہ سے بیوی اور بچوں کو ڈانٹ رہے تھے اور اب خود ہی اسے کوڑے میں پھینک رہے ہیں، خیر تو ہے؟ آپ کہیں گے: جی ہاں! اس وقت یہ بلب اپنا مقصد کو پورا کر رہا تھا، لیکن اب اس نے فیوز ہونے کے بعد اپنا مقصد پورا کرنا چھوڑ دیا ہے تو اب اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہی، اس لیے میں اسے کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر پھینک رہا ہوں۔

### گلاب کے پودے کی مثال: (۱)

آپ نے گھر کے اندر گلاب کے پھول کا پودا لگایا۔ اس پر تین چار خوبصورت پھول لگ گئے۔ آپ بیوی سے کہتے ہیں کہ اس پودے کو پابندی سے پانی بھی لگانا ہے اور اس کے پھول بچوں کو توڑنے مت دینا، پھول توڑنے کے لیے نہیں، بلکہ دیکھنے کے لیے ہوتے ہیں، مہمان آئیں گے اور ان پھولوں کو دیکھ کر خوش ہوں گے۔ اگر کسی دن بیوی پودے کو پانی نہ لگائے تو آپ ناراض ہوتے ہیں اور اگر بچے اس کا پھول توڑ لیں تو غصہ بھی کرتے ہیں کہ آپ نے اس کا خیال کیوں نہیں رکھا؟ وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ پودا اپنے مقصد کو پورا کر رہا ہوتا ہے۔

اللہ کی شان! اس پودے کو کسی وجہ سے بیماری لگ گئی..... ایک بیماری ہوتی ہے روٹ راڈ۔ اس سے پودے کی جڑیں خراب ہو جاتی ہیں اور پورا پودا ہی لکڑی کی طرح خشک ہو جاتا ہے..... چنانچہ اس کے پھول مرجھا گئے اور تھوڑے ہی دنوں میں وہ لکڑی کی طرح خشک ہو کر رہ گیا۔ جب یہ منظر دیکھا تو آپ نے خود اپنے ہاتھوں سے اس پودے کو اکھاڑا اور باہر پھینک دیا۔

یہ وہی پودا ہی تو تھا جس کے پھول کو چھونے کی بچوں کو بھی اجازت نہیں تھی، اسے پانی نہ لگانے پر بیوی کو ڈانٹ پڑتی تھی، مگر جب اس نے اپنا مقصد پورا کرنا ہی چھوڑ دیا تو اس کی کوئی حیثیت نہ رہی، اور آپ نے اسے کیاری سے باہر اکھاڑ پھینکا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک کوئی چیز اپنے مقصد کو پورا کرتی رہتی ہے، مالک کی نظر میں وہ قیمتی ہوا کرتی ہے اور جو نہی وہ مقصد کو پورا کرنا چھوڑ دیتی ہے تو اس کا مالک بے قیمت شمار کر کے اسے تلف کر دیا کرتا ہے۔

### گائے کی مثال:

آپ نے گھر میں ایک گائے پالی ہوئی ہے۔ آپ اسے چارہ ڈالتے ہیں، پانی پلاتے ہیں، کبھی باہر تو کبھی کمرے کے اندر باندھتے ہیں اور اس کا پورا پورا خیال رکھتے ہیں۔ دیکھنے میں وہ جانور ہے اور آپ انسان ہیں، آپ اشرف المخلوقات ہیں، مگر دن رات اس کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ وہ دودھ دیتی ہے، اپنے مقصد کو پورا کرتی ہے۔ فرض کریں! وہ گائے بیمار ہو جاتی ہے اور دودھ دینا بند کر دیتی ہے تو اب آپ اسے گھر میں نہیں رکھتے، بلکہ کسی قصائی کو بلا کر اس کے ہاتھ گائے کو فروخت کر دیتے ہیں۔

اور جو گائے دودھ نہ دیتی ہو، قصائی بھی اس کو پالتا نہیں ہے، بلکہ وہ اس کے گلے پر چھری چلاتا ہے اور پھر اس کا گوشت بنا کر چلی کباب والوں کے حوالے کر دیتا ہے۔ جتنے بھی بڑے بڑے جانور ہیں، جب یہ دودھ دینا بند کر دیتے ہیں تو ان سب کو پشاور لے جایا جاتا ہے، وہاں ان کے چلی کباب بنتے ہیں اور لوگ بڑے مزے سے کھاتے ہیں۔

وہ گائے جس کی خدمت میں ہم لگے ہوئے تھے، اس کو کھلاتے پلاتے تھے، نہلاتے تھے، حتیٰ کہ اس کا گوہر بھی صاف کرتے تھے، اس لیے کہ یہ پہلے اپنے مقصد کو پورا کرتی تھی۔ اور اب اسی گائے کے گلے پہ چھری کیوں چل رہی ہے؟ اس لیے کہ اب اس نے اپنا مقصد پورا کرنا چھوڑ دیا ہے۔ مالک کی نظر میں اب اس کی وہ قیمت نہیں رہی، جو پہلے ہوا کرتی تھی۔

### بے قیمت چیز کی حیثیت: ①

اب ایک اور بات سمجھ لیں کہ جب کوئی چیز مالک کی نظر میں بے قیمت ہو جاتی ہے تو پھر اس کے ساتھ جو مرضی ہوتا پھرے، بندے کو کوئی پروا نہیں ہوتی۔

### روڈ ایکسیڈنٹ کی مثال: ①

آپ دیکھتے ہیں! ایک جگہ بس کا ایکسیڈنٹ ہوتا ہے، جس کے نتیجے میں دو بندے فوت ہو جاتے ہیں۔ اگلے دن اخبار میں بڑی خبر چھپتی ہے کہ فلاں جگہ بس کا ایکسیڈنٹ ہوا اور دو آدمی فوت ہو گئے۔ چونکہ آدمی قیمتی ہوتا ہے، اس لیے دو بندوں کا فوت ہو جانا ایک بڑی خبر بن جاتی ہے۔

اس کے برخلاف اگر کسی جگہ کوئی بندہ زہریلا سپرے کر دے اور ایک ہزار مچھر مر جائیں تو کیا کبھی اخبار میں خبر آئی ہے کہ فلاں جگہ پر ایک ہزار مچھر مر گئے، فلاں جگہ

پچاس ہزار کھیاں مر گئیں۔ مکھی اور مچھر کے مرنے کی خبر ہم نے کبھی اخبار میں نہیں پڑھی۔ اس لیے کہ انسان کی نظر میں ان کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے، وہ لاکھوں بھی مر جائیں تو پروا نہیں ہوتی۔

ہمیں بھی اللہ تعالیٰ نے ایک مقصد کے لیے پیدا کیا ہے، جب تک ہم اپنے مقصد کو پورا کرتے رہیں گے، اللہ کی نظر میں ہماری قیمت ہوگی، ہمیں اگر کوئی پریشانی یا تکلیف ہوگی تو اللہ تعالیٰ ہماری مدد کریں گے، اللہ ہماری حفاظت کریں گے اور جب ہم اپنے مقصد کو پورا کرنا چھوڑ دیں گے تو ہم اللہ کی نظر میں بے قیمت ہو جائیں گے، پھر ہمارے ساتھ جو مرضی ہوتا پھرے، اللہ کو ہماری کوئی پروا نہیں ہوگی۔

مسلمانوں کو مار کیوں پڑ رہی ہے؟ (۱)

آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ جب مسلمان اپنے مقصد کو بھول کر زندگی گزار رہا ہے تو اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ ہر جگہ کافر مسلمانوں کو مار رہے ہیں، تنگ کر رہے ہیں، پریشان کر رہے ہیں اور اللہ کی مدد نہیں اُتر رہی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے مقصد زندگی کو بھلایا ہوا ہے۔ اگر ہم مقصد زندگی کو پورا کرتے تو اللہ ہماری مدد کے لیے فرشتوں کو آسمان سے اُتار دیتے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اللہ کی مدد: (۱)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تعداد میں صرف تین سو تیرہ (۳۱۳) تھے اور ان کے مقابلے میں ایک ہزار کافر تھے، کفار کے پاس اسلحہ تھا اور صحابہ کرام خالی ہاتھ تھے، مگر وہ مقصد زندگی کو پورا کرنے والے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بھیج دیا اور اپنی مدد سے انہیں فتح عطا فرمادی۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو  
اُتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی  
اب بھی فرشتے ہماری مدد کو آسکتے ہیں اگر ہم اپنے مقصد زندگی کو پورا کرنے والے  
بن جائیں۔

### ضرورت اور مقصد کا فرق: (۱)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہماری زندگی کا مقصد کیا ہے؟ اور ہماری ضرورت کیا  
ہے؟ تو سمجھ لیجیے کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا اور آخرت کی تیاری کرنا، ہماری زندگی کا مقصد  
ہے۔ جبکہ کھانا پینا، کپڑے پہننا، شادی بیاہ کرنا اور اولاد ہونا، دنیا کی زندگی آرام اور  
سہولت سے گزر جانا، یہ ہماری ضرورت ہے۔

### ہمارا بہت بڑا المیہ: (۱)

اگر آپ غور کریں تو آج ہم نے ضرورت کو مقصد کا درجہ دے دیا ہے اور مقصد کو ہم  
نے ذہن سے نکال دیا ہے۔ ہر نو جوان بس یہ چاہتا ہے کہ مجھے ایسی Job (نوکری) مل  
جائے کہ جس کی وجہ سے مجھے اچھا گھر بھی مل جائے، بہترین گاڑی بھی مل جائے، اچھی  
جگہ شادی بھی ہو جائے اور میری زندگی سہولت کے ساتھ گزر جائے۔ اسی مقصد کے لیے  
لگا ہوا ہے اور اس کے حصول میں وہ حلال اور حرام کی بالکل پروا نہیں کرتا۔

چنانچہ اگر ایکسائز کے محکمے میں کسی کو کلرک کی نوکری مل جائے تو لوگ اس کے ماں باپ  
کو مبارک باد دے رہے ہوتے ہیں۔ حالانکہ کلرک کی تو بہت چھوٹی سی پوسٹ ہوتی ہے،  
اس پر مبارک باد کس بات کی؟ مگر وہ جانتے ہیں کہ یہ ایکسائز ڈیپارٹمنٹ میں کلرک لگا  
ہے، یہ بندہ اتنے پیسے کمائے گا کہ دوسرے محکموں کے بڑے بڑے آفیسر بھی نہیں کما سکیں



گے۔ ہم جب چھوٹے بچے تھے تو اپنے والدین کے ساتھ مل کر ایک گھر میں مبارک باد دینے کے لیے گئے۔ کیونکہ ان کے بیٹے کی کلرک کے طور پر نوکری لگ گئی تھی۔ پھر جب بڑے ہوئے تو ہمیں پتہ چلا کہ واقعی کلرک بادشاہ کیا کچھ کمال دکھا سکتا ہے۔

### ایک کلرک کا واقعہ: (۱)

ہمارے شہر کے ڈی سی او آفس میں ایک کلرک تھا..... ہم اس وقت پانچویں یا چھٹی جماعت میں پڑھتے تھے، اس کی باتیں گھر میں بڑے بھائی کرتے تھے اور ہم سنتے تھے۔ وہ باتیں اب بھی ہمیں یاد ہیں..... وہ کلرک ایسا تھا کہ اس کو آٹھ آٹھ مہینے تک اپنی تنخواہ لینی یاد نہیں آتی تھی، اس لیے کہ اس کو ضرورت ہی نہیں ہوتی تھی۔

ایک مرتبہ ڈپٹی کمشنر نے اس کو نکال دیا۔ اس نے ڈپٹی کمشنر سے کہا: جناب! حکومت تو آج کل غریب ہے، تنخواہ نہیں دے رہی، ایک ایک مہینہ، دو دو مہینے لیٹ ہو جاتی ہے، آپ مجھے نوکری پر بحال کر دیں، ڈیپارٹمنٹ کے سب لوگوں کی تنخواہ میں اپنے پاس سے دیا کروں گا۔ ڈپٹی کمشنر نے پوچھا: بھئی! آپ کہاں سے دیں گے؟ کہنے لگا: وہ مجھے پتہ ہے کہ میں کہاں سے دوں گا۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ جو لوگ زمینوں کا انتقال کروانے آتے تھے وہ ان سے پیسے وصول کرتا تھا اور لوگ اپنی مجبوریوں کی وجہ سے اس کو کام کرنے کے پیسے دیتے تھے۔

اس کے پاس دو گھر تھے، اس کی دو بیویاں تھیں اور دو گاڑیاں اس کے پاس تھیں، اس نے اپنے بچوں کو بہترین سکول میں داخل کروایا ہوا تھا۔ اس زمانے میں اس کی تنخواہ بارہ ہزار روپیہ تھی اور اس کے ایک ایک بچے کی فیس پچیس ہزار روپیہ تھی اور اس کو اپنی تنخواہ دفتر سے لینی یاد ہی نہیں رہتی تھی، کیونکہ وہ لاکھوں روپے لوگوں سے بھرتا تھا۔

سب لوگ کہتے تھے کہ کیا عجیب اس کی نوکری ہے۔ حرام کی کمائی کو سب بڑی حسرت سے دیکھتے تھے۔ گھروں میں ماں باپ اس کی مثالیں دے کر اپنے بیٹوں سے کہتے تھے: بیٹا! دیکھو، فلاں نوجوان نے کیسے اپنی زندگی بنائی، گھر بنائے، شادیاں کیں، گاڑیاں خریدیں، اب اس کے پاس سب کچھ ہے، اسے کسی چیز کی کمی نہیں، تم بھی اپنی زندگی ایسے بنانا۔

دیکھیے! یوں بندہ ضرورت پوری کرنے میں حلال اور حرام کا فرق ختم کر بیٹھتا ہے، ضرورتِ زندگی کو انسان مقصدِ زندگی بنا لیتا ہے اور جو مقصدِ زندگی ہوتا ہے اس کو بالکل ہی بھلا بیٹھتا ہے۔ اس کو یاد ہی نہیں ہوتا کہ مقصدِ زندگی کیا ہے۔ یہ مادیت کے اس دور کا بہت بڑا فتنہ ہے۔

### روٹی، کپڑا اور مکان کا نعرہ: ①

اس لیے تو میں روٹی، کپڑا اور مکان کا نعرہ لگاتی ہیں۔ یعنی ہمیں روٹی، کپڑا اور مکان چاہیے۔ بھئی! کیا آپ کو ایمان بھی چاہیے؟ وہ یاد ہی نہیں ہوتا۔ ایمان کا کہیں تذکرہ ہی نہیں ہوتا۔ اور اچھا حاکم وہ سمجھا جاتا ہے جو قوم کے لوگوں کو روٹی، کپڑا اور مکان مہیا کر دے۔ سہولت کی زندگی گزارنا، آج ہماری زندگی کا مقصد بنا ہوا ہے۔ بھئی! یہ ضرورت ہے، مقصدِ زندگی نہیں ہے، یہیں پہ ہم غلطی کر رہے ہیں۔

### صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مقصدِ زندگی پر نظر: ②

نبی ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت کی تھی اور ان کو سمجھایا تھا کہ دنیا کی ضرورتوں میں اونچ نیچ ہو سکتی ہے، تم اپنے مقصد کو نہ بھولنا۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خشک روٹی کھا کے گزارا کر لیتے تھے اور پیوند لگا کے کپڑے پہن لیتے تھے، مگر اپنے مقصد کو نہیں بھولتے



تھے۔ ایک ایک چیز میں اپنی آخرت کا خیال رکھتے تھے۔  
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اپنے مقصد پر نظر: (۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں رات کے وقت چراغ جلا کر کوئی کام کر رہے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے ملنے کے لیے آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو اندر بلا لیا اور پوچھا: بھائی علی! کیسے آنا ہوا؟ سرکاری کام ہے یا کوئی ذاتی کام ہے؟ انہوں نے کہا: جی! میں ذاتی کام کے لیے آپ سے ملنے آیا ہوں، کوئی سرکاری کام نہیں ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھونک ماری اور چراغ بجھا دیا۔

گھر میں اندھیرا ہو گیا۔ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی حیران تھے کہ اندھیرے میں بیٹھے ہیں اور ایک دوسرے کا چہرہ بھی نہیں دیکھ سکتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: بھائی عمر! مہمان کے آنے پہ چراغ جلایا کرتے ہیں، بجھایا تو نہیں کرتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: بھائی علی! آپ نے ٹھیک کہا ہے کہ مہمان کی آمد پہ چراغ جلاتے ہیں، بجھاتے نہیں ہیں، مگر میں نے چراغ اس لیے بجھا دیا کہ مجھے اور آپ کو یہ زیب نہیں دیتا کہ ہم ذاتی گفتگو کرتے رہیں اور بیت المال کے پیسے کا تیل جلتا رہے۔

دیکھیں! ان کو آخرت کا اتنا خیال تھا کہ چھوٹی چھوٹی چیزوں میں بھی اس طرف دھیان رہتا تھا کہ آخرت خراب نہیں ہونی چاہیے۔ یہ اتنا تقویٰ زندگیوں میں کس لیے تھا؟ اس لیے کہ وہ آخرت کو مقصد زندگی بنا چکے تھے اور دنیا کی ضرورتیں ان کی نظر میں کم اہم ہو گئی تھیں۔

جس کا کھائیے..... اسی کے گیت گائیے!!! (۱)

آج کی ابتلاء یہ ہے کہ دنیا کی ضرورتیں اہمیت حاصل کر گئی ہیں۔ روٹی کو جتنی اہمیت

آج حاصل ہے، انسان کی پوری تاریخ میں اسے کبھی اتنی اہمیت حاصل نہیں ہوئی۔ آج ہم خوب پیٹ بھر کر کھاتے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ کی ناشکری بھی کرتے ہیں۔ حق تو یہ تھا کہ ہم اللہ کا دیا ہوا کھا کر اس کا شکر بھی ادا کرتے۔ جیسا کہ مقولہ ہے:

ع جس کا کھائیے ، اس کے گیت گائیے  
ہم اللہ کا دیا ہوا کھاتے ہیں اور پھر اسی کے شکوے بھی کرتے ہیں۔

### بسیار خوری اور طرح طرح کی بیماریاں: (۱)

آج کل بھوکا رہنے کی بیماریاں کم، جبکہ پیٹ بھر کر کھانے کی بیماریاں زیادہ ہیں۔ چنانچہ کولیسترول زیادہ مرغن غذائیں کھانے کی وجہ سے ہوتا ہے، بلڈ پریشر زیادہ نمکین غذائیں کھانے کی وجہ سے ہوتا ہے، شوگر زیادہ میٹھی چیزیں کھانے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آج ہر بندہ اپنی من مرضی کا کھانا کھا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر اپنی نعمتیں اتنی زیادہ کر دی ہیں کہ بیوی خاوند سے روزانہ پوچھتی ہے: آج میں کیا پکاؤں؟ یعنی چوائس ہوتا ہے کہ آپ کہیں تو گوشت بھی پک سکتا ہے، آپ کہیں تو پلاؤ بھی پک سکتا ہے، آپ کہیں تو سبزی بھی پک سکتی ہے، جو آپ چاہیں گے میں وہ پکاؤں گی۔ گویا ہم اپنی چوائس کا کھانا کھانے والے لوگ ہیں۔

بلکہ کئی لوگ تو ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے دسترخوان پر تین تین چار چار قسم کے کھانے لگے ہوتے ہیں۔ حالانکہ ایک قسم کا سالن اور روٹی بندے کا پیٹ بھرنے کے لیے کافی ہے، اس سے ضرورت پوری ہو سکتی ہے، پھر بھی دسترخوان پر کئی کئی سالن رکھے ہوتے ہیں، تاکہ انسان من پسند کا کھانا کھائے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنی ضرورت پوری نہیں کر رہے، بلکہ اپنی خواہشات

پوری کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

”سیون کورد میل“: (۱)

آج کل دعوتوں میں ”سیون کورد میل“ کی عادت بن گئی ہے۔ یہ ”سیون کورد میل“ کیا ہوتا ہے؟

..... پہلے سوپ لایا جاتا ہے،

..... پھر اس کے بعد کوئی اور اپنی ٹائرز لایا جاتا ہے،

..... اس کے بعد کھانا لاتے ہیں،

..... کھانے کے بعد چائے ہوتی ہے،

اس طرح کل سات چیزیں بن جاتی ہیں۔

ہم آج ”سیون کورد میل“ کے کھانے کھاتے ہیں اور اس کو ہم نے اپنی ضرورت سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ ضرورت تو پیٹ بھرنا تھا، پیٹ تو خشک روٹی سے بھی بھر جاتا ہے۔ دیکھنا تو یہ چاہیے تھا کہ ہم جو کچھ کھا رہے ہیں وہ حلال ہے یا حرام؟ اور یہ بات ہمارے ذہن سے ہی نکل گئی۔ بس ہم نے اچھا کھانا کھانا ہے، جیسا بھی ہو اور جہاں سے بھی ملے۔ یہی آج کے دور کا فتنہ ہے کہ انسان نے ضرورت کو مقصد بنا لیا ہے اور اپنے مقصد کو بھلا دیا ہے۔

رنج و راحت..... زندگی کا حصہ: (۱)

ہمارے ذہن میں ہر وقت یہ بات رہتی ہے کہ بس ہم خوش رہیں، ہمیں کوئی پریشانی نہ ہو۔ بھئی! دنیا کی زندگی میں تو پریشانی ہوگی۔ بتائیں بھئی! اگر کوئی بندہ دریا میں چھلانگ لگائے گا تو اس کا جسم گیلا ہوگا یا نہیں ہوگا؟ کوئی کہہ سکتا ہے کہ میں نے دریا میں

چھلانگ لگائی تو میرا جسم گیلا ہو گیا۔ بھئی! پانی میں چھلانگ لگائیں گے تو جسم گیلا ضرور ہوگا۔ اسی طرح یہ دنیا بھی پریشانیوں کا گھر ہے، ہم جب دنیا میں ہوں گے تو ہمیں پریشانیاں آئیں گی، دائیں سے، بائیں سے، آگے سے، پیچھے سے۔ ان پریشانیوں کا آنا کوئی بڑی پریشانی کی بات نہیں، یہ معمول کی بات ہے۔

ایک ہی کام سب کو کرنا ہے  
یعنی جینا ہے اور مرنا ہے  
رہ گئی بات رنج و راحت کی  
یہ فقط وقت کا گزرنا ہے

یہ جو ہم کہتے ہیں کہ رنج اور راحت ہے، یہ صرف وقت کے گزرنے والی بات ہے۔ چاہے ہم رنج میں ہوں یا پھر راحت میں ہوں، یہ چیز ملحوظ رہے کہ ہم اللہ کو راضی کر رہے ہیں یا نہیں کر رہے؟ یہ مقصد ہے ہمارا۔ اگر ہم اس مقصد کو بھول بیٹھے تو پھر ہماری زندگی کی ضرورتیں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔

مایوس نہ ہوں: (۱)

ہاں! ان پریشانیوں کی وجہ سے ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیے اور اللہ کے در سے دور نہیں ہونا چاہیے۔ دیکھیں! جو آدمی پریشان ہوتا ہے اس کا دن بھی گزر جاتا ہے اور جو بندہ خوش ہوتا ہے دن اس کا بھی گزر جاتا ہے۔ جس نے پُراٹھے کھا کے اپنا پیٹ بھر لیا اس کا بھی وقت گزر گیا اور جس نے روزہ رکھ کے وقت گزارا، دن اس کا بھی گزر گیا۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کس نے شریعت کے مطابق دن گزارا اور کس نے گناہوں میں دن گزارا؟ اور اس طرف ہمارا دھیان ہی نہیں جاتا۔

## دنیا کی زندگی کی مثال: (۱)

سورۂ کہف کے اس واقعہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ دنیا کی زندگی بارش کے پانی کی مانند ہے، یہ ایک دن ختم ہو جائے گی اور روزِ قیامت تمہیں اللہ کے سامنے اپنے اعمال کا حساب دینا پڑے گا، لہذا تم آخرت کی تیاری کو اپنی زندگی کا مقصد بناؤ۔ یہ سبق ہمیں بار بار پڑھنے اور اچھی طرح ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے۔

### ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مقصد زندگی پر نظر: (۱)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں دنیا کی زندگی عارضی تھی۔ وہ ضرورت کو ضرورت کے درجے میں رکھتے تھے اور مقصد پر ان کی گہری نظر ہوا کرتی تھی۔ کئی ایسے صحابی بھی تھے جنہوں نے کبھی خشک روٹی کھا کر گزارا کیا تو کبھی بھوک برداشت کر کے وقت پاس کیا، مگر انہوں نے اپنے مقصد کے حصول میں فرق نہیں آنے دیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ہر وقت نبی علیہ السلام کے پاس حدیث کا علم حاصل کرنے میں مصروف رہتا تھا۔ مزدوری تو کرتا نہیں تھا کہ میرے پاس کھانا خریدنے کے لیے پیسے ہوں، کبھی کھانے کو کچھ مل جاتا تو کھا لیتا، ورنہ فاقہ کر لیتا۔ شدتِ بھوک کی وجہ سے جب میں کھڑا نہ ہو سکتا تو زمین پر لیٹ جاتا تھا، کئی کئی روز کا فاقہ ہو جانے کی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر اور حجرے کے درمیان بے ہوش پڑا ہوا ہوتا تھا، اور لوگ مجھ کو سمجھ کر پاؤں سے گردن دباتے تھے، حالانکہ جنون نہیں تھا، بلکہ بھوک تھی۔ [صحیح بخاری، رقم: ۷۳۲۴] آپ بتائیں کہ انہوں نے کتنی بھوک برداشت کی ہوگی!!



نبی علیہ السلام اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما میں نسبت اتحادی: (۱)

اللہ کے پیارے حبیب ﷺ کو اپنی مبارک زندگی میں کئی مرتبہ بھوک برداشت کرنا پڑی۔ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام کو بہت بھوک لگی ہوئی تھی، اللہ کے حبیب ﷺ گھر سے باہر نکلے۔ راستے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، نبی علیہ السلام نے فرمایا: ابوبکر! تم گھر سے باہر کیوں نکلے ہو؟ عرض کیا: اے اللہ کے حبیب! بہت بھوک لگی ہوئی ہے۔ آگے ان کی ملاقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہو گئی۔ پوچھا: عمر! کیا کر رہے ہو؟ عرض کیا: اے اللہ کے نبی! گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ہے اور مجھے بہت بھوک لگی ہوئی ہے، اس لیے میں باہر نکل پڑا ہوں۔ نبی علیہ السلام کے ایک صحابی تھے جو شہر سے ذرا باہر رہتے تھے، ان کا کھجوروں کا ایک باغ تھا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: چلو، اس کے پاس چلتے ہیں۔ یہ تینوں حضرات ان کے گھر کی طرف چل دیئے۔

جب وہاں پہنچے تو ان کی بیوی نے بتایا کہ وہ تو کسی کام کے لیے شہر گئے ہوئے ہیں، آپ تینوں حضرات تشریف رکھیں، میرے شوہر ابھی آ جاتے ہیں، میں ان کے آنے سے پہلے آپ کے لیے کھانے کی کوئی چیز بنا لیتی ہوں۔

یہ تینوں حضرات تشریف فرما تھے کہ صاحب خانہ بھی آ گئے۔ دیکھ کر خوش ہوئے کہ آج میرے گھر میں کتنے عزتوں والے مہمان تشریف لائے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! آپ تشریف رکھیں، میں ابھی آپ کے لیے درخت سے کھجوریں توڑ کے لاتا ہوں، تاکہ آپ کھا سکیں۔ چنانچہ وہ صحابی کچھ پکی اور کچھ کچی کھجوریں توڑ کے لائے اور نبی علیہ السلام کے سامنے رکھ دیں۔ نبی علیہ السلام اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے وہ کھجوریں کھائیں تو بھوک کی شدت کچھ کم ہو گئی۔

اتنے میں اس صحابی نے ایک بکرا ذبح کیا، تاکہ مہمانوں کے لیے گوشت بھون کر تیار کیا جائے۔ ان کی بیوی نے سالن بنا دیا اور وہ صحابی بھنا ہوا گوشت نبی ﷺ کے سامنے لے کر آئے۔ ان سب نے اس بکری کا گوشت کھایا، کھجوریں کھائیں اور پانی پیا۔ جب کھاپی کر سیر ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! تم سے قیامت کے دن ان نعمتوں کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا، تمہیں اپنے گھروں سے بھوک نکال کر لائی اور پھر تم واپس نہیں لوٹے یہاں تک کہ یہ نعمت تمہیں مل گئی۔“

[صحیح مسلم، رقم: ۵۴۳۴]

### نبی اکرم ﷺ کا معمول:

نبی ﷺ کم کھانے کے عادی تھے۔ آپ ﷺ کی نبوت کی پوری زندگی میں Consecutive (لگاتار) تین دن ایسے نہیں آئے کہ آپ ﷺ نے ان میں پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہو۔ اگر ایک دن کھانا کھاتے تو دوسرے دن فاقہ فرماتے اور اگر دو دن کھاتے تو تیسرے دن فاقہ ہو جاتا تھا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا روٹی کا ایک ٹکرا لے کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: روٹی کی ایک ٹکلیہ ہے جو میں نے پکائی تھی، پھر میرے دل نے اس کو کھانا گوارا نہ کیا، حتیٰ کہ میں اس کو آپ کے پاس لے کر آ گئی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بہر حال یہ پہلا کھانا ہے جو تین دنوں کے بعد تیرے باپ کے منہ میں داخل ہوا ہے۔

[معجم الکبیر للطبرانی، حدیث: ۷۵۰]

آپ ﷺ کے جاں نثار صحابہ رضی اللہ عنہم بھی گزارا کر لیتے تھے، مگر مقصد زندگی سب کو یاد تھا۔ باقی صحابہ کی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی خشک گوشت کھا کر گزارا کیا کرتے تھے۔  
روٹی..... اس قدر اہم کیوں؟

پوری تاریخ انسانیت میں روٹی کو اتنی اہمیت کبھی حاصل نہیں ہوئی، جتنی اہمیت آج حاصل ہو گئی ہے۔ اور یہ کفار کی چال ہے کہ لوگوں کی نظر میں روٹی کو اتنا اہم بنادو کہ وہ مقصد کو بھول کر فقط کھانے پینے میں لگ جائیں۔ چنانچہ ہم لگے ہوئے ہیں۔ آج ہم ضرورت کی وجہ سے زیادہ نہیں کھاتے، بلکہ عادتاً زیادہ کھاتے ہیں۔

### کھجور کی غذائیت:

ڈاکٹروں نے لکھا ہے کہ کھجور کے اندر اتنی نیوٹریشن (غذائیت) ہوتی ہے کہ اگر کوئی بندہ ایک کھجور کھا لے تو بھوک کی وجہ سے تین دن تک اسے موت نہیں آسکتی۔ ہم تو روزانہ بہت کچھ کھاتے ہیں۔ اگر ہم اپنا کھانا آدھا بھی کر دیں تو اس سے کوئی حرج نہیں ہوگا، ہمارا گزارا پھر بھی ہوتا رہے گا، بلکہ ایسا کرنے سے ہماری صحت بہتر ہو جائے گی، وزن کم ہو جائے گا اور ہم اچھی طرح کام کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔

### رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے:

مگر ایک عادت بن گئی ہے کہ پیٹ بھر کر ہی کھانا ہے۔ اور کھانے کا طریقہ کیا ہے؟ اتنا کھاتے ہیں، اتنا کھاتے ہیں کہ پھر دسترخوان سے اٹھنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ کسی شاعر نے کہا تھا:

گو ہاتھ میں جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے  
 رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے



یعنی میں نے اتنا زیادہ کھانا کھایا ہے کہ اب میرے ہاتھ بھی نہیں ہل سکتے، کھانا ابھی بھی بچا ہوا ہے، اگرچہ میرے اندر مزید کھانے کی سکت نہیں، لیکن تم یہ پلاؤ کی پیٹ میرے سامنے پڑی رہنے دو، میں اسے دیکھتا تو رہوں گا۔

### کھانے کی نبوی ترتیب: ﴿۱﴾

ایک خطیب صاحب نے جمعہ کے بیان میں حدیث پاک کا مفہوم بیان کیا کہ بندے کو اپنے پیٹ کے تین حصے کرنے چاہئیں: ایک حصے میں کھانا کھائے، ایک حصہ پانی پیے اور تیسرا حصہ اللہ کے ذکر کے لیے اور سانس کے لیے خالی چھوڑ دے۔

[سنن الترمذی، رقم: ۲۳۸۰]

### ایک دیہاتی کی سیدھی سادی ترتیب: ﴿۱﴾

ایک دیہاتی نو جوان سامنے بیٹھا بیان سن رہا تھا۔ جب خطیب صاحب فارغ ہوئے تو وہ نو جوان کہنے لگا: مولانا! آپ نے یہی مسئلہ بیان کیا ہے کہ ایک حصہ کھانا کھاؤ، ایک حصہ پانی پیو اور ایک حصہ ذکر کے لیے اور سانس کے لیے خالی چھوڑ دو؟ خطیب صاحب نے کہا: ہاں! میں نے ایسا ہی کہا ہے۔ اس نے کہا: مولانا! ہم تو سیدھے سادے اصول سے کھانا کھاتے ہیں۔ پوچھا: تمہارا سیدھا سادا اصول کیا ہے؟ اس نے کہا: مولانا! پیٹ میں جتنی جگہ ہوتی ہے اتنی تو ہم روٹی کھا لیتے ہیں اور پانی جو ہے وہ روٹی کے درمیان چھوٹے چھوٹے سوراخوں اور درزوں میں چلا جاتا ہے، رہ گئی بات سانس کی، مرضی ہے آئے، مرضی ہے نہ آئے۔

آج ہم بھی اسی سیدھے سادے اصول کے تحت کھانا کھاتے ہیں۔ پیٹ بھر کے کھانا کھا لیتے ہیں، جو کچھ تھوڑی بہت جگہ بچ جاتی ہے اس کو پانی بھر دیتا ہے اور پھر ہمارے

لیے اٹھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ بالآخر پیٹ پر ہاتھ رکھ کر کہتے ہیں: آج ہم نے زیادہ کھا لیا ہے۔ بھئی! روٹی اتنی اہم نہیں ہے جتنی اہمیت ہم نے اس کو دے رکھی ہے۔ روٹی کی اہمیت صرف اتنی ہے کہ انسان کا وقت گزر جائے اور وہ حرام کاموں میں نہ پڑے۔ ضرورت کو ضرورت کے درجے میں رکھیں اور ضرورت کو مقصد زندگی نہ بنائیں۔

### حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مقصد زندگی پر نظر: (۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ وقت کے امیر المومنین تھے۔ وہ چاہتے تو بیت المال سے اپنی تنخواہ زیادہ لے سکتے تھے۔ مگر وہ فرماتے تھے کہ نہیں، مجھے تھوڑی لینی ہے۔ ایک مرتبہ چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیٹھے آپس میں گفتگو کر رہے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ان میں شریک تھے۔ سب نے کہا: بھئی! امیر المومنین کی تنخواہ بہت تھوڑی ہے، ان کو کہنا چاہیے کہ وہ ذرا زیادہ لے لیں۔

پھر سوال پیدا ہوا کہ ان کو یہ بات کہے گا کون؟ کیونکہ سب ڈرتے تھے کہ جو بھی کہے گا کہ آپ اپنی تنخواہ بڑھالیں اسے وہ دُڑے لگائیں گے۔ ایک نے کہا: میں تو نہیں کہہ سکتا، دوسرے نے کہا: میں بھی نہیں کہہ سکتا، تیسرے نے کہا: میں بھی نہیں کہہ سکتا..... ہماری حالت یہ ہے کہ ہمارے پاس اگر کوئی ہماری تنخواہ بڑھانے کی خبر لائے تو ہمارا دل چاہتا ہے کہ اس بندے کو انعام دیں..... جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حال یہ تھا کہ ان کی تنخواہ میں اضافے کی بات ان سے کوئی کہنے کی ہمت ہی نہیں رکھتا تھا۔ سب سے کہا کہ جب ہم خود بات کر نہیں سکتے تو کسی ایسے بندے کے ذمہ لگاتے ہیں جو ان سے بات کر سکتا ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ امیر المومنین کی بیٹی سیدہ حفصہ (رضی اللہ عنہا) اُمّت کی ماں بھی ہیں، اور ان کا امیر المومنین کے ہاں بڑا مقام ہے، ہم ان کی خدمت میں حاضر ہو کر

کہتے ہیں کہ وہ اپنے والد کو یہ مشورہ دیں۔ وہ اگر بات کریں گی تو حضرت عمران سے ناراض نہیں ہوں گے اور سزا بھی نہیں دیں گے۔

چنانچہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اُمّ المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ جی! حضرت عمر کی تنخواہ تھوڑی ہے، آپ ان سے کہہ دیں کہ وہ اپنی تنخواہ میں خود ہی تھوڑا سا اضافہ کر لیں، مگر کچھ بڑھانی ضروری ہے۔

ایک موقع پر اُمّ المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد سے کہہ دیا: ابا جان! صحابہ کرام کا یہ مشورہ ہے کہ آپ بیت المال سے اپنا روزینہ بڑھالیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: بتا! تجھے یہ بات کس نے کی ہے؟ انہوں نے کہا: جی! میں نام نہیں بتاؤں گی، وہ لوگ آپ سے بہت ڈرتے ہیں۔ کہنے لگے: اگر تو مجھے ان کے نام بتاتی تو میں ان کو اتنے دُڑے لگاتا کہ ان لوگوں کو تکلیف پہنچتی، وہ ہوتے کون ہیں مجھے یہ مشورہ دینے والے کہ میں اپنی تنخواہ بڑھالوں؟

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: حفصہ! تم نے نبی علیہ السلام کے ساتھ زندگی گزاری ہے، ان کی بیوی رہی ہو، بتاؤ! نبی علیہ السلام کی زندگی کیسی تھی؟ انہوں نے کہا: نبی علیہ السلام کی زندگی بہت سادہ تھی، بس پیوند لگا کپڑا پہن لیتے تھے۔ ایک جوڑا گیرو رنگ کا تھا، وہ ذرا نیا اور اچھا تھا، نبی علیہ السلام اس کو اس دن پہنتے تھے جب باہر سے کوئی وفد آیا کرتا تھا، ورنہ تو عام طور پر پیوند لگا لباس پہنا کرتے تھے۔ جب تک کوئی کپڑا پھٹ نہیں جاتا تھا، تب تک اس کو بدلتے نہیں تھے۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اچھا بتاؤ! اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر کیسا تھا؟ انہوں نے کہا: کھجور کے پتوں کا بنا ہوا ایک تکیہ تھا جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سر کے نیچے رکھا کرتے

تھے..... وہ تکیہ کتنا سخت ہوگا..... اور ایک کمرل تھا، نبی علیہ السلام سردیوں میں آدھا نیچے بچھا لیتے تھے اور آدھا اوپر اوڑھ لیتے تھے۔ جب گرمیاں آتی تھیں تو اس کا چار کونہ کر کے نیچے بچھا لیا کرتے تھے، اس لیے کہ گرمیوں میں اوپر لینے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ اسی میں نبی علیہ السلام نے زندگی گزاری۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اچھا یہ بتاؤ کہ نبی علیہ السلام کا کھانا پینا کیسا تھا؟ وہ کہنے لگیں: کبھی ملتا تھا تو کھا لیتے تھے اور اللہ کا شکر ادا کرتے تھے، ورنہ بھوکے رہتے تھے۔ اور نبی علیہ السلام کی نبوت کی زندگی میں، یعنی جب سے نبوت کا دعویٰ فرمایا، پوری زندگی میں تین دن ایسے نہیں گزرے کہ تینوں دن نبی علیہ السلام نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہو۔ اگر ایک دن پیٹ بھر کر کھانا کھایا تو دوسرے دن فاقہ آگیا اور اگر دو دن کھایا تو تیسرے دن فاقہ آگیا۔ تین دن ایسے متواتر نہیں گزرے جن میں اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہو۔ ایک دن فاقہ ہوتا تھا اور ایک دن کھانا ہوتا تھا اور نبی علیہ السلام اس پر بھی اللہ کا شکر ادا کرتے تھے۔

پھر فرمانے لگیں کہ ایک مرتبہ میں نے روٹیاں بنائیں، ڈبے میں گھی ختم ہو گیا تھا، البتہ اس میں گھی کی کچھ تلچھٹ باقی بچ گئی تھی، میں نے وہ تلچھٹ روٹی پر لگا کر اس کو چپڑ دیا، جس سے وہ پڑاٹھا بن گیا، نبی علیہ السلام خود بھی اس کو کھا رہے تھے اور دوسروں کو بھی کھانے کے لیے دے رہے تھے، جیسے کوئی بڑی نعمت ہاتھ آگئی ہو۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: حفصہ! جب نبی علیہ السلام کا لباس ایسا تھا، کھانا ایسا تھا اور بستر ایسا تھا تو گویا نبی علیہ السلام نے زندگی گزارنے کا ایک طریقہ کار متعین کر دیا، اگر ہم اس پر چلیں گے تو کامیاب ہوں گے اور اگر اس سے ہمیں گے تو ناکام ہوں گے۔



حفصہ! میرے سے پہلے دو حضرات تھے، نبی ﷺ اپنی منزل کی طرف چلے اور انہوں نے اپنے مقصد کو پورا کر لیا اور اپنی منزل کو پہنچ گئے، پھر ابو بکر نے زندگی کا معاملہ شروع کیا، وہ بھی اپنی منزل کی طرف چلے اور بالآخر انہوں نے بھی اپنی منزل کو پالیا، حفصہ! اب میں منزل کی طرف جا رہا ہوں، میں نے اگر اپنے مقصد کو پورا نہ کیا تو منزل پہ نہیں پہنچ سکوں گا اور مجھے آخرت میں ان کا ساتھ نصیب نہیں ہو سکے گا۔ میں دنیا کا مال پیسہ نہیں بڑھانا چاہتا، میں جس حال میں زندگی گزار رہا ہوں، ایک عام غریب مسلمان والی زندگی، میں اسی حال میں زندگی گزارنا پسند کروں گا۔

[اشہر المشاہیر، بحوالہ فضائل اعمال]

دیکھیے! حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ضرورتوں کو پورا کرنے میں کس قدر محتاط تھے!! آج تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہماری ضرورتوں سے بہت زیادہ وسائل دے دیئے ہیں۔ اگر ہم ساری زندگی سجدے میں پڑے رہیں تب بھی اللہ کی ان نعمتوں کا شکر ادا نہیں کر سکتے۔

شہا ہانہ زندگی: ((

بنی اسرائیل کے بارے میں قرآن مجید کی ایک آیت ہے، جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِذْ جَعَلْ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا﴾ [المائدہ: ۲۰]

”کہ اس نے تم میں نبی پیدا کیے، تمہیں حکمران بنایا۔“

یہ جو ”ملوکا“ کا لفظ ہے، اس کے ذیل میں مفسرین نے لکھا ہے کہ جس بندے کے

پاس تین چیزیں ہوں:

..... اپنا گھر ہو،

.....اپنی بیوی ہو،

.....اور اپنا خادم ہو،

وہ بندہ بادشاہ کی سی زندگی گزار رہا ہوتا ہے۔ اس کو ”مَلِک“ کہہ سکتے ہیں کیونکہ وہ گھر کا بادشاہ ہے اور ”مُلُوکًا“ میں شامل ہے۔ [تفسیر ابن کثیر/ الدر المنثور]

اللہ نے ہمیں اپنے اپنے گھر بھی دیئے ہیں، اکثر حضرات شادی شدہ بھی ہیں، اور گھروں میں نوکر چاکر بھی ہوتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم واقعی شاہانہ زندگی گزار رہے ہیں۔ اس کے باوجود بھی اگر ہم اللہ کے شکوے کریں تو آپ بتائیں کہ یہ کتنی بڑی ناشکری کی بات ہے!؟

### کل اور آج کے فقیر میں فرق: ①

بچپن میں ہم دیکھتے تھے کہ فقیر آتا تھا اور ایک روپیہ مانگتا تھا۔ اس کو جب ایک روپیہ مل جاتا تھا تو وہ اس کی روٹی خرید کر کھا لیتا تھا۔ اس لیے کہ وہ بھوکا ہوتا تھا۔ پھر ایک وقت آیا کہ فقیر پانچ روپے مانگتا تھا۔ جب اس سے پوچھتے تھے کہ پانچ روپے کیوں مانگتے ہو؟ روٹی تو ایک روپے کی آتی ہے۔ وہ کہتا تھا کہ روٹی تو میں نے کھائی ہوئی ہے، اب میں نے سگریٹ پینی ہے، اس لیے پانچ روپے مانگ رہا ہوں۔

آج ایسا زمانہ آچکا ہے کہ فقیر، نہ تو ایک روپیہ مانگتا ہے اور نہ ہی پانچ روپے مانگتا ہے، بلکہ وہ پچاس روپے کا سوال کرتا ہے۔ کوئی اس سے پوچھے کہ بھئی! آپ نے روٹی کھانی ہے؟ وہ کہے گا: جی! روٹی تو میں نے کھائی ہوئی ہے۔ پوچھا جائے: بھئی! آپ نے سگریٹ پینی ہے؟ وہ کہے گا: جی! سگریٹ تو میں نے پی ہوئی ہے۔ پھر آپ کو پچاس روپے کیوں چاہئیں؟ وہ کہے گا: جی! میرے فون کے اندر بیلنس ختم ہو گیا ہے، میں نے

لوڈ کروانا ہے۔ آج کا فتنہ بچوں کو پہنچا رہا ہے (Beloved) (محبوبہ) سے بات کرنے کے لیے، گنتا ہے، اس کو روٹی کی ضرورت نہیں ہے۔  
امت پر اللہ کی بے شمار رحمتیں :

اللہ نے اس امت کو اتنا کھانا دیا ہے کہ امت کے غریب لوگ بھی دن میں تین یا دو وقت کا کھانا ضرور کھا لیتے ہیں۔ آج کل ایسا گھر شاؤ و مادر نظر آتا ہے کہ جس میں صبح و شام آگ نہ جلیے اور کھانا نہ پکے۔ لیکن اس کے باوجود ہم شکوے کرتے رہتے ہیں کہ ہم غریب ہیں اور تمہارے پاس کچھ نہیں ہے۔

بھئی! آپ روٹی کی ضرورت کے درجے میں رہیں، مقصد کے درجے میں نہ لے جائیں، آپ کو روٹی پریشانی نہیں ہوگی۔ مقصد کو بھول جانا اور ضرورت کو مقصد بنا لینا، یہ بہت بڑا بھوکا ہے۔ یہ دھڑلے میں ہے یہ غریب ہے اور آج ہم اس غریب میں مبتلا ہو چکے ہیں۔

### حلال و حرام کا خیال :

یہ بات بھی یاد رکھیں کہ میں نوجوانوں کو کام چور اور نکما بننے کی ترغیب نہیں دے رہا کہ وہ کچھ بھی نہ کما لیں اور بھوکے زندگی گزاریں۔ کام چور، ست اور نکما بندہ تو کسی کو بھی اچھا نہیں لگتا۔ نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ خوب محنت کریں، جاب کریں، بزنس کریں، کھیتی باڑی کریں، ان کے کدو جو کام بھی جہاں میں محنت کریں، اس لیے کہ رزقِ حلال کے لیے کوشش کرنا فرض کے بعد فرض ہے۔ اس فریضے کو پورا کرنے کے لیے محنت کرنی ہے، محنت کرتے ہوئے حلال اور حرام کا خیال رکھنا ہے۔

جو حلال ملے اسی پر قناعت کرنی ہے اور جو حرام ہوگا اس سے ہم نے انکار کرنا ہے۔ اگر ہمیں حلال اور حرام کی تمیز آگئی تو ہماری زندگی کا مقصد پورا ہو جائے گا اور اگر یہ تمیز ختم

ہو گئی تو ہم اپنی زندگی میں ناکام ہو جائیں گے۔

دوستی کا حیران کن معیار: (۱)

الحمد للہ! میں نے اپنی جوانی سے لے کر اب تک کی زندگی میں ان لوگوں کو دوست بنایا جو فرسٹ ڈویژن حاصل کرنے والے تھے۔ اور کبھی سیکنڈ اور تھرڈ ڈویژن والے بندوں کو دوست نہیں بنایا۔ اس لیے کہ یہ نالائق شمار ہوتے ہیں، میں ایسے لوگوں کو دوست نہیں بناتا۔

مجھے میرے بڑے بھائی نے یہ بات سمجھائی تھی کہ تم زندگی بھر اس بات کا خیال رکھنا کہ اگر نالائق لڑکوں سے دوستی لگاؤ گے تو خود بھی نالائق بن جاؤ گے اور اگر لائق لڑکوں سے دوستی کرو گے تو خود بھی لائق بنو گے۔ چنانچہ میں نے پوری زندگی کسی نالائق لڑکے سے دوستی نہیں لگائی۔

ایک خوش کن خبر کا پُر مسرت اظہار: (۱)

مجھے فرسٹ آنے والے بچے بہت اچھے لگتے ہیں۔ مدر سے میں فرسٹ آئیں یا صوبائی اور ملکی سطح پہ پوزیشن لیں۔ کل حضرت شیخ الحدیث صاحب ایک بچے کو میرے پاس لائے، ہمارے ادارے کے اس طالب علم نے ملکی سطح پہ وفاق المدارس کے امتحان میں فرسٹ پوزیشن حاصل کی ہے۔ مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ میں نے مٹھائی منگوائی اور اپنے ہاتھ سے اس کے منہ میں ڈالی۔ میں نے کہا کہ تم نے ہمارے ادارے کا نام روشن کیا، میں تمہیں اپنے ہاتھ سے مٹھائی کھلاتا ہوں، تم ایک اچھے بچے ہو اور میں تمہارے لیے دعائیں کرتا ہوں۔



## نماز نہ پڑھنے کے طرح طرح کے بہانے: (۱)

ہمیں چاہیے کہ اپنے مقصد کو ہمیشہ سامنے رکھیں۔ مقصد کو بھول جانا اور فقط ضرورتوں میں دن رات لگے رہنا زندگی کا بہت بڑا دھوکا ہے۔ آج دفتر والے کتنے لوگ ہیں جو پانچ نمازیں نہیں پڑھتے، کتنے کاروباری لوگ ہیں جو پانچ نمازیں نہیں پڑھتے۔ آپ کسی سے سہ روزہ لگانے کے لیے کہہ کے دیکھیں، پھر کیا جواب ملے گا؟ وہ کہے گا: جی! مجھے فرصت ہی نہیں، میں کہاں سے وقت لاؤں۔ آپ اس سے پوچھیں: بھئی! آپ کس کام میں لگے ہوئے ہیں؟ جواب ملتا ہے: جی! میں دکان میں لگا ہوا ہوں، میں جاب میں لگا ہوا ہوں، میں زراعت میں لگا ہوا ہوں۔

اچھا! ایک طرف تو اس بندے کے لیے تین دن نکالنا مشکل ہیں، جبکہ دوسری طرف یہی بندہ دعائیں مانگ رہا ہوتا ہے: اے اللہ! ہماری ایک دکان ہے، بیٹے کے لیے دوسری دکان بھی دے دے۔ آپ اس سے کہیں: بھئی! آپ کے پاس تو سہ روزہ لگانے کا بھی وقت نہیں ہے، دوسری دکان چلانے کا وقت کہاں سے لائیں گے؟ وہ کہے گا: آپ فکر نہ کریں، دکان چلانے کے لیے میں وقت نکال لوں گا۔

بھئی! جیسے آپ دکان چلانے کے لیے وقت نکال سکتے ہیں اسی طرح سہ روزہ کے لیے بھی وقت نکال سکتے ہیں، دین سیکھنے کے لیے بھی وقت نکال سکتے ہیں، ایمان تازہ کرنے کے لیے بھی وقت نکال سکتے ہیں، معمولات کے لیے بھی آپ وقت نکال سکتے ہیں۔

## ترجیحات کا تعین: (۱)

یہ سب بہانے ہیں۔ دراصل Priorities (ترجیحات) کا فرق ہوتا ہے۔ انسان جس کام کو ترجیح دے دیتا ہے اس کے لیے وہ وقت بھی نکال لیتا ہے۔ آج کل 15 منٹ

کسی سے فون پہ بات کرنا کوئی مسئلہ نہیں ہوتا، لیکن 15 منٹ مراقبہ کرنا مسئلہ بن جاتا ہے۔ اس لیے کہ دل میں Priority (ترجیح) نہیں ہوتی۔ ہمیں چاہیے کہ اپنی Priorities (ترجیحات) متعین کریں، ضرورت کو ضرورت کے درجے میں لائیں اور مقصد کو مقصد کے درجے میں لائیں۔ اگر ہم نے ایسا کر لیا تو ہم دجال کے فتنے سے بچ جائیں گے۔

### ایک صحابی کا نصیحت آموز واقعہ:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذہن میں مقصد کی کیا اہمیت تھی اور ان کی زندگیوں میں ضرورت کی کیا اہمیت تھی؟ اس مضمون سے متعلق ایک واقعہ ہے جو میں نے مولانا ظفر احمد قاسم صاحب رحمہ اللہ سے سنا تھا، خود کتاب میں نہیں پڑھا۔ چونکہ انہوں نے سنایا تھا، اس لیے مجھے یقین ہے کہ یہ مستند واقعہ ہوگا۔

چونکہ کافی عرصہ پہلے کا سنا ہوا ہے، اس لیے بعینہ وہی الفاظ تو میں بیان نہیں کر سکتا، میں اسے اپنے الفاظ میں سناؤں گا، یعنی روایت بالمعنی ہوگی، لیکن مفہوم وہی ہوگا جو انہوں نے بیان کیا تھا۔ واقعہ یہ ہے:

انصار میں سے ایک نوجوان تھا، جس کا کھجوروں کا باغ تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک بوڑھے میاں بھی تھے جن کا باغ اس کے باغ کے ساتھ تھا۔ اس نوجوان نے ارادہ کیا کہ میں اپنے باغ کے گرد باؤنڈری لائن بنالوں، تاکہ یہ الگ ہو جائے۔ ایک کھجور باؤنڈری لائن کے بالکل سامنے آ جاتی تھی، یہ دوسرے بندے کی تھی۔ انہوں نے اس بوڑھے میاں سے کہا:

”أَعْطِنِي النَّخْلَةَ أَوْ بَعْضَ إِيَّاهَا“

”یہ کھجور (کا درخت) مجھے (مفت میں) دے دو یا پھر مجھے بیج دو۔“

مگر بوڑھے میاں نے انکار کر دیا۔

وہ نوجوان نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! میرا یہ تھوڑا سا پر اہم ہے، آپ اسے حل کروادیں۔ نبی ﷺ نے حکم دیا کہ اس کو میرے پاس لے کے آؤ۔ وہ دونوں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت نبی ﷺ صحابہ کرام کے درمیان تشریف فرما تھے۔ جب وہ آئے تو نبی ﷺ نے اس بوڑھے میاں سے فرمایا:

”أَعْطِهِ النَّخْلَةَ“

”یہ کھجور اس کو دے دو۔“

بوڑھے میاں نے کہا: ”جی نہیں۔“

اس کی تفصیل یہ ہے کہ بوڑھے میاں نے پہلے نبی ﷺ سے پوچھا: اے اللہ کے نبی! یہ آپ کا حکم ہے یا مشورہ ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: یہ میرا حکم نہیں، مشورہ دے رہا ہوں..... اور جہاں مشورہ کا معاملہ ہوتا ہے تو وہاں بندے کو اختیار ہوتا ہے..... چنانچہ جب نبی ﷺ نے یہ مشورہ دیا تو اس نے جواب دیا کہ میں نہیں دیتا۔

نبی ﷺ نے تین مرتبہ یہی کہا اور اس بوڑھے میاں نے ناں کر دی۔ پھر نبی ﷺ نے فرمایا:

”أَعْطِهِ النَّخْلَةَ وَ لَكَ بِهَا نَخْلَةٌ فِي الْجَنَّةِ“

”یہ کھجور اس کو دے دو، اس کے بدلے آپ کو جنت میں کھجور ملنے کی ذمہ داری میں لیتا ہوں۔“

یہ سن کر وہ بوڑھے صحابیؓ پوچھنے لگے: اے اللہ کے نبی! جنت تو ملے گی نا؟ فرمایا: ہاں! جنت تو ملے گی۔ اس پر وہ کہنے لگے: ایک کھجور کے زیادہ ہونے کی وجہ سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اس لیے میں نہیں دیتا۔

ویسے بھی بوڑھوں کی اپنی ایک طبیعت ہوتی ہے، وہ جہاں پڑے ہوتے ہیں، اور جس حال میں ہوتے ہیں، اسی میں خوش ہوتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ کوئی ہمیں ڈسٹرب نہ کرے۔ چنانچہ اگر آپ کسی بوڑھے بندے سے کہیں کہ آپ کے سر کے نیچے تکیہ نہیں ہے آپ تکیہ لے لیں تو وہ کہے گا: مجھے نہ چھیڑو۔ آپ کہیں: جی! آپ کے نیچے ہم چادر بچھا دیتے ہیں، وہ کہے گا: مجھے تنگ نہ کرو۔ پھر اگر بیوی کہہ دے: نہیں نہیں! آپ سخت جگہ پر لیٹے ہوئے ہیں، ہم نیچے ایک گدا بچھا دیتے ہیں، وہ کہے گا: تم کمرے سے باہر نکل جاؤ، مجھ سے بات نہ کرو، مجھے تنگ نہ کرو۔ بوڑھے بندوں کی طبیعت ہی ایسی ہوتی ہے، وہ اپنے معاملات میں کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتے۔

چنانچہ وہ بوڑھے صحابی بھی جواب دے کر چلے گئے کہ مجھے جنت میں مزید درختوں کی ضرورت نہیں، میں یہ درخت نہیں بیچنا چاہتا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حیران تھے کہ اتنی بڑی قیمت (کہ جنت کی کھجور ملے گی، گویا جنت میں جانے کا پر مٹ مل گیا۔ کھجور تو بھی ملے گی نا) اور یہ اللہ کا بندہ مسلسل انکار کرتا جا رہا ہے۔ اس بات کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے چہرے پر ایک دہشت سی آگئی (حیرانی چھا گئی کہ اتنی بڑی آفر اور یہ بڑے میاں کہتے ہیں کہ مجھے قبول نہیں)، Pin drop، silence (مکمل سناٹا) چھا گیا۔

ایک صحابی ابوالدرداء رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے اس خاموشی کو توڑا، وہ کہنے لگے: یا رسول اللہ!

”إِن أَنَا اشْتَرَيْتُ النَّخْلَةَ وَهَبْتُهَا الْغُلَامَ، أَلِي النَّخْلَةُ فِي الْجَنَّةِ؟“  
 ”یا رسول اللہ! اگر میں یہ کھجور خرید کر اس نوجوان کو دے دوں تو کیا میرے ساتھ بھی جنت میں کھجور ملنے کا وعدہ ہے؟“

نبی ﷺ نے فرمایا: ”ہاں! تمہارے لیے بھی وہی وعدہ ہے۔“

چنانچہ حضرت ابوالدحداد رضی اللہ عنہ اس بوڑھے میاں کے پاس جا کر بیٹھ گئے..... وہ چونکہ بزنس میں تھے اور سمجھتے تھے کہ بزنس کیسے ڈیل کی جاتی ہے..... اور بوڑھے صحابی سے پوچھا: آپ کا کیا حال ہے؟ انہوں نے کہا: میں ٹھیک ہوں۔ پھر پوچھا: تمہاری کھجوریں کیسی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: مجھے ان کھجوروں کا پھل بڑا اچھا لگتا ہے اس لیے میں ان کھجوروں سے الگ نہیں ہونا چاہتا۔ ابوالدحداد رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا آپ جانتے ہیں کہ اسی طرح کی کھجوروں کا ایک ایسا باغ بھی ہے جس میں چھ سودرخت ہیں اور وہ قبا میں ہے؟ اس نے کہا: ہاں! میں نے سنا تو ہے۔ ابوالدحداد رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اس باغ کا مالک میں ہوں..... اس پر بڑے میاں ذرا متوجہ ہوئے..... اس وقت ابوالدحداد رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اچھا! کیا آپ میرے ساتھ ایک ڈیل کرنا چاہتے ہیں؟ بڑے میاں نے پوچھا: کیا ڈیل؟ ابوالدحداد رضی اللہ عنہ کہنے لگے: وہ چھ سودرختوں کا باغ لے لو اور یہ ایک کھجور مجھے دے دو۔ بڑے میاں کی تو حیرت کی انتہا نہ رہی، بوڑھے میاں نے فوراً اس پر رضامندی ظاہر کی۔ حضرت ابوالدحداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کھجور کو چھ سو کھجوروں والے باغ کے بدلے میں خرید لیا۔ بڑے میاں نے یہ ڈیل قبول کر لی اور سودا ہو گیا۔

حضرت ابوالدحداد رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے حبیب! آپ نے کھجور کے جس درخت کو خریدنے کا حکم فرمایا تھا، وہ میں نے خرید لیا ہے، اب وہ میری ملکیت میں ہے اور میں اسے آپ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کرتا ہوں۔

جب نبی ﷺ کو وہ درخت مل گیا تو آپ ﷺ نے اس نو جوان صحابی کو بلایا اور اس سے فرمایا: بھئی! وہ درخت مل گیا ہے، اب تم اپنی دیوار سیدھی کر لو۔ وہ نو جوان بھی خوش

ہو گیا اور اللہ کے حبیب ﷺ بھی خوش ہو گئے۔

ابو دحداح رضی اللہ عنہ نے جب یہ سودا کر لیا تو وہ سیدھے اپنے باغ کی طرف گئے (جو چھ سو کھجوروں کا باغ تھا) اور اس کے کنارے پر کھڑے ہو کر اپنی بیوی کو آواز دی: ”اے اُمّ دحداح!“ بیوی نے کہا: خیر تو ہے، آپ نے کبھی اتنی اونچی آواز سے مجھے دور سے نہیں پکارا، بات کرنے کے لیے اندر کیوں نہیں آ جاتے؟ حضرت ابوالدحداح رضی اللہ عنہ نے فرمانے لگے:

”أَخْرَجْنِي وَ أَتْبَاءَكَ فَقَدْ بَعْتُ الْبُسْتَانَ“

”تم بھی باغ سے باہر آ جاؤ اور اپنے بچوں کو بھی لے آؤ، میں نے اس باغ کا سودا کر دیا ہے۔“

بیوی نے پوچھا: آپ نے باغ کا سودا کس سے کیا ہے؟ کہنے لگے:

”لِلّٰهِ بِنَخْلَةٍ فِي الْجَنَّةِ“

”میں نے اللہ کے ساتھ جنت کی ایک کھجور کے بدلے میں اس کا سودا کر لیا ہے۔“

بیوی کہنے لگی:

”رَبِّحَ بَيْنُكَ وَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيمَا اشْتَرَيْتَ.“ [کن من اكل الجنة، لامير بن محمد المدري: ۱/۹]

”اللہ تعالیٰ آپ کی اس بیع کو نفع مند بنائے اور آپ کی خرید کردہ چیز میں برکت عطا

فرمائے، (آپ نے تو زندگی میں پہلی مرتبہ اتنا اچھا سودا کیا ہے)۔“

یہ وہ ایمان تھا جو نبی ﷺ نے صحابہ کا بنایا تھا۔ ان کی زندگی میں جنت کا مل جانا مقصد تھا، آخرت کا سنور جانا مقصد تھا اور اس کے لیے وہ اپنی دنیا کی ضرورتوں کو قربان کر لیا کرتے تھے۔

ہمیں چاہیے کہ اس قصہ سے حاصل ہونے والے سبق کو سیکھیں اور یہ بات اپنے

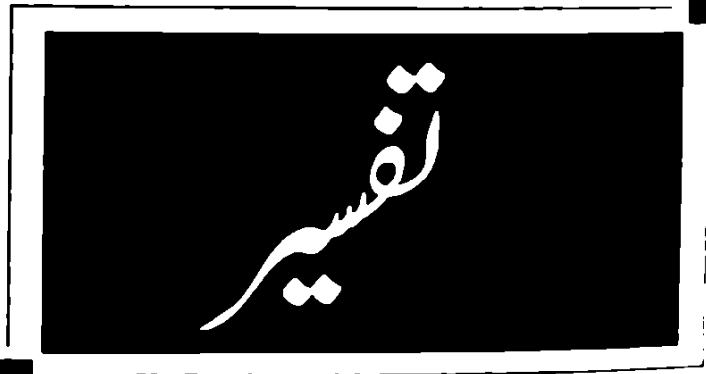
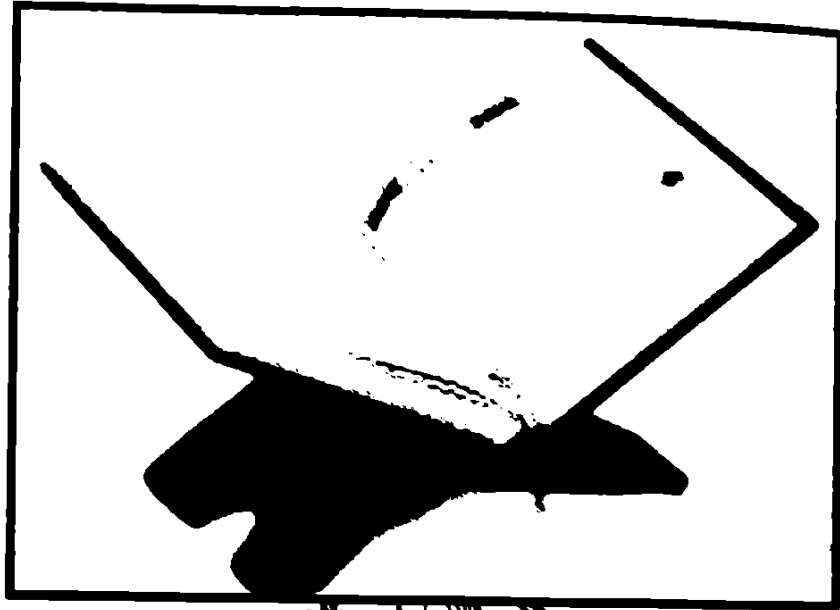
ذہن میں بٹھائیں کہ ہم نے ضرورت کو ضرورت کے درجے میں رکھ کر اپنے مقصد (آخرت) کی تیاری شروع کرنی ہے اور مال کماتے وقت حلال اور حرام کا فرق مد نظر رکھنا ہے۔

پکا عہد: (۱)

چنانچہ جو نوکری پیشہ لوگ ہیں وہ عہد کریں کہ آج کے بعد ہم صحیح وقت پر ڈیوٹی دیں گے اور رشوت کا پیسہ بالکل قبول نہیں کریں گے، جو دکاندار ہیں وہ ملاوٹ کرنے اور جھوٹ بولنے سے توبہ کریں، پورا تو لے کر عہد کریں، اسی طرح اجتماعی مال میں جو کمی بیشی ہوتی ہے اس سے توبہ کریں اور ارادہ کریں کہ ہم آج کے بعد فقط حلال کمائیں گے اور حلال ہی کھائیں گے، چاہے آدھی روٹی ملے، چند لقمے ملیں یا ہمیں فاقے کے ساتھ وقت گزارنا پڑے۔ ہم فاقہ تو برداشت کر لیں گے، لیکن حرام کے مال کو ہاتھ کبھی نہیں لگائیں گے۔ کیوں جی! یہ وعدہ کرتے ہیں؟ آج ہاتھ کھڑے کر کے دکھائیے۔ آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو وسعت والا رزق حلال نصیب فرمائے۔ (آمین ثم آمین)۔

اس قصہ میں انسان کی فطرت بتائی گئی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اسے مال و دولت کی فراوانی عطا کرتا ہے اور اس کی زندگی عیش و آرام کے ساتھ گزر رہی ہوتی ہے تو ایسے وقت میں وہ ان نعمتوں کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔ اور پھر ہمیں یہ سبق دیا گیا ہے کہ آپ ان نعمتوں کو اپنی طرف منسوب کرنے کی بجائے اس پروردگار کی طرف منسوب کریں جس نے یہ نعمتیں دی ہیں، اس کا شکر ادا کریں، تاکہ آپ اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندوں میں سے بن سکیں۔





چھٹا رکوع  
(آیات 45 تا 49)



## رکوع کا خلاصہ



اس رکوع میں:

..... دنیا کی فنایت کو مثال سے سمجھایا گیا ہے کہ وہ ایسی ہے جیسے بارش سے زمین کی سیرابی ہو جاتی ہے، سبزہ اُگ آتا ہے، پھر ریزہ ریزہ ہو کے ہواؤں میں بکھر جاتا ہے۔  
[آیت: ۴۵]

..... مال و اولاد تو ظاہری ٹھاٹھ باٹھ ہے، جبکہ اعمالِ صالحہ باقی رہنے والے ہیں۔

[آیت: ۴۶]

..... قیامت کے احوال میں سے اَرْض و جبال کی کیفیت بیان کی گئی ہیں۔ [آیت: ۴۷]

..... موقفِ حساب میں حاضری کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ [آیت: ۴۸]

..... کیفیتِ حساب پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ مجرم لوگ کس قدر بے بس و بے سہارا ہوں گے اور اپنے کیے دھرے پر افسوس کر رہے ہوں گے۔ [آیت: ۴۹]

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ  
الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيْحُ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿۵۰﴾



اور ان لوگوں سے دنیوی زندگی کی یہ مثال بھی بیان کر دو کہ وہ ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا تو اس سے زمین کا سبزہ خوب گھنا ہو گیا، پھر وہ ایسا ریزہ ریزہ ہوا کہ اسے ہوائیں اڑا لے جاتی ہیں۔ اور اللہ ہر چیز پر مکمل قدرت رکھتا ہے۔

### فانی دنیا کی زندگی کی مثال: ①

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاِخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ  
الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذُرُوْهُ الرِّيْحُ

اور بتلا دے ان کو مثل دنیا کی زندگی کی۔ جیسے پانی اُتارا ہم نے آسمان سے پھر رلا ملا نکلا اس کی وجہ سے زمین کا سبزہ۔ پھر کل کو ہو گیا چورا چورا ہوا میں اڑتا ہوا

یعنی دنیوی زندگی کی فانی رونق اور اس کی زوال پذیری کی کیفیت بیان کرو۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا اور اس پانی کی وجہ سے گھاس پھوس اور مختلف قسم کی سبزیاں برآمد ہوئیں۔ اس سرسبز پیداوار کو دیکھ کر لوگ خوش ہو رہے ہیں۔ چند دن تو یہ پیداوار ہری بھری رہی پھر سوکھ گئی کسانوں نے کھیتی کو کاٹ کر دانہ نکال لیا بھوسہ ہی بھوسہ رہ گیا اور دوسری سبزیاں بھی سوکھ کر رہ گئیں اب ان پر آدمی چلے پھرے، مویشیوں نے ان کو روندنا، سب چورا چورا ہو کر خس و خاشاک بن کر رہ گئیں اب ہوائیں آتی ہیں اس بھوسے کو اور سبزیوں کے ذرات کو اڑاتی پھرتی ہیں جو حال ان سبزیوں اور کھیتوں کا ہوا وہی حال دنیا کا ہے چند دن کی چہل پہل ہے ہر شخص کی موت پر ختم ہو جاتی ہے اور قیامت کے دن تو ساری دنیا ختم ہو ہی جائے گی۔ یہ زمین ہی وہ نہ رہے گی جو اب ہے نہ مخلوق میں زمین کا کوئی مالک ہوگا نہ وہ ہری بھری ہوگی نہ اس میں پیداوار

ہوگی، اس عارضی ذرا سی چہل پہل پر بھروسہ کرنا اور اس میں دل لگانا اور خالق مجدد کو بھول جانا اور آخرت کے لیے فکر مند نہ ہونا یہ انسان کی نا سمجھی ہے۔

### فوائد السلوک: (۱)

..... یہ آیت مبارکہ بتا رہی ہے کہ جس کو دنیا میں کوئی نعمت ملی ہے وہ اس نعمت کو اللہ کی طرف منسوب کرے۔ اگر اللہ کی طرف منسوب کرنے کے بجائے اپنی طرف منسوب کرے گا تو پھر یاد رکھے کہ جو پروردگار نعمتیں دینا جانتا ہے وہ پروردگار نعمتیں واپس لینا بھی جانتا ہے۔ اللہ نے اس بندے کو باغ دیا تھا، یہ تکبر کرنے لگ گیا، اللہ نے آگ لگا کر اس کے باغ کو جلا دیا اور راکھ کو ہوانے اڑا دیا۔ اس کے پلے کچھ بھی نہ بچا۔ اب اس کا کوئی مددگار بھی نہیں اور وہ اللہ سے بدلہ بھی نہیں لے سکتا۔ کیونکہ اللہ تو اپنے کام میں غالب ہے۔

### دنیاوی زندگی کی مثال بارش کی مانند: (۱)

قرآن مجید میں تین مقامات پر دنیاوی زندگی کو بارش کی مانند قرار دیا گیا ہے:

①..... سورۃ کہف کی مندرجہ بالا آیت: ﴿وَاصْرِبْ لَهُم مِّثْلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَاۤ اَنْزَلْنٰهُ مِنْ السَّمَآءِ﴾ آیت: ۴۵ (اور ان لوگوں سے دنیاوی زندگی کی یہ مثال بھی بیان کر دو کہ وہ ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا)۔

②..... سورۃ یونس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَاۤ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ﴾ آیت: ۲۴ (دنیاوی زندگی کی مثال تو کچھ ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا)۔

③..... سورۃ الحدید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ



وَلَهُمْ وَزِينَتٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ ۖ كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ﴿٢٠﴾ (خوب سمجھ لو کہ اس دنیا والی زندگی کی حقیقت بس یہ ہے کہ وہ نام ہے کھیل کود کا، ظاہری سجاوٹ کا، تمہارے ایک دوسرے پر فخر جتانے کا، اور مال اور اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرنے کا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بارش جس سے اُگنے والی چیزیں کسانوں کو بہت اچھی لگتی ہیں)۔

دنیا میٹھی ہے، ہری بھری ہے: ﴿۱﴾

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

”إِنَّ الدُّنْيَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ، وَإِنَّ اللَّهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيهَا، فَيَنْظُرُ كَيْفَ تَعْمَلُونَ، فَاتَّقُوا الدُّنْيَا وَاتَّقُوا النَّسَاءَ، فَإِنَّ أَوَّلَ فِتْنَةٍ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَانَتْ فِي النَّسَاءِ.“  
[صحیح مسلم، رقم: ۲۷۴۲]

”دنیا میٹھی ہے، ہری بھری ہے اور بلاشبہ اللہ نے اس میں تمہیں اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ سو وہ دیکھے گا کہ تم کیا عمل کرتے ہو، لہذا دنیا (میں دل لگانے) سے بچو اور عورتوں (کے فتنہ) سے بچو۔ بنی اسرائیل میں جو سب سے پہلا فتنہ ظاہر ہوا وہ عورتوں ہی کا فتنہ تھا۔“

یہ دنیا دار فانی ہے: ﴿۱﴾

شیخ سعدی رحمہ اللہ نے اس عارضی زندگی کا نقشہ اپنے اشعار میں کچھ اس طرح کھینچا ہے۔ فرماتے ہیں:

خوش است و عمر دروغا کہ جاودانی نیست

بس اعتماد بریں پنج روز فانی نیست

”عمر بہت اچھی چیز ہے لیکن افسوس کہ یہ ہمیشہ رہنے والی نہیں۔ ان پانچ فانی ایام پر

اعتد نہیں کرنا چاہیے۔“

دل اے رفیق بریں کارواں سرائے بسند  
کہ خانہ ساختن آئین کاروانی نیست  
”اے دوست! اس فانی سرائے میں مستقل ٹھکانا پکڑنا عقلمندی کی بات نہیں ہے، کیونکہ  
کاروانوں والے گھر نہیں بنایا کرتے۔“

جہاں برآب نہادست و زندگی برباد  
غلام ہمت آنم کہ دل برو نہاد  
”خدا نے جہان کی بنیاد پر رکھی ہے جبکہ زندگی کی بنیاد ہوا پر ہے، میں تو اس شخص کی  
ہمت کا غلام ہوں جس نے ان پر دل نہیں رکھا۔“

کس را بقائے دائم وعہد مقیم  
جاوید پادشاہی ودائم بقائے تست تو  
”کسی کے لیے بقائے دائم اور عہد مقیم نہیں ہے، اے پروردگار! ہمیشہ رہنے والی  
بادشاہی اور دائم عہد صرف تیری ذات ہی کا ہے۔“

قدرتِ خداوندی کا بیان: (۱)

وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿۴۵﴾

اور اللہ کو ہے ہر چیز پر قدرت

چنانچہ اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں، اس کا اقتدار ہر چیز پر حاوی  
ہے، اس کی پکڑ بڑی سخت ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَأَخَذْنَاهُمَا أَخَذًا عَزِيزًا  
مُّقْتَدِرًا﴾ [الزمر: ۴۲] (ہم نے ان کو ایسی پکڑ میں لیا جیسی ایک زبردست قدرت والے

کی پکڑ ہوتی ہے)۔

اللہ زمین کو پانی سے محروم کرنے پر قادر ہے: ﴿وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَسْكَنْتُمْ فِي الْأَرْضِ ۚ وَإِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهَا لَقَادِرُونَ ﴿٤٥﴾﴾ [المؤمنون: ۱۸] (اور ہم نے آسمان سے ٹھیک اندازے کے مطابق پانی اتارا، پھر اسے زمین میں ٹھہرا دیا، اور یقین رکھو، ہم اسے غائب کر دینے پر بھی قادر ہیں)..... دوسری آیت میں ارشاد ہے: ﴿وَإِنَّا عَلَىٰ أَنْ نُثْرِكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقَادِرُونَ ﴿٤٥﴾﴾ [المؤمنون: ۹۵] (اور یقین جانو کہ ہم جس چیز کی انہیں دھمکی دے رہے ہیں، اسے تمہاری آنکھوں کے سامنے لانے پر پوری طرح قادر ہیں)۔

..... اللہ لوگوں کی مثل پیدا کرنے پر قادر ہے: ﴿أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۚ﴾ [بنی اسرائیل: ۹۹] (بھلا کیا انہیں اتنی سی بات نہیں سوجھی کہ وہ اللہ جس نے سارے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، وہ اس بات پر قادر ہے کہ ان جیسے آدمی پھر سے پیدا کر دے)؟

..... اللہ تمام جانداروں کو ایک جگہ جمع کرنے پر قادر ہے: ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَقَابِطٌ فَيَهَامِنُ دَابَّتِي ۖ وَهُوَ عَلَىٰ جَنَعِهِمْ إِذَا يَشَاءُ قَدِيرٌ ﴿٢٩﴾﴾ [الشوریٰ: ۲۹] (اور اس کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور وہ جاندار جو اس نے ان دونوں میں پھیلار کھے ہیں اور وہ جب چاہے ان کو جمع کرنے پر پوری قدرت رکھتا ہے)۔

..... اللہ مردوں کے زندہ کرنے پر قادر ہے: ﴿أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَمْ يَغْيِ بِخَلْقِهِنَّ بِقَدَرٍ عَلَىٰ أَنْ يُنْخِئَ الْمَوْتَىٰ ۖ بَلَىٰ إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٣٠﴾﴾ [الاحقاف: ۳۳] (کیا ان کو یہ سمجھائی نہیں دیا کہ وہ اللہ جس نے سارے

آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ان کو پیدا کرنے سے اس کو ذرا بھی تھکن نہیں ہوئی، وہ یقیناً اس بات پر پوری طرح قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کر دے؟ اور کیوں نہ ہو؟ وہ بے شک ہر چیز کی پوری قدرت رکھنے والا ہے۔

﴿الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبَاقِيَةُ الصَّالِحَةُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ أَفْلًا ۝﴾

مال اور اولاد دنیوی زندگی کی زینت ہیں، اور جو نیکیاں پائیدار رہنے والی ہیں، وہ تمہارے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بھی بہتر ہیں، اور امید وابستہ کرنے کے لیے بھی بہتر۔

## حیاتِ دنیا کی رونق کا بیان:

الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

مال اور بیٹے رونق ہیں دنیا کی زندگی میں

یعنی وہ مال و اولاد جس پر عیینہ بن حصین اور اس جیسے دوسرے دولت مندوں کو فخر ہے محض دنیوی رونق کی چیزیں ہیں آدمی ان پر فخر کرتا ہے پھر یہ چیزیں عنقریب فنا ہو جاتی ہیں یہ زادِ آخرت نہیں ہیں، لیکن وہ اعمالِ صالحہ بن کا اچھا نتیجہ دائمی اور غیر فانی ہے وہ اللہ کے نزدیک اس دنیوی مال و اولاد سے ہزاروں درجہ بہتر ہیں اور سب سے بڑی تمنا کے قابل چیز ہے۔ دنیوی چیزوں کی امید و تمنا فانی کی تمنا ہے اور اعمالِ صالحہ کے ثواب کی تمنا باقی کی تمنا اور باقی فانی سے بدرجہا افضل ہے۔

[تفسیر مظہری تحت هذه الآية من سورة الكهف، آیت: ۴۶]



حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا: ”الْمَالُ وَالْبَنُونَ حَزْثُ الدُّنْيَا وَالْأَعْمَالُ الصَّالِحَةُ حَزْثُ الْآخِرَةِ وَقَدْ يَجْمَعُهُمَا اللَّهُ لِأَقْوَامٍ“ (مال اور اولاد دنیا کی کھیتی ہے اور اعمال صالحہ آخرت کی کھیتی اور بعض لوگوں کے لیے اللہ دونوں کو جمع کر دیتا ہے)۔

[تفسیر مظہری، ایضاً]

”مال“ کو ”مال“ کہنے کی وجہ: (

①..... ”مال“ کو ”مال“ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور پہلے سے زائل ہو جاتا ہے۔ گویا بڑی بے وفا چیز ہے۔

②..... ”مال“ کو اس لیے ”مال“ کہا جاتا ہے کہ لوگ اس کی طرف مائل ہوتے ہیں۔

فوائد السلوک: (

②..... اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دنیائے مذموم سے منع فرمایا ہے اور آخرت کی ترغیب دی ہے، مگر عنوان دونوں جگہ ایسا عجیب ہے کہ جس سے دنیا و آخرت دونوں کی اصلی حقیقت تھوڑے سے لفظوں میں ظاہر فرمادی۔ واقعی خدا تعالیٰ کے سوا کوئی ایسا نہیں کر سکتا۔ اس آیت سے پہلے دنیا کا بے حقیقت ہونا ایک مثال سے ظاہر فرمایا ہے۔

③..... حضرت اقدس تھانویؒ نے یہاں ایک نکتہ بیان فرمایا: اور وہ یہ کہ آرائش اور زینت کی چیزیں اکثر فضول اور زائد اور بے ضرورت ہوا کرتی ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ”مال“ اور ”بنون“ کا بے حقیقت و بے ضرورت ہونا لفظ زینت سے ظاہر فرمادیا ہے۔

یہ سب زینت ہی زینت ہیں اور کچھ نہیں، پس مطلب یہ ہے کہ جو مال و اولاد تم کو مطلوب ہے، جس میں تم منہمک ہو رہے ہو، وہ بے ضرورت اور زائد چیزیں ہیں۔ کیونکہ مال سے مقصود ضرورت پورا کرنا ہے، جس سے انسانی جان سلامت رہتی ہے۔ تو مال اصل مقصود



کے لیے واسطہ در واسطہ ہے۔ پھر ایسے واسطہ کو مطلوب بنالینا حماقت ہی نہیں کہ رات دن اسی میں منہمک ہے۔ اور جان کا باقی رہنا جو مطلوب ہے، وہ بھی بے حقیقت ہے کیونکہ اس کی بقاء چند روزہ ہے، جو قابل اعتبار نہیں۔ غرض مال خود مطلوب بنانے کے قابل ہرگز نہیں ہے۔

..... اور اولاد تو اس سے بھی کم درجے کی چیز ہے کیونکہ وہ تو جان کی سلامتی کے لیے بھی نہیں، صرف نسل کی بقاء کے لیے مطلوب ہے اور بقاء نسل کے لیے ضروری نہیں کہ آپ ہی کی اولاد ہو۔ اگر میری اولاد نہ ہوئی اور آپ کے ہاں دو ہو گئیں تو اس سے بھی بقاء نسل ہو سکتی ہے۔ آپ کو کیوں فکر ہے جب تک اللہ تعالیٰ کو انسان کی آبادی دنیا میں مطلوب ہے اس وقت تک وہ اس کی تدبیریں کریں گے۔ آپ اس میں رائے دینے والے کون ہیں کہ خواہ مخواہ آپ کی نوع باقی ہی رہے اور وہ بھی اس صورت میں کہ آپ ہی کی اولاد ہو۔

[اشرف التفاسیر تحت ہذہ الآیۃ]

### ”بنات“ کو زینت کیوں نہیں کہا؟ (۱)

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں ایک بات قابل تنبیہ ہے۔ وہ یہ کہ اس جگہ اللہ تعالیٰ نے ”بنون“ کو زینت حیاۃ الدنیا بتلایا ہے، ”بنات“ کو بیان نہیں فرمایا۔

①..... اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ ”بنات“ کو خود تم نے بھی بے حقیقت سمجھ رکھا ہے، کیونکہ لوگوں کو لڑکوں سے زیادہ خوشی ہوتی ہے اور لڑکیوں کو تو عموماً وبال سمجھتے ہیں تو تمہارے نزدیک وہ کیا خاک زینت دنیا ہوں گی؟

②..... دوسرا نکتہ ”بنات“ کے ذکر نہ کرنے میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بتلادیا کہ



”بنات“ زینتِ دنیا نہیں ہیں، بلکہ محض ”زینتِ خانہ“ ہیں۔ اگر وہ بھی زینتِ دنیا ہوتیں تو اللہ تعالیٰ ان کو بھی بیان فرماتے۔ پس صرف ”بنون“ کو زینتِ دنیا فرمانا اور ”بنات“ کو ذکر نہ فرمانا، اس بات کی دلیل ہے کہ لڑکیاں دنیا کی بھی زینت نہیں ہیں کیونکہ عرفاً زینتِ دنیا وہ چیز سمجھی جاتی ہے جو منظر عام پر زینت ہے۔ اور وہ (بنات) ایسی زینت نہیں کہ تم ان کو ساتھ لیے لیے پھرو اور سب دیکھیں کہ ان کی اتنی لڑکیاں ہیں اور ایسی آراستہ و پیراستہ ہیں، بلکہ وہ محض گھر کی زینت ہیں۔

..... یہاں سے پردہ کی دلیل کی طرف اشارہ نکل آیا۔ دوسرے لغت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ عورتوں کو پردہ کرایا جائے۔ کیونکہ اردو میں ”عورت“ کو ”عورت“ کہتے ہیں، جس کے لغوی معنی ہیں چھپانے کی چیز۔ اب یہ کہنا کہ عورتوں کو پردہ نہ کراؤ، ایسا ہے جیسے یوں کہا جائے کہ کھانے کی چیز کو نہ کھاؤ، پہننے کی چیز کو نہ پہنو۔ اور اس کا لغو ہونا ظاہر ہے، اسی طرح یہ قول لغو ہے کہ عورتوں کو پردہ نہ کراؤ۔ ان کو عورت کہنا خود اس کی بات دلیل ہے کہ وہ پردہ میں رہنے کی چیزیں ہیں۔

ایک ترقی یافتہ شخص کہتے تھے کہ عورتیں پردہ کی وجہ سے علمی ترقی سے رُکی ہوئی ہیں۔ میں نے کہا: جی ہاں! اسی واسطے تو ان چھوٹی قوموں کی عورتیں جو پردہ نہیں کرتیں، بہت تعلیم یافتہ ہو گئی ہیں۔ یہ جواب سن کر وہ خاموش ہی تو رہ گئے۔

اصل بات یہ ہے کہ تعلیم یافتہ یا غیر تعلیم یافتہ ہونے میں پردہ یا بے پردگی کا کوئی دخل نہیں، بلکہ اس میں بڑا دخل توجہ کو ہے۔ اگر کسی قوم کی عورتوں کی تعلیم پر توجہ ہو تو وہ پردہ میں بھی تعلیم دے سکتے ہیں ورنہ بے پردگی میں بھی کچھ نہیں ہو سکتا، بلکہ اگر غور کیا جائے تو پردہ میں تعلیم زیادہ ہو سکتی ہے کیونکہ تعلیم کے لیے یکسوئی کی ضرورت ہے اور وہ گوشہ



تنہائی میں زیادہ حاصل ہوتی ہے، اسی واسطے مرد بھی مطالعہ کے لیے گوشہ تنہائی تلاش کیا کرتے ہیں جیسا کہ طلبہ کو اس کا اچھی طرح اندازہ ہے۔ پس عورتوں کا پردہ میں رہنا تو علوم کے لیے معین ہے نہ کہ مانع۔ نہ معلوم لوگوں کی عقلیں کیا ہوئیں جو پردہ کو تعلیم کے منافی سمجھتے ہیں!؟

..... ہاں! علوم تجارت اور علوم تجارت کے لیے سیر و سیاحت کی البتہ ضرورت ہے، مگر چونکہ عورتیں ناقص العقل اور کم حوصلہ ہیں، ان کے پاس سیر و سیاحت سے تجربہ میں حقیقی (اخلاقی) ترقی نہ ہوگی، بلکہ آزادی اور شرارت بڑھے گی، اسی لیے شریعت نے عورتوں کے ہاتھ میں طلاق نہیں دی کیونکہ یہ ایسی کم حوصلہ ہیں کہ ذرا سی بات پر آپے سے باہر ہو جاتی ہیں۔ مرد تو برسوں میں کسی بہت ہی بڑی بات پر طلاق کا قصد کرتا ہے اور وہ بھی ہزاروں میں سے ایک، ورنہ زیادہ مرد تو ایسے ہی ہیں جو عورتوں کی بدتمیزیوں پر صبر کرتے ہیں اور اگر عورتوں کے ہاتھ میں طلاق ہوتی تو یہ تو ہر مہینہ شوہر کو طلاق دے کر نئی شادی کر لیا کرتیں (جیسا کہ آج کل یورپ میں ہو رہا ہے)۔ بس عورتوں کے لیے یہی سیر و سیاحت کافی ہے کہ اپنے گھر میں چل پھر لیا کریں، جن تجربوں کی ان کو ضرورت ہے، وہ گھر میں رہ کر ہی ان کو حاصل ہو سکتے ہیں، بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ نظر حقیقت سے دیکھیے تو مردوں کو بھی اس کی ضرورت نہیں۔ اگر سیر و تماشا چاہتے ہو تو وہ بھی آپ کے اندر موجود ہے، دل کی آنکھوں سے دیکھ لو تو تمہیں اپنے ہی اندر تماشا نظر آئے گا اور دنیا کے پھول پھلوار یوں سے استغناء ہو جائے گا۔

ستم ست اگر ہوست کشد کہ بسیر سرو و سمن درا  
تو زغنیہ کم ندمیدہ در دل کشا بچمن درا



”تمہارے اندر خود چمن ہے اس کا پھانک تمہارے ہاتھ میں ہے جب جی چاہے سیر کر لو۔“

چوں کوئے دوست ہست بصر اچہ حاجت ست

خلوت گزیدہ راہ تماشا چہ حاجت ست

”جب محبوب کے دربار میں ہو تو جنگل کی کیا ضرورت ہے؟ خلوت نشین کو تماشہ کی کیا

حاجت؟“

یعنی غیر اللہ کے تعلق کو توڑنے والوں کو اس طرف التفات نہیں کرنا چاہیے کہ بستی کو چھوڑ کر جنگل میں جا رہیں، بلکہ توجہ الی الحق کافی ہے۔

[اشرف التفاسیر تحت ہذہ الآیۃ]

### بے پردگی کا انجام: ①

حضرت اقدس تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بے پردگی کے بہت بُرے نتائج سامنے آرہے ہیں اور یہ کم عقل اور بدفہم لوگ اس وقت سمجھیں گے جب بات ہاتھوں سے نکل جائے گی۔ اس وقت تو دماغ کو چڑھ رہی ہے، بدحواس ہو رہے ہیں، ابھی تو ان کو کچھ خبر نہیں، مگر یہ نشہ بہت جلد ہی اُتر جانے والا ہے۔ یورپ کا تو اُتر گیا ہے، اگرچہ کچھ دیر بعد ہی اُترا ہے، مگر ان کا بہت جلد اُتر جائے گا۔ اس لیے کہ ان کا ہر کام جوش کے ماتحت ہوتا ہے وہ چاہے دین کا کام ہو یا دنیا کا۔ اور جوش کی عمر ہمیشہ کم ہوتی ہے۔

[اشرف التفاسیر تحت ہذہ الآیۃ]

### اعمالِ صالحہ کا دربارِ الہی میں مرتبہ: ②

وَالْبَقِيَّةُ الصَّالِحَةُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرًا أَمَلًا ③

اور باقی رہنے والی نیکیوں کا بہتر ہے تیرے رب کے یہاں بدلہ اور بہتر ہے توقع

”باقیات صالحات“ کی مراد: (۱)

”باقیات صالحات“ کے بارے میں مفسرین کے پانچ اقوال ہیں:

- ①..... سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر۔
- ②..... لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر، الحمد للہ اور لا قوۃ الا باللہ۔

③..... پانچوں نمازیں۔

④..... پاکیزہ کلام۔

⑤..... نیک عمل مراد ہے۔

امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے آخری قول کو ترجیح دی ہے۔<sup>①</sup>

اعمال صالحہ کا انعام: (۱)

قرآن مجید میں 100 سے زیادہ مقامات پر اعمال صالحہ کے 28 مختلف انعامات بیان کیے گئے ہیں، جن میں سے چند ایک یہاں بیان کیے جاتے ہیں:

..... جنت۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ﴾ [البقرہ: ۸۲] (اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں تو وہ جنت کے باسی ہیں)۔

..... اجر و ثواب۔ 13 مقامات پہ فرمایا ہے کہ نیک اعمال والے کے لیے اجر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَأَقْرَبُ إِلَيْنَا الْأَبْرَارُ﴾ [البقرہ: ۱۷۷] (اور نیک اعمال والے ہمیں قریب ہیں)۔ البتہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کیے ہیں، ان کو اللہ

①..... قال الطبري رحمه الله: و أولی الأقوال فی ذلك بالصواب كالذی زوی عن ابن أبي طلحة عن ابن عباس قال: هن جميع أعمال الخير. [تفسير الطبري تحت هذه الآية]



ان کا پورا پورا ثواب دے گا۔

..... مغفرت۔ قرآن عظیم الشان نے 6 مقامات پر مغفرت کا اعلان کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۖ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ﴾ [المائدہ: ۹] (جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ آخرت میں ان کو مغفرت اور زبردست ثواب حاصل ہوگا)۔  
..... فضل۔ قرآن نے 4 مقامات پر فضل کا اعلان کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَيَزِيدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهِ﴾ [الشوریٰ: ۲۶] (اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں، وہ ان کی دعا سنتا ہے اور انہیں اپنے فضل سے اور زیادہ دیتا ہے)۔

..... فوز کا بیان۔ 3 مقامات پر کامیابی کا اعلان کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿فَإِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيَدْخُلُهُمْ رَبُّهُمْ فِي رَحْمَتِهِ ۖ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِينُ﴾ [الباقیہ: ۳۰] (چنانچہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کیے ہیں ان کو تو ان کا پروردگار اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ یہی کھلی ہوئی کامیابی ہے)۔  
[اشاریہ مضامین قرآن: ۲/ ۱۹۷]

### ”باقیات صالحات“ حدیث کی روشنی میں: (۱)

..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”إِنْ عَجَزْتُمْ عَنِ اللَّيْلِ أَنْ تُكَابِدُوهُ وَ عَنِ الْعَدُوِّ أَنْ تُجَاهِدُوهُ فَلَا تَعْجِزُوا عَنْ قَوْلِ: سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ فَإِنَّهُنَّ الْبَاقِيَّاتُ الصَّالِحَاتُ.“ [تفسیر درمنثور تحت آیہ سورۃ الکہف، ۳۶]

”اگر تم راتوں کو اٹھ کر محنت کرنے سے اور دشمن سے جہاد کرنے سے عاجز ہو تو (یہ

## سورۃ کہف کے فوائد (جلد دوم)

کلمات (کہنے سے عاجز نہ بنو: ”سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر“ کیونکہ یہ الباقیات الصالحات ہیں۔“

..... عیاض بن عقبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے بیٹے کی وفات ہو گئی، جس کا نام ”یحییٰ“ تھا، جب اُسے قبر میں اتارا گیا تو ان کو ایک آدمی نے کہا:

”وَاللّٰہِ اِنْ كَانَ لَسَيِّدَ الْجَیْشِ فَأُحْتَسِبُہُ“  
 ”اللہ کی قسم! اگر وہ لشکر کا سردار ہوتا تو میں اسے روک لیتا۔“

اس پر عیاض بن عقبہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

”وَمَا يَمْتَنِعُنِي اَنْ اُحْتَسِبُہُ؟ وَكَانَ اُمْسٍ مِنْ زِينَةِ الدُّنْيَا وَهُوَ الْيَوْمُ مِنْ

الْبَاقِيَاتِ الصَّالِحَاتِ.“ [تفسیر درمنثور تحت آیہ سورۃ الکہف، ۴۶]

”مجھے اس کے روکنے سے کیا چیز مانع ہے؟ کل یہ دنیا کی زینت میں سے تھا اور آج باقی

رہنے والی نیکیوں میں سے ہے۔“

..... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”باقیات صالحات“ سے مراد ہے

”سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر“ ہیں۔

[تفسیر درمنثور تحت آیہ سورۃ الکہف، ۴۶]

..... نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اِسْتَكْبِرُوا مِنَ الْبَاقِيَاتِ الصَّالِحَاتِ“ (باقی رہنے

والی نیکیوں کی کثرت کیا کرو)۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ”وَمَا هُنَّ يَا رَسُولَ

اللّٰہِ؟“ (وہ باقی رہنے والی نیکیاں کون سی ہیں؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”التَّكْبِيرُ

وَالْتَهْلِيلُ وَالتَّسْبِيحُ وَالتَّحْمِيدُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰہِ“ (تکبیر کہنا، لا الہ الا اللہ

کہنا، سبحان اللہ، الحمد للہ اور لا حول ولا قوۃ الا باللہ کہنا)۔

[مستدرک للحاکم، رقم: ۱۸۸۹]



..... حدیث پاک میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”خُذُوا جَنَّتْكُمْ“  
(اپنی اپنی ڈھال پکڑو)۔ پوچھا گیا: یا رسول اللہ! ”أَمِنْ عَدُوِّ قَدْ حَضَرَ؟“ (کیا  
دشمن کے خلاف جو حاضر ہو چکا ہے)؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

”بَلْ جَنَّتْكُمْ مِنَ النَّارِ، قُولُوا سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ  
أَكْبَرُ فَإِنَّهُنَّ يَأْتِينَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُقَدِّمَاتٍ مُعَقِّبَاتٍ مُحَسِّنَاتٍ وَهُنَّ الْبَاقِيَّاتُ  
الصَّالِحَاتُ.“ [تفسیر درمنثور تحت آیہ سورۃ الکہف، ۴۶]

”نہیں، بلکہ دوزخ کی آگ سے بچاؤ کے لیے اپنی ڈھال پکڑو۔ تم سبحان اللہ، الحمد للہ،  
لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر کہو۔ کیونکہ یہ کلمات قیامت کے دن آئیں گے مقدمات (آگے  
سے آنے والے) معقبات (پیچھے سے آنے والے) اور محسنات (نیکیاں اور خوبیاں  
بن کر) اور یہ باقیات صالحات ہیں۔“

..... حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک خشک  
درخت کے پاس سے گزرے، اس کی ٹہنیوں میں سے ایک ٹہنی کو پکڑ کر حرکت دی تو اس  
کے سارے پتے گر گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّ قَائِلًا يَقُولُ: سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ  
وَاللَّهُ أَكْبَرُ، لَتَتَنَازَّرَ الذُّنُوبُ عَنْ قَائِلِهَا كَمَا يَتَنَازَّرُ الْوَرَقُ عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ.  
قَالَ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ: هُنَّ الْبَاقِيَّاتُ الصَّالِحَاتُ.“ [تفسیر درمنثور تحت آیہ سورۃ الکہف، ۴۶]

”اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے، جب کوئی کہنے والا سبحان اللہ،  
الحمد للہ لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر کہتا ہے تو اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جیسے اس  
درخت سے پتے جھڑ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہی کو ”باقیات صالحات“ قرار دیا ہے۔“



## فوائد السلوک: (۱)

..... شیخ ابن عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”ہِيَ الْأَعْمَالُ الْخَالِصَةُ وَالنِّيَّاتُ الصَّادِقَةُ“  
(باقیات صالحات، اللہ کے لیے کیے ہوئے اعمال اور کھری نیتیں ہیں)۔  
[تفسیر السلی تحت هذه الآية]

..... حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”الْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ هُوَ التَّوْحِيدُ“  
(باقیات صالحات سے مراد ”توحید“ ہے)۔ [تفسیر السلی تحت هذه الآية]

## فانی چیز کی فنایت پر کیا غم؟

حضرت اقدس تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”باقیات“ کے ساتھ ”صالحات“ کے جمع لانے میں ہر عمل کی وقعت کا اظہار ہے اور جب اعمالِ آخرت باقی رہنے والے ہیں اور ان کے مقابلہ میں ”مال و بنون“ کو زینت فرمایا گیا ہے تو اس لفظ سے اس بات پر تنبیہ کی گئی ہے کہ دنیا کی چیزیں فنا ہونے والی ہیں۔ اور جب دنیا کے اموال و اولاد فانی ہیں تو اگر وہ آپ سے پہلے اور آپ کے سامنے ہی فنا ہو جائیں تو غم نہ کرو، کیونکہ وہ تو فنا ہونے والے تھے ہی۔

[اشرف التفاسیر تحت هذه الآية]

## احوالِ قیامت کا بیان

﴿وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالُ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً ۖ وَحَشَرْنَاهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ أَحَدًا﴾



اور (اس دن کا دھیان رکھو) جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے۔ اور تم زمین کو دیکھو  
گے کہ وہ کھلی پڑی ہے، اور ہم ان سب کو گھیر کر اکٹھا کر دیں گے، اور ان میں سے کسی  
ایک کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔

### قیامت کے دن پہاڑوں کا حال: (۱)

وَيَوْمَ نَسِيزُ الْجِبَالَ

اور جس دن ہم چلائیں پہاڑ

پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے دنیا کے فانی ہونے کا بیان فرمایا اور آخر میں فرمایا کہ  
نیک اعمال ہی دنیا کی واحد چیز ہے جو باقی رہنے والے ہیں۔ اور اسی کی بنیاد پہ بندوں کو  
نوازا جائے گا۔ کب نوازا جائے گا؟ یہاں سے اس دن کے احوال کا بیان شروع فرما  
رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن پہاڑوں کی تباہی کا منظر قرآن مجید میں کھینچا ہے۔ ایک جگہ  
فرمایا کہ صورِ اسرافیل کے ساتھ ہی پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے  
ہیں: ﴿جَعَلْنَا دُكَّانًا﴾ [الاعراف: ۱۴۳] (اس کو ریزہ ریزہ کر دیا)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَتَسِيرُ الْجِبَالُ سَيْرًا﴾ [الطور: ۱۰] (اور پہاڑ ہولناک  
طریقے سے چل پڑیں گے)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا﴾ [التبا: ۲۰] (اور پہاڑوں  
کو چلایا جائے گا تو وہ ریت کے سراب کی شکل اختیار کر لیں گے)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيلًا﴾ [الزلزل: ۱۴] (اور سارے



پہاڑ ریت کے بکھرے ہوئے تو دے بن کر رہ جائیں گے۔

ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنفُوشِ ۝٥﴾ [القارۃ: ۵] (اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے)۔

ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا ۝٦ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۝٧ لَا تَبْقَىٰ فِيهَا جَبَلًا وَلَا أَمْتًا ۝٨﴾ [طہ: ۱۰۵ تا ۱۰۷] (اور لوگ تم سے پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ قیامت میں ان کا کیا بنے گا؟ جواب میں کہہ دو کہ میرا پروردگار ان کو دھول کی طرح اڑا دے گا۔ اور زمین کو ایسا ہموار چٹیل میدان بنا کر چھوڑے گا کہ اس میں تمہیں نہ کوئی بل نظر آئے گا، نہ کوئی ابھار)۔

ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝٩ فَكَانَتْ هَبَاءً مُّنبَثًّا ۝١٠﴾ [الواقعہ: ۶، ۵] (اور پہاڑوں کو پیس کر چورا کر دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ بکھرا ہوا غبار بن کر رہ جائیں گے)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَإِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۝١١﴾ [المرسلات: ۱۰] (اور جب پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَوُحِشَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً ۝١٢﴾ [الحاقہ: ۱۳] (اور زمین اور پہاڑوں کو اٹھا کر ایک ہی ضرب میں ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا)۔

قرآن میں پہاڑوں کے تذکرے سے 19 مقاصد: (۱)

قرآن مجید میں پہاڑوں کا تذکرہ 19 مختلف مقاصد کے لیے کیا گیا ہے۔ وہ 19 مقاصد ذیل میں دیے جاتے ہیں:

①..... حضرت نوح علیہ السلام کی سلامتی اور مشرکین کی بربادی بیان کرنے کے لیے۔ اللہ



تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَهِيَ تَجْرِي بِهِمْ فِي مَوْجٍ كَالْجِبَالِ﴾ [ہود: ۴۲] (اور وہ کشتی پہاڑوں جیسی موجوں کے درمیان چلی جاتی تھی)۔

②..... قومِ ثمود کی فنِ تعمیر میں مہارت بیان کرنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَكَانُوا يُنْجِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا أُمْنِينَ﴾ [الحجر: ۸۲] (اور وہ پہاڑوں کو تراش تراش کر بے خوف و خطر مکان بنایا کرتے تھے)۔

③..... حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دیدارِ الہی سے مشرف ہونے کو بیان کرنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا﴾ [الاعراف: ۱۴۳] (پھر جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا)۔

④..... جبلِ ابراہیم کا تذکرہ کیا گیا ہے جس سے قدرتِ خداوندی اور حیاتِ بعد المات کا اظہار ہو۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا﴾ [البقرة: ۲۶۰] (پھر ان کو ذبح کر کے ان کا ایک ایک حصہ ہر پہاڑ پر رکھ دو)۔

⑤..... جبلِ بنی اسرائیل کے تذکرے سے مقصد شریعتِ موسویٰ کو قبول کرنے کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ﴾ [الاعراف: ۱۷۱] (اور یاد کرو جب ہم نے پہاڑ کو ان کے اوپر اس طرح اٹھا دیا تھا جیسے وہ کوئی سا بان ہو)۔

⑥..... گزشتہ اقوام کے مکر و فریب کی قوت بیان کرنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَإِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ مِنْهُ الْجِبَالُ﴾ [ابراہیم: ۴۶] (چاہے ان کی چالیں ایسی کیوں نہ ہوں جن سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہل جائیں)۔

⑦..... حصولِ شہد بیان کرنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَأَوْخِي رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنْ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ﴾ [النحل: ۶۸] (اور

تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ تو پہاڑوں میں، درختوں میں اور لوگ جو چھتریاں اٹھاتے ہیں ان میں اپنے گھر بنا۔

۸ پہاڑوں میں پناہ گاہ بیان کرنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَجَعَلْ لَكُمْ مِنَ الْجِبَالِ أَكْنَانًا﴾ [الحمل: ۸۱] (اور پہاڑوں میں تمہارے لیے پناہ گاہیں بنائیں)۔

۹ متکبرین کے تکبر کو توڑنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا﴾ [الاسراء: ۳۷] (اور نہ بلندی میں پہاڑوں کو پہنچ سکتے ہو)۔

۱۰ قیامت کی سختی کو بیان کرنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ﴾ [الکوثر: ۳] (اور جب پہاڑوں کو چلایا جائے گا)۔

۱۱ پہاڑوں کے حال اور سختی کے بارے میں تفتیش کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ﴾ [طہ: ۱۰۵] (اور لوگ تم سے پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ قیامت میں ان کا کیا بنے گا)؟

۱۲ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح بیان کرنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعُشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ﴾ [ص: ۱۸] (ہم نے پہاڑوں کو اس کام پر لگا دیا تھا کہ وہ شام کے وقت اور سورج کے نکلنے کے وقت ان کے ساتھ تسبیح کیا کریں)۔

۱۳ پہاڑوں کا دیگر مخلوقات کے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالی میں عاجزی بیان کرنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالشَّشُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالْدَّوَابُّ

وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ ﴿۱۸﴾ (الحج: ۱۸) (کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ کے آگے وہ سب سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور وہ سب جو زمین میں ہیں۔ نیز سورج اور چاند، اور ستارے اور پہاڑ، اور درخت اور جانور، اور بہت سے انسان بھی)۔

۱۴..... بادل کے پہاڑوں کو بیان کرنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مِّنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْ مَّاءٍ بَرْدٍ﴾ [النور: ۴۳] (اور آسمان میں بادلوں کی شکل میں جو پہاڑ کے پہاڑ ہوتے ہیں، اللہ ان سے ازلے برساتا ہے)۔

۱۵..... روزِ قیامت پہاڑوں کی حالت کو حیرت و دہشت بیان کرنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدًا وَهِيَ تَمُورٌ مِّنَ السَّحَابِ﴾ [النمل: ۸۸] (تم آج پہاڑوں کو دیکھتے ہو تو سمجھتے ہو کہ یہ اپنی جگہ جمے ہوئے ہیں، حالانکہ اس وقت وہ اس طرح پھر رہے ہوں گے جیسے بادل پھرتے ہیں)۔

۱۶..... پہاڑوں پر امانت پیش کرنے کو بیان کرنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿إِنَّا عَرَضْنَا الْأَقَانِةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ﴾ [الاحزاب: ۷۲] (ہم نے یہ امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی)۔

۱۷..... روزِ قیامت پہاڑوں کا دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جانے کو بیان کرنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ﴾ [القارۃ: ۵] (اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے)۔

۱۸..... زمین کو ہلنے جلنے سے محفوظ رکھنے کو بیان کرنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَالْجِبَالُ أَرْسَاقٌ﴾ [النازعات: ۳۲] (اور پہاڑوں کو گاڑ دیا ہے)۔

۱۹..... توحید پر دلائل بیان کرنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَالْوَالِي

الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿١٩﴾ [الغافیہ: ۱۹] (اور پہاڑوں کو کہ انہیں کس طرح گاڑا گیا؟)  
[تفصیل کے لیے دیکھیے: بصائر ذوی التمیز: ۲/ ۳۶۲ تا ۳۶۴]

## پہاڑوں کے پانچ قرآنی احوال: (۱)

قرآن مجید میں پہاڑوں کے پانچ حالات بیان کیے گئے ہیں:

①..... ریزہ ریزہ ہو جانا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿جَعَلْنَاهَا دَكَّاءَ﴾ [الاعراف: ۱۳۳]  
(اس کو ریزہ ریزہ کر دیا)۔

②..... پھٹ جانا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَأَنَّ مِنْهَا لَمَّا يَشَقُّ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ﴾ [البقرہ: ۷۴] (اور انہی میں سے کچھ وہ ہوتے ہیں جو خود پھٹ پڑتے ہیں اور ان سے پانی نکل آتا ہے)۔

③..... ڈر جانا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَأَشْفَقْنِ مِنْهَا﴾ [الاحزاب: ۷۲] (اور اس سے ڈر گئے)۔

④..... جھک جانا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿لَوْ أَنزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْنَا خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ﴾ [الحشر: ۲۱] (اگر ہم نے یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارا ہوتا تو تم اسے دیکھتے کہ وہ اللہ کے رعب سے جھکا جا رہا ہے اور پھٹا پڑتا ہے)۔

⑤..... مرغوب ہو جانا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿لَوْ أَنزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْنَا خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ﴾ [الحشر: ۲۱] (اگر ہم نے یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارا ہوتا تو تم اسے دیکھتے کہ وہ اللہ کے رعب سے جھکا جا رہا ہے اور پھٹا پڑتا ہے)۔

[بصائر ذوی التمیز: ۲/ ۳۶۴، ۳۶۵]

## فوائد السلوک: (۱)

..... روزِ محشر پہاڑوں کے احوال بیان کرنے سے مقصد یہ ہے کہ انسان کے دل و دماغ



پر یہ بات نقش ہو جائے کہ جب پہاڑوں کا یہ حال ہوگا تو ہم جیسے کمزوروں کا کیا حال ہوگا؟  
اور یوں اللہ سے بھٹکے ہوئے بندے اللہ کے قریب ہونے کی کوشش شروع کریں گے، اس  
کی طرف رجوع کریں گے اور اپنے رب ہی کو راضی کرنے کی کوشش کریں گے۔

### قیامت کے دن زمین کا حال: (۱)

وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً

اور تُو دیکھے زمین کو کھلی ہوئی

روزِ قیامت زمین چٹیل میدان کھلی ہوئی صاف نظر آئے گی، نہ اس پر کوئی عمارت  
ہوگی، نہ پہاڑ اور نہ ہی کوئی درخت۔ قرآن مجید نے قیامت کے دن زمین کے مختلف  
حالات بیان کیے ہیں:

..... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ﴾ [ابراہیم: ۴۸]  
(اس دن جب یہ زمین ایک دوسری زمین سے بدل دی جائے گی)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَأَنَّا لَجَاعِلُونَ مَا عَلَيْهَا صَعِيدًا جُرُزًا﴾ [الکہف: ۸] (اور یہ بھی  
یقین رکھو کہ روئے زمین پر جو کچھ ہے ایک دن ہم اسے ایک سپاٹ میدان بنادیں گے)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ﴾ [الزمر: ۶۷] (پوری کی  
پوری زمین قیامت کے دن اس کی مٹھی میں ہوگی)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا﴾ [الزمر: ۶۹] (اور زمین اپنے  
پروردگار کے نور سے چمک اٹھے گی)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿إِذَا زُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًا﴾ [الواقعة: ۴] (جب زمین ایک  
بھونچال سے جھنجھوڑ دی جائے گی)۔



ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً﴾ [الحاقة: ۱۵]  
(اور زمین اور پہاڑوں کو اٹھا کر ایک ہی ضرب میں ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا)۔  
ایک اور جگہ فرمایا: ﴿يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ﴾ [الزلزلہ: ۱۳] (اس دن جب  
زمین اور پہاڑ لرز اٹھیں گے)۔

ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَإِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ ۖ وَأَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ ۖ وَأَذِنَتْ  
لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ﴾ [الانشقاق: ۵۳] (اور جب زمین کو کھینچ دیا جائے گا اور اس کے اندر  
جو کچھ ہے وہ اُسے باہر پھینک دے گی اور خالی ہو جائے گی اور وہ اپنے پروردگار کا حکم  
سن کر مان لے گی اور اس پر لازم ہے کہ یہی کرے)۔

ایک اور جگہ فرمایا: ﴿كَلَّا إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا﴾ [الفجر: ۲۱] (ہرگز ایسا نہیں  
چاہیے۔ جب زمین کو کوٹ کوٹ کر ریزی ریزہ کر دیا جائے گا)۔

ایک اور جگہ فرمایا: ﴿إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ۖ وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا ۖ  
وَقَالَ الْإِنْسَانُ مَا لَهَا ۖ يَوْمَئِذٍ تُخْبِتُ أَخْبَارَهَا ۖ إِنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا﴾ [الزلزال: ۵۱]  
(جب زمین اپنے بھونچال سے جھنجھوڑ دی جائے گی۔ اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال دے  
گی۔ اور انسان کہے گا کہ اس کو کیا ہو گیا ہے؟ اس دن زمین اپنی ساری خبریں بتا دے  
گی۔ کیونکہ تمہارے پروردگار نے اسے یہی حکم دیا ہوگا)۔

قیامت کے دن لوگوں کا حال: ۱۱

وَحَشَرْنَاهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ أَحَدًا ۖ

اور گھیر بلائیں ہم ان کو پھر نہ چھوڑیں ان میں سے ایک کو  
یعنی ان میں سے کسی کو قبر سے اٹھائے بغیر نہیں چھوڑیں گے۔ قیامت کے دن کو 'یوم



الحشر“ بھی کہا جاتا ہے جیسا کہ اسے ”یوم البعث“ اور ”یوم النشور“ کے ناموں سے موسوم کیا گیا ہے۔

### حشر کی کہانی، قرآن کی زبانی: (۱)

قرآن عظیم الشان نے 100 سے زائد آیات میں روزِ قیامت انسانوں کو بارگاہِ الہی میں جمع کرنے کا اعلان کیا ہے، چند آیات پیش خدمت ہیں:

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ تُحْشَرُونَ﴾ [البقرة: ۲۰۳] (اور تم سب تقویٰ اختیار کرو اور یقین رکھو کہ تم سب کو اسی کی طرف لے جا کر جمع کیا جائے گا)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا﴾ [الانعام: ۲۲] (اس دن کو یاد رکھو جب ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَأَنْ أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَهُوَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ﴾ [الانعام: ۷۲] (اور یہ حکم دیا گیا ہے کہ نماز قائم کرو اور اس کی نافرمانی سے ڈرتے رہو، اور وہی ہے جس کی طرف تم سب کو اکٹھا کر کے لے جایا جائے گا)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنْتُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ﴾ [الانفال: ۲۴] (اور یہ بات جان رکھو کہ اللہ انسان اور اس کے دل کے درمیان آڑ بن جاتا ہے۔ اور یہ کہ تم سب کو اسی کی طرف اکٹھا کر کے لے جایا جائے گا)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَيَبْرَزُوا لِلَّهِ جَمِيعًا﴾ [ابراہیم: ۲۱] (اور یہ سب لوگ اللہ کے آگے پیش ہوں گے)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ

الْقِيَمَةِ اَعْلٰی ﴿۱۳۳﴾ [طہ: ۱۲۴] (اور جو میری نصیحت سے منہ موڑے گا تو اس کو بڑی سنگ  
زندگی ملے گی اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَيَوْمَ نَخْشِرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُكَذِّبُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ  
يُوزَعُونَ﴾ [نمل: ۸۳] (اور اس دن کو نہ بھولو جب ہم ہر اُمت میں سے ان لوگوں کی  
پوری فوج کو گھیر لائیں گے جو ہماری آیتوں کو جھٹلایا کرتے تھے، پھر ان کی جماعت  
بندی کی جائے گی)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَيَوْمَ يُخْشَرُ اَعْدَاءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوزَعُونَ﴾ [فصلت: ۱۹]  
(اور اس دن کا دھیان رکھو جب اللہ کے دشمنوں کو جمع کر کے آگ کی طرف لے جایا  
جائے گا، چنانچہ انہیں ٹولیوں میں بانٹ دیا جائے گا)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَيَوْمَ تَشْقٰى الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَآعًا ذٰلِكَ خَشْرُ عَلَيْنَا  
يَسِيرٌ﴾ [ق: ۴۴] (اس دن جب زمین پھٹ کر ان کو اس طرح باہر کر دے گی کہ وہ  
جلدی جلدی نکل رہے ہوں گے۔ اس طرح سب کو جمع کر لینا ہمارے لیے بہت  
آسان ہے)۔

### قرآن میں لفظ ”حشر“ کا 2 طرح استعمال: (۱)

قرآن میں لفظ ”حشر“ 2 معانی میں استعمال ہوا ہے:

①..... اکٹھا کرنے کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَإِذَا الْوُحُوشُ  
حُشِرَتْ﴾ [الحکیر: ۵]

②..... ہانکنے کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَنَخْشِرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عَلٰی  
وُجُوهِهِمْ عُمِيًّا وَبُكْمًا وَصُمًّا﴾ [الاسراء: ۹۷]



## ”حشر“ کے استعمال کے قرآنی مقامات: (۱)

- قرآن میں ”حشر“ کا لفظ مندرجہ ذیل مقامات میں استعمال ہوا ہے:
- ..... حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس پرندے جمع ہوتے تھے، جب وہ زبور کی تلاوت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَالطَّيْرُ مَحْشُورَةٌ كُلُّ لَهَا آوَابٌ ۝۱۹﴾ [ص: ۱۹]
- ..... جنات وغیرہ کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس جمع کرنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَحَشِيرٌ لِّسُلَيْمَانَ جُنُودُهُ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ۝۱۷﴾ [النمل: ۱۷]
- ..... فرعون کے لیے جادوگر جمع کرنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَأَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ۝۵۳﴾ [الشعراء: ۵۳]
- ..... روزِ محشر مخلوق کا اللہ تعالیٰ کے سامنے جمع ہونے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا﴾ [الانعام: ۲۲]
- ..... ظالموں کو جمع کرنا، دوزخ میں ڈالنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿أَحْشُرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ وَكَانُوا يَعْبُدُونَ ۝۲۲﴾ [الصافات: ۲۲]
- ..... متقین کو جمع کرنا، اللہ تعالیٰ کی طرف لے جانے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَنِ وَفْدًا ۝۸۵﴾ [مریم: ۸۵]
- [بصار ذوی التمییز: ۲/ ۴۶۸، ۴۶۹]

﴿وَعَرِّضُوا عَلَىٰ رَبِّكَ صَفًّا لَّقَدْ جِئْتُونَا كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ بَلْ زَعَمْتُمْ  
أَلَّنْ نَجْعَلَ لَكُم مَّوْعِدًا ۝۳۸﴾



اور سب کو تمہارے رب کے سامنے صف باندھ کر پیش کیا جائے گا۔ آخر تم ہمارے پاس اسی طرح آگئے جس طرح ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا۔ اس کے برعکس تمہارا دعویٰ یہ تھا کہ ہم تمہارے لیے (یہ) مقرر وقت کبھی نہیں لائیں گے۔

### در بارِ الہی میں پیشی کا بیان: (۱)

وَعُرِضُوا عَلٰی رَبِّكَ صَفًّا

اور سامنے آئیں تیرے رب کے صف باندھ کر  
قیامت کے دن انسان صفیں بنائیں گے اور ایک ایک کر کے اپنے رب کے سامنے  
پیش ہوں گے۔ ﴿جِئْتُمُنَا فُرَادٰی﴾ ایک ایک کر کے اللہ کے سامنے پیش ہوں گے اور  
اللہ کے سامنے اپنے کیے کا حساب دیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے آخرت کے بارے میں یہ چند آیات درمیان میں بیان فرمادیں تاکہ  
دنیا سمجھے کہ صرف دنیا ہی کی زندگی تک بات نہیں ہے، بلکہ اصل زندگی تو آخرت کی ہے  
اور ہمیں آخرت میں اپنے اعمال کا حساب اللہ کے سامنے دینا ہے۔

جیسے بادشاہ کے سامنے اس کی فوج لائی جاتی ہے اسی طرح اللہ کے سامنے سب  
لوگوں کو صف بند شکل میں لایا جائے گا۔ لیکن بادشاہ کی پیشی معائنہ اور شناخت کے لیے  
ہوتی ہے اور اللہ کی پیشی حکم جاری کرنے کے لیے ہوگی۔

### اللہ تعالیٰ کی پکار: (۱)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آواز دیں گے:  
”يَا عِبَادِي! اَنَا اللّٰهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اَنَا اُزَحِّمُ الرَّاحِمِينَ وَ اُخَكِّمُ الْحَاكِمِينَ وَ اُسْرِعُ



الْحَاسِبِينَ، أَحْضَرُوا حُجَّتَكُمْ وَ يَسِّرُوا جَوَابًا فَإِنَّكُمْ مَسْئُولُونَ مُحَاسِبُونَ، يَا مَلَائِكَتِي! أَقِيمُوا عِبَادِي صُفُوفًا عَلَى أَطْرَافٍ أَنَامِلٍ أَقْدَامِهِمْ لِلْحِسَابِ..  
[تفسیر درمنثور تحت هذه الآية من سورة الكهف، ۴۸]

”اے میرے بندو! میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں سب رحم کرنے والوں میں سے سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہوں اور تمام حکم کرنے والوں میں سے سب سے زیادہ حکم کرنے والا ہوں اور حساب کرنے والوں میں سے سب سے جلدی حساب کرنے والا ہوں، اپنی حجتوں کو پیش کرو اور جواب کو آسان کرو، کیونکہ تم سے باز پرس ہوگی اور محاسبہ ہوگا۔ اے میرے ملائکہ! میرے بندوں کو قدموں کے پوروں کے اطراف پر حساب کے لیے صفوں میں سیدھا کھڑا کر دو۔“

منکرین قیامت سے پہلا خطاب: ۱

لَقَدْ جِئْتُمُونَا كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ

آپہنچے تم ہمارے پاس جیسا ہم نے بنایا تھا تم کو پہلی بار  
بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ﴿كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ میں یہ بتایا ہے کہ جس طرح آسانی سے ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اسی طرح اب تمہاری تخلیق فرمادی۔ تم سمجھتے تھے کہ ہم دوبارہ پیدا نہ ہوں گے اور دوبارہ پیدا ہونے کو ناممکن سمجھتے تھے، حالانکہ جس نے پہلی بار پیدا کیا وہ دوسری بار آسانی پیدا فرما سکتا ہے۔

پیدائش کے وقت تمہارے پاس دنیا کا مال و دولت کچھ بھی نہ تھا اسی طرح آج ہم نے تم کو قبروں سے نادار اٹھایا ہے۔

برہنہ بدن، برہنہ پا پیشی: ۱

..... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّكُمْ مَخْشُورُونَ حُفَاةَ عُرَاةٍ غُرْلًا، ثُمَّ قَرَأَ: كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ وَعَدَا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ، وَأَوَّلُ مَنْ يُكْسَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِبْرَاهِيمُ.))

[صحیح بخاری، رقم: ۳۳۴۹]

”لوگو! تم کو قبروں سے اٹھا کر اللہ کے سامنے برہنہ بدن، برہنہ پا اور غیر مختون حالت میں لے جایا جائے گا، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اور فرمایا کہ سب مخلوق سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔“

..... ایک اور حدیث پاک میں آتا ہے:

”تُخْشَرُونَ حُفَاةَ عُرَاةٍ غُرْلًا“

”قیامت کے دن تم کو برہنہ پا برہنہ بدن غیر مختون اٹھایا جائے گا۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا:

”يَا رَسُولَ اللَّهِ! الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ؟“

”یا رسول اللہ! مرد بھی ہوں گے عورتیں بھی۔ کیا ایک دوسرے کو دیکھے گا؟“

آپ ﷺ نے فرمایا:

”الْأَمْرُ أَشَدُّ مِنْ أَنْ يُهَمَّهُمْ ذَاكَ“ [صحیح بخاری، رقم: ۶۵۲۷]

”اس وقت کا معاملہ بہت سخت ہوگا، یعنی کسی کو کسی کی طرف دیکھنے کا ہوش ہی نہ ہوگا۔“

..... ایک اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”يُخْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عُرَاةَ حُفَاةَ“

”قیامت کے دن لوگوں کو برہنہ پا برہنہ بدن اٹھایا جائے گا۔“

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

”يَا رَسُولَ اللَّهِ! وَسَوَاءُ تَاهُ يَنْظُرُ بَعْضُنَا إِلَى بَعْضٍ“

”یا رسول اللہ! یہ تو بڑی خرابی ہوگی کہ ہم میں سے بعض بعض کو (برہنہ) دیکھیں گے۔“  
آپ ﷺ نے فرمایا:

”شُغِلَ النَّاسُ“  
”لوگ اپنے ہی شغل میں ہوں گے۔“  
حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

”مَا شَغَلَهُمْ؟“  
”وہ کس شغل میں ہوں گے؟“  
آپ ﷺ نے فرمایا:

”نَشَرُ الصُّحُفِ فِيهَا مَثَاقِيلُ الذَّرِّ وَمَثَاقِيلُ الْخُرْدِلِ.“

[المعجم الاوسط للطبرانی، رقم: ۸۳۷]

”اعمال نامے کھول کر سامنے لائے جائیں گے جن کے اندر چھوٹی چوٹی کے برابر اور  
رائی کے دانہ کے برابر بھی اعمال کا اندراج ہوگا۔“

طلبہ کے لیے علمی نکتہ: ۱

قرطبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ بھی تو حدیث میں آیا ہے کہ  
مردے اپنی قبروں میں کفن پہنے ہوئے باہم ملاقات کرتے ہیں اور احادیث مذکورہ میں  
برہنہ اٹھائے جانے کی صراحت ہے۔ دونوں میں کھلا ہوا تعارض ہے، لیکن حقیقت میں  
کوئی اختلاف نہیں، اس لیے کہ احادیث مذکورہ میں قیامت کے دن برہنہ اٹھایا جانا  
مذکور ہے جبکہ اس حدیث کے اندر عالم برزخ میں کفن پوش ہونے کی حالت میں باہم  
ملاقات کا تذکرہ ہے۔ ہاں احادیث مذکورہ بالا کا تعارض مندرجہ ذیل احادیث سے



ضرور ہوتا ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے نئے کپڑے طلب فرما کر پہنے اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا: "إِنَّ الْمَيِّتَ يُنْعَثُ فِي ثِيَابِهِ الَّتِي يَمُوتُ فِيهَا" [سنن ابی داؤد، رقم: ۳۱۱۴] (جن کپڑوں میں مردہ مرتا ہے انہی کپڑوں میں اسے اٹھایا جائے گا)۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ کو نئے کپڑوں کا کفن دے کر دفن کیا اور فرمایا: "أَحْسِنُوا أَكْفَانَ مَوْتَاكُمْ فَإِنَّهُمْ يُحْشَرُونَ فِيهَا" [ابن ابی الدنیا بحوالہ تفسیر مظہری] (اپنے مردوں کو اچھے کفن دیا کرو کیونکہ انہی کفن کے کپڑوں میں ان کو اٹھایا جائے گا)۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ان روایات کے اختلاف کو دور کرنے کے لیے کہا ہے کہ بعض کو برہنہ اٹھایا جائے گا اور بعض کو کپڑے پہنے ہوئے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ تاویل اچھی ہے۔ رہی آیت مذکورہ بالا تو یہ صرف کفار کے لیے ہے کیونکہ آگے جملہ میں کفار ہی کو خطاب کیا گیا ہے۔

[تفسیر مظہری تحت هذه الآية من سورة الکہف، ۴۸]

## قرآن میں لفظ "اخلق" کا 8 طرح استعمال: ①

قرآن میں "اخلق" کا لفظ 8 چیزوں کے لیے استعمال ہوا ہے:

①..... دین حق کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿لَا تَبْدِيلَ لِحُكْمِ اللَّهِ﴾

[الرؤم: ۳۰]

②..... بمعنی جھوٹ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَتَخْلُقُونَ أَفْكَاءَ﴾ [العنکبوت: ۱۷]

③..... تصویر کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ

الطَّيْرِ بِأَذْنِي﴾ [المائدہ: ۱۱۰]



④..... تقدیر کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاتَّخِذُوا مِن دُونِهَا لِهَتًّا لَا

يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلِقُونَ﴾ [الفرقان: ۳]

⑤..... قوتِ گویائی دینے کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿أَنطَقْنَا اللّٰهَ

الَّذِي أَنطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ [فصلت: ۲۱]

⑥..... بنانے کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَن يَخْلُقَ لَكُمْ

مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا﴾ [الروم: ۲۱]

⑦..... قیامت میں مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے

ہیں: ﴿فَاسْتَفْتِهِمْ أَهُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمْ مَّنْ خَلَقْنَا﴾ [الصافات: ۱۱]

⑧..... پیدا کرنے کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿خَلَقَ السَّنُوتِ

وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ﴾ [الزمر: ۵]

[بصارِ ذوی التمیز: ۲/۵۶۹، ۵۷۰]

منکرینِ قیامت سے دوسرا خطاب: ①

بَلْ زَعَمْتُمْ أَنَّنِي جَعَلْتُ لَكُمْ مَّوْعِدًا ③۸

نہیں، تم تو کہتے تھے کہ نہ مقرر کریں گے ہم تمہارے لیے کوئی وعدہ

حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے ناصبین کی تعلیم اور تبلیغ سے جو تمہیں وقوعِ قیامت

کا کچھ دھیان آ جاتا تھا تو تم اسے یوں کہہ کر دفع کر دیتے تھے کہ اجی نہ دوبارہ اٹھنا ہے

اور نہ حسابِ کتاب کا موقع آنا ہے۔

طلبہ کے لیے علمی نکتہ: ①

”زعم“ اصل میں ایسی بات نقل کرنے کو کہتے ہیں جس میں جھوٹ کا احتمال ہو۔ اسی

لیے قرآن پاک میں یہ لفظ ہمیشہ اس موقع پر آیا ہے جہاں کہنے والے کی مذمت مقصود ہے۔ [بصائر ذوی التمیز: ۱۲۹/۳]

وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ يُوَلِّتُنَا قَالَ هَذَا الْكِتَابُ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا ﴿۴۹﴾

اور (اعمال کی) کتاب سامنے رکھ دی جائے گی۔ چنانچہ تم مجرموں کو دیکھو گے کہ وہ اس کے مندرجات سے خوف زدہ ہیں، اور کہہ رہے ہیں کہ ہائے ہماری بربادی! یہ کیسی کتاب ہے جس نے ہمارا کوئی چھوٹا بڑا عمل ایسا نہیں چھوڑا جس کا پورا احاطہ نہ کر لیا ہو۔ اور وہ اپنا سارا کیا دھرا اپنے سامنے موجود پائیں گے۔ اور تمہارا پروردگار کسی پر کوئی ظلم نہیں کرے گا۔

## نامہ اعمال کی پیشی کا بیان: ①

### وَوُضِعَ الْكِتَابُ

اور رکھا جائے گا حساب کا کاغذ

جب دربارِ خداوندی میں حاضری ہو جائے گی اور وہاں حساب ہوگا اور پیشی ہوگی تو اگرچہ اللہ تعالیٰ کو حجت قائم کیے بغیر بھی سزا دینے کا اختیار ہے لیکن وہ حجت قائم کر کے سزا دے گا۔ یہ حجت اعمال ناموں کے ذریعہ بھی اور انسانوں کے اعضاء کی گواہی سے بھی قائم ہوگی اور بعض دوسری چیزیں بھی گواہی دیں گی، اعمال نامے پیش ہوں گے، ہر شخص کا اعمال نامہ کھلا ہوگا جو اس کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا۔ اچھے لوگوں کا

اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں اور برے لوگوں کے اعمال نامے پشت کے پیچھے سے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔ اپنے اپنے اعمال نامے دیکھیں گے ان میں ہر چھوٹا بڑا عمل لکھا ہوگا، نافرمان اسے دیکھ کر ڈریں گے اور یوں کہیں گے کہ کاش! یہ اعمال نامہ ہمارے سامنے نہ آتا۔

اعمال ناموں کو اڑانے والی ہوا: (۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”الْكَتُبُ كُلُّهَا تَحْتَ الْعَرْشِ فَإِذَا كَانَ الْمَوْقِفُ بَعَثَ اللَّهُ رِيحًا فَتَطِيرُهَا بِالْإِيمَانِ وَالشَّمَائِلِ، أَوَّلَ خَطِّ فِيهَا: إِقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا.“

”تمام اعمال نامے عرش کے نیچے جمع ہوتے ہیں۔ جب میدانِ قیامت ہوگا اور لوگ کھڑے ہوں گے تو اللہ ایک ہوا بھیج دے گا جو اعمال ناموں کو اڑا کر لائے گی اور دائیں بائیں ہاتھوں میں پہنچا دے گی۔ سب سے اول اعمال نامہ میں یہ تحریر ہوگی۔ ”إِقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا““

قرآن اور نامہ اعمال: (۱)

قرآن عظیم الشان نے روزِ قیامت انسانوں کے اعمال ناموں کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے:

..... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَكُلُّ إِنْسَانٍ لِّزَمْنِهِ لَظِيْرَةٌ فِي عُنُقِهِ ۖ وَنُخْرِجُ لَهُ

يَوْمَ الْقِيَمَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنشُورًا ۝۱۳﴾ [الاسراء: ۱۳، ۱۴] (اور ہر شخص کے عمل کا انجام ہم نے اس کے اپنے گلے سے

چمٹا دیا ہے۔ اور قیامت کے دن ہم اس کا اعمال نامہ ایک تحریر کی شکل میں نکال کر اس کے سامنے کر دیں گے جسے وہ کھلا ہوا دیکھے گا۔ کہا جائے گا کہ لو پڑھ لو اپنا اعمال نامہ!

آج تم خود اپنا حساب لینے کے لیے کافی ہو۔

ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُنْجَرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ يُوَيْلَتَنَا قَالَ هَذَا الْكِتَابُ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا ۚ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا ۝۳۹﴾ [الکہف: ۳۹] (اور اعمال کی کتاب سامنے رکھ دی جائے گی۔ چنانچہ تم مجرموں کو دیکھو گے کہ وہ اس کے مندرجات سے خوف زدہ ہیں، اور کہہ رہے ہیں کہ ہائے ہماری بربادی! یہ کیسی کتاب ہے جس نے ہمارا کوئی چھوٹا بڑا عمل ایسا نہیں چھوڑا جس کا پورا احاطہ نہ کر لیا ہو۔ اور وہ اپنا سارا کیا دھرا اپنے سامنے موجود پائیں گے۔ اور تمہارا پروردگار کسی پر کوئی ظلم نہیں کرے گا)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿فَأَقَاَمَنُ أُوتِيَ كِتَابَهُ بَيِّنَاتٍ ۖ فَيَقُولُ هَؤُلَاءِ مِمَّا كُتِبَتْ عَلَيَّ ۝۴۰﴾ [الحاقہ: ۲۰، ۱۹] (پھر جس کسی کو اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ وہ کہے گا کہ لوگو! لو یہ میرا اعمال نامہ پڑھو۔ میں پہلے ہی سمجھتا تھا کہ مجھے اپنے حساب کا سامنا کرنا ہوگا)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَأَقَاَمَنُ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِشَاقِلِهِ ۖ فَيَقُولُ يَلَيْتَنِي لَمْ أُوتَ كِتَابِي ۝۴۱﴾ [الحاقہ: ۲۵، ۲۶] (رہا وہ شخص جس کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ کہے گا کہ اے کاش! مجھے میرا اعمال دیا ہی نہ جاتا۔ اور مجھے خبر بھی نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے؟)

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجَّارِ لَفِي سِجِّينٍ ۝۴۲﴾ [المطففين: ۹۲، ۹۳] (ہرگز ایسا نہیں چاہیے! یقین جانو کہ بدکار لوگوں کا اعمال نامہ سجین میں ہے۔ اور تمہیں کیا معلوم کہ سجین میں رکھا ہوا اعمال نامہ کیا چیز ہے؟)

وہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْأَبْرَارِ لَفِي عَلَيِّينَ ۝﴾ [المطففين: ۱۸] (خبردار! نیک لوگوں کا اعمال نامہ علیین میں ہے)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿فَأَقْمْ وَفْقًا مِّنْ أَوْتِي كِتَابَهُ بَيِّنَاتٍ ۖ فَمَن يَخْسَبْ حِسَابًا يَّسِيرًا ۝۸ وَيُنْقَلِبْ إِلَىٰ أَهْلِهِ مَسْرُورًا ۝۹ وَأَقْمْ وَفْقًا مِّنْ أَوْتِي كِتَابَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ ۝۱۰ فَمَن يَدْعُوا نُبُورًا ۝۱۱ وَيَصْلِي سَعِيرًا ۝۱۲﴾ [الانشقاق: ۷-۱۲] (پھر جس شخص کو اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اس سے تو آسان حساب لیا جائے گا۔ اور وہ اپنے گھر والوں کے پاس خوشی مناتا ہوا واپس آئے گا۔ لیکن وہ شخص جس کو اس کا اعمال نامہ اس کی پشت کے پیچھے سے دیا جائے گا۔ وہ موت کو پکارے گا اور بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا)۔

### قیامت میں مجرمین کے خوف کا منظر: ۱

#### فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِّمَّا فِيهِ

پھر تو دیکھے گناہگاروں کو، ڈرتے ہیں اس سے جو اس میں لکھا ہے جب دربارِ خداوندی میں حاضری ہو جائے گی اور وہاں حساب ہوگا اور پیشی ہوگی..... اگرچہ اللہ تعالیٰ کو حجت قائم کیے بغیر بھی سزا دینے کا اختیار ہے لیکن..... وہ حجت قائم کر کے سزا دے گا، یہ حجت اعمال ناموں کے ذریعے، انسانوں کے اعضاء کی گواہی سے قائم ہوگی اور بعض دوسری چیزیں بھی گواہی دیں گی، اعمال نامے پیش ہوں گے، ہر شخص کا اعمال نامہ کھلا ہوگا جو اس کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا۔ اچھے لوگوں کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں اور برے لوگوں کے اعمال نامے پشت کے پیچھے سے بائیں

ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔ اپنے اپنے اعمال نامے دیکھیں گے ان میں ہر چھوٹا بڑا عمل لکھا ہوگا، نافرمان اسے دیکھ کر ڈریں گے اور یوں کہیں گے کہ کاش! یہ اعمال نامہ ہمارے سامنے نہ آتا۔

قرآن میں لفظ ”مجرم“ اور اس سے متعلقہ الفاظ کا استعمال: (۱)

①..... بمعنی شرک تو مجرم بمعنی مشرک۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿يَوْمَذُ الْمُجْرِمُونَ﴾

يَفْتَدِي مِنْ عَذَابٍ يَوْمِيذٍ بِبَنِيهِ ﴿١١﴾ ﴿[المعارج: ١١]

②..... بمعنی قدریہ گمراہ فرقے کا عقیدہ تو مجرم بمعنی قدری فرقے کا عقیدہ رکھنے والا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ﴾ [القمر: ۴۷]

③..... جرم بمعنی لواطت تو مجرم بمعنی لواطت کا مرتکب۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ﴾ [الاعراف: ٨٣]

④..... دشمنی پر آمادہ کرنے کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَلَا

يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ﴿٨﴾ [المائدة: ٨]

۵)..... بمعنی گناہ، لغزش۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُمْ فَعَلَيَّ

إِجْرَامِي ﴿٣٥﴾ [هود: ٣٥]

[بصار ذوی التمییز: ۲/ ۳۵۵، ۳۵۶-تغیر]

## آیات کو جھٹلانے والے مجرم جنت سے محروم: ﴿۱﴾

آیات کو جھٹلانے والے مجرم جنت سے محروم ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے

ہیں: ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفْتُحُ لَهُمُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا

يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ ۖ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ ﴿١٠﴾

۱۱۱ اعراف: ۴۰، ۴۱] (لوگو! یقین رکھو کہ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے اور تمہارے ساتھ ان سے منہ موڑا ہے، ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے، اور وہ جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہوں گے جب تک کوئی اونٹ ایک سوئی کے منہ میں داخل نہیں ہو جاتا۔ اور اسی طرح ہم مجرموں کو ان کے کیے کا بدلہ دیا کرتے ہیں)۔

(مجرم کی سزا: ۱)

قرآن مجید نے ”مجرم“ کے لیے سزائیں بیان فرمائی ہیں:

..... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَتَرَى الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ سَرَابِئِلُهُمْ مِّنْ قِطْرَانٍ وَتَغْشَىٰ وُجُوهُهُمُ النَّارُ ۚ لِيَجْزِيَ اللَّهُ كُلَّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ ۖ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝﴾ [ابراہیم: ۴۹ تا ۵۲] (اور اس دن تم مجرموں کو اس حالت میں دیکھو گے کہ وہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں گے۔ ان کے قمیص تارکول کے ہوں گے اور آگ ان کے چہروں پر چھائی ہوئی ہوگی۔ تاکہ اللہ ہر شخص کو اس کے کیے کا بدلہ دے۔ یقیناً اللہ جلد حساب چکانے والا ہے۔ یہ تمام لوگوں کے لیے ایک پیغام ہے اور اس لیے دیا جا رہا ہے تاکہ انہیں اس کے ذریعے خبردار کیا جائے، اور تاکہ وہ جان لیں کہ معبود برحق بس ایک ہی ہے، اور تاکہ سمجھ رکھنے والے نصیحت حاصل کر لیں)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَرَأَى الْمُجْرِمُونَ النَّارَ فَظَنُّوا أَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوهَا وَلَمْ يَجِدُوا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝﴾ [الکہف: ۵۳] (اور مجرم لوگ آگ کو دیکھیں گے تو سمجھ جائیں گے کہ انہیں اسی میں گرنا ہے اور اس سے بچ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں پائیں گے)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وِرْدًا ۝﴾ [مریم: ۸۶] (اور



بحرموں کو پیاسے جانوروں کی ہنکا کر دوزخ کی طرف لے جائیں گے۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿إِنَّ مَن يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ ۚ﴾ [طہ: ۷۴] (حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اپنے پروردگار کے پاس مجرم بن کر آئے گا، اس کے لیے جہنم ہے جس میں نہ وہ مرے گا اور نہ جیے گا)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي عَذَابِ جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ۖ لَا يُفْتَرُّ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ۖ﴾ ﴿وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَكِن كَانُوا هُمُ الظَّالِمِينَ﴾ [الزخرف: ۷۴، ۷۵] (البتہ جو لوگ مجرم تھے وہ دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہ عذاب ان کے لیے ہلکا نہیں پڑنے دیا جائے گا، اور وہ اس میں مایوس پڑے ہوں گے۔ اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا، لیکن وہ خود ہی ظالم لوگ تھے)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ ۖ يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ ۖ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ ۖ﴾ [القر: ۴۷، ۴۸] (حقیقت یہ ہے کہ یہ مجرم لوگ بڑی گمراہی اور بے عقلی میں پڑے ہوئے ہیں۔ جس دن ان کو منہ کے بل آگ میں گسیٹا جائے گا۔ اس دن انہیں ہوش آئے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ چکھو دوزخ کے چھونے کا مزہ)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿يُعْرِفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِينِهِمْ قَبِيضًا بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ ۖ﴾ ﴿فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۚ﴾ ﴿هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ ۖ﴾ ﴿يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ ۖ﴾ [الرحمن: ۴۱، ۴۲] (مجرم لوگوں کو ان کی علامتوں سے پہچان لیا جائے گا، پھر انہیں سر کے بالوں اور پاؤں سے پکڑا جائے گا۔ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ یہ ہے وہ جہنم جسے یہ مجرم لوگ جھٹلاتے تھے۔ یہ اسی کے اور کھولتے ہوئے پانی کے درمیان چکر لگائیں گے)۔

## مجرموں کے عمل خاک کی طرح اڑیں گے:

روزِ قیامت مجرموں کے عمل خاک کی طرح اڑتے پھر رہے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلَائِكَةَ لَا بُشْرَىٰ يَوْمَئِذٍ لِلْمُجْرِمِينَ وَيَقُولُونَ حَجْرًا مَّحْجُورًا ۝ وَقَدْ مَنَّآ إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَنْثُورًا ۝﴾ [الفرقان: ۲۲، ۲۳] (جس دن ان کو فرشتے نظر آ گئے، اس دن ان مجرموں کے لیے کوئی خوشی کا موقع نہیں ہوگا، بلکہ یہ کہتے پھریں گے کہ خدایا! ہمیں ایسی پناہ دے کہ یہ ہم سے دور ہو جائیں۔ اور انہوں نے دنیا میں جو عمل کیے ہیں، ہم ان کا فیصلہ کرنے پر آئیں گے تو انہیں فضا میں بکھرے ہوئے گرد و غبار کی طرح بے قیمت بنا دیں گے)۔

## مجرموں کی نا اُمیدی:

قرآن عظیم الشان میں اللہ تعالیٰ نے مجرموں کی نا اُمیدی کو کھول کھول کے بیان فرمایا ہے:

..... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُونَ ۝﴾ [الروم: ۱۲] (اور جس دن قیامت برپا ہوگی اس روز مجرم لوگ نا اُمید ہو جائیں گے)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْمُجْرِمُونَ نَاكِسُوا رُءُوسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَا أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ ۝﴾ [السجدة: ۱۲] (اور کاش! تم وہ منظر دیکھو جب یہ مجرم لوگ اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوئے کھڑے ہوں گے، کہہ رہے ہوں گے کہ ہمارے پروردگار! ہماری آنکھیں اور ہمارے کان کھل گئے، اس لیے ہمیں دنیا میں دوبارہ بھیج دیجیے، تاکہ ہم نیک عمل کریں۔ ہمیں اچھی طرح یقین آچکا ہے)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا إِنَّا مِنَ

الْمُجْرِمِينَ مُنْتَظِمُونَ ﴿٢٢﴾ [السجدة: ٢٢] (اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جس کو اپنے پروردگار کی آیتوں کے ذریعے نصیحت کی گئی تو اس نے ان سے منہ موڑ لیا۔ ہم یقیناً ایسے مجرموں سے بدلہ لے کر رہیں گے)۔

مجرموں سے خطابِ خداوندی: (۱)

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مجرموں سے قہر بھرا خطاب فرمائیں گے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَأَمَّا زُورَ الْيَوْمِ أَتِيهَا الْمُجْرِمُونَ ۝٩٩ أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَبْنَىٰ أَدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝١٠٠ وَأَنِ اعْبُدُونِي ۚ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝١٠١ وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيرًا ۖ أَفَلَمْ تَكُونُوا تَعْقِلُونَ ۝١٠٢ هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ۝١٠٣﴾ [یسین: ٥٩ تا ٦٣] (اور کافروں سے کہا جائے گا کہ اے مجرمو! آج تم مومنوں سے الگ ہو جاؤ۔ اے آدم کے بیٹو! کیا میں نے تمہیں یہ تاکید نہیں کر دی تھی کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور یہ کہ تم میری عبادت کرنا، یہی سیدھا راستہ ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ شیطان نے تم میں سے ایک بڑی خلقت کو گمراہ کر ڈالا۔ تو کیا تم سمجھتے نہیں تھے؟ یہ ہے وہ جہنم جس سے تمہیں ڈرایا جاتا تھا)۔

مجرمین کی حسرت و حیرت کا بیان: (۱)

وَيَقُولُونَ يَوْمَئِذٍ هَذَا الْكِتَابُ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا

اور کہتے ہیں: ہائے خرابی! کیسا ہے یہ کاغذ، نہیں چھوٹی اس سے چھوٹی بات اور نہ بڑی بات جو اس میں نہیں آگئی

یعنی ذرہ ذرہ عمل آنکھوں کے سامنے ہوگا اور ہر ایک چھوٹی بڑی بدی یا نیکی اعمال نامہ میں مندرج پائیں گے۔



قرآن میں لفظ ”ویل“ کا 12 قسم کے لوگوں کیلئے استعمال : (

قرآن میں لفظ ”ویل“ 12 قسم کے لوگوں کے لیے استعمال ہوا ہے :

①..... یہودیوں کے لیے، کیونکہ وہ تحریف کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

﴿فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُوبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ﴾

[البقرة: ۷۹]

②..... یہود کے لیے کیونکہ خاتم الانبیاء ﷺ کی صفات تورات میں تبدیل کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

﴿فَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ﴾ [البقرة: ۷۹]

③..... ابوجہل کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

﴿أَوَّلَىٰ لَكَ فَأَوَّلَىٰ﴾ ثُمَّ أَوَّلَىٰ لَكَ [القيامة: ۳۴]

④..... عقبہ بن ابی معیط کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

﴿يُوَيْلَتِي لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا﴾ [الفرقان: ۲۸]

⑤..... ظالموں کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

﴿فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْيَوْمِ﴾ [الزخرف: ۶۵]

⑥..... کفار اور مشرکین کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

﴿فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيمٍ﴾ [مریم: ۳۷]

⑦..... جھوٹے لوگوں کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ﴾ [الجاثية: ۷]

⑧..... رسولوں کو جھٹلانے والوں کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

﴿يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ﴾ [الطور: ۱۱]

⑨..... گنہگاروں کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَوَيْلٌ لِلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ

مِّنْ ذِكْرِ اللَّهِ﴾ [الزمر: ۲۲]

⑩..... عیب جو اور عیب گوشخص لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَيْلٌ لَّكُلِّ هُمَزَةٍ

لُّمَزَةٍ ۝۱﴾ [الہزہ: ۱]

⑪..... نماز میں غفلت کرنے والوں کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَوَيْلٌ

لِّلْمُصَلِّينَ ۝۴ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝۵﴾ [الماعون: ۴، ۵]

⑫..... ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَيْلٌ

لِّلْمُطَفِّفِينَ ۝۱﴾ [المطففين: ۱]

[بصار ذوی التمیز: ۵/ ۲۹۰، ۲۹۱]

## قرآن میں بیان کردہ مختلف گناہ: ①

قرآن عظیم الشان میں مختلف گناہ بیان کیے گئے ہیں، ذیل میں ان کو درج کیا جا رہا ہے:

①..... شرک۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ افْتَرَىٰ إِثْمًا

عَظِيمًا ۝۳۸﴾ [النساء: ۳۸] (اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے وہ ایسا بہتان

باندھتا ہے جو بڑا زبردست گناہ ہے)۔

②..... یتیم کا مال ہڑپ کرنا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ

الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ۝۱۰﴾ [النساء: ۱۰] (یقین رکھو

کہ جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں اور

انہیں جلد ہی ایک دہکتی آگ میں داخل ہونا ہوگا)۔

③..... سود کھانا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا

كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ۖ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ

الرِّبَا وَالْأَحْلَ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهَى فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ وَمَنْ عَادَ فَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٤٥﴾ يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُزِيلُ الصَّدَاقَاتِ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ﴿٤٦﴾ [البقرة: ۲۷۵، ۲۷۶] (جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت میں اُنھیں گے تو اس شخص کی طرح اُنھیں گے جسے شیطان نے چھو کر پاگل بنا دیا ہو، یہ اس لیے ہوگا کہ انہوں نے کہا تھا کہ بیع بھی تو سود ہی کی طرح ہوتی ہے۔ حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ لہذا جس شخص کے پاس اس کے پروردگار کی طرف سے نصیحت آگئی اور وہ سودی معاملات سے باز آ گیا تو ماضی میں جو کچھ ہوا، وہ اسی کا ہے۔ اور اس کی باطنی کیفیت کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔ اور جس شخص نے لوٹ کر پھر وہی کام کیا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں، وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے، اور اللہ ہر اس شخص کو ناپسند کرتا ہے جو ناشکر اگنہگار ہو)۔

④..... زنا کرنا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزَّانِيَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا﴾ [الاسراء: ۳۲] (اور زنا کے پاس بھی نہ پھٹکو، وہ یقینی طور پر بڑی بے حیائی اور بے راہ روی ہے)۔

⑤..... چوری۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جِزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللَّهِ﴾ [المائدہ: ۳۸] (اور جو مرد چوری کرے اور جو عورت چوری کرے، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، تاکہ ان کو اپنے کیے کا بدلہ ملے، اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا ہو)۔

⑥..... شراب پینا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقَعَ بَيْنَكُمْ

الْعَدَاوَةِ وَالْبُغْضَاءِ فِي الْخَيْرِ وَالْيُسْرِ وَيَصُدُّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ ﴿٩١﴾ [المائدہ: ٩١]  
(شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض کے بیج ڈال دے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے)۔

⑦..... جھوٹی گواہی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الرُّبُورَ وَإِذَا مَسَّوَابُ اللَّغْوِمْ وَأَكْرَاقًا ۝﴾ [الفرقان: ٤٢] (اور وہ لوگ جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے، اور وہ جب گزرتے ہیں بے ہودہ چیزوں کے پاس سے، گزر جاتے ہیں شریفانہ)۔

⑧..... والدین کی نافرمانی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا آيَاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۖ إِذَا بَلَغَنَّ مِنْكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرُهُمَا﴾ [الاسراء: ٢٣] (اور تمہارے پروردگار نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر والدین میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے پاس بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اُف تک نہ کہو اور نہ انہیں جھڑکو)۔

⑨..... قتل کرنا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ۝﴾ [النساء: ٩٣] (اور جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اللہ اس پر غضب نازل کرے گا اور لعنت بھیجے گا، اور اللہ نے اس کے لیے زبردست عذاب تیار کر رکھا ہے)۔

⑩..... پاکدامن عورت پر تہمت لگانا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَزْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغُفْلَاتِ لُعُنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝﴾ [النور: ٢٣] (یاد رکھو کہ جو لوگ پاک دامن بھولی بھالی مسلمان عورتوں پر

تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں پھٹکار پڑ چکی ہے اور ان کو اس دن زبردست عذاب ہوگا۔

گناہِ کبیرہ کی تعریف: (۱)

گناہِ کبیرہ کی تعریف کے بارے میں متعدد اقوال ہیں:

..... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ”الْأَدَبُ الْمُفْرَد“ میں ذکر کی ہے، اس میں نو (9) چیزیں ذکر کی گئی ہیں:

①..... شرک باللہ، کسی کو اللہ کا شریک بنانا۔

②..... ناحق کسی کو قتل کرنا۔

③..... پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت لگانا۔

④..... زنا کرنا۔

⑤..... میدانِ جنگ سے بھاگنا۔

⑥..... جادو، یعنی کسی کو ناحق تکلیف پہنچانے کے لیے جادو کرنا۔ مثلاً کسی کو بیمار یا ہلاک

کرنا یا میاں بیوی کے درمیان جدائی ڈالنا۔

⑦..... یتیم کا مال کھانا۔

⑧..... مسلمان والدین کی نافرمانی کرنا۔

⑨..... حرم میں گناہ کے کام کرنا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ”آکُلُ الرِّبَا“ کا اضافہ کیا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے

”چوری“ اور ”شراب نوشی“ کا ان نو مذکورہ چیزوں پر اضافہ کیا ہے۔

..... بعض حضرات نے کہا ہے جس گناہ کا فساد مذکورہ گناہوں کے فساد کے مثل ہو یا اس سے



زائد ہو، وہ کبیرہ ہے۔ مثل اور برابر کی مثال جیسے شراب کے علاوہ کسی مسکر چیز کا استعمال۔  
 زائد کی مثال جیسے مال چھیننے کے ساتھ ساتھ راستہ روکنا، یہ سرقہ سے زائد چیز ہے۔  
 ..... اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ کبیرہ ہر وہ گناہ ہے کہ جس سے شارع نے خاص طور پر  
 ڈرایا ہو، شارع کا اطلاق اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ہوتا ہے۔ تو جس خصوصیت سے  
 وعید آئی ہو، وہ کبیرہ ہے۔ جیسے 'كُلُّ مُصَوِّرٍ فِي النَّارِ' وغیرہ۔ خصوصیت کی قید لگا کر وعید  
 عام سے احتراز کیا ہے، کیونکہ وعید عام ہر معصیت کو شامل ہے۔  
 ..... اور بعض کا کہنا ہے کہ ہر وہ معصیت کہ جس پر بندہ نے اصرار کیا ہو، یعنی معمولی سمجھ  
 کر اس پر جمار ہے تو وہ کبیرہ ہے اور ہر وہ گناہ کہ جس سے بندہ نے استغفار کر لیا ہو، وہ  
 صغیر ہے۔

..... صاحب کفایہ نے کہا ہے کہ حق یہ ہے کہ صغیرہ و کبیرہ دونوں اضافی چیزیں ہیں، جن  
 کی بذاتِ خود کوئی تعریف نہیں کی جاسکتی۔ اس لیے ہر گناہ جس کا اس سے بڑے گناہ کے  
 ساتھ موازنہ کیا جائے تو وہ صغیرہ ہے اور اگر اس سے چھوٹے گناہ سے موازنہ کیا جائے تو  
 وہ کبیرہ ہے۔ مثلاً کسی کی آنکھ پھوڑ دینا، قتل ناحق کے مقابلہ میں صغیرہ ہے اور تھپڑ مار  
 دینے کے مقابلہ میں کبیرہ ہے۔

### قرآن میں لفظ ”کبیر“ اور اس سے متعلقہ الفاظ کا استعمال: ①

قرآن میں لفظ ”کبیر“ اور اس سے متعلقہ الفاظ 12 مختلف معانی میں استعمال ہوئے ہیں:

①..... بمعنی بھاری چیز۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَأَسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ﴾  
 وَأَنَّهَا لَكَبِيرَةٌ ۖ (الأنعام: ۱۵۲) [البقرہ: ۲۵۵]

②..... کثرت کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تَسْمُوا أَنْ تَكْتُبُوهُ﴾

صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ ﴿٢٨٢﴾ [البقرة: ٢٨٢]

③..... بمعنی بڑا گناہ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿إِنْ تَحْتَسِبُوا كِبَارَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نَكْفِرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ﴾ [النساء: ٣١]

④..... زیادہ منور کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَلَمَّا رَأَى السَّمْسُ بَارِغَةً قَالَ هَذَا رَبِّي هَذَا أَكْبَرُ﴾ [الانعام: ٤٨]

⑤..... فضل و علم اور ذہانت کے اعتبار سے بڑے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿إِنَّمَا لَكِبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ﴾ [طہ: ٤١]

⑥..... جسمانی طور پر بڑے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿قَالَ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا﴾ [الانبیاء: ٦٣]

⑦..... بڑی عمر والا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ إِنَّ لَدَا أَبَا شَيْخَا كَبِيرًا﴾ [یوسف: ٤٨]

⑧..... حد سے تجاوز کرنے کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ﴾ [الملك: ٩]

⑨..... بمعنی شدید۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَمَنْ يَظْلِمْ مِنْكُمْ نَذِقْهُ عَذَابًا كَبِيرًا﴾ [الفرقان: ١٩]

⑩..... جنت کی کامیابی کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿ذَلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ﴾ [البروج: ١١]

⑪..... ثواب کی زیادتی کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿أُولَٰئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ﴾ [ہود: ١١]

② جلال و عظمت کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿عِلْمُ الْغَيْبِ

وَالشَّهَادَةُ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ ①﴾ [الرعد: ۹]

[بصار ذوی التمیز: ۴/۳۲۷، ۳۲۸]

چھوٹے سے چھوٹا گناہ بھی نہ کرو: (۱)

..... حضرت سعد بن جنادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ حنین سے فارغ ہو کر واپس لوٹے تو ہم نے ایک ویران بے آب و گیاہ مقام پر پڑاؤ ڈالا، جہاں کچھ بھی نہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”أَجْمِعُوا، مَنْ وَجَدَ عُودًا فَلْيَأْتِ بِهِ وَمَنْ وَجَدَ عَظْمًا أَوْ شَيْئًا فَلْيَأْتِ بِهِ“  
 ”جس کو جو چیز بھی ملے وہ لے آئے یا جس کے پاس جو چیز موجود ہو وہ لے آئے۔“

تھوڑی دیر ہی گزرنے پائی تھی کہ ہم نے تھوڑا تھوڑا لاکر ڈھیر کر دیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”أَتَرُونَ هَذَا؟ فَكَذَلِكَ تَجْتَمِعُ الذُّنُوبُ عَلَى الرَّجُلِ مِنْكُمْ كَمَا جَمَعْتُمْ هَذَا  
 فَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَجُلٌ فَلَا يُذْنِبُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً فَإِنَّهَا مُخَصَّاةٌ عَلَيْهِ.“  
 [المعجم الکبیر للطبرانی، رقم: ۵۴۸۵]

”تم اس کو دیکھ رہے ہو؟ جس طرح تم نے تھوڑا تھوڑا جمع کر کے یہ ڈھیر کر دیا، اسی طرح آدمی پر چھوٹے چھوٹے گناہوں کا اجتماع ہو جاتا ہے۔ اس لیے تم میں سے ہر شخص پر لازم ہے کہ اللہ سے ڈرے اور چھوٹا بڑا کوئی گناہ نہ کرے، اور سمجھ رکھے کہ ہر گناہ شمار کر کے اس کے ذمے قائم رکھا جاتا ہے۔“

..... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”إِيَّاكَ وَمُحَقَّرَاتِ الْأَعْمَالِ فَإِنَّ لَهَا مِنَ اللَّهِ طَالِبًا“ [صحیح ابن حبان، رقم: ۵۵۶۶] (جن گناہوں کو



حقیر سمجھا جاتا ہے ان سے بھی بچو کیونکہ اللہ کی طرف سے ان کا مطالبہ کرنے والا بھی قیامت کے دن ہوگا۔

حضرت انس نے فرمایا: ”إِنَّكُمْ لَتَعْمَلُونَ أَعْمَالًا، هِيَ أَدَقُّ فِي أَعْيُنِكُمْ مِنْ نَبْرٍ، إِنْ كُنَّا لَنَعْدُهَا عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَوْبِقَاتِ“ [صحیح بخاری، رقم: ۶۴۹۲] (تم لوگ کچھ ایسے اعمال کرتے ہو جو تمہاری نظروں میں بال سے زیادہ باریک اور حقیر ہوتے ہیں اور ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ان کو ہلاکت انگیز گناہوں میں شمار کرتے تھے)۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ مندرجہ بالا آیت کے متعلق فرماتے ہیں: ”سُئِلُوا حَتَّى تَبْسُمَ، فَقِيلَ: فِيمَ تَبَسَّمْتَ يَوْمَ كَذَا وَ كَذَا؟!“ [تفسیر درمنثور تحت هذه الآية من سورة الکہف، ۴۹] (لوگوں سے مسکراہٹ کے بارے میں پوچھا جائے گا، چنانچہ کہا جائے گا کہ فلاں فلاں دن کیوں مسکرایا تھا؟)

شیخ اسماعیل حقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تمام کبار تین چیزوں میں منحصر ہیں:

①..... خواہشات کی پیروی کرنا۔

②..... دنیا کی محبت۔

③..... غیر اللہ کی طرف نگاہ اٹھانا۔

کیونکہ انہی سے شرک، نفاق، ریاکاری اور دیگر بُرائیوں کا راستہ کھلتا ہے۔

طلبہ کے لیے علمی نکتہ: ①

سوال: ”قَالَ هَذَا الْكِتَابُ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا“ (ہائے خرابی! کیسا ہے یہ کاغذ، نہیں چھوٹی اس سے چھوٹی بات اور نہ بڑی بات جو اس میں نہیں آگئی)۔ اس

آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹے بڑے گناہ سب قیامت تک محفوظ رہیں گے اور کوئی گناہ محو نہ ہوگا، لیکن دیگر آیات سے پتہ چلتا ہے کہ چھوٹے گناہ دنیا میں محو ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”إِنْ تَجْتَنِبُوا كُتُبًا يَرْفَعُ عَنْكُمْ إِكْفِيرُ عَنْكُمْ“ [النساء: ۳۱] (اگر تم ان بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز کرو جن سے تمہیں روکا گیا ہے تو تمہاری چھوٹی برائیوں کا ہم خود کفارہ کر دیں گے)۔

جواب 1: پہلی آیت کفار کے بارے میں ہے اور ”فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ“ اس پر دال ہے کہ مجرمین سے مراد کفار ہیں، جبکہ دوسری آیت میں مومنین کا ذکر ہے، کیونکہ کبار سے اجتناب کا صغیرہ گناہوں کے لیے کفارہ ہونا، کافر کے حق میں نہیں ہو سکتا۔ یعنی اس انعام کا مستحق کافر کیسے ہو سکتا ہے۔

جواب 2: علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صحیح یہ ہے کہ جن صفائے کی معافی کا وعدہ بشرط اجتناب کبار ہوا ہے، ان کو صاحب اعمال پہلے دیکھ لے گا پھر اللہ معاف کر دیں گے۔  
[تطبیق الآیات، صفحہ ۲۸۵]

## حاضری اعمال کا بیان:

وَوَجَدُوا قَاعًا مِمْلُوءًا حَاضِرًا

اور پائیں گے جو کچھ کیا ہے سامنے

ہر شخص کا ضمیر اس بات پر شاہد ہوگا کہ نامہ اعمال میں درج شدہ تمام اعمال اسی کے ہیں۔

## اُمّت محمدیہ کا مفلس کون؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”أَتَذَرُونَ مَا الْمُفْلِسُ؟“



”کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟“

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

”الْمُفْلِسُ فِينَا مَنْ لَا دِرْهَمَ لَهُ وَلَا مَتَاعَ“

”ہم میں مفلس وہ آدمی ہے کہ جس کے پاس مال اسباب نہ ہو۔“

آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ أُمَّتِي يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ، وَصِيَامٍ، وَزَكَاةٍ، وَيَأْتِي قَدْ شَتَمَ هَذَا، وَقَذَفَ هَذَا، وَأَكَلَ مَالَ هَذَا، وَسَفَكَ دَمَ هَذَا، وَضَرَبَ هَذَا، فَيُعْطَى هَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ، وَهَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ، فَإِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهُ قَبْلَ أَنْ يُقْضَى مَا عَلَيْهِ أُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ، ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ.))

[صحیح مسلم، رقم: ۲۵۸۱]

”قیامت کے دن میری امت کا مفلس وہ آدمی ہوگا کہ جو نماز، روزے اور زکوٰۃ وغیرہ سب کچھ لے کر آئے گا، لیکن اس نے دنیا میں کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا تو ان سب لوگوں کو اس آدمی کی نیکیاں دے دی جائیں گی اور اگر اس کی نیکیاں ان کے حقوق کی ادائیگی سے پہلے ہی ختم ہو گئیں تو ان لوگوں کے گناہ اس آدمی پر ڈال دیئے جائیں گے، پھر اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔“

بدی کی جزا بقدر اعمال:

قرآن عظیم الشان میں متعدد مقامات پہ یہ وضاحت کی گئی ہے کہ ہر کسی کو اس کی نیکی یا

بدی کے برابر ہی بدلہ دیا جائے گا:



..... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ الْآخِرَةِ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ ۖ هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ [الاعراف: ۱۳۷] (اور جن لوگوں نے ہماری نشانیوں کو اور آخرت کا سامنا کرنے کو جھٹلایا ہے، ان کے اعمال غارت ہو گئے ہیں۔ انہیں جو بدلہ دیا جائے گا، وہ کسی اور چیز کا نہیں، خود ان اعمال کا ہوگا جو وہ کرتے آئے تھے)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ ۖ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ﴾ [یونس: ۵۲] (پھر ظالموں سے کہا جائے گا کہ اب ہمیشہ کے عذاب کا مزہ چکھو، تمہیں کسی اور چیز کا نہیں، صرف اس بدی کا بدلہ دیا جا رہا ہے جو تم کماتے رہے ہو)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وَجُوهُهُمْ فِي النَّارِ ۖ هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ [النمل: ۹۰] (اور جو کوئی برائی لے کر آئے گا تو ایسے لوگوں کو منہ کے بل آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ تمہیں کسی اور بات کی نہیں، انہی اعمال کی سزا دی جائے گی جو تم کیا کرتے تھے)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَمَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِّنْهَا ۖ وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ [القصص: ۸۴] (جو شخص کوئی نیکی لے کر آئے گا تو اس کو اس سے بہتر چیز ملے گی، اور جو کوئی بدی لے کر آئے گا تو جنہوں نے برے کام کیے ہیں، ان کو کسی اور چیز کی نہیں، ان کے کیے ہوئے کاموں ہی کی سزا دی جائے گی)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ

تَعْمَلُونَ ﴿۵۴﴾ [یٰسین: ۵۴] (چنانچہ اس دن کسی شخص پر کوئی ظلم نہیں ہوگا اور تمہیں کسی اور چیز کا نہیں، بلکہ انہی کاموں کا بدلہ ملے گا جو تم کیا کرتے تھے)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَمَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ [الصافات: ۳۹] (اور تمہیں کسی اور بات کا نہیں، خود تمہارے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَتَرَىٰ كُلُّ أُمَّةٍ جَائِئَةً بِكُلِّ آفَةٍ تُدْعَىٰ إِلَىٰ كِتَابِهَا ۚ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ [الجمہ: ۲۸] (اور تم ہر گروہ کو دیکھو گے کہ وہ گھٹنوں کے بل گرا ہوا ہے۔ ہر گروہ اس کے اعمال نامے کی طرف بلایا جائے گا، اور کہا جائے گا کہ آج تمہیں ان اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿إِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوا أَوْ لَا تَصْبِرُوا ۖ سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ ۚ إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ [الطور: ۱۶] (داخل ہو جاؤ اس میں، پھر تم صبر کرو یا نہ کرو، تمہارے لیے برابر ہے۔ تمہیں انہی کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا فَاسْغَىٰ﴾ [النجم: ۳۹] (اور یہ کہ انسان کو خود اپنی کوشش کے سوا کسی اور چیز کا بدلہ لینے کا حق نہیں پہنچتا)۔

### فوائد السلوک:

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ خود اعمال حاضر ہوں گے۔ جب ظاہر الفاظ ”وَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا“ سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے روز سارے اعمال کو حاضر پائیں گے۔ ان اعمال کے اثر قیامت کے روز شکلیں بن کر اہل محشر کو نظر آئیں گی۔ مثلاً جو چوری کر چکا ہے تو وہاں نظر آئے گا کہ چوری کر رہا ہے، زنا کر چکا ہے تو وہاں نظر آئے گا کہ زنا کر رہا ہے، غرض جو آثار اعمال کے اس کے بدن میں



جمع ہیں سب وہاں اعمال بن کر نظر آئیں گے۔  
اس کی مثال یہاں بھی خدا نے پیدا کر دی ہے۔ جس طرح بائیسکوپ کے اندر گزشتہ واقعات کی صورتیں نظر آتی ہیں اسی طرح قیامت کے دن یہ بھی بائیسکوپ بن جائے گا اور اس کے ہاتھ پیر گراموفون کی طرح (جو کچھ اس نے کیا ہے) بولیں گے۔ چنانچہ ایک زانی کی حکایت ہے کہ زنا کر کے غسل کر رہا تھا، غسل کا پانی نالی سے بہہ رہا تھا، ایک بزرگ کا ادھر سے گزر ہوا، اس پانی کو دیکھ کر کہا: اس میں زنا بہہ رہا ہے۔ پوچھا: حضرت! آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ فرمایا: کوئی زانی غسل کر رہا ہے، مجھے پانی کے ہر قطرہ میں زنا کی تصویر نظر آتی ہے۔

### اہل کشف کو اعمال کی صورتیں نظر آ جاتی ہیں: ①

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مجلس میں ایک شخص کسی نامحرم عورت کو دیکھ کر آیا تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا حال ہے لوگوں کا کہ ہماری مجلس میں آتے ہیں اور ان کی آنکھوں سے زنا ٹپکتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی شخص نیکی کرتا ہے تو اس کا ایک اثر اس میں پیدا ہوتا ہے جس کا اہل کشف کو علم ہوتا ہے، فرشتوں کو تو اعمال ماضیہ کا نامہ اعمال دیکھنے سے علم ہوتا ہے، جبکہ اہل کشف کے لیے یہ شخص اپنا آپ نامہ اعمال ہے۔ اسی کو حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

عَذَائِكَ      فِينِكَ      وَمَا      تَبْصُرُ  
ذَوَائِكَ      مِنْكَ      وَمَا      تَشْعُرُ

”تمہاری غذا خود تمہارے اندر ہے اور تم دیکھتے نہیں۔ تمہاری دوا تم ہی سے ہے اور تمہیں اس کا شعور نہیں ہے۔“



وَأَنْتَ الْكِتَابُ الْمُبِينُ الَّذِي  
بِأَحْرَفِهِ يُظْهِرُ الْمُضْمَرُ

”تم وہ کھلی کتاب ہو کہ اس کے حروف سے پوشیدگیوں کا ظہور ہوتا ہے۔“

وَتَزَعَمُ أَنَّكَ جِزْمٌ صَغِيرٌ  
وَفِيكَ تُطَوِّى الْعَالَمُ الْأَكْبَرُ

”تم اپنے آپ کو چھوٹا جسم سمجھتے ہو، حالانکہ تمہارے اندر ایک عالم اکبر لپٹا ہوا ہے۔“

[اشرف التفاسیر تحت هذه الآية من سورة الكهف، ۴۹]

حشر میں ظلم نہ ہونے کا بیان: ﴿

وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا ۝۳۹﴾

اور تیرا رب ظلم نہ کرے گا کسی پر

یعنی بن کیا کوئی گناہ نہیں لکھتا یا عمل کے موافق سزا میں اضافہ نہیں کرتا۔ قرآن مجید میں اس بات کو خوب کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَقَدْ تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرِ يُؤْفَ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ۝۳۷﴾ [البقرة: ۲۷۲] (اور جو مال بھی تم خرچ کرو گے تمہیں پورا پورا دیا جائے گا اور تم پر ذرا بھی ظلم نہیں ہوگا)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ۖ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝۳۸﴾ [البقرة: ۲۸۱] (اور ڈرو اس دن سے جب تم سب اللہ کے پاس لوٹ کر جاؤ گے، پھر ہر شخص کو جو کچھ اس نے کمایا ہے پورا پورا دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہیں ہوگا)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴾ (۲۵) [۱۱] اور ہر شخص نے جو کچھ کمائی کی ہوگی وہ اس کو پوری پوری دے دی جائے گی اور کسی پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ ۖ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ ۖ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا﴾ (۴۴) [النساء: ۷۷] (کہہ دو کہ دنیا کا فائدہ تو تھوڑا سا ہے اور جو شخص تقویٰ اختیار کرے اس کے لیے آخرت کہیں زیادہ بہتر ہے اور تم پر ایک تاگے کے برابر بھی ظلم نہیں ہوگا۔)

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ﴾ (۶۰) [الانفال: ۶۰] (اور اللہ کے راستے میں تم جو کچھ خرچ کرو گے، وہ تمہیں پورا پورا دے دیا جائے گا اور تمہارے لیے کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔)

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَإِنَّ كُلَّ لَنَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ ۖ إِنَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ (۱۱۱) [ہود: ۱۱۱] (اور یقین رکھو کہ سب لوگوں کا معاملہ یہی ہے کہ تمہارا پروردگار ان کے اعمال کا بدلہ پورا پورا دے گا۔ یقیناً وہ ان کے تمام اعمال سے پوری طرح باخبر ہے۔)

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا وَتُوْفَىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴾ (۱۱۱) [النحل: ۱۱۱] (یہ سب کچھ اس دن ہوگا جب ہر شخص اپنے دفاع کی باتیں کرتا ہوا آئے گا اور ہر شخص کو اس کے سارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور لوگوں پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔)

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِغْمِهِمْ ۖ فَمَنْ أُوْتِيَ كِتَابًا بِيَمِينِهِ ۖ فَأُولَٰئِكَ يَقْرَءُونَ كِتَابَهُمْ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا﴾ (۴۴) [بنی اسرائیل: ۷۱] (اس دن کو یاد رکھو جب

ہم تمام انسانوں کو ان کے اعمال ناموں کے ساتھ بلائیں گے۔ پھر جنہیں ان کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ اپنے اعمال نامے کو پڑھیں گے اور ان پر ریشہ برابر بھی ظلم نہیں ہوگا۔

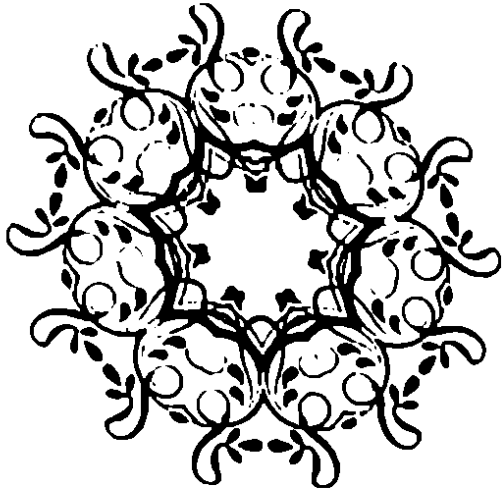
ایک اور جگہ فرمایا: ﴿إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلْيَرْجُ أَنْ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ شَيْئًا﴾ [مریم: ۶۰] (البتہ جن لوگوں نے توبہ کر لی اور ایمان لے آئے، اور نیک عمل کیے تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرا بھی ظلم نہیں ہوگا)۔  
ایک اور جگہ فرمایا: ﴿فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ [یسین: ۵۴] (چنانچہ اس دن کسی شخص پر کوئی ظلم نہیں ہوگا اور تمہیں کسی اور چیز کا نہیں، بلکہ انہی کاموں کا بدلہ ملے گا جو تم کیا کرتے تھے)۔

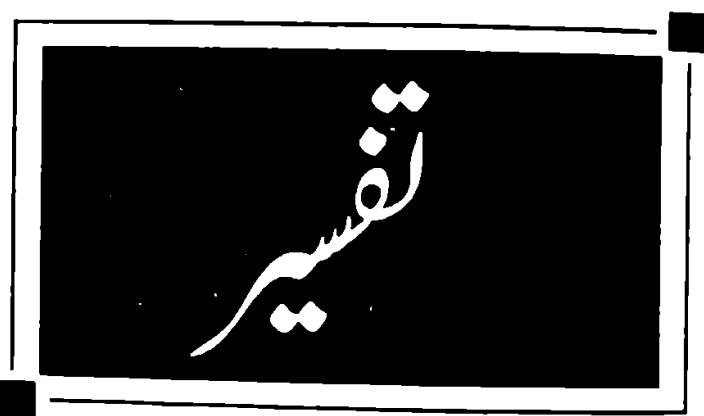
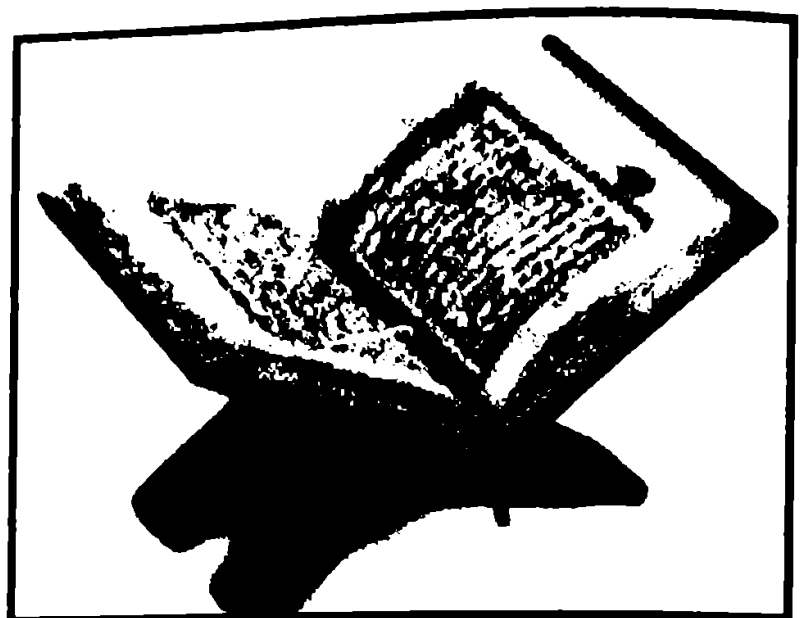
ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَخَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴾ [الباقیہ: ۲۲] (اللہ نے سارے آسمانوں اور زمین کو برحق مقصد کے لیے پیدا کیا ہے، اور اس لیے کیا ہے کہ ہر شخص کو اس کے کیے ہوئے کاموں کا بدلہ دیا جائے اور دیتے وقت ان پر کوئی ظلم نہ کیا جائے)۔

ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَلِكُلِّ دَرَجَةٍ مِمَّا عَمِلُوا وَلِيُوفيَهُمْ أَعْمَالُهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴾ [الاحقاف: ۱۹] (اور ہر ایک گروہ کے اپنے اعمال کی وجہ سے مختلف درجے ہیں، اور اس لیے ہیں تاکہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے۔ اور ان پر کوئی ظلم نہیں ہوگا)۔

..... حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ”يَا عِبَادِي! إِنِّي حَرَمْتُ الظُّلْمَ عَلَىٰ نَفْسِي، وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا، فَلَا تَظَالَمُوا“ [صحیح مسلم، رقم: ۲۵۷۷] (اے

میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام قرار دیا ہے اور میں نے تمہارے درمیان بھی ظلم کو حرام قرار دیا ہے تو تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔





## رکوع کا خلاصہ



اس رکوع میں:

..... ابلیس کے سجدہ سے انکار کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ [آیت: ۵۰]

..... شیطان کی دشمنی کو بیان کیا گیا ہے۔ [آیت: ۵۰]

..... شیطان کی دوستی سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ [آیت: ۵۰]

..... اللہ تعالیٰ نے اپنی بے نیازی کو بیان فرمایا ہے۔ [آیت: ۵۱]

..... روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کا مجرموں سے خطاب کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ [آیت: ۵۲]

..... بتایا گیا ہے کہ مجرمین کس قدر بے یار و مددگار ہوں گے۔ [آیت: ۵۳]

..... مزید یہ بتایا گیا ہے کہ مجرمین کو قیامت کے دن آتشِ دوزخ کا سامنا کرنا پڑے

گا۔ [آیت: ۵۳]

ربط:

دولت مند مشرک اپنے مال و دولت اور کثرتِ اولاد کی بناء پر اپنے مومن اور نادار بھائی کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور اس طرح غرور و تکبر کا مرتکب ہوتا تھا، مومن آدمی نے اسے سمجھایا کہ خدا تعالیٰ قادر ہے، وہ اگر چاہے تو تیرے باغ، مال اور اولاد کو ضائع

کردے۔ لہذا اس عارضی مال و اولاد پر تکبر نہیں کرنا چاہیے۔ یہ تو بڑی ہی نادانی کی بات ہے۔

اسی تکبر ہی کے ضمن میں اب اللہ تعالیٰ نے ابلیس کا ذکر کیا ہے کہ اس نے بھی تکبر کی بنا پر ہی سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا اور بالآخر ذلیل و خوار اور ہمیشہ کے لیے مردود ٹھہرا۔

﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ۖ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّہٖ ۖ اَفَتَتَّخِذُوْنَہٗ وَذُرِّیَّتَہٗۤ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِیْ وَہُمْ لَکُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظٰلِمِیْنَ بَدَلًا ۝۵۰﴾

اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو۔ چنانچہ سب نے سجدہ کیا، سوائے ابلیس کے، وہ جنات میں سے تھا، چنانچہ اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔ کیا پھر بھی تم میرے بجائے اسے اور اس کی ذریت کو اپنا رکھو والا بناتے ہو۔ حالانکہ وہ سب تمہارے دشمن ہیں؟ (اللہ تعالیٰ کا) کتنا بڑا متبادل ہے جو ظالموں کو ملا ہے۔

## قصہ آدم و ابلیس: ①

### وَإِذْ قُلْنَا

اور جب کہا ہم نے

اس سے پہلے مجرمین کے حال احوال بیان ہو گئے کہ قیامت کے دن وہ کیسے پریشان حال ہوں گے، حسرت و افسوس کریں گے۔ یہاں سے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انسان کے اندر جرم کے جراثیم شیطان ابلیس ڈالتا ہے جو انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے۔



## قصہ آدم و ابلیس کے تکرار کی حکمت: (۱)

قرآن مجید میں مختلف متعدد مقامات پر مختلف مقاصد کی تمہید کے طور پر فرشتوں کو آدم علیہ السلام کے لیے سجدہ کرنے کا حکم، ملائکہ کا سجدہ کرنا اور ابلیس کا انکار کرنا بیان کیا گیا ہے۔ اس جگہ بھی خاص مقصد کے لیے اس واقعہ کا تذکرہ کیا۔ چنانچہ (مال دنیا اور شرافت نسب اور عزت قومی پر) فخر کرنے والوں کی جب آیات مذکورہ بالا میں مذمت کی اور ان کی اس حرکت کو ناپسندیدہ قرار دیا تو اس کو پختہ کرنے کے لیے ابلیس کے انکار اور فرشتوں کی تعمیل امر کا تذکرہ کیا، تاکہ معلوم ہو جائے کہ اللہ کے حکم کے مقابلہ میں غرور کرنا ابلیس کی حرکت ہے۔

..... یا یوں کہا جائے کہ پہلے ان لوگوں کا ذکر کیا جو دنیا کے شیفہ اور فریفتہ ہیں اور اس فریب خوردگی کا سبب ہوا نفس اور اغواء ابلیسی ہے۔ اس لیے سب سے پہلے دنیوی جمال ظاہری کی طرف سے ان کو نفرت دلائی اور اس کی فنا پذیری و ناپائیداری کی طرف اشارہ کر کے اعمال صالحہ کی پائیداری و بقاء کو ظاہر فرمایا، پھر قدیمی دشمنی کا ذکر کر کے شیطان کے اغواء سے بچنے کی درپردہ ہدایت کی۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر سجدہ ملائکہ اور انکار ابلیس کا بار بار تذکرہ اسی حکمت کا حامل ہے۔

[تفسیر مظہری تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

## قرآن مجید میں لفظ ”قول“ کا 7 طرح استعمال: (۱)

قرآن مجید میں لفظ ”قول“ 7 طرح سے استعمال ہوا ہے:

①..... بولنے کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ

قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ [البقرة: ۲۰۴]

②..... حکم کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ﴾ [البقرة: ۵۹]

③..... قول (بات) کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾ [البقرة: ۳۰]

④..... قرآن مجید کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ أَمْ جَاءَهُمْ قَالَمٌ يَأْتِ آبَاءَهُمُ الْأَوَّلِينَ﴾ [المؤمنون: ۶۸]

⑤..... عذاب کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوا فَهُمْ لَا يَنْطِقُونَ﴾ [النمل: ۸۵]

⑥..... وضاحت کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ﴾ [الاحزاب: ۴]

⑦..... تکوین کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ﴾ [فصلت: ۱۱]

[وجوہ القرآن، صفحہ ۳۴۲، ۳۴۳]

مامورینِ سجدہ کا بیان: (۱)

لِلْمَلٰٓئِكَةِ

فرشتوں کو

اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم الشان میں سات جگہ اس بات کو بیان فرمایا ہے کہ آدم علیہ السلام مسجود ملائکہ تھے، سب فرشتوں نے انہیں بحکمِ الہی سجدہ کیا۔ چنانچہ:

..... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا

إِبْلِيسَ ﴿البقرة: ۳۴﴾ (اور اس وقت کا تذکرہ سنو! جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ چنانچہ سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ ۖ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ﴾ [الاعراف: ۱۱] (اور ہم نے تمہیں پیدا کیا، پھر تمہاری صورت بنائی، پھر فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ چنانچہ سب نے سجدہ کیا، سوائے ابلیس کے)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿فَسَجَدَ لِلْمَلَائِكَةِ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ﴾ [الحجر: ۳۰] (چنانچہ سارے کے سارے فرشتوں نے سجدہ کیا)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ﴾ [الاسراء: ۶۱] (اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ چنانچہ انہوں نے سجدہ کیا، لیکن ابلیس نے نہیں کیا)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ﴾ [الكهف: ۵۰] (اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو۔ چنانچہ سب نے سجدہ کیا، سوائے ابلیس کے)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ۖ أَبَىٰ﴾ [طہ: ۱۱۶] (یاد کرو وہ وقت جب ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ آدم کو سجدہ کرو، چنانچہ سب نے سجدہ کیا، البتہ ابلیس تھا جس نے انکار کیا)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿فَسَجَدَ لِلْمَلَائِكَةِ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ﴾ [ص: ۷۳] (پھر ہوا یہ کہ سارے کے سارے فرشتوں نے تو سجدہ کیا)۔

70 ہزار فرشتوں کا روزانہ طواف: ﴿

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ جب میں شبِ معراج میں ساتویں آسمان پر پہنچا، حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کر کے فارغ ہوا تو میرے سامنے ”بیت معمور“ ظاہر کیا گیا۔ میں نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا:

”هَذَا الْبَيْتُ الْمَعْمُورُ يُصَلِّي فِيهِ كُلُّ يَوْمٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ، إِذَا خَرَجُوا لَمْ يَعُودُوا إِلَيْهِ آخِرَ مَا عَلَيْهِمْ.“ [صحیح بخاری، رقم: ۳۲۰۷]

”یہ بیت معمور ہے جس میں ہر روز 70 ہزار فرشتے نماز پڑھتے ہیں جب وہ (نماز پڑھ کر) نکل جاتے ہیں تو فرشتوں کی کثرت کی وجہ سے وہ قیامت تک واپس نہیں آتے، یعنی قیامت تک دوبارہ ان کی باری نہیں آئے گی۔“

## فرشتوں کی ڈیوٹیاں

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو کئی کاموں پر لگا رکھا ہے اور فرشتے اس کام کو بحسن و خوبی انجام دیتے ہیں۔ مثلاً:

کافروں کو جہنم میں داخل کرنا: ﴿

اللہ تعالیٰ کے بعض فرشتے کفار کو جہنم میں داخل کرنے پر مامور ہیں۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿خُذُوهُمْ فَفُغُّوهُمْ﴾ ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُمْ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُمْ ﴿۳۲﴾ [الحاقہ: ۳۰ تا ۳۲] (پکڑو اسے اور اس کے گلے میں طوق ڈال دو۔ پھر اسے دوزخ میں جھونک دو۔ پھر اسے ایسی زنجیر میں پرو دو جس کی پیمائش 70 ہاتھ

کے برابر ہو)۔

ایمان والوں کو ثابت قدم رکھنا: ﴿

بعض فرشتے ایمان والوں کو ثابت قدم رکھنے کی ڈیوٹی سرانجام دیتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ [الأنفال: ۱۲] (وہ وقت یاد کرو جب تمہارا رب فرشتوں کو وحی کے ذریعے حکم دے رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، اب تم مومنوں کے قدم جماؤ)۔

أرواح قبض کرنا: ﴿

بعض فرشتے انسانوں کی ارواح قبض کرنے پر مامور ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالنَّازِعَاتِ غَرْقًا ۝۱ وَالنَّشِيطَاتِ نَشْطًا ۝۲﴾ [النازعات: ۲، ۱] (قسم ہے ان فرشتوں کی جو کافروں کی روح سختی سے کھینچتے ہیں۔ اور جو مومنوں کی روح کی گرہ نرمی سے کھول دیتے ہیں)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ ۖ أَخْرِجُوا أَنْفُسَكُمُ﴾ [الأنعام: ۹۳] (اور اگر تم وہ وقت دیکھو تو بڑا ہولناک منظر نظر آئے جب ظالم لوگ موت کی سختیوں میں گرفتار ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلانے ہوئے کہہ رہے ہوں گے کہ اپنی جانیں نکالو)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿قُلْ يَتَوَفَّكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ﴾ [السجدة: ۱۱] (کہہ دو کہ تمہیں موت کا وہ فرشتہ پورا پورا وصول کر لے گا جو تم پر مقرر کیا گیا ہے، پھر تمہیں واپس تمہارے پروردگار کے پاس لے جایا جائے گا)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّيْتُمُ الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ

وَأَذْبَارُهُمْ ﴿٢٤﴾ [محمد: ۲۴] (پھر اس وقت ان کا کیا حال بنے گا جب فرشتے ان کی روح اس طرح قبض کریں گے کہ ان کے چہروں پر اور پیٹھوں پر مارتے جاتے ہوں گے؟)  
دوزخ پر نگرانی: (۱)

بعض فرشتوں کو اللہ نے دوزخ کی نگرانی پر لگایا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:  
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴿٦﴾ [التحریم: ۶] (اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے، اس پر سخت کڑے مزاج کے فرشتے مقرر ہیں جو اللہ کے کسی حکم میں اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي عَذَابٍ جَهَنَّمَ خَالِدُونَ﴾ ﴿٥٧﴾ لَا يُفْتَرَعُهُمْ وَهُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ﴿٥٨﴾ وَقَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا هُمُ الظَّالِمِينَ ﴿٥٩﴾ وَنَادُوا يَبْنَكَ لِيَقْضَ عَلَيْنَا رَبُّكَ ط قَالَ إِنَّكُمْ مَكِثُونَ ﴿٦٠﴾ [الزخرف: ۶۰ تا ۶۳] (البتہ جو لوگ مجرم تھے وہ دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہ عذاب ان کے لیے ہلکا نہیں پڑنے دیا جائے گا اور وہ اس میں مایوس پڑے ہوں گے۔ اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا، لیکن وہ خود ہی ظالم لوگ تھے۔ اور وہ دوزخ کے فرشتے سے پکار کر کہیں گے کہ اے مالک! تمہارا پروردگار ہمارا کام ہی تمام کر دے۔ وہ کہے گا کہ تمہیں اسی حال میں رہنا ہے)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ﴾ ﴿٦٠﴾ وَقَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ آلًا لَهُمْ ﴿٦١﴾ [الدھر: ۳۰، ۳۱] (اس پر ۱۹ (انیس) کارندے مقرر ہوں گے۔ اور ہم نے دوزخ کے یہ کارندے کوئی اور نہیں، فرشتے مقرر کیے ہیں)۔

## انسان کی حفاظت: (۱)

بعض فرشتے انسان کی حفاظت کرنے پر مامور ہیں۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً﴾ [الانعام: ۶۱] (وہی اپنے بندوں پر مکمل اقتدار رکھتا ہے اور تمہارے لیے نگہبان فرشتے بھیجتا ہے)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿لَا مُعَقِّبَاتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهَا وَمِنْ خَلْفِهَا يَحْفَظُونَ﴾ [الزمر: ۲۱] (ہر شخص کے آگے اور پیچھے وہ نگراں فرشتے مقرر ہیں جو اللہ کے حکم سے باری باری اس کی حفاظت کرتے ہیں)۔

## عرش کا اٹھائے رکھنا: (۱)

بعض فرشتے عرشِ الہی کو مستقل طور پر اٹھائے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا﴾ [غافر: ۷] (وہ فرشتے جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں، اور جو اس کے گرد موجود ہیں، وہ سب اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں، اور جو لوگ ایمان لے آئیں ہیں ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں)۔

## اہل جنت کی خاطر مدارت کرنا: (۱)

اللہ تعالیٰ نے کچھ فرشتوں کو اہل جنت کی خاطر مدارت کرنے پر لگایا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ﴾ [الزمر: ۲۳، ۲۴] (ہمیشہ رہنے کے لیے وہ باغات جن میں وہ خود بھی عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۳﴾)

داخل ہوں گے اور ان کے باپ دادوں، بیویوں اور اولاد میں سے جو نیک ہوں گے وہ بھی، اور ان کے استقبال کے لیے فرشتے ان کے پاس ہر دروازے سے یہ کہتے ہوئے داخل ہوں گے کہ تم نے دنیا میں جو صبر سے کام لیا تھا، اس کی بدولت اب تم پر سلامتی ہی سلامتی نازل ہوگی اور تمہارے اصلی وطن میں یہ تمہارا بہترین انجام ہے۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿الَّذِينَ تَتَوَفَّيْهُمْ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ﴾ يَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ اَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۳۲﴾ [النحل: ۳۲] (یہ وہ لوگ ہیں جن کی روحیں فرشتے ایسی حالت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ پاک صاف ہوتے ہیں وہ ان سے کہتے ہیں کہ سلامتی ہو تم پر! جو عمل تم کرتے رہے ہو، اس کے صلے میں جنت میں داخل ہو جاؤ)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿حَتَّىٰ اِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طَابْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ﴾ [الزمر: ۷۳] (یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچیں گے جبکہ اس کے دروازے ان کے لیے پہلے سے کھولے جا چکے ہوں گے تو وہ عجیب عالم ہوگا۔ اور اس کے محافظ ان سے کہیں گے کہ سلام ہو آپ پر، خوب رہے آپ لوگ! اب اس جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کے لیے آجائیے)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَنْزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوعَدُوْنَ﴾ [فصلت: ۳۰] (دوسری طرف جن لوگوں نے کہا ہے کہ ہمارا رب اللہ ہے، اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے تو ان پر بے شک فرشتے یہ کہتے ہوئے اتریں گے کہ نہ کوئی خوف دل میں لاؤ، نہ کسی بات کا غم کرو اور اس جنت سے خوش ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا)۔

### اعمال لکھنا: ①

فرشتوں میں سے بعض انسانوں کے اعمال لکھنے پر مامور ہیں۔ چنانچہ ارشادِ باری



تعالیٰ ہے: ﴿وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِينَ ۝ يَكْتُبُونَ مَا تَفْعَلُونَ ۝﴾ [الانفطار: ۱۰-۱۲] (حالانکہ تم پر کچھ نگراں فرشتے مقرر ہیں۔ وہ معزز لکھنے والے۔ جو تمہارے سارے کاموں کو جانتے ہیں)۔

ایک اور جگہ فرمایا: ﴿إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَكْفُرُونَ ۝﴾ [یونس: ۲۱] (یقیناً ہمارے فرشتے تمہاری ساری چال بازیوں کو لکھ رہے ہیں)۔

### وحی لانا:

بعض کے ذمے انبیاءؑ تک وحی لانے کی ڈیوٹی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ أَنْ أَنْذِرُوا أَنذَارًا ۝﴾ [النحل: ۲] (وہ اپنے حکم سے فرشتوں کو اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اس زندگی بخشنے والی وحی کے ساتھ اتارتا ہے کہ لوگوں کو آگاہ کر دو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، لہذا تم مجھی سے ڈرو، کسی اور سے نہیں)۔

ایک اور جگہ فرمایا: ﴿اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ۝﴾ [الحج: ۷۵] (اللہ فرشتوں میں سے بھی اپنا پیغام پہنچانے والے منتخب کرتا ہے اور انسانوں میں سے بھی۔ یقیناً اللہ ہر بات سنا، ہر چیز دیکھتا ہے)۔

### مومنین کی امداد:

اللہ تعالیٰ کے بعض فرشتے مومنین کی مدد کرنے پر مامور ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُبَدِّلَ اللَّهُ رُبَّكُمْ بِثَلَاثَةِ آفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُنَزَّلِينَ ۝﴾ بلیٰ ۝ (اگر تم صبر کرو اور تقوا کرو یا تو تمہیں فوراً ہذا ایبدا تمہیں رُبُّکُمْ بِخَمْسَةِ آفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ۝) [آل عمران: ۱۲۳، ۱۲۵] (جب بدر کی جنگ میں تم

مومنوں سے کہہ رہے تھے کہ کیا تمہارے لیے یہ بات کافی نہیں ہے کہ تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتے اتار کر تمہاری مدد کو بھیج دے؟ ہاں! بلکہ اگر تم صبر اور تقویٰ اختیار کرو اور وہ لوگ اپنے اسی ریلے میں اچانک تم تک پہنچ جائیں تو تمہارا پروردگار پانچ ہزار فرشتے تمہاری مدد کو بھیج دے گا جنہوں نے اپنی پہچان نمایاں کی ہوئی ہوگی۔

فرشتوں کا کھانا پینا: (۱)

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”الْمَلَائِكَةُ طَعَامُهَا وَ شَرَابُهَا، ذِكْرُ الْحَقِّ وَ التَّسْبِيحُ وَ التَّهْلِيلُ“ (فرشتوں کا کھانا پینا اللہ تعالیٰ کا ذکر، اس کی تسبیح اور لا الہ الا اللہ پڑھنا ہے)۔

فرشتوں کا کلام اور ان کی شکلیں: (۱)

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”لَيْسَ فِي خَلْقِ اللَّهِ أَلُّ ذُّ حَدِيثًا مِّنَ الْمَلَائِكَةِ، أَحْسَنُ الْخَلِيقَةِ صُورًا، وَ أَلَّهُمْ كَلَامًا.“

”اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے لذیذ کلام فرشتوں کی ہے اور ان کی شکل و صورت بھی بہت خوبصورت ہوتی ہے۔“

حکم خداوندی کا بیان: (۱)

اُسْجُدُوا

سجدہ کرو

سجدہ مقامِ قرب ہے۔ اور یہ بہت بڑی عبادت ہے، اس سے بندہ اللہ تعالیٰ کے

قریب ہو جاتا ہے، کیونکہ اس میں بندہ ساری دنیا سے منہ موڑ کے اپنی پیشانی پر وردگار کے سامنے رگڑتا ہے، اس وقت یہ شاہ نہیں رہتا، بلکہ گدا بن جاتا ہے۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز  
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

سجدہ شیطانی چال کے لیے ڈھال: (۱)

انسان ابلیس کی چال سے کسی حالت میں نہیں بچتا، سوائے حالتِ سجدہ کے۔ چنانچہ جب بندہ سجدہ ریز ہو جاتا ہے تو شیطان کو اپنی نافرمانی یاد آ جاتی ہے، غمگین ہو جاتا ہے اور حالتِ سجدہ میں بندے سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے  
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

نماز میں دو سجدوں کا فلسفہ: (۱)

..... نماز کی ہر رکعت میں دو سجدوں کا فلسفہ یہ ہے کہ پہلا سجدہ حکم کی بجا آوری ہے، کیونکہ شیطان نے انکار کیا تھا۔ اور دوسرا سجدہ حکم کی بجا آوری پر بطورِ شکر ہوتا ہے۔  
..... بعض حضرات فرماتے ہیں کہ پہلا سجدہ سجدہ شکر ہے۔ اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی معرفت عطا فرمائی۔ اور دوسرا سجدہ عجز و خوف ہے۔

لفظ ”سجدہ“ کی تحقیق: (۱)

”سجدہ“ کے اصل معنی ”عاجزی“ کرنے کے ہیں اور اللہ کے سامنے عاجزی اور اس کی عبادت کرنے کو ”سجود“ کہا جاتا ہے اور یہ انسان حیوانات اور جمادات سب کے حق میں عام ہے، کیونکہ سجود کی دو قسمیں ہیں:

①..... سجود اختیاری: جو انسان کے ساتھ خاص ہے اور اسی سے وہ ثواب الہی کا مستحق ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿فَاسْجُدْ وَابْتَغِ الْوَعْدَ﴾ [النجم: ۶۲] (اب بھی جھک جاؤ اللہ کے سامنے اور اس کی بندگی کرلو)۔

②..... سجود تسخیری: جو انسان حیوانات اور جمادات سب کے حق میں عام ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ﴾ [الرحمن: ۶] (اور بیلین اور درخت سب اس کے آگے سجدہ کرتے ہیں)۔

### قرآن میں لفظ ”سجدہ“ کا 8 طرح استعمال:

قرآن میں لفظ ”سجدہ“ 8 معانی میں استعمال ہوا ہے:

①..... سجدہ شکر کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ﴾ [البقرة: ۳۴]

②..... بمعنی نماز۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَيَلْبِسْجُدُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ [الرعد: ۱۵]

③..... ساجد بمعنی انبیاء علیہم السلام۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَتَقَلُّبِكَ فِي السَّجْدَيْنِ﴾ [الشعراء: ۲۱۹]

④..... خضوع کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْجُدُوا لِلرَّحْمَنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمَنُ أَنَسْجُدُ لِمَا تَأْمُرُنَا﴾ [الفرقان: ۶۰]

⑤..... تواضع کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاخْرُؤْ أَسْجُدًا﴾ [یوسف: ۱۰۰]

⑥..... بمعنی رکوع۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَإِذْ خُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا﴾ [البقرة: ۵۸]

⑦..... سجدۂ صلوٰۃ کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَأَسْجُدْ وَاقْتَرِبْ﴾ ⑩  
[العلق: ۱۹]

⑧..... مسخر کرنے کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ  
يَسْجُدَانِ﴾ ⑥ [الرحمن: ۶] دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿سَجْدًا لِلَّهِ وَهُمْ  
دٰخِرُونَ﴾ ③ [النحل: ۴۸]

[بصار ذوی التمییز: ۳/۱۸۹، ۱۹۰ بزیاۃ]

مسجود کا بیان:

لِأَدَمَ

آدم کو

آدم علیہ السلام کے پانچ نام:

①..... آدم۔

②..... خلیفہ۔

③..... بشر۔

④..... انسان۔

⑤..... ابوالبشر۔

”آدم“ کہنے کی وجہ:

اس کے بارے میں کچھ اقوال پیش خدمت ہیں:

پہلا قول: یہ ”أَدِيمُ الْأَرْضِ“ (روئے زمین) سے مشتق ہے اور ان کا نام ”آدم“ اس  
لیے رکھا گیا ہے کہ ان کے جسم کو بھی ”أَدِيمُ الْأَرْضِ“ (روئے زمین) کی مٹی سے پیدا

کیا گیا ہے۔

دوسرا قول: یہ ”أُذْمَةُ“ سے مشتق ہے جس کے معنی ”گندی رنگ“ کے ہیں۔ چونکہ آدم علیہ السلام بھی گندی رنگ کے تھے اس لیے انہیں اس نام سے موسوم کیا گیا ہے، چنانچہ ”رَجُلٌ آدَمُ“ کے معنی ”گندی رنگ مرد“ کے ہیں۔

تیسرا قول: وہ مختلف عناصر اور متفرق قوی کے امتزاج سے پیدا کیے گئے تھے، جیسا کہ آیت: ﴿إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيهِ﴾ [الانسان: ۲] (ہم نے انسان کو ایک ملے جلے نطفے سے اس طرح پیدا کیا کہ اسے آزمائیں) سے معلوم ہوتا ہے۔

چوتھا قول: یہ ہے کہ آدم، ”إِدَامُ“ سے مشتق ہے اور ”إِدَامُ“ (سالن وغیرہ ہر چیز کو کہتے ہیں جس سے طعام کو لذیذ اور خوشگوار محسوس ہو) اور آدم علیہ السلام میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی روح ڈال کر اسے پاکیزہ بنا دیا تھا جیسا کہ آیت: ﴿وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي﴾ [الحجر: ۲۹] (اور اس میں اپنی روح پھونک دوں) میں مذکور ہے اور پھر اسے عقل و فہم اور فکر عطا کر کے دوسری مخلوق پر فضیلت بھی دی ہے، جیسے فرمایا: ﴿وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا﴾ [الاسراء: ۷۰] (اور ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت عطا کی ہے)۔ اس بناء پر ان کا نام ”آدم“ رکھا گیا ہے اور حدیث میں ہے: ”أُنْظِرْ إِلَيْهَا فَإِنَّهُ أُخْرَىٰ أَنْ يُؤَدَّمَ بَيْنَكُمَا“ [جامع ترمذی، رقم: ۱۰۸۷] (تو اپنی منگیرو کو ایک نظر دیکھ لے، اس سے تمہارے درمیان اُلفت اور خوشگواری پیدا ہو جانے کا زیادہ امکان ہے)۔

[مفردات القرآن تحت لفظ آدم]

## جنت سے خارجہ: ۱

روایات میں آتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے پوچھا گیا:

”كَيْفَ وَجَدْتَ نَفْسَكَ عِنْدَ الزَّلَّةِ؟“

”لغزش کے وقت آپ نے اپنے نفس کو کیسے پایا؟“

انہوں نے فرمایا:

”كَرَجُلٍ اِنْكَسَرَتْ اَعْضَاؤُهُ فَلَمْ يَبْقَ مَفْصِلٌ مَعَ مَفْصِلٍ“  
”اس شخص کی طرح جس کے سارے اعضاء اس طرح توڑ دیئے گئے ہوں کہ ایک جوڑ

دوسرے جوڑ کے ساتھ نہ رہے۔“

پھر ان سے پوچھا گیا:

”كَيْفَ وَجَدْتَ نَفْسَكَ عِنْدَ الْخُرُوجِ مِنَ الْجَنَّةِ؟“  
”آپ نے جنت سے نکلنے کے وقت کیا محسوس کیا؟“

انہوں نے فرمایا:

”الْمَوْتُ أَهْوَنُ عَلَيَّ مِنْ ذَلِكَ.“ [بصائر ذوی التعمیر: ۶/۱۷۲۲]

”موت، مجھ پر اس نکلنے سے زیادہ آسان ہے۔“

حضرت آدم و موسیٰ علیہما السلام کا مکالمہ:

حدیث پاک میں آتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام میں ملاقات ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا:

”أَنْتَ الَّذِي أَشَقَيْتَ النَّاسَ وَأَخْرَجْتَهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ؟“

”کیا تم وہی آدم ہو جنہوں نے سب لوگوں کو محنت میں ڈالا اور جنت سے باہر نکلوا یا؟“

حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا:

”أَنْتَ مُوسَى الَّذِي اضْطَفَاكَ اللَّهُ بِرِسَالَتِهِ وَاضْطَفَاكَ لِنَفْسِهِ وَأَنْزَلَ عَلَيْكَ التَّوْرَةَ“

”کیا تم وہی موسیٰ ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے پیغمبری عطا فرمائی اپنے لیے خاص کیا اور پھر تم پر تورات نازل فرمائی؟“

موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: جی ہاں!

آدم علیہ السلام نے کہا:

”فَوَجَدْتَهَا كَتَبَ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَنِي؟“

”تم نے یہ بھی پڑھا ہوگا کہ یہ غلطی میری پیدائش سے قبل لکھ دی گئی تھی؟“

موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: ہاں!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”فَفَتَحَ آدَمُ مُوسَى.“ [صحیح بخاری، رقم: ۴۷۳۶]

”آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔“

آدم علیہ السلام کا مادہ تخلیق:

شیخ ابواسحاق زجاج فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے مادہ کے بارے میں آیات مختلف ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ فرمایا: ﴿خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ﴾ [آل عمران: ۵۹] (اللہ نے انہیں مٹی سے پیدا کیا)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿مِنْ طِينٍ لَّازِبٍ﴾ [الصافات: ۱۱] (لیس دارگارے سے پیدا کیا ہے)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿مِنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ﴾ [الحجر: ۲۶] (سڑے ہوئے گارے کی مٹی سے پیدا کیا)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ﴾ [الرحمن: ۱۴] (ٹھیکرے کی طرح



کھنکھاتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔

سب کالب لباب ایک ہے اور وہ ”مٹی“ ہے۔ چنانچہ آپ کو ”مٹی“ سے پیدا کیا گیا، جو گارا بن گیا، پھر وہ گارا ”حَمِئًا مَّسْنُونٌ“ میں تبدیل ہو گیا، پھر وہ ”صَلْصَلٍ کَالْفَخَّارِ“ کی شکل اختیار کر گیا۔

آگ پر مٹی کی فضیلت اور اس کی پانچ وجوہات: (۱)

امام ثعالبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب شیطان نے کہا: ﴿خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَ مِنْ طِينٍ﴾ تو حکماء فرماتے ہیں کہ شیطان نے ”آگ“ کو ”مٹی“ پر فضیلت دینے میں غلطی کا شکار ہوا۔ اس لیے کہ ”مٹی“ مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر ”آگ“ پر فضیلت رکھتی ہے:

①..... مٹی کے اندر کئی ساری چیزیں ہوتی ہیں، جیسے سکون، وقار، بردباری، صبر وغیرہ۔ اور یہ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ اور تواضع کا سبب تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرما دیا اور نبوت کا تاج سر پہ سجا دیا..... جبکہ آگ کی خاصیت یہ ہے کہ اس کے اندر ہلکا پن ہوتا ہے، اس لیے اوپر اٹھتی جاتی ہے اور اس کے اندر طیش ہے، تیزی ہے، بلندی ہے اور اضطراب ہے اور یہی چیز ابلیس کے تکبر کا سبب بنی۔ چنانچہ لعنت و بربادی اس کا مقدر بنی۔

②..... جنت کے بارے میں یہ بات تو منقول ہے کہ اس کی مٹی مشک کی ہے، لیکن وہاں آگ بھی ہے، اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

③..... عذاب دینے کے لیے آگ کا استعمال ہوتا ہے، نہ کہ مٹی کا۔

④..... مٹی کو آگ کی کوئی ضرورت نہیں، جبکہ آگ کو مٹی کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اسے جلنے کے لیے زمین پر جگہ چاہیے۔

⑤..... مٹی سے ساری چیزیں وجود میں آتی ہیں بالواسطہ یا بلاواسطہ، جبکہ آگ سے

چیزیں ختم ہو جاتی ہیں۔

⑥..... مٹی میں طاقت زیادہ ہے بہ نسبت آگ کے۔ کیونکہ مٹی آگ کو بجھا دیتی ہے، لیکن آگ مٹی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی، بلکہ آگ کے لگنے سے تو وہ اور زیادہ قیمتی ہو جاتی ہے۔

[بصائر ذوی التعمیر: ۶/ ۱۷۲۴]

قرآن کی روشنی میں آدم علیہ السلام کے 12 اعزازات: (۱)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے کئی سارے اعزازات بیان فرمائے ہیں:

①..... نیابتِ الہی کا اعزاز: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾ [البقرة: ۳۰] (اور اس وقت کا تذکرہ سنو جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں)۔

②..... تخلیقِ الہی کا اعزاز: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ﴾ ②۸ ﴿فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سٰجِدِينَ﴾ ②۹ [الحجر: ۲۸، ۲۹] (اور وہ وقت یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں گارے کی کھکھناتی ہوئی مٹی سے ایک بشر کو پیدا کرنے والا ہوں۔ لہذا جب میں اس کو پوری طرح بنالوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے آگے سجدے میں گر جانا)۔

③..... تعلیمِ الہی کا اعزاز: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا﴾ [البقرة: ۳۱] (اور آدم کو اللہ نے سارے نام سکھا دیئے)۔

④..... امتحانِ الہی میں کامیابی کا اعزاز: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَلَمَّا أَنْبَأَهُمُ

بِأَسْمَاءِهِمْ ۚ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَّكُمْ إِنِّي أَنَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ ﴿١٣﴾ البقرة: ۱۳۳  
(چنانچہ جب اس نے ان کے نام ان کو بتا دیئے تو اللہ نے فرشتوں سے کہا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کے بھید جانتا ہوں)؟

۵..... مسجود ملائکہ ہونے کا اعزاز: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ﴾ [الحجر: ۳۰] (چنانچہ سارے کے سارے فرشتوں نے سجدہ کیا)۔  
۶..... خطاب الہی کا اعزاز: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿قَالَ يَا آدَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَاءِهِمْ﴾ [البقرة: ۳۳] (اللہ نے کہا: آدم! تم ان کو ان چیزوں کے نام بتا دو)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ﴾ [البقرة: ۳۵] (اور ہم نے کہا: آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور اس میں سے جہاں سے چاہو جی بھر کے کھاؤ، مگر اس درخت کے پاس بھی مت جانا، ورنہ تم ظالموں میں شمار ہو گے)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿فَقُلْنَا يَا آدَمُ إِنَّ هَذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقَى﴾ [طہ: ۱۱۷] (چنانچہ ہم نے کہا کہ اے آدم! یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے، لہذا ایسا نہ ہو کہ یہ تم دونوں کو جنت سے نکلوادے اور تم مشقت میں پڑ جاؤ)۔

۷..... اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہونے کا اعزاز: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْآتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ ۖ وَنَادَاهُمَا رَبُّهُمَا أَلَمْ أَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكَ الشَّجَرَةِ وَأَقُلْ لَّكُمَا إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُبِينٌ ۖ ﴿٢٢﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۖ ﴿٢٣﴾ قَالَ اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدَاوَةٌ ۚ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۖ ﴿٢٤﴾ قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ﴾ [الاعراف: ۲۲-۲۵] (چنانچہ جب دونوں نے اس

درخت کا مزہ چکھا تو ان دونوں کی شرم کی جگہیں ایک دوسرے پر کھل گئیں اور وہ جنت کے کچھ پتے جوڑ جوڑ کر اپنے بدن پر چپکانے لگے۔ اور ان کے پروردگار نے انہیں آواز دی کہ کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے روکا نہیں تھا اور تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ شیطان تم دونوں کا کھلا دشمن ہے؟ دونوں بول اُٹھے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم اپنی جانوں پر ظلم کر گزرے ہیں اور اگر آپ نے ہمیں معاف نہ فرمایا اور ہم پر رحم نہ کیا تو یقیناً ہم نامراد لوگوں میں شامل ہو جائیں گے۔ اللہ نے آدم، ان کی بیوی اور ابلیس سے فرمایا: اب تم سب یہاں سے اتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے اور تمہارے لیے ایک مدت تک زمین میں ٹھہرنا اور کسی قدر فائدہ اٹھانا طے کر دیا گیا ہے۔ فرمایا کہ اسی زمین میں تم جیو گے اور اسی میں تمہیں موت آئے گی اور اسی سے تمہیں دوبارہ زندہ کر کے نکالا جائے گا۔

⑧..... صلی اللہ (انتخاب الہی) ہونے کا اعزاز: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ﴾ [آل عمران: ۳۳] (اللہ نے آدم، نوح، ابراہیم کے خاندان، اور عمران کے خاندان کو چن کر تمام جہانوں پر فضیلت دی تھی)۔

..... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿ثُمَّ اجْتَبَا رَبُّنَا فَتَابَ عَلَيْنَا وَهَدَىٰ﴾ [طہ: ۱۲۲] (پھر ان کے رب نے انہیں چن لیا، چنانچہ ان کی توبہ قبول فرمائی اور انہیں ہدایت عطا فرمائی)۔

⑨..... عہد الہی کا اعزاز: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا﴾ [طہ: ۱۱۵] (اور ہم نے اس سے پہلے آدم کو ایک بات کی تاکید کی تھی، پھر ان سے بھول ہو گئی اور ہم نے ان میں عزم نہیں پایا)۔

⑩..... جنت میں رہائش کا اعزاز: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ

أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ ﴿۳۵﴾ [البقرة: ۳۵] (اور ہم نے کہا: آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو)۔

۱۱..... قبولیتِ توبہ کا اعزاز: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿ثُمَّ اجْتَنِبْهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَاهُ﴾ ﴿۱۲۲﴾ [طہ: ۱۲۲] (پھر ان کے رب نے انہیں چن لیا، چنانچہ ان کی توبہ قبول فرمائی اور انہیں ہدایت عطا فرمائی)۔

۱۲..... ابوالبشر ہونے کا اعزاز: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿يَبْنِيْ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَا اَخْرَجَ اٰبَآءَكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ﴾ [الاعراف: ۲۷] (اے آدم کے بیٹو اور بیٹیو! شیطان کو ایسا موقع ہرگز ہرگز نہ دینا کہ وہ تمہیں اسی طرح فتنے میں ڈال دے جیسے اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکالا)۔

آدم علیہ السلام کی عمر، تعدادِ حج اور تدفین: ﴿۱﴾

حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق تاریخ کی کتابوں میں مشہور ہے:

..... آپ ہزار سال تک زندہ رہے۔

..... آپ نے بلادِ ہند سے پیدل 60 حج کیے۔

..... آپ کی وفات مکہ مکرمہ میں ہوئی۔

..... اور تدفین جبل ابی قیس میں ہوئی۔

[بصارِ ذوی التمییز: ۶/۱۷۲۳]

فرشتوں کا حکم بجالانے کا بیان: ﴿۱﴾

فَسَجَدُوا اِلَّا اِبْلِیْسَ

تو سجدہ میں گر پڑے، مگر ابلیس

چنانچہ جب فرشتوں کو مسجد کا حکم ہوا تو سب نے بلاچوں و چراں اپنے پروردگار کے حکم کے سامنے اپنی عقلوں کو بالائے طاق رکھا اور فوراً حکم بجالائے، لیکن ابلیس کی ازلی بدبختی تھی کہ اس نے عقل کو بنیاد بنا کر مسجد سے انکار کیا اور کہا: ﴿أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ﴾ خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ ﴿۵۱﴾ [ص: ۷۶] (میں اس [آدم] سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو گارے سے پیدا کیا ہے)۔ چنانچہ اسی انکار کی وجہ سے اُسے ”عزازیل“ اور ”طاؤس الملائکہ“ جیسے اعزازات سے گرا کر ”ابلیس“ اور ”شیطان“ جیسے رسوا کن ناموں سے موسوم کیا گیا۔

تاریخ کی گھڑیوں نے وہ وقت بھی دیکھا ہے  
لمحوں نے خطا کی تھی، صدیوں نے سزا پائی

### شیطان کے 70 قرآنی نام: ﴿۱﴾

قرآن مجید میں شیطان کو 70 مختلف ناموں سے متعارف کروایا گیا ہے:

- ۱..... الشَّيْطَانُ (رحمتِ الہی سے دور ہونے والا، غصے سے جل اٹھنے والا): جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے ﴿كَمْثِلِ الشَّيْطَانِ﴾ [الحشر: ۱۶]
- ۲..... وَسْوَاسٌ وَ خَنَّاسٌ (وسوسہ ڈالنے والا اور چھپنے والا) ﴿مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ﴾ [الناس: ۴]
- ۳..... مُوسِسٌ (وسوسہ ڈالنے والا) ﴿الَّذِي يُوسِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ﴾ [الناس: ۵]
- ۴..... رَجِيمٌ (مردود) ﴿فَإِنَّكَ رَجِيمٌ﴾ [الحجر: ۳۴]
- ۵..... عَدُوٌّ (دشمن) ﴿إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا﴾ [فاطر: ۶]
- ۶..... الْغُرُورُ (دھوکے باز) ﴿وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللَّهِ الْغُرُورُ﴾ [فاطر: ۵]



- 7..... فَاتِنٌ (فتنے میں ڈالنے والا): ﴿لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ﴾ [الاعراف: ۲۷]
- 8..... مُضِلٌ (گمراہ کرنے والا): ﴿وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ﴾ [النساء: ۶۰]
- 9..... مُزِينٌ (مزین کرنے والا): ﴿فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ﴾ [النحل: ۶۳]
- 10..... كِيَادٌ (چال باز): ﴿إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا﴾ [النساء: ۷۶]
- 11..... خَادِعٌ (دھوکے باز): ﴿وَهُوَ خَادِعُهُمْ﴾ [النساء: ۱۴۲]
- 12..... كَاذِبٌ كَفَّارٌ (جھوٹا، ناشکرا): ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ﴾ [الزمر: ۳]
- 13..... خَتَّارٌ وَكَفُورٌ (متکبر، ناشکرا): ﴿وَقَايَجُ حَذْبًا يَتَنَآلُ الْكُلَّ خَتَّارٍ كَفُورٍ﴾ [لقمان: ۳۲]
- 14..... هَامِزٌ (برے خیالات ڈالنے والا): ﴿أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيْطَانِ﴾ [المؤمنون: ۹۷]
- 15..... حَاضِرٌ (پاس آنے والا): ﴿وَأَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَنْ يُحْضِرُونِ﴾ [المؤمنون: ۹۸]
- 16..... مُغْوٍ (گمراہ کرنے والا): ﴿لَا غُيُوبَهُمْ أَجْمَعِينَ﴾ [ص: ۸۲]
- 17..... غَاوٍ (شریر): ﴿لَغَوِيٍّ مُبِينٍ﴾ [القصاص: ۱۸]
- 18..... جِنٌّ (جن): ﴿كَانَ مِنَ الْجِنِّ﴾ [الكهف: ۵۰]
- 19..... أَبِي وَمُسْتَكْبِرٌ (انکار کرنے والا، متکبر): ﴿أَبِي وَاسْتَكْبَرَ﴾ [البقرة: ۳۴]
- 20..... مُزِلٌ (مہسلا نے والا): ﴿فَازَلَهُمَا الشَّيْطَانُ﴾ [البقرة: ۳۶]
- 21..... لَعِينٌ (رحمت الہی سے دور): ﴿وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ﴾ [الحجر: ۳۵]
- 22..... مُنْظَرٌ (مہلت دیا ہوا): ﴿فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ﴾ [الحجر: ۳۷]
- 23..... مُمْتَنٍ (تمنا دلانے والا): ﴿وَلَا مُمِيتَهُمْ﴾ [النساء: ۱۱۹]

- ۲۱..... اَمْرٌ (حکم دینے والا) ﴿وَلَا تُفَرِّقْ بَيْنَهُمَا﴾ [النساء: ۱۱۹]
- ۲۲..... وَلِیُّ الْکُفْرِ (کافروں کا دوست) ﴿وَالَّذِينَ کَفَرُوا اُولَئِیْنَهُمُ الطَّاغُوتُ﴾ [البقرة: ۲۵۷]
- ۲۳..... رَاعِدٌ بِالْفَقْرِ (غربت سے ڈرانے والا) ﴿الشَّیْطٰنُ یَعِدُّکُمْ الْفَقْرَ﴾ [البقرة: ۲۶۸]
- ۲۴..... مَرِیْدٌ (سرکش) ﴿وَيَتَّبِعْ کُلَّ شَیْطٰنٍ مَّرِیْدًا﴾ [الحج: ۳]
- ۲۵..... مَارِدٌ (نافرمان) ﴿مِّنْ کُلِّ شَیْطٰنٍ قَارِدٌ﴾ [الصافات: ۷]
- ۲۶..... مَقْدُوفٌ مَذْحُورٌ (دور پھینکا ہوا، ہٹایا ہوا) ﴿وَيُقَذَّفُونَ مِنْ کُلِّ جَانِبٍ ۭ دُحُوْرًا﴾ [الصافات: ۹، ۸]
- ۲۷..... خَاطِفٌ (اُچکنے والا) ﴿اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ﴾ [الصافات: ۱۰]
- ۲۸..... مَرْجُومٌ (پتھر مارا ہوا) ﴿وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّیْطٰنِ﴾ [الملك: ۵]
- ۲۹..... ذَاعِی (پکارتے والا) ﴿اِنَّمَا یَدْعُوْا حِزْبًا﴾ [فاطر: ۶]
- ۳۰..... بَاطِلٌ (باطل) ﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ﴾ [العنکبوت: ۵۲]
- ۳۱..... نَازِعٌ (اُتارنے والا) ﴿یَنْزِعُ عَنْهُمَا الْبَاسَ هُمَا﴾ [الاعراف: ۲۷]
- ۳۲..... نَازِعٌ (شرارت کرنے والا) ﴿وَاقَا یَنْزِعَنَّکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْعٌ﴾ [الاعراف: ۲۰۰]
- ۳۳..... مَاسٌ وَ طَائِفٌ (بڑے محیال کے ساتھ چھونے والا) ﴿اِذَا مَسَّهُمْ طَیْفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ﴾ [الاعراف: ۲۰۱]
- ۳۴..... مُتَخَبِّطٌ (حواس باختہ کرنے والا) ﴿یَتَخَبَّطُ الشَّیْطٰنُ مِنَ النَّاسِ﴾ [البقرة: ۲۷۵]





- 38..... مُخْلَفٌ (وعدہ خلافی کرنے والا): ﴿وَوَعَدْتُكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ﴾ [ابراہیم: ۲۲]
- 39..... مُتَفَحِّشٌ (بے حیائی کا حکم کرنے والا): ﴿وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ﴾ [البقرہ: ۲۶۸]
- 40..... كَافِرٌ (انکار کرنے والا): ﴿وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ﴾ [البقرہ: ۳۳]
- 41..... مَذْذُومٌ (ذلیل): ﴿قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْذُومًا وَقَادِحُورًا﴾ [الاعراف: ۱۸]
- 42..... خَذُولٌ (بے یار و مددگار چھوڑنے والا): ﴿وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ خَذُولًا﴾ [الفرقان: ۲۹]
- 43..... مَلُومٌ (لامت کیا جانے والا): ﴿فَلَا تَلُومُونِي﴾ [ابراہیم: ۲۲]
- 44..... سَفِيهٌ (بے وقوف، جاہل): ﴿يَقُولُ سَفِيهٌ نَاعَلِي اللَّهِ شَطَطًا﴾ [الحج: ۴]
- 45..... أَسْفَلٌ (گھٹیا): ﴿لِيَكُونَا مِنَ الْأَسْفَلِينَ﴾ [نصرت: ۲۹]
- 46..... بَشْسَ الْقَرِينِ (برادوست): ﴿فَبَشْسَ الْقَرِينِ﴾ [الزخرف: ۳۸]
- 47..... بَدَلٌ لِلظَّالِمِينَ (اللہ تعالیٰ کے بدلے بُرا متبادل): ﴿بَشْسَ لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا﴾ [الكہف: ۵۰]
- 48..... بَرِيٌّ (بیزار): ﴿إِنِّي بَرِيٌّ مِّنْكَ﴾ [الحشر: ۱۶]
- 49..... رَائِي (دیکھنے والا): ﴿إِنِّي أَرَىٰ قَالًا تَرُونَ﴾ [الانفال: ۴۸]
- 50..... رَجْزٌ (گندہ): ﴿وَيَذْهَبَ عَنْكُم رَجْزُ الشَّيْطَانِ﴾ [الانفال: ۱۱]
- 51..... خَالِدٌ فِي النَّارِ (ہمیشہ دوزخ میں رہنے والا): ﴿خَالِدِينَ فِيهَا﴾ [البقرہ: ۱۶۲]
- 52..... عَفْرِيتٌ (قوی ہیکل): ﴿قَالَ عَفْرِيتٌ مِّنَ الْجِنِّ﴾ [النمل: ۳۹]
- 53..... فَاسِقٌ (حکم الہی سے نکل جانے والا): ﴿فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ﴾ [الكہف: ۵۰]
- 54..... مُسْتَحْوِذٌ (مسلط ہونے والا): ﴿اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ﴾ [المجادلہ: ۱۹]

- ۵۴..... مُسْتَرْقٌ (چوری چھپے سننے والا): ﴿الَّذِينَ اسْتَرْقُوا السَّعَةَ﴾ [الحجر: ۱۸]
- ۵۵..... مُنْسِيٌّ (بھلانے والا): ﴿فَأَنسَدَ الشَّيْطَانُ﴾ [يوسف: ۴۲]
- ۵۶..... مُسَوِّلٌ وَمُمْلِيٌّ (پٹی پڑھانے والا اور دور دراز کی امیدیں دلانے والا):  
﴿سَوَّلَ لَهُمْ وَأَفَلَىٰ لَهُمْ﴾ [محمد: ۲۵]
- ۵۷..... مُدَلِّيٌّ (دھوکا دینے والا): ﴿فَدَلَّاهُمَا بِغُرُورٍ﴾ [الاعراف: ۲۲]
- ۵۸..... مُقْسِمٌ (قسم اٹھانے والا): ﴿وَقَسَمَهُمَا﴾ [الاعراف: ۲۱]
- ۵۹..... مُلْقِيٌّ (شبہ ڈالنے والا): ﴿الَّذِي أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ﴾ [الحج: ۵۲]
- ۶۰..... مُبْدِيٌّ (ظاہر کرنے والا): ﴿لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُورِيَ عَنْهُمَا﴾ [الاعراف: ۲۰]
- ۶۱..... مُبِينٌ (کھلا دھلا): ﴿إِنَّا لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾ [البقرة: ۱۶۸]
- ۶۲..... مُحْتَنِكٌ (لگام ڈال کر قابو میں کرنے والا): ﴿لَا حَتَّكَانَ ذُرِّيَّتَهُ﴾ [الاسراء: ۶۲]
- ۶۳..... مُشَارِكٌ (شریک ہونے والا): ﴿وَشَارِكُهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ﴾  
[الاسراء: ۶۴]
- ۶۴..... مُسْتَفْزِزٌ (قدم اکھاڑ دینے والا): ﴿وَأَسْتَفْزِزُ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ﴾ [الاسراء: ۶۴]
- ۶۵..... جَالِبُ الشَّرِّ (شر کو کھینچنے والا): ﴿وَأَجْلِبْ عَلَيْهِمُ بِخَيْلِكَ﴾ [الاسراء: ۶۴]
- ۶۶..... نَارِيٌّ (آگ سے پیدا کیا ہوا): ﴿خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ﴾ [الاعراف: ۲۰]
- ۶۷..... خَارِجٌ (نکلنے والا): ﴿فَاخْرُجْ مِنْهَا﴾ [الحجر: ۳۴]
- ۶۸..... مُخْرِجٌ (نکالنے والا): ﴿أَخْرَجَ أَبْوَيْكُمُ﴾ [الاعراف: ۲۷]
- ۶۹..... خَبِيثٌ (خراب): ﴿وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا﴾ [الاعراف: ۵۸]
- [بصار ذوی التمییز: ۶/ ۱۷۹۸، ۱۷۹۹]

## ابلیس، جن تھا یا فرشتہ؟

كَانَ مِنَ الْجِنِّ

وہ جن کی قسم سے تھا

سجدے کے حکم سے پتہ چل رہا ہے کہ ابلیس بھی ملائکہ کے ساتھ سجدہ کرنے پر مامور تھا۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ فرشتے اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے۔ ابلیس نے جو نافرمانی کی اس کا سبب یہ تھا کہ وہ جنات میں سے تھا، ملائکہ میں سے نہ تھا۔

[دیکھیے تفسیر مظہری تحت ہذہ الآیہ]

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آنکھ جھپکنے کی دیر بھی ابلیس فرشتوں میں سے نہ تھا کیونکہ وہ جنات کی اصل (باپ) ہے جیسے آدم علیہ السلام انسان کی اصل (باپ) ہیں۔ مفسرین یہ بھی فرماتے ہیں کہ ابلیس جن ہے، جیسے اس آیت مبارکہ میں گزر گیا ہے۔ اسی طرح ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ﴾ [الاعراف: ۱۲] (تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا، اور اس کو مٹی سے پیدا کیا)۔

[تفسیر درمنثور ابن کثیر تحت ہذہ الآیہ من سورۃ الکہف]

## ”ابلیس“، کو ”ابلیس“ کیوں کہتے ہیں؟

”إِبْلِيسُ“، ”إِبْلَاسُ“ یا ”بَلَسُ“ سے بنا ہوا لفظ ہے، یہ مایوسی کا معنی دیتا ہے، اس میں ”ذلیل“ اور ”مغموم“ ہونے کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے، دوسری جگہ کافروں کے لیے ”مُبِلْسُونَ“ کا لفظ بھی آتا ہے یعنی جب ان سے کچھ بن نہیں پڑے گا تو غمگین ہو کر خاموش ہو جائیں گے۔ تاہم اس کے زیادہ تر معنی ”رحمت سے دوری“ کے آتے ہیں۔ چونکہ ابلیس اللہ کی رحمت سے دور اور مایوس ہو چکا ہے، اس لیے اس کو یہ نام دیا گیا ہے۔

[تفسیر معالم العرفان تحت ہذہ الآیہ]

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان: ﴿۱﴾

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو اپنا ایک کتاب اور دنیا کو مردار بنا دیا ہے۔ اور ابلیس سے خطاب فرمایا:

”كُلْ مِنْ مَّالِ إِلَى الْجَنَفَةِ سَلَطْتُكَ عَلَيْهِ.“ [موسوۃ السنن: ۱/۹۱]

”جو بھی مردار دنیا کی طرف مائل ہوگا، میں تجھے اس پر مسلط کر دوں گا۔“

حضرت شیخ عبدالکریم جیلی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان: ﴿۱﴾

جیسے اللہ تعالیٰ کے ۹۹ اسمائے حسنیٰ ہیں، اسی طرح شیطان کے ۹۹ مظاہر ہیں، جن کے ذریعے وہ اپنا داؤ چلا لیتا ہے۔ ان میں سے ۷ ہم ذکر کرتے ہیں:

①..... دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے۔

②..... طبیعت، شہوات اور لذات۔

③..... نیک اعمال۔ جن کے ذریعے یہ صالحین کے دلوں میں عجب کی بیماری پیدا کرتا ہے۔

④..... اعمال میں حرص۔ چنانچہ ایک بندہ قرآن مجید کی تلاوت کر رہا ہوتا ہے تو یہ اس کے دل میں خیال ڈالتا ہے کہ آپ حج پہ کیوں نہیں جاتے اور جاتے ہوئے آپ راستے میں تلاوت کرتے جائیں، اس طرح دوہرے اجر کے مستحق بن جائیں گے۔ جب وہ چل پڑتا ہے تو پھر دل میں خیال ڈالتا ہے کہ آپ ابھی مسافر ہیں اور آپ پر تلاوت ابھی لازم بھی نہیں ہے، جب وہاں پہنچ جاؤ تو پھر تلاوت کرنا۔ اور یوں اسے تلاوت سے محروم کر دیتا ہے۔

⑤..... علم۔ بعض اوقات یہ علم کے ذریعے علماء کو گمراہ کر دیتا ہے۔

⑥..... عادتیں اور راحتیں۔ چنانچہ اس کے ذریعے مریدین صادقین کو خراب کر دیتا

ہے، غلط عادتوں میں پھنسا دیتا ہے اور راحتوں کا دلدادہ بنا دیتا ہے۔  
 (۷)..... معارف الہیہ۔ چنانچہ ان میں شیطان صدیقین، اولیاء اور عارفین پر اپنا داؤ  
 چلانے کی کوشش کرتا ہے، البتہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے یہ لوگ بچ جاتے ہیں اور مقربین  
 پر اس بیچارے کا بس ہی نہیں چلتا۔

شیطان کے آلات گمراہی: (۱)

حضرت شیخ عبدالکریم جیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیطان کے آلات گمراہی بہت  
 سارے ہیں:

غفلت..... شہوت..... ریاست..... جہالت..... اشعار..... امثال..... شراب..... لہو و  
 لعب کے آلات..... اور عورت، جو حقیقی معنوں میں شیطان کا جال ہے۔  
 [موسوعۃ الکسز ان: ۱/ ۹۲]

فسق ابلیس کا بیان: (۱)

فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ

سو نکل بھاگا اپنے رب کے حکم سے

چنانچہ ابلیس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ وہ میرے حکم سے بغاوت کر گیا۔

لفظ ”فسق“ کی تحقیق: (۱)

”فسق“ کے معنی کسی شخص کے دائرہ شریعت سے نکل جانے کے ہیں۔ یہ ”فَسَقَ  
 الرُّطْبُ“ کے محاورہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی نیم پختہ کھجور کے اپنے چھلکے سے باہر نکل  
 آنے کے ہیں۔ شرعاً ”فسق“ کا مفہوم ”کفر“ سے اعم ہے کیونکہ ”فسق“ کا لفظ چھوٹے  
 اور بڑے ہر قسم کے گناہ کے ارتکاب پر بولا جاتا ہے اگرچہ عرف میں بڑے گناہوں

کے ارتکاب پر بولا جاتا ہے اور عام طور پر ”فاسق“ کا لفظ اس شخص کے متعلق استعمال ہوتا ہے جو احکام شریعت کا التزام اور اقرار کرنے کے بعد تمام یا بعض احکام کی خلاف ورزی کرے۔

[دیکھیے: مفردات القرآن للامام الراغب تحت مادة: فسق]

### فاسق کون؟

..... امام قشیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”الْفَاسِقُ: هُوَ الْخَارِجُ عَنِ الطَّاعَةِ“ (فاسق وہ ہوتا ہے جو اطاعت کے دائرے سے نکل جائے)۔

..... بعض صوفیاء کا نکتہ نظر ہے: ”هُوَ الَّذِي أَلْقَى جِلْبَابَ الْحَيَاءِ“ (فاسق وہ ہوتا ہے جو حیا کی چادر اُتار چکا ہو)۔

[موسوعة الكسز ان تحت كلمة فاسق]

### طلبہ کے لیے علمی نکتہ:

سوال: ﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ۖ كَانَ مِنَ الْجِنِّ﴾ (جبکہ ہم نے ملائکہ کو حکم دیا کہ آدم کے سامنے سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے کہ وہ جنات میں سے تھا) [الکہف: ۵۰] یہ آیت تو دلالت کر رہی ہے ابلیس کے جنات کی نسل سے ہونے پر۔ اور دوسری آیت ﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ﴾ (اور یاد کرو اس وقت کو کہ ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے علاوہ سب فرشتوں نے سجدہ کیا) [البقرة: ۳۴] سے معلوم ہوتا ہے کہ ابلیس فرشتہ تھا۔ بظاہر دونوں آیات میں تعارض واقع ہوا؟

جواب: اس میں دو قول ہیں:

①..... پہلا قول یہ ہے کہ آیت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ ابلیس حقیقتہً جنات میں

سے تھا، اس لیے کہ ابلیس کی ذریت و اولاد موجود ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: ﴿أَفَتَتَّخِذُونَنَا وَذُرِّيَّتَنَا أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِنَا﴾ (کیا تم مجھے چھوڑ کر ابلیس اور اس کی ذریت کو دوست بناتے ہو؟) [الکہف: ۵۰] اور ملائکہ کی ذریت و اولاد نہیں ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ ابلیس جن تھا۔

②..... دوسری دلیل یہ ہے کہ ابلیس دنیا کا سب سے بڑا کافر اور سب سے بڑا فاسق ہے، جبکہ فرشتے گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَّا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾ (وہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتے، ان کو جو حکم دیا جاتا ہے کر گزرتے ہیں)۔ [التحریم: ۶]

ایک اور جگہ ارشاد گرامی ہے: ﴿وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ﴾ (اور جو فرشتے اللہ کے پاس ہیں، وہ نہ اس کی عبادت سے سرکشی کرتے ہیں، نہ تھکتے ہیں۔ وہ رات دن اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں، اور سست نہیں پڑتے)۔ [الانبیاء: ۱۹، ۲۰] تو ابلیس اس پاکیزہ مخلوق میں سے کیسے ہو سکتا ہے کہ سجدے کا حکم دیا جائے اور انکار کرے۔ لہذا معلوم ہوا کہ فرشتوں کے قبیل سے نہیں تھا۔

[مسائل الرازی، صفحہ ۲۴۳، ۲۴۴]

### شیطانوں کی دوستی سے بچنے کا بیان: ①

أَفَتَتَّخِذُونَنَا وَذُرِّيَّتَنَا أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِنَا

سو کیا اب تم ٹھہراتے ہو اس کو اور اس کی اولاد کو رفیق میرے سوا؟  
استفہام انکاری ہے، یعنی تم کو ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ اپنے کھلے ہوئے دشمنوں کو میری

بجائے اپنا دوست قرار دو اور میری اطاعت کی جگہ ان کی اطاعت کرو۔

[تفسیر مظہری تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

### ابلیس کی بیگم صاحبہ !!!

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز بیٹھا ہوا تھا، ایک قلی آیا اور اس نے مجھ سے پوچھا: کیا ابلیس کی بیوی ہے؟ میں نے جواب دیا: مجھے معلوم نہیں۔ لیکن پھر مجھے یاد آیا کہ اللہ نے فرمایا ہے: ﴿أَفْتَتَّخِذُ مِنْكُمْ ذُرِّيَّةً أَوْ لِيَاءً﴾ اور اولاد بغیر بیوی کے ہو نہیں سکتی، کیونکہ اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے: ﴿أَنِّي يَكُونُ لَكَ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُنْ لَهَا صَاحِبَةً﴾ (اللہ کے اولاد کہاں سے ہو سکتی ہے جبکہ اس کی بیوی نہیں ہے)۔ یہ یاد آنے کے بعد میں نے کہہ دیا: ہاں! ابلیس کی بیوی ہے۔

[مظہری تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

### اولادِ شیطان کے نام:

امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابلیس کی اولاد میں سے مندرجہ ذیل شیطان ہیں:

لاقین، ولہان، ہفاف، مرہ، زلنبور، اعور، مطوس، یشور، داسم۔

..... ولہان: وضو، غسل اور نماز میں وسوسہ پیدا کرتا ہے۔

..... مرہ: اسی کے نام سے ابلیس کی کنیت ”ابومرہ“ مشہور ہے۔

..... زلنبور: بازاروں میں جھوٹی قسمیں اٹھواتا اور صاحبِ مال سے مال کی جھوٹی تعریف کراتا ہے۔

..... اعور: بدکاری پر آمادہ کرنے والا شیطان ہے۔

..... مطوس: جھوٹی بے اصل افواہیں لوگوں میں پھیلاتا ہے۔





..... یثور: مردہ کے وارثوں کو منہ پیٹنے اور گریبان پھاڑنے پر آمادہ کرتا ہے۔  
 ..... داسم: وہ شیطان ہے کہ آدمی جب گھر میں داخل ہوتے وقت کسی کو سلام نہیں کرتا  
 اور اللہ کا ذکر بھی نہیں کرتا تو یہ شیطان اس آدمی کو گھر کی ہر چیز بے محل رکھی ہوئی دکھاتا  
 ہے، جس سے آدمی کو غصہ آ جاتا ہے اور وہ گھر والوں کو سخت سست کہنے لگتا ہے اور بغیر بسم  
 اللہ پڑھے کھانے لگتا ہے تو ”داسم“ بھی اس کے کھانے میں شریک ہو جاتا ہے۔  
 امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات میں بغیر بسم اللہ کے گھر میں داخل ہوا اور  
 اندر جا کر کسی کو سلام بھی نہیں کیا تو مجھے بے جگہ رکھا ہوا لوٹا نظر آیا، میں نے کہا: اس کو  
 یہاں سے اٹھاؤ، پھر گھر والوں سے جھگڑا کرنے لگا، لیکن پھر مجھے یاد آ گیا اور میں نے  
 کہا: یہ داسم ہے، داسم ہے۔

[مظہری تحت هذه الآية من سورة الكهف]

### میاں بیوی میں جھگڑا کروانے والا: ۱

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابلیس اپنا تخت پانی  
 پر بچھاتا ہے پھر وہاں سے اپنے دستوں کو اطرافِ عالم میں روانہ کرتا ہے۔ ابلیس کا سب  
 سے بڑا مقرب وہی ہوتا ہے جو سب سے زیادہ فتنہ انگیز ہو۔ کوئی آ کر کہتا ہے: میں نے  
 یہ یہ کام کیے، ابلیس کہتا ہے: تُو نے کچھ نہیں کیا۔ پھر ایک شیطان آتا ہے اور کہتا ہے:  
 میں نے میاں بیوی میں علیحدگی کرادی۔ ابلیس کہتا ہے: تُو نے اچھا کام کیا، پھر اس کو اپنا  
 مقرب بنا لیتا ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میرا خیال ہے کہ راوی نے یہ بھی کہا کہ  
 پھر ابلیس اس کو چمٹا لیتا ہے۔

[صحیح مسلم، رقم: ۲۸۱۳]

متکبر سے توبہ کی اُمید نہیں: (۱)

رب کی نافرمانی سے غضب میں آگیا اور شیطان رجیم بن گیا اور ملعون ہو گیا۔ پس متکبر شخص سے توبہ کی اُمید نہیں ہو سکتی۔ ہاں تکبر نہ ہو اور کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس سے نا اُمید نہ ہونا چاہیے۔

[تفسیر ابن کثیر تحت هذه الآية]

فوائد السلوک: (۱)

..... حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”خَاطَبَكَ الْحَقُّ تَعَالَى أَحْسَنَ خِطَابٍ وَ دَعَاكَ إِلَى نَفْسِهِ بِاللَّطْفِ دُعَاءٍ“ اے انسان! اللہ تعالیٰ نے تجھ سے بہترین خطاب فرمایا ہے اور تجھے اپنی طرف بڑی محبت کے ساتھ دعوت دی ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿أَفَتَتَّخِذُونَ ذُرِّيَّتَهُ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِي﴾ (کیا پھر بھی تم میرے بجائے اسے اور اس کی ذریت کو اپنا رکھو الّا بناتے ہو)۔

شیطان دوستی سے بچنے کے سبب کا بیان: (۱)

وَهُمْ لَكُمْ عَدَاؤُ

اور وہ تمہارے دشمن ہیں

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے شیطان دوستی سے بچنے کا سبب بیان فرمایا ہے کہ اس کی پیروی سے اپنے آپ کو بچانا اس لیے ضروری ہے کہ وہ تمہارا دشمن ہے اور دشمن ہی سے احتیاط کی جاتی ہے۔

”الْعَدُوُّ“ کا معنی حد سے بڑھنے اور باہم ہم آہنگی نہ ہونے کے ہیں۔ اگر اس کا تعلق

دل کی کیفیت سے ہو تو یہ ”عداوت“ کہلاتی ہے۔

[مفردات القرآن تحت مادة: ع دو]

قرآن میں لفظ ”عدو“ کا ۱۱ طرح استعمال:

قرآن میں لفظ ”عدو“ ۱۱ طرح استعمال ہوا ہے:

①..... آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام کے دشمن ابلیس کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَإِذْ قُلْنَا لَكَ إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكَمُاعَدُوٌّ مُبِينٌ﴾ [الاعراف: ۲۲]

②..... آدم علیہ السلام، ابلیس، سانپ اور مور کی باہمی دشمنی کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد

فرماتے ہیں: ﴿وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ﴾ [البقرة: ۳۶]

③..... ابلیس اور اس کی ذریت کے لیے جو بنی آدم کی دشمن ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد

فرماتے ہیں: ﴿إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا﴾ [فاطر: ۶]

④..... حربی کافر کے لیے جو کہ مسلمانوں کا دشمن ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ﴾ [النساء: ۹۲]

⑤..... آزر کے لیے جو کہ اللہ تعالیٰ کا دشمن تھا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَلَمَّا

تَبَيَّنَ لَدَاكَ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأْ مِنْهُ﴾ [التوبة: ۱۱۳]

⑥..... موسیٰ علیہ السلام کے لیے جو کہ فرعون کے دشمن تھے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا﴾ [القصص: ۸]

⑦..... کفار مکہ کے لیے جو کہ نبی علیہ السلام کے دشمن تھے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ﴾ [الممتحنة: ۱]

⑧..... بنی اسرائیل کے مسلمانوں کے لیے جو کہ کفار کے دشمن تھے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد

فرماتے ہیں: ﴿فَأَيُّدُنَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيَّ عَدُوِّهِمْ﴾ [القف: ۱۳]

۱)..... اولاد و ازواج میں جو دشمن ہوتے ہیں، ان کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ﴾ [التغابن: ۱۴]

۲)..... کفار کے لیے جو کہ اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿ذَلِكَ

أَعْدَاءُ اللَّهِ النَّارُ﴾ [فصلت: ۲۸]

۳)..... قیامت کے دن فساق و کفار دوستوں کی آپس میں دشمنی کے لیے۔ اللہ تعالیٰ

ارشاد فرماتے ہیں: ﴿الْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ﴾ [۶۷]

[الزخرف: ۶۷]

آن میں لفظ ”عداوت“ کا 6 طرح استعمال:

قرآن میں لفظ ”عداوت“ 6 طرح سے استعمال ہوا ہے:

۱)..... یہودیوں کی عداوت ایمان والوں سے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿تَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا﴾ [المائدہ: ۸۲]

۲)..... شیطانی وسوسہ سے شراب پینے والوں کے درمیان پیدا ہونے والی عداوت کے

لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقَعَ بَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةَ

وَالْبُغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ﴾ [المائدہ: ۹۱]

۳)..... نصاریٰ کے فرقوں کے درمیان عداوت کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَاغْرِبْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبُغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ﴾ [المائدہ: ۱۴]

۴)..... ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے مسلمانوں اور کفار کے درمیان عداوت۔ اللہ تعالیٰ

ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَبَدَّابَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةَ وَالْبُغْضَاءَ أَبَدًا﴾ [المحجۃ: ۴]

⑤..... بنو ہاشم اور بنو امیہ کی عداوت۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿عَسَىٰ اللّٰهُ اَنْ

يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِنْهُمْ مَّوَدَّةً﴾ [الممتح: ٤]

⑥... ایسی عداوت کے لیے جو ایک کریم النفس کے اخلاق کی وجہ سے ختم ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اِذْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ

كَانَتْ وِلٰيًى حَمِيْمَةً﴾ [فصلت: ٣٣]

شیطان کے ”بِئْسَ الْبَدَل“ ہونے کا بیان: ﴿

بِئْسَ لِلظَّالِمِيْنَ بَدَلًا ۝

بُرا ہاتھ لگا بے انصافوں کے بدلہ

یعنی کافروں نے جو اللہ کی بجائے ابلیس اور اس کی ذریت کو دوست بنا رکھا ہے تو اللہ کے عوض کافروں کا ابلیس اور اس کی ذریت کو اختیار کرنا بُرا بدل ہے۔

ابلیس خود تو اپنے تکبر کی وجہ سے جہنم واصل ہوا، اس کی دوستی کا دم بھرنے والے بھی اسی قبیل کے ظالم ہیں اور ظالموں کا بدلہ ہمیشہ بُرا ہوتا ہے۔ فارسی والے بھی کہتے ہیں۔

سے بقول دشمن پیمان دوست بشکستی

بہ ہیں از کہ بریدی دبا کہ پیوستی

”تو نے دشمن کے کہنے پر اپنے دوست کے عہد و پیمان کو توڑا، ذرا دیکھ تو سہی کہ تم کس

سے کٹ گئے اور کس کے ساتھ جڑ گئے؟ خدا تعالیٰ سے قطع تعلقی کر کے ابلیس کی دوستی

اختیار کرنا کس قدر باعث نقصان ہے۔“

﴿مَا اَشْهَدُهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۚ وَكَانَتْ تُتَخَذُ الْمَصٰلِيْنَ عَصَدًا ۝٥١﴾

﴿سَاتُوا رُكُوعًا﴾ آیات [50 تا 53]

میں نے نہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے وقت ان کو حاضر کیا تھا، نہ خود ان کو پیدا کرتے وقت، اور میں ایسا نہیں ہوں کہ گمراہ کرنے والوں کو دست و بازو بناؤں۔

شیاطین کی پہلی مذمت: (۱)

فَأَشْهَدُهُمْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَا خَلْقَ أَنْفُسِهِمْ

دکھانہیں لیا تھا میں نے ان کو بنانا آسمانوں اور زمین کا اور نہ بنانا خود ان کا مقصد یہ ہے کہ کسی چیز کو پیدا کرنے میں میں نے ان سے مدد نہیں لی کہ وہ عبادت و اطاعت کے مستحق ہو جائیں۔ چنانچہ عبادت کی مستحق وہی ذات ہو سکتی ہے جو خالق حقیقی ہو۔ اور خالق حقیقی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

شیاطین کی دوسری مذمت: (۲)

وَقَاكُنْتُ مُتَّخِذًا الْمُضِلِّينَ عُصْدًا ۝۱

اور میں وہ نہیں کہ بناؤں بہکانے والوں کو اپنا مددگار

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ زمین و آسمان پیدا کرتے وقت ہم نے ان شیاطین کو بلایا نہ تھا کہ ذرا آکر دیکھیں کہ ٹھیک بنا ہے یا کچھ اونچ نیچ رہ گئی ہے۔ بہر حال ان سے کسی قسم کا مشورہ نہیں لیا گیا تھا اور نہ ان سے کوئی مدد طلب کی گئی تھی، بلکہ زمین و آسمان کی پیدائش کے وقت تو سرے سے یہ موجود ہی نہ تھے۔ خود ان کو پیدا کرتے وقت بھی نہیں پوچھا گیا کہ تمہیں کس طرح پیدا کروں۔ یا تمہارے دوسرے ہم جنسوں کو کس طرح پیدا کروں، ذرا آکر میری مدد کرو۔ اور بالفرض والحال مدد بھی لیتا اور قوت بازو بھی بناتا تو کیا ان بد بخت اشیاء کو؟ جنہیں جانتا ہوں کہ لوگوں کو میری راہ سے بہکانے

والے ہیں۔ پھر خدا جانے آدمیوں نے ان کو خدائی کا درجہ کیسے دے دیا اور اپنے رب کو چھوڑ کر انہیں کیوں مددگار بنانے لگے!!!

﴿وَيَوْمَ يَقُولُ نَادُوا شُرَكَائِيَ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَوْبِقًا﴾ (۵۲)

اور اس دن کا دھیان کرو جب اللہ (ان مشرکوں سے) کہے گا کہ ذرا پکارو ان کو جنہیں تم نے میری خدائی میں شریک سمجھ رکھا تھا۔ چنانچہ وہ پکاریں گے، لیکن وہ ان کو کوئی جواب نہیں دیں گے، اور ہم ان کے درمیان ایک مہلک آڑ حائل کر دیں گے۔

### تخویفِ اخروی کا بیان:

﴿وَيَوْمَ يَقُولُ نَادُوا شُرَكَائِيَ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ

اور جس دن فرمائے گا پکارو میرے شریکوں کو، جن کو تم مانتے تھے تم گمان کرتے تھے کہ وہ میرے شریک ہیں یا سفارش کر کے میرے عذاب سے تم کو بچالیں گے۔ بعض علماء کے نزدیک شرکاء سے مراد ابلیس اور اولادِ ابلیس ہے۔

کفار کی شرکیہ عادت پر پختگی کا بیان:

﴿فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ

پھر پکاریں گے سو وہ جواب نہ دیں گے ان کو چنانچہ کفار اپنی شرکیہ عادت سے آخرت میں مجبور ہوں گے۔ اپنی سابقہ روٹین کے مطابق آخرت میں بھی اپنے باطل معبودوں، ابلیس اور اولادِ ابلیس کو پکاریں گے، لیکن

یہ سب ایسے نازک موقع پہ بے بس ہوں گے، اپنے آپ کو نہ چھڑا سکیں گے، بھلا ان کی کیا مدد کریں گے؟  
طلبہ کے لیے علمی

سوال: فرمانِ الہی ہے:  
 نَادُوا شُرَكَائِيَ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ ﴿۸۵﴾ (اور اس دن کا دھیان کرو جب اللہ ان مشرکوں سے کہے گا کہ ذرا پکارو ان کو جنہیں تم نے میری خدائی میں شریک سمجھ رکھا تھا۔ چنانچہ وہ پکاریں گے، لیکن وہ ان کو کوئی جواب نہیں دیں گے)۔ اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شرکاء سے نطق کی بالکل نفی کی گئی ہے، حالانکہ دوسری آیت سے شرکاء کا نطق ثابت ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُو آمِنُ ﴿۸۶﴾ بِمُ الْقَوْلِ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۸۷﴾ (اور جن لوگوں نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تھا، جب وہ اپنے گھڑے ہوئے شریکوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! یہ ہیں ہمارے بنائے ہوئے وہ شریک جن کو ہم تجھے چھوڑ کر پکارا کرتے تھے۔ اس موقع پر وہ گھڑے ہوئے شریک ان پر بات پھینک ماریں گے کہ تم بالکل جھوٹے ہو۔)۔ [النحل: ۸۶]

جواب: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ پہلی آیت میں شفاعت اور دفعِ عذاب کے اعتبار سے نطق کی نفی کی گئی ہے۔ یعنی مشرک شرکاء کو شفاعت یا دفعِ عذاب کے لیے پکاریں گے لیکن وہ ان کو جواب نہ دیں گے۔ اور سورہ نحل میں جو اثباتِ نطق ہے وہ یہ ہے کہ شرکاء ان کے دعویٰ عبادت کی تکذیب کریں گے۔ لہذا منفی اور مثبت میں تناقض نہیں۔  
 [تطبیق الآیات، صفحہ ۲۸۷، ۲۸۸]



کافرو معبودِ باطل کا تعلق توڑنے کا بیان: (۱)

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَوْبِقًا ۝۵۱

اور کر دیں گے ہم ان کے اور ان کے بچ مرنے کی جگہ

قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کافروں اور ان کے جھوٹے خداؤں کے درمیان جوڑ کو توڑ دیں گے اور ان کافروں کے سارے آس، یاس میں بدل جائیں گے، ساری امیدوں پہ پانی پھر جائے گا اور اپنی تباہی کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔ اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ بھی بیان فرمایا ہے: ﴿وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فِرَادِيَ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُمْ مَا خَوَّلْنَاكُمْ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ ۚ وَمَا نَرِي مَعَكُمْ شُفَعَاءَ كُمُ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَاءُ ۚ لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَصَلٌ عَنْكُمْ فَاكُنْتُمْ تَزْعُمُونَ﴾ [الانعام: ۹۳] (پھر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے کہے گا کہ تم ہمارے پاس اسی طرح تنہا آ گئے ہو جیسے ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا، اور جو کچھ ہم نے تمہیں بخشا تھا وہ سب اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو، اور ہمیں تو تمہارے وہ سفارشی کہیں نظر نہیں آ رہے جن کے بارے میں تمہارا دعویٰ تھا کہ وہ تمہارے معاملات طے کرنے میں ہمارے ساتھ شریک ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے ساتھ تمہارے سارے تعلقات ٹوٹ چکے ہیں اور جن دیوتاؤں کے بارے میں تمہیں بڑا زعم تھا، وہ سب تم سے گم ہو کر رہ گئے ہیں)۔

”مَوْبِقًا“ کی تفسیر: (۱)

”مَوْبِقًا“ کی تفسیر کے بارے میں مفسرین کے چند اقوال ہیں:

..... حضرت عطاء رحمہ اللہ اور حضرت ضحاک رحمہ اللہ کے نزدیک ”مَوْبِقًا“ سے مراد ہلاکت کا مقام ہے۔

..... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ”مَوْبِق“ دوزخ کی ایک وادی کا نام ہے۔  
 ..... حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ”مَوْبِق“ گرم پانی کی ایک وادی ہے۔  
 ..... حضرت عکرمہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ”مَوْبِق“ آگ کا ایک دریا ہے جس میں آگ بہتی ہے اس کے کناروں پر سیاہ نچروں کے برابر سانپ ہیں۔  
 ..... ابن الاعرابی نے کہا: دو چیزوں کے درمیان جو چیز آڑ اور حاجب ہو، اس کو ”مَوْبِق“ کہتے ہیں۔

[دیکھیے: تفسیر مظہری: تحت ہذہ الآیۃ]

﴿وَرَأَى الْمُجْرِمُونَ النَّارَ فَظَنُّوا أَنَّهُمْ مُوَاقِعُوهَا وَلَمْ يَجِدُوا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝﴾

اور مجرم لوگ آگ کو دیکھیں گے تو سمجھ جائیں گے کہ انہیں اسی میں گرنا ہے، اور اس سے بچ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں پائیں گے۔

مجرمین کو آتش دوزخ کا سامنا: ۱

﴿وَرَأَى الْمُجْرِمُونَ النَّارَ﴾

اور دیکھیں گے گناہگار آگ کو

”نار“ اس شعلہ کو کہتے ہیں جو آنکھوں کے سامنے ظاہر ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے:

﴿أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ۝﴾ [الواقعة: ۷۱] (بھلا دیکھو کہ جو آگ تم درخت سے نکالتے ہو)۔

[مفردات القرآن للامام الراغب، تحت لفظ النار]

طلبہ کے لیے علمی نکتہ: ۱

سوال: فرمان الہی ہے: ﴿وَرَأَى الْمُجْرِمُونَ النَّارَ﴾ (اور مجرم لوگ آگ کو دیکھیں گے)۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مجرمین دیکھ سکیں گے، لیکن سورۃ طہ کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مجرمین اندھے ہوں گے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْ اَعْمٰی﴾ (وہ کہے گا کہ یا رب! تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا؟) [طہ: ۱۲۵] بظاہر دونوں میں تعارض ہے۔

جواب: علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قبر سے نکلتے وقت بصیر (دیکھنے والا) ہوگا لیکن جب محشر کی طرف لے جایا جائے گا تو اندھا ہوگا۔ [انظر زاد المسیر: ۵/۲۳۵]  
[تطبیق الآیات، صفحہ ۲۸۹]

کفار کو جہنم میں گرنے کے یقین کا بیان:

فَظَنُّوْا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْنَ

پھر سمجھ لیں گے کہ ان کو پڑنا ہے اس میں  
چنانچہ روز محشر کافروں کو یقین ہو جائے گا کہ ابھی ہم جہنم میں گرنے والے ہیں، جیسے اوپر تفصیل گزر گئی ہے کہ ان کے اور ان کے جھوٹے خداؤں کے درمیان جدائی لائی جائے گی، وہ ان کی امداد سے بے بس ہوں گے، ان کے کسی کام نہیں آسکیں گے تو ظاہر بات ہے کہ ان کو یقین ہو ہی جائے گا کہ ہمارا انجام کیا ہونے والا ہے۔

آیت بالا کی تفسیر بزبان نبوت: ﴿

نبی علیہ السلام نے اس آیت کی تشریح میں ارشاد فرمایا:

”يُنْصَبُ لِلْكَافِرِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِقْدَارُ خَمْسِينَ سَنَةً كَمَا لَمْ يَعْمَلْ فِي الدُّنْيَا“

”کافر کو پچاس ہزار برس کے بقدر (قیامت کے سارے دن) کھڑا رکھا جائے گا، جیسا

کہ دنیا میں اس نے کچھ کیا ہی نہ تھا۔“

”وَإِنَّ الْكَافِرَ لَيَرَىٰ جَهَنَّمَ“

”اور وہ جہنم کو دیکھتا رہے گا۔“

”وَيَظُنُّ أَنَّهَا مُوَاعِظَتُهُ مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ سَنَةً.“ [مسند احمد، رقم: ۱۱۷۱۴]

”اور چالیس برس کی مسافت سے بھی یہی خیال کرے گا کہ میں دوزخ میں گرایا جا رہا ہوں۔“

دوزخ سے فرار ناممکن ہونے کا بیان: (۱)

وَلَمْ يَجِدُوا عَنْهَا مَصْرَفًا ۝۵۱

اور نہ بدل سکیں گے اس سے راستہ

دوزخ سے بچ کر کفار کسی دوسری جگہ پناہ نہیں لے سکیں گے، بلکہ انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسی آگ میں رہنا ہوگا۔ اور شاید اس آگ کو دیکھنے سے پہلے معافی کی کچھ امید ہو، لیکن اس آگ کو دیکھنے کے بعد یقین کامل ہو جائے گا کہ ہمیں اس میں گرنا ہے اور اس سے کوئی مفر نہیں۔

**آدم علیہ السلام و ابلیس کے قصہ میں سبق**

اس رکوع میں حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بیان ہوا ہے۔ اس میں ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ اے ایمان والو! تمہارا اصلی وطن جنت ہے، کہیں تم فانی دنیا میں دل لگا کر اپنی آخرت کو نہ بھول بیٹھو، ﴿وَالْبَقِيَّةُ الصَّالِحَةُ خَيْرٌ﴾ [الکہف: ۴۶] (جو باقی رہنے والے اعمال ہیں، وہ زیادہ بہتر ہیں دنیا کے مال و دولت سے)، اس لیے تم آخرت کی تیاری میں لگے رہو اور ایسی زندگی گزارو کہ آخرت میں کامیاب ہو جاؤ۔

## آخرت کی یاد:

یہ قصہ ہمیں آخرت کی یاد دلاتا ہے۔ اس کا لب لباب یہ ہے کہ ہم دنیا میں رہتے ہوئے فقط دنیا کی زندگی کو ہی اپنا مقصد نہ سمجھیں، اپنی منزل نہ سمجھیں، منزل ہماری کچھ اور ہے۔ ہم خانہ بدوش لوگ ہیں۔ ہمارا گھر جنت تھا، وہاں سے نکل پڑے اور ہم دنیا میں ایک جگہ سے دوسری جگہ رہتے پھر رہے ہیں۔ بالآخر ہم نے جانا کہاں ہے؟..... جنت میں جانا ہے، ہم اپنے اصلی گھر کو نہ بھولیں۔ ایک وقت آئے گا کہ جب ہم فوت ہو جائیں گے، پھر قیامت قائم ہوگی اور اللہ تعالیٰ ایمان کے صدقے ہمیں ہمارے گھر (جنت) میں واپس لوٹا دیں گے۔ وہ ہمارا مستقر ہوگا۔ ﴿فَاَكْثِثْنَ فِيْهَا اَبَدًا﴾ کے مصداق ہم ہمیشہ ہمیشہ کی نعمتوں میں زندگی گزارنے والے بن جائیں گے۔ گویا یہ قصہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ اے لوگو! تم فقط دنیا کی زندگی کو اپنا سب کچھ نہ سمجھ لو، دنیا سے دل نہ لگاؤ اور دنیا کے آرام اور اس کی عیش پرستی پر نہ رہتے جاؤ، بلکہ اپنی آخرت کو یاد رکھنا اور اپنے اصلی گھر کو بھی نہ بھولنا۔

بھئی! ہمیں اللہ تعالیٰ نے امتحان کی خاطر جنت سے دنیا کے اندر بھیجا ہے۔ ہم یہاں در بدر کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔ جیسے یہ خانہ بدوش لوگ ہوتے ہیں۔ آپ نے خانہ بدوش لوگوں کو دیکھا ہوگا۔ وہ ایک جگہ گھر بناتے ہیں، پھر اپنا سارا سامان اٹھا کر دوسری جگہ گھر بناتے ہیں، پھر تیسری جگہ گھر بناتے ہیں۔ وہ چلتے پھرتے زندگی گزارتے ہیں۔ ہماری دنیا کی زندگی بھی ایسی ہی ہے کہ چند دن کی زندگی ہے، ہم نے بھی اپنی یہ زندگی گزار کے بالآخر یہاں سے چلے جانا ہے، ہم نے یہاں دل نہیں لگانا۔ ہمارا دل اٹکے تو کہاں اٹکے؟..... آخرت میں اٹکا ہوا ہو، اَلتَّجَافِی عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ

وَالْإِنَابَةُ إِلَى دَارِ الْخُلُودِ، یہ ہماری کیفیت ہونی چاہیے۔ ہم آخرت میں جانے کے لیے ہر وقت تڑپ رہے ہوں۔

بندے کو دنیا میں رہتے ہوئے ہمیشہ اپنی آخرت کو یاد رکھنا چاہیے۔ دنیا ہمارے لیے وطنِ اقامت ہے، وطنِ اصلی نہیں ہے۔ جیسے مسافر اگر کہیں پندرہ دن سے زیادہ رہنے کا ارادہ کر لے تو وہ جگہ اس کا وطنِ اقامت بن جاتی ہے، وطنِ اصلی نہیں ہوتا۔ اس کا وطن اصلی پشاور میں ہوتا ہے، چترال میں ہوتا ہے یا کہیں اور ہوتا ہے جہاں سے وہ آیا ہوا ہوتا ہے، اسی طرح ہم بھی جنت سے آئے ہوئے لوگ ہیں، اس لیے ہمارا وطن اصلی کون سا ہے؟ جنت ہے۔ اور دنیا ہمارے لیے کیا ہے؟ وطنِ اقامت ہے۔ ہمیں زندگی کے کچھ دن یہاں گزارنے ہیں، اس کے بعد ہم نے اپنے وطنِ اصلی کی طرف چلے جانا ہے، اس لیے ہمیں اپنے وطنِ اصلی کو یاد رکھنا چاہیے۔ دنیا میں رہتے ہوئے اسی دنیا کو اپنا وطن اصلی سمجھ لینا اور ساری امیدیں اور ساری محنتیں دنیا پر ہی لگا دینا، یہ بے وقوفی کی بات ہے۔

شیطان بد بخت نے ہمیں اپنے وطنِ اصلی سے جھوٹی قسمیں کھا کھا کر نکالا تھا، اب ہمیں اپنے اس دشمن سے بچ کے رہنا ہے، یہ اب بھی ہمیں جنت میں واپس جانے سے روکتا ہے، گناہ کرواتا ہے، تاکہ یہ دوبارہ جنت کے اندر جانے کے قابل نہ بن جائیں۔ اس لیے ہم نے شیطان کے ساتھ دشمنی رکھنی ہے، نیک اعمال کرنے ہیں اور اپنے اللہ سے دعائیں مانگنی ہیں: اے اللہ! ہمیں شیطان کے شر سے بچا لینا اور جب ہمارا وقت آئے تو ہمیں ہمارے وطنِ جنت میں پہنچا دینا۔ رمضان المبارک میں تو خاص طور پر یہ دعا مانگنی چاہیے:

”اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ الْجَنَّةَ وَنَعُوذُ بِكَ مِنَ النَّارِ.“



نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جو مومن رمضان المبارک میں یہ دعائے مانگے گا کہ توبہ  
اس کو جنت عطا فرمائے گا۔

بعض نوجوانوں کو شیطان عجیب دھوکا دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جنت لیا مانگنی، حوریں  
مانگنی؟..... ان کو جنت میں صرف حوریں ہی نظر آتی ہیں، اس کے سوا کوئی اور کام نہیں  
ہے..... او خدا کے بندے! حوریں تو وہاں کی خادمائیں ہیں، ہر گھر کے اندر کام کرنے  
والی عورتیں ہوتی ہیں، وہ خادمائیں ہوتی ہیں اور جو گھر کی مالکہ ہوتی ہے اس کا بڑا مقام  
ہوتا ہے، اس کی شان بڑی ہوتی ہے۔ تو جو مسلمان مومنہ عورت ہوگی وہ جنت میں جا کر  
جنت کی مالکہ ہوگی اور وہاں کی ستر حور عین اس کی خادمائیں ہوں گی۔ یہ دنیا کی عورتیں تو  
وہاں جنت کی شہزادیاں ہوں گی۔ وہاں 70 حور عین ان کی خادمائیں ہوں گی اور ہر حور  
عین کی 70 حوریں خادمائیں ہوں گی۔

اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ وہاں پر کتنی حوریں ہوں گی؟! آج کا نوجوان یہ سن  
کر پریشان ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ جنت شاید بنی ہی اسی لیے ہے۔ بھئی! جن میں  
بیوی کی آپس میں محبتیں ہوتی ہیں وہ گھر میں کام کرنے والی کی طرف تو آنکھ اٹھ کر بھی  
نہیں دیکھتے۔ وہ تو نوکرانیاں ہوتی ہیں، حوریں تو وہاں کی نوکرانیاں ہوں گی۔

عورتیں بھی پریشان ہو جاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کے لیے تو حوریں رکھی ہیں،  
عورتوں کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ خدا کی بندوی! تمہیں اللہ تعالیٰ وہاں شہزادیاں بنا کے  
رکھیں گے، تمہیں حوریں کیا، حور عین عطا فرمائیں گے۔ تمہارا تو مقام اور درجہ وہاں پر  
بہت اونچا ہوگا۔

دید کا وعدہ:

ہمیں جنت میں فقط حوروں کے لیے نہیں جانا، بلکہ وہاں تو اپنے رب کا دیدار کرنے

کے لیے جانا ہے۔ دیکھیں! اللہ تعالیٰ کا دیدار دنیا میں نہیں ہو سکتا۔

نہیں کرتے وہ وعدہ دید کا حشر سے پہلے  
دل بے تاب کی ضد ہے، ابھی ہوتی، یہیں ہوتی

اس شعر میں حضرت مجذوب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محبوب نے حشر میں ملاقات کا وعدہ کیا ہے اور دل بے تاب کی ضد تو یہ ہے کہ ابھی ہوتی اور یہیں ہوتی۔ مگر اللہ نے فرمایا کہ میرے بندے! دنیا کے اندر اتنی Capability (صلاحیت) ہی نہیں ہے، اتنی وسعت ہی نہیں ہے، اتنی استعداد ہی نہیں ہے کہ یہ میری تجلی کو سنبھال سکے۔ اس لیے میں دنیا میں تمہارے دلوں پر اپنی تجلی فرماؤں گا، ہاں! جب تم آخرت میں آ جاؤ گے تو جنت جو میں نے ”دید گاہ“ بنائی ہے، وہاں آؤ گے تو وہاں میں تمہیں اپنا دیدار کراؤں گا۔

جنت میں ہمیں کس لیے جانا ہے؟ اللہ کے دیدار کے لیے جانا ہے..... اپنا Concept (تصور) کلیئر کر لیں۔ کیا اب ہم جنت مانگیں گے یا نہیں مانگیں گے؟ اب تو دل کرتا ہے کہ اٹھتے بیٹھتے اللہ تعالیٰ سے جنت مانگیں۔ یا اللہ! جنت عطا فرما دے، جنت عطا فرما دے۔ کیونکہ اب بات سمجھ آ گئی کہ جنت میں فقط حوروں کے لیے نہیں جانا، بلکہ جنت میں حوروں کے پروردگار کے لیے جانا ہے، وہاں اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا دیدار عطا فرمائیں گے۔

### جنت..... ہمارا وطن اصلی: ﴿۱﴾

بھئی! ہمارا وطن اصلی جنت ہے۔ ہم وہاں کے رہنے والے ہیں۔ ہم بعض لوگوں سے ملتے ہیں تو وہ خوش ہو کر کہتے ہیں: جی! ہم کشمیر کے رہنے والے ہیں۔ اس لیے کہ کشمیر بہت خوبصورت ہے۔ جس طرح کشمیر کے رہنے والوں کو خوشی ہوتی ہے کہ وہ



خوبصورت علاقہ ہے اسی طرح ہمیں بھی خوشی ہونی چاہیے کہ ہم جنت کے رہنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آزمائش کی خاطر ہمیں دنیا میں بھیج دیا۔ جب ہم یہاں پر نیکی کی زندگی گزاریں گے تو اللہ تعالیٰ ہمیں دوبارہ اپنے جنت والے گھر میں پہنچا دیں گے۔

﴿وَذَلِكَ جَزَاءُ مَنْ تَزَكَّى﴾ [طہ: ۷۶]

”اور یہ صلہ ہے اس کا جس نے پاکیزگی اختیار کی۔“

کہ اللہ تعالیٰ اس کو جنت عطا فرمائیں گے۔

جنت ملکیت نہیں، میراث ہوگی: ۱

اسی لیے جنت کو مومن کی میراث کہا گیا ہے:

﴿تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادٍ لِّمَنْ كَانَ تَقِيًّا﴾ [مریم: ۶۳]

”یہ ہے وہ جنت جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے اس کو بنائیں گے جو متقی ہو۔“

جنت اس کی ملکیت نہیں ہوگی، بلکہ میراث ہوگی۔ یہ ”میراث“ کا لفظ کیوں کہا؟ اس

لیے کہ میراث وہ چیز ہوتی ہے جو ماں باپ کی طرف سے ملتی ہے۔ چونکہ جنت حضرت

آدم علیہ السلام کی ہے اور وہ ہمارے باپ ہیں اور ہم ان کی اولاد ہیں، ہمیں ان کی وجہ سے

یہ جنت ملے گی۔ اس طرح ہم جنت کے وارث بن جائیں گے۔ یہ ہماری میراث ہے۔

اللہ نے ہمارے لیے ہی بنائی ہے۔ اس لیے ہم نے یہ اللہ تعالیٰ سے مانگنی ہے، تاکہ اللہ

تعالیٰ ہمیں ہمارے اصلی گھر میں واپس پہنچا دے۔

اس واقعہ کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ لوگو! دنیا سے دل مت لگاؤ، یہ دنیا کی زیب و

زینت تو بالکل عارضی اور فانی چیز ہے۔ اس لیے سورۃ کہف میں اللہ تعالیٰ نے دنیا کی

زندگی کو پانی سے تشبیہ دی ہے کہ جیسے پانی برستا ہے۔ پانی کے ساتھ یہ زندگی ہے۔ پانی

میں بھی سیلانیت ہوتی ہے، یہ ایک جگہ نہیں ٹھہرتا، یہ دنیا کی زندگی بھی ایسی ہی ہے۔

حالات ایک جیسے نہیں رہتے۔ ادا لے بدلتے رہتے ہیں۔ آج ایک حال ہے، کل دوسرا ہے، پرسوں تیسرا ہے۔ یہ دنیا کسی کے پاس ہمیشہ نہیں رہتی۔ بندے کو یہاں سے بالآخر جانا پڑتا ہے۔ اس لیے دنیا سے تم دل مت لگاؤ، تاکہ تم اپنی اصلی منزل کو یاد رکھو۔

بادشاہوں سے بھی زیادہ سہولیات: ((

اس سبق کو یاد دلانا آج کے دور میں زیادہ ضروری ہے۔ کیونکہ سہولتیں عام ہو گئی ہیں۔ جیسے گھر آج ہیں ایسے گھر تو بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں تھے۔ بے شک ان کے محل بھی بنتے تھے، لیکن ان کے محل میں ٹھنڈی ہوائیں نہیں ہوتی تھیں۔ ان کے محلات میں خادم پنکھے جھلتے تھے اور اس کے باوجود بھی بادشاہ کو پسینہ آرہا ہوتا تھا۔ آج دیکھو کہ ہم جیسے عام لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ گرمی کے موسم میں کیسے ٹھنڈی ہوا میں بیٹھنے کی توفیق عطا فرمادیتے ہیں۔

پہلے زمانے کے بادشاہوں کو ٹھنڈے پانی کے مشروبات حاصل نہیں ہوتے تھے۔ کہیں کہیں کسی کو برف ملتی ہوگی تو ملتی ہوگی، جبکہ آج افطاری کے وقت میں ہر ہر بندے کے ہاتھ میں ٹھنڈا پانی ہوتا ہے یا شربت کا گلاس ہوتا ہے اور ہم اللہ کے فضل سے اپنے روزے کو ان مشروبات سے افطار کر رہے ہوتے ہیں۔

پہلے زمانے کے بادشاہ سفر کرتے تھے تو گھوڑوں اور اونٹوں پر سفر کرتے تھے۔ ایک دن میں بیس پچیس کلومیٹر کا سفر ہوتا تھا اور آج کے دور میں ایک عام بندہ بھی حج یا عمرہ کے سفر پر جاتا ہے تو ماشاء اللہ! ایئر پورٹ بھی Air Conditiond (ایئر کنڈیشنڈ) ہے، بس بھی ایئر کنڈیشنڈ ہے، جس جہاز پہ جاتے ہیں وہ جہاز بھی ایئر کنڈیشنڈ ہے اور چار گھنٹوں میں وہ ایک ملک سے دوسرے ملک کا سفر کر لیتا ہے۔ حالانکہ یہی سفر طے

کرنے میں پہلے مہینوں لگتے تھے۔

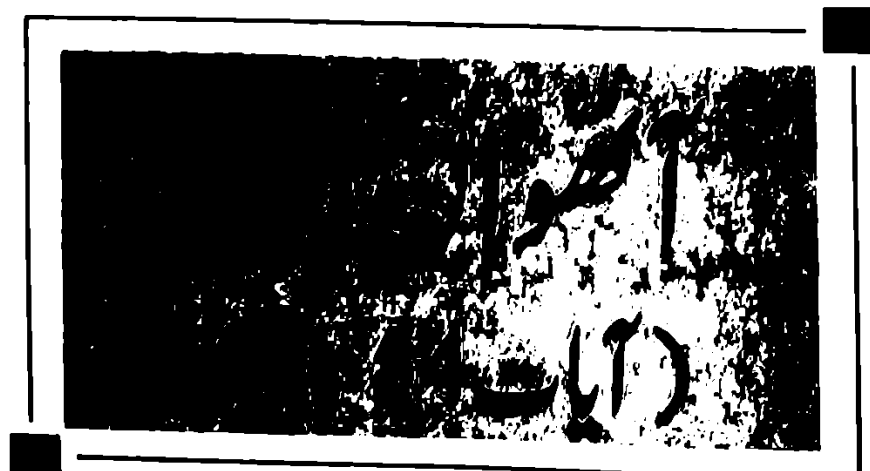
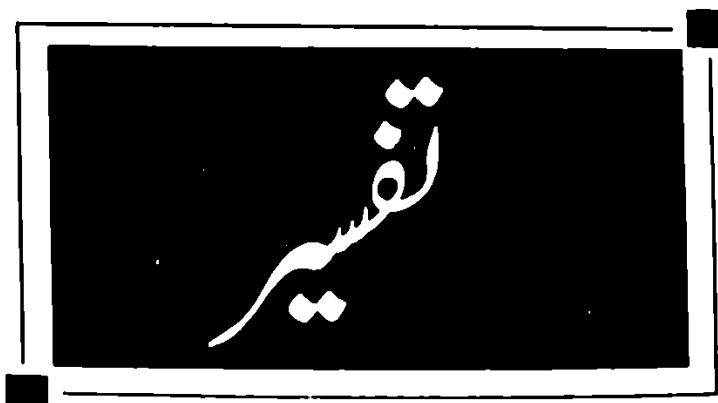
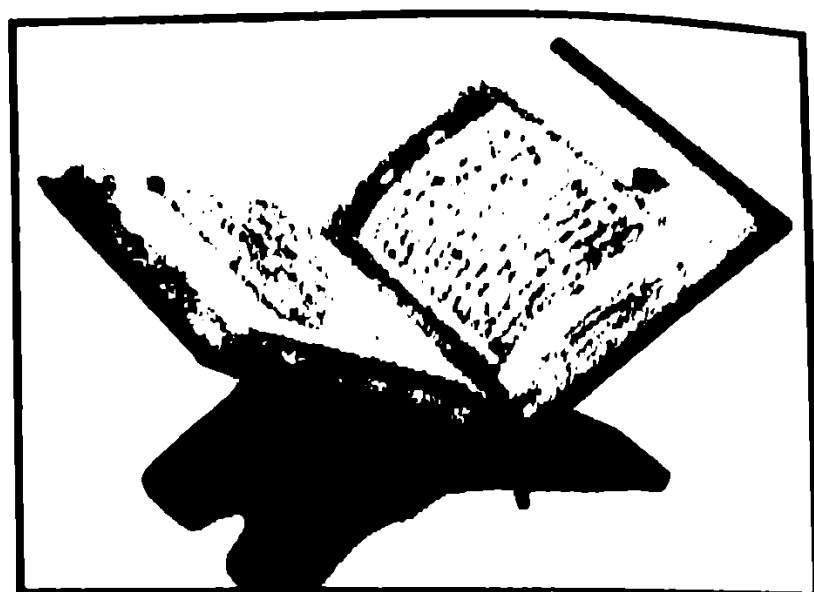
جیسے آج ہمیں یہ Wash&Ware (واش اینڈ ویئر) کپڑے حاصل ہیں ایسے کپڑے پہلے والے بادشاہوں کو بھی حاصل نہیں تھے۔

یہ جو آج کے دور میں اللہ کی نعمتیں عام ہیں اس وجہ سے آج کے انسان کا دل دنیا کے اندر لگ گیا ہے۔ اس لیے اس کا مرنے کو دل نہیں چاہتا۔ خاص طور پر جس کے پاس مال ہے، جس کی فیکٹری چلتی ہے، جس کا کاروبار چلتا ہے اور اس کو کھانے پینے کی ہر نعمت ملتی ہے، اس کا تو بالکل مرنے کو دل نہیں چاہتا۔

چونکہ اس طرح انسان کا دنیا میں دل لگ جاتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے آخرت کی یاد دلائی کہ لوگو! اسی دنیا پہ رتبہ کے مت بیٹھ جاؤ، یہ دھوکے کی جگہ ہے، دھوکا مت کھاؤ، اپنی اصلی منزل کو یاد رکھو، بالآخر تمہیں موت آنی ہے، اللہ کے ہاں حساب دینا ہے اور بالآخر تمہیں اپنی اصلی منزل کی طرف پہنچنا ہے۔

### Migration خانہ بدوشی ہے:

آج تو لوگ دنیا میں مختلف ملکوں میں Migrate (مائگریشن) کرنے پہ بڑے خوش ہوتے ہیں۔ جی! ہم کینیڈا کی Migration (مائگریشن) لے رہے ہیں، ہم فلاں ملک کی مائگریشن لے رہے ہیں۔ یہ خانہ بدوشی ہے۔ گھر یہاں ہے یا گھر وہاں ہے، اصلی گھر نہیں ہے، یہ تو عارضی گھر ہے، اصلی گھر ہمارا جنت ہے۔ اس لیے ہمیں جنت میں جانے کی فکر کرنی چاہیے۔ زندگی ایسے گزاریں کہ جنت جانے کے لیے راستے میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے فضل اور مہربانی سے ہمیں اپنی پسندیدہ جگہ جنت عطا فرمادے۔



## رکوع کا خلاصہ



اس رکوع میں:

- ..... قرآن مجید کی جامعیت کو بیان کیا گیا ہے۔ [آیت: ۵۴]
- ..... معاندین سے شکوہ کیا گیا ہے کہ خواہ مخواہ جھگڑا کرتے ہیں۔ [آیت: ۵۴]
- ..... کفار کے لیے دوزجر ہیں:

① ..... ہدایت آجانے کے بعد ایمان کیوں نہیں لاتے؟

② ..... اپنے رب سے گناہ کیوں نہیں بخشواتے؟ [آیت: ۵۵]

- ..... کفارِ قریش کی غفلت کی وجہ سے متوقع عذاب کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ [آیت: ۵۵]
- ..... انبیاء کرام علیہم السلام کا فرض منصبی بیان کیا گیا ہے کہ وہ تو فقط خوشخبری اور ڈرسانے کے لیے مبعوث کیے جاتے ہیں۔ [آیت: ۵۶]

..... کفار کے مجادلے کو بیان کیا گیا ہے، تاکہ حق کو شکست دیں۔ [آیت: ۵۶]

..... کفار کا وحی کو مذاق بنانے کا بیان ہے۔ [آیت: ۵۶]

..... کفار کی بے حسی کو بیان کیا گیا ہے کہ:

..... آیاتِ الہی سے منہ موڑتے ہیں۔

..... اپنے کرتوتوں کو بھول جاتے ہیں۔ [آیت: ۵۷]

..... اللہ تعالیٰ کی آیات سے اعراض کرنے والے کو سب سے بڑا ظالم قرار دیا گیا ہے

اور پھر اس کا سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے گئے ہیں،

جس کی وجہ سے وہ دین کی سمجھ بوجھ سے محروم ہیں۔ [آیت: ۵۷]

..... ازلی بدبختوں کی بدبختی کو بیان کیا گیا ہے۔ [آیت: ۵۷]

..... اس کے بعد عذاب کے مؤخر ہونے کی وجہ بھی بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑا غفور و

رحیم ہے اور حلیم ہے، ان پر جلدی عذاب نہیں لاتا، البتہ ان پر عذاب لانے کا ایک

وقت مقرر ہے، جب وہ وقت آجائے گا تو یہ بھاگ نہیں پائیں گے۔ [آیت: ۵۸]

..... اور پھر آخر میں ہلاک شدہ بستیوں کی طرف اشارہ کر کے خبردار کیا گیا ہے کہ جس

طرح ان لوگوں نے ظلم کی روش اپنائی اور مقررہ وقت پر ان کو ہلاک کر دیا گیا، اسی طرح

تمہارے ساتھ بھی ہوگا۔ [آیت: ۵۹]

### رابط آیات:

گزشتہ درس میں ابلیس کی دشمنی کو خوب بیان کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ قیامت

کے دن اس کے پیروکار کس قدر بے یار و مددگار ہوں گے، مزید بتایا گیا ہے کہ مجرمین کو

قیامت کے دن آتشِ دوزخ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اب آج کے درس میں سمجھایا

جائے گا کہ شیطان دشمنی میں اس کے خلاف کامیابی حاصل کرنی ہے اور قیامت کے دن

خدا کا دشمن نہیں، خدا کا دوست بننا پسند ہو تو قرآن مجید سے جڑ جاؤ، یہ تمہیں راہِ ہدایت

بتائے گا۔ انبیاء علیہم السلام کے راستے کی راہنمائی کرے گا۔

﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۚ وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْئًا  
جَدَلًا﴾ (۵۴)

اور ہم نے لوگوں کے فائدے کے لیے اس طرح قرآن میں طرح طرح سے ہر قسم کے مضامین بیان کیے ہیں، اور انسان ہے کہ جھگڑا کرنے میں ہر چیز سے بڑھ گیا ہے۔

نصیحتِ الہی کا بیان: (۱)

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا

اور بے شک پھیر پھیر کر سمجھائی ہم نے

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایک بات کو مختلف انداز و اسلوب سے سمجھایا ہے، ہر بندے کے لیے ایسا انداز اختیار کیا گیا ہے کہ وہ اس کو سمجھنا چاہے تو سمجھ سکتا ہے، چاہے وہ ایک پسماندہ دور دراز دیہات کا رہنے والا ہے یا ایک تہذیب یافتہ متمدن شہر کا باسی ہے۔

محل نصیحت کا بیان: (۱)

فِي هَذَا الْقُرْآنِ

اس قرآن میں

قرآن، اس کتابِ الہی کا نام ہے جو آنحضرت ﷺ پر نازل ہوئی اور یہ اس کتاب کے لیے بمنزلہ علم بن چکا ہے جیسا کہ تورات، اس کتابِ الہی کو کہا جاتا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ اور انجیل، اس کتاب کو کہا جاتا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر

نازل کی گئی۔ بعض علماء نے قرآن کی وجہ تسمیہ یہ بھی بیان کی ہے کہ قرآن چونکہ تمام کتبِ سماویہ کے ثمرہ کو اپنے اندر جمع کیے ہوئے ہے، بلکہ تمام علوم کے حاصل کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے، اس لیے اس کا نام ”قرآن“ رکھا گیا ہے جیسا کہ سورۃ یوسف میں ارشادِ خداوندی ہے: ﴿وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ﴾ [یوسف: ۱۱] (اور ہر چیز کی تفصیل کرنے والا)۔ اس طرح سورۃ النحل میں فرماتے ہیں: ﴿يَبْيِّنُ لَكُلِّ شَيْءٍ﴾ [النحل: ۸۹] (اس میں ہر چیز کا بیان مفصل ہے)۔

[مفردات القرآن للامام الراغب: تحت مادة ق را]

## قرآن مجید کے نام: ۱

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے خود قرآن مجید کے لیے مختلف نام استعمال فرمائے ہیں:

۱..... قرآن: یہ نام قرآن مجید میں تقریباً 70 مرتبہ استعمال ہوا ہے، جیسا کہ سورۃ یسین

کی دوسری آیت میں ہے: ﴿وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ﴾ [یسین: ۲]

۲..... تنزیل: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿تَنْزِيلَ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ﴾ [یسین: ۵]

۳..... ذکر: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ﴾ [یوسف: ۱۰۴]

۴..... زبور: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ﴾ [الانبیاء: ۱۰۵]

۵..... صحف: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿رَسُولٌ مِّنَ اللَّهِ يَتْلُو صُحُفًا مُّطَهَّرَةً﴾ [البینہ: ۲]

[البینہ: ۲]

۶..... فرقان: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿مِّنْ قَبْلِ هُدًى لِّلنَّاسِ وَأَنْزَلَ

الْفُرْقَانَ﴾ [آل عمران: ۴]

۷..... کتاب: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ﴾ [البقرہ: ۲]



۸..... نور: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ﴾ [المائدہ: ۱۵]

۹..... برہان: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ﴾ [النساء: ۱۷۴]

۱۰..... بشری: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ﴾ [النحل: ۸۹]

۱۱..... بصائر: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿هَذَا ابْصَآرٌ مِّن رَّبِّكُمْ﴾ [الاعراف: ۲۰۳]

۱۲..... بلاغ: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿هَذَا بَلَاغٌ لِّلنَّاسِ﴾ [ابراہیم: ۵۲]

۱۳..... حق: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ الْحَقُّ مِّن رَّبِّكُمْ﴾ [یونس: ۱۰۸]

۱۴..... ذکرِی: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿كِتَابٌ أَنْزَلَ إِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِي صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنذِرَ بِهِ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ﴾ [الاعراف: ۲]

۱۵..... رحمت: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَإِنَّا لَهْدًى وَرَحْمَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ﴾ [النمل: ۷۷]

۱۶..... شفاء: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ﴾ [یونس: ۵۷]

۱۷..... بیان: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿هَذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ﴾ [آل عمران: ۱۳۸]

۱۸..... بینہ: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَقَدْ جَاءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ﴾ [الانعام: ۱۵۷]

۱۹..... موعظ: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ مَوْعِظَةٌ مِّن

رَبِّكُمْ وَشِفَاءً لِّمَا فِي الصُّدُورِ ﴿٥٤﴾ [یونس: ۵۷]

۲۰)..... ہدی: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿هَذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى﴾

[آل عمران: ۱۳۸]

۲۱)..... تبیان: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ [النحل: ۸۹]

۲۲)..... حکم: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَكَذَلِكَ أَنزَلْنَاهُ حُكْمًا وَعَرَبِيًّا﴾ [الرعد: ۳۷]

### قرآن مجید کے اوصاف:

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے مختلف مقامات میں مختلف اوصاف بیان فرمائے ہیں:

۱)..... مصدق: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَهَذَا كِتَابٌ مُّصَدِّقٌ﴾ [الاحقاف: ۱۲]

۲)..... الحکیم: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَالْقُرْآنُ الْحَكِيمُ﴾ [یسین: ۲]

۳)..... عربی: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا﴾ [یوسف: ۲]

۴)..... عزیز: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَإِنَّا لَكِتَابٌ عَزِيزٌ﴾ [فصلت: ۴۱]

۵)..... عظیم: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ﴾ [الحجر: ۸۷]

۶)..... علی: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَإِنَّا فِي أَمْرِ الْكِتَابِ لَدَيْنَا لَعَلِيَّ حَكِيمٌ﴾ [الزخرف: ۴]

۷)..... کریم: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿إِنَّا لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ﴾ [الواقعة: ۷۷]

۸)..... مبارک: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ﴾ [ص: ۲۹]

۹)..... مسبین: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿الَّذِي يَتْلُو الْكِتَابَ وَقُرْآنٍ

مُبِیْنٌ ﴿۱﴾ [الحجر: ۱]

- ﴿۱﴾..... مجید: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿قَسَّوَالْقُرْآنِ الْمَجِیدِ﴾ ﴿۱﴾ [ق: ۱]
- ﴿۲﴾..... مفصل: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿أَنْزَلَ إِلَیْكُمْ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا﴾ [الانعام: ۱۱۴]

### شیخ سہل بن عبد اللہ تستری رحمہ اللہ کا فرمان: ﴿۱﴾

شیخ سہل بن عبد اللہ تستری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”الْقُرْآنُ حَبْلُ اللَّهِ بَيْنَ اللَّهِ وَ بَيْنَ عِبَادِهِ، مَنْ تَمَسَّكَ بِهِ نَجَا“ (قرآن مجید، اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان ایک مضبوط رسی کی مانند ہے، جس نے بھی اسے تھام لیا، وہ نجات پا جائے گا)۔  
[موسوعة الكسز ان: تحت مادة: ق را]

### قرآن مجید کے تین نور: ﴿۱﴾

شیخ عبدالعزیز دباغ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں تین قسم کے نور ہیں:

- ﴿۱﴾..... نُورُ الدَّلَالَةِ عَلَى اللَّهِ (اللہ کی طرف رہنمائی کا نور)۔
- ﴿۲﴾..... نُورُ امْتِثَالِ الْأَوَامِرِ (احکامات کے بجالانے کا نور)۔
- ﴿۳﴾..... نُورُ اجْتِنَابِ النَّوَاهِي (منع کردہ چیزوں سے پرہیز کرنے کا نور)۔

[ایضاً]

### قراء کی تین قسمیں: ﴿۱﴾

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن پڑھنے والے لوگ تین قسم کے ہوتے ہیں:

- ﴿۱﴾..... کچھ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسے ذریعہ آمدنی بنایا ہوا ہے، وہ اس کے ذریعے لوگوں کا مال پیسہ چاہتے ہیں۔

- ②..... کچھ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس کے حروف تو اچھے طریقے سے ادا کیے، مگر اس کی حدود کو پامال کیا، چنانچہ وہ اس کے ذریعے شاہوں کے مال و دولت کے گرد گھومتے ہیں۔
- ③..... اور کچھ وہ لوگ ہیں جنہوں نے قرآن پڑھا، اس کی آیات میں غور و فکر کیا اور پھر اس کے ذریعے اپنے بیمار دلوں کا علاج کیا۔

[ایضاً]

### قرآن مجید کس چیز کے لیے شفا ہے؟

امام قشیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید ہر طبقہ کے لوگوں کے لیے شفا ہے۔  
چنانچہ.....:

..... ”شِفَاءٌ مِنْ دَاءِ الْجَهْلِ لِلْعُلَمَاءِ“ (علماء کے لیے جہالت کے مرض سے شفا ہے)۔  
..... ”شِفَاءٌ مِنْ دَاءِ الشَّرِكِ لِلْمُؤْمِنِينَ“ (مومنین کے لیے شرک سے شفا ہے)۔  
..... ”شِفَاءٌ مِنْ دَاءِ النَّكْرَةِ لِلْعَارِفِينَ“ (عارفین کے لیے معرفتِ الہی سے ناواقفیت کے لیے شفا ہے)۔

..... ”شِفَاءٌ مِنْ لَوَاعِجِ الشَّوْقِ لِلْمُحِبِّينَ“ (محبین کے لیے آتشِ شوق کے لیے شفا ہے)۔  
..... ”شِفَاءٌ مِنْ دَاءِ الشَّطَطِ لِلْمُرِيدِينَ وَ الْقَاصِدِينَ“ (مریدین اور سالکین کے واسطے حد سے تجاوز کے لیے شفا ہے)۔

[ایضاً]

### حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

..... ”تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّهُ أَحْسَنُ الْحَدِيثِ“ (قرآن مجید سیکھو، کیونکہ یہ تمام باتوں

میں سب سے بہترین بات ہے)۔

..... ”تَفَقَّهُوا فِيهِ فَإِنَّهُ رَبِيعُ الْقُلُوبِ“ (اس میں فقاہت حاصل کرو، کیونکہ یہ دلوں کی بہار ہے)۔

..... ”اسْتَشْفُوا بِنُورِهِ فَإِنَّهُ شِفَاءُ الصُّدُورِ“ (اس کے نور کے ذریعے شفا حاصل کرو، کیونکہ یہ دلوں کے امراض کے لیے شفا ہے)۔

..... ”أَحْسِنُوا تِلَاوَتَهُ فَإِنَّهُ أَحْسَنُ الْقَصَصِ“ (اور احسن طریقے سے اس کی تلاوت کیا کرو، کیونکہ یہ تمام قصوں میں سب سے بہترین قصہ ہے)۔

[ایضاً]

### حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ شِفَاءٌ لِلْمُؤْمِنِينَ، وَإِمَامٌ لِلْمُتَّقِينَ، فَمَنْ اهْتَدَى بِهِ هَدَى، وَمَنْ صَرَفَ عَنْهُ شَقِيَ وَابْتَلَى.“

”اے لوگو! یہ قرآن مومنین کے لیے شفا ہے اور متقین کا امام ہے۔ چنانچہ جو شخص اس کے ذریعے ہدایت پانا چاہے گا تو اسے ہدایت نصیب ہو جائے گی اور جو اس سے منہ موڑے گا تو وہ بد بخت ہوگا اور آزمائش میں مبتلا کر دیا جائے گا۔“

[ایضاً]

### منصوح لہم کا بیان:

لِلنَّاسِ

لوگوں کے لیے

قرآن مجید لوگوں کے لیے نصیحت ہے، چنانچہ لوگ منصوح لہم ہو گئے یعنی جن کو نصیحت کی جارہی ہے۔ چونکہ نبی ﷺ خود انسان ہیں اور آپ کے صحبت یافتہ بھی انسان ہی تھے، اس لیے ”الناس“ کا لفظ بولا گیا ہے، ورنہ یہ ”جنات“ کے لیے بھی نصیحت ہے۔ اس کو ”تغلیب“ کہتے ہیں، یعنی ”الناس“ کو ”جنات“ پر غلبہ دیا گیا ہے۔

جامعیت قرآن کا بیان: (۱)

مِنْ كُلِّ مَثَلٍ

ہر ایک مثل

”المثل“ کے معنی ہیں ایسی بات کے جو کسی دوسری بات سے ملتی جلتی ہو اور ان میں سے کسی ایک کے ذریعہ دوسری کا مطلب واضح ہو جاتا ہو اور معاملہ کی شکل سامنے آ جاتی ہو۔ مثلاً عین ضرورت پر کسی چیز کو کھودینے کے لیے ”بِالصَّيْفِ ضَيَّعَتِ اللَّبَنَ“ کا محاورہ ضرب المثل ہے۔ چنانچہ قرآن میں امثال بیان کرنے کی غرض بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾ (الحشر: ۲۱) اور ہم یہ مثالیں لوگوں کے سامنے اس لیے بیان کرتے ہیں، تاکہ وہ غور و فکر سے کام لیں۔

[مفردات القرآن للامام الراغب: تحت مادة: م ث ل]

شکوہ معاندین کا بیان: (۱)

وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَشَيْءٍ جَدَلًا ۝

اور ہے انسان سب چیز سے زیادہ جھگڑالو

یعنی قرآن کریم کس طرح مختلف عنوانات اور قسم قسم کے دلائل و امثلہ سے سچی باتیں سمجھاتا ہے، مگر انسان کچھ ایسا جھگڑالو واقع ہوا ہے کہ صاف اور سیدھی باتوں میں بھی



کٹ جتی کیے بغیر نہیں رہتا۔ جب اس سے دلائل کا جواب بن نہیں پڑتا تو وہ مہمل اور بے کار قسم کی فرمائشیں شروع کر دیتا ہے کہ فلاں چیز دکھاؤ تو مانوں گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے اور اپنی صاحبزادی کے پاس آ پہنچے اور فرمایا: ”أَلَا تُصَلِّيَانِ مِنَ اللَّيْلِ“ (تم دونوں رات کو نماز نہیں پڑھتے ہو؟) میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ”إِنَّ أَنْفُسَنَا بِيَدِ اللَّهِ فَإِذَا شَاءَ أَنْ يَبْعَثَنَا بَعَثَنَا“ (ہماری جانیں اللہ کے قبضہ میں ہیں، وہ جب ہمیں اٹھانا چاہتا ہے تو ہم کو اٹھا دیتا ہے) میری اس گزارش کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے گئے، مجھے کوئی جواب نہیں دیا اور پشت پھیری ہی تھی کہ میں نے سنا کہ ران پر ہاتھ مار کر فرما رہے تھے: ﴿وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا﴾ (اور انسان ہے کہ جھگڑا کرنے میں ہر چیز سے بڑھ گیا ہے)۔

[دیکھیے: تفسیر مظہری: تحت هذه الآية من سورة الكهف]

دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جواب پسند نہیں آیا تھا، انہوں نے یہ فلسفہ قائم کیا تھا کہ ہماری جانیں اللہ کے قبضہ میں ہیں اور اگر وہ اٹھا دیتا ہے تو ہم نماز پڑھ لیتے ہیں، ورنہ نہیں۔ ان کا جواب تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ اگر اللہ کی توفیق شامل ہوگی تو ضرور رات کو اٹھ کر نماز پڑھیں گے، لمبا چوڑا فلسفہ جھاڑنے کی ضرورت نہیں تھی۔

”انسان“ کو ”انسان“ کیوں کہتے ہیں؟ ①

”انسان“ کو ”انسان“ کہنے کی متعدد وجوہات ہو سکتی ہیں:

①..... ”لِأَنَّهُ يَأْنَسُ وَ يُؤْنَسُ بِهِ“ (اس لیے کہ یہ مانوس ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ دوسری چیزیں بھی مانوس ہو جاتی ہیں)۔

- ②..... بعض حضرات فرماتے ہیں کہ انسان کے لیے دو اُنس ہیں: "اُنس بالحق و اُنس بالخلق" (ایک اُنس اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور دوسرا مخلوق خدا کے ساتھ)۔
- ③..... بعض حضرات فرماتے ہیں کہ انسان کے لیے دو اور اُنس ہیں: "لَا اُنْسا بِالْعُقْبَىٰ، وَ اُنْسا بِالْدُّنْيَا" (اس کا ایک اُنس آخرت کے ساتھ ہوتا ہے اور دوسرا دنیا کے ساتھ)۔
- ④..... بعض حضرات فرماتے ہیں کہ "انسان" "اِنِّناس" سے مشتق ہے، جس کا معنی ہے: دیکھنا، جاننا اور محسوس کرنا۔ اور انسان بھی کسی چیز کو سمجھ لیتا ہے، علم کے ذریعے اور دیکھنے کے ذریعے اور حواس کے ذریعے۔
- ⑤..... بعض حضرات فرماتے ہیں کہ "انسان" "نوس" سے مشتق ہے، جس کا معنی ہے، حرکت کرنا۔ چونکہ انسان بڑے بڑے کاموں میں متحرک رہتا ہے، مختلف حالات میں پلٹے کھاتا رہتا ہے، اس لیے اسے "انسان" کہتے ہیں۔
- ⑥..... انسان "نسیان" سے ہے، نسیان کا معنی ہے: بھولنا۔ انسان سے چونکہ بھول چوک ہوتی رہتی ہے، اس لیے اسے "انسان" کہتے ہیں۔
- ⑦..... شیخ ابوسعید قریشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "سُمِّيَ الْاِنْسَانُ اِنْسَانًا لِاَنَّهُ نَسِيَ الْعَهْدَ وَالْمَوَاطِئَ" (انسان کو انسان اس لیے کہتے ہیں کہ اس نے اپنے کیے ہوئے عہد و پیمان کو بھلا دیا ہے)۔

[دیکھیے: بصائر ذوی التمیز: ۲/۳۱، ۳۲ بزيادة]

### قرآن میں لفظ "انسان" کے 20 مصداق: (۱)

قرآن مجید میں لفظ "انسان" کے 20 مصداق بیان کیے گئے ہیں:

- ①..... آدم علیہ السلام۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿هَلْ اَتَىٰ عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنْ





الذَّهْرَ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا قَدْ كُورًا ① ﴿[الانسان: ۱۰]﴾

②..... بنی آدم۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ﴾ [ق: ۱۶]

③..... ولید بن مغیرہ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ④﴾ [الحین: ۴]

④..... قرط بن عبد اللہ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ ⑤﴾ [العادیات: ۶]

⑤..... ابو جہل۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَإِتْبَاعٍ ⑥﴾ [العلق: ۶]

⑥..... نصر بن حارث۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَيَدْعُ الْإِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ﴾ [الاسراء: ۱۱]

⑦..... برصیصا راہب۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلْإِنْسَانِ اكْفُرْ﴾ [الحشر: ۱۶]

⑧..... بدیل بن ورقاء۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ مُّبِينٌ ⑨﴾ [الزخرف: ۱۵]

⑨..... اخنس بن شریق۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ⑩﴾ [المارج: ۱۹]

⑩..... ابی بن خلف۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ⑪﴾ [الانفطار: ۶]

⑪..... گلہ بن اسید۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي كَبَدٍ ⑫﴾ [البلد: ۴]

⑫ عقبہ بن ابی معیط - اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ خَذُولًا﴾ ﴿[الفرقان: ۲۹]

⑬ ابوطالب - اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ﴾ ﴿[الطارق: ۵]

⑭ عدی بن ربیعہ - اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتَّخَذَ عِزًّا﴾ ﴿[القيامة: ۳]

⑮ عتبہ بن ابی لہب - اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿قَتَلَ الْإِنْسَانُ مَا أَكْفَرَهُ﴾ ﴿[ممس: ۱۷]

⑯ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ - اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا﴾ ﴿[العنكبوت: ۸]

⑰ عبد الرحمن بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہما - اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا﴾ ﴿[الاحقاف: ۱۵]

⑱ عیاش بن ابی ربیعہ - اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَإِذَا أُنْعَمْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ أَغْرَضَ﴾ ﴿[الاسراء: ۸۳]

⑲ اُمیہ بن خلف - اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿أَوَلَمْ يَرِ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُطْفَةٍ﴾ ﴿[یس: ۷۷]

⑳ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم - اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدًا حَافِلًا﴾ ﴿[الانشقاق: ۶]

[بصارِ ذوی التمیز: ۲/۳۵۳۲]

## لفظ ”جدال“ کی تحقیق:

”جدال“ کے معنی ایسی گفتگو کرنا ہیں جس میں طرفین ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اصل میں یہ ”جَدَلْتُ الحَبْلَ“ سے مشتق ہے، جس کے معنی تیرہ رسی کو مضبوط بنانا۔ اسی سے مٹی ہوئی رسی کو ”الْجَدِيلُ“ کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے: ﴿وَجَدْنَاهُمْ بِآيَاتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ [النحل: ۱۲۵] (اور بہت ہی اچھے طریق سے ان سے مناظرہ کرو)۔

[مفردات القرآن للامام الراغب: تحت مادة ج دل]

## قرآن میں لفظ ”جدال“ کا 13 طرح استعمال:

قرآن مجید میں لفظ ”جدال“ کا 13 طرح استعمال ہوا ہے:

①..... حضرت نوح علیہ السلام کا قوم سے مجادلہ کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿قَالَ نوحُ قَدْ جَدَلْتُنَا فَاكْثَرْتَ جِدَالَنَا﴾ [ہود: ۳۲]

②..... کفار کے مجادلہ کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اتَّجَادِلُونَنِي فِيْ اَسْمَاءِ

سَمِيَّتُهُمْ هَآ اَنْتُمْ وَاَبَاؤُكُمْ﴾ [الاعراف: ۷۱]

③..... قوم لوط کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ملائکہ کے مجادلہ کے لیے۔ اللہ

تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَاءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ

قَوْمِ لُوطٍ﴾ [ہود: ۷۴]

④..... الہ العالمین کے اثبات کے متعلق سردارانِ قریش کا مجادلہ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد

فرماتے ہیں: ﴿وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ﴾ [الرعد: ۱۳]

⑤..... قرآن مجید کے بارے میں کفار کے مجادلہ کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے

ہیں: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ﴾ [غافر: ۵۶]

۶..... شک و شبہ کی وجہ سے حجت کے انکار کے بارے میں منکرین کے مجادلہ کے

لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَجَدَلُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ﴾ [غافر: ۵۷]

۷..... خائنین منافقین کے بارے میں نبی ﷺ کے مجادلہ کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد

فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنْفُسَهُمْ﴾ [النساء: ۱۰۷]

۸..... منافقین کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مجادلہ کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد

فرماتے ہیں: ﴿هَآأَنْتُمْ هَآؤِلَآءِ جَدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيَوةِ الدُّنْيَا فَمَنْ يُجَادِلُ اللَّهَ عَنْهُمْ

يَوْمَ الْقِيَمَةِ﴾ [النساء: ۱۰۹]

۹..... اہل کتاب کے ساتھ لطف و احسان کے ساتھ نبی ﷺ کے مجادلہ کے لیے۔ اللہ

تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ [النحل: ۱۲۵]

۱۰..... اہل کتاب کے ساتھ لطف و احسان کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مجادلہ کے

لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾

[العنکبوت: ۴۶]

۱۱..... حجاج کرام کے درمیان جھگڑے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَلَا

جِدَالٌ فِي الْحَجِّ﴾ [البقرة: ۱۹۷]

۱۲..... حضرت عیسیٰ، حضرت عزیر علیہ السلام اور بتوں کے بارے میں ابنُ الزبَعْرِی کے مجادلہ

کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَاصْرَبْ بُوْهُ لَكَ إِلَّا جِدَلًا﴾ [الزخرف: ۵۸]

۱۳..... فطرتِ انسانی میں موجود صفتِ جدال کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَشَيْءٍ جِدَلًا﴾ [الکہف: ۵۴]

[بصارِ ذوی التمیز: ۲/ ۳۷۳، ۳۷۴]



## کفار کے لیے دوزجر

﴿وَقَامَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ وَيَسْتَغْفِرُوا رَبَّهُمْ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمْ  
سُنَّةٌ أَلَا وَلَئِنْ آوَيْتَهُمُ الْعَذَابَ قُبُلًا ۝۵۵﴾

اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آچکی تو اب انہیں ایمان لانے اور اپنے رب سے معافی مانگنے سے اس (مطالبے) کے سوا کوئی اور چیز نہیں روک رہی کہ ان کے ساتھ بھی پچھلے لوگوں جیسے واقعات پیش آجائیں، یا عذاب ان کے بالکل سامنے آکھڑا ہو۔

پہلا از جر:

﴿وَقَامَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ﴾

اور لوگوں کو بعد اس کے کہ ان کو ہدایت پہنچ چکی، ایمان لانے سے کوئی امر مانع نہیں رہا یعنی ان کے ضد و عناد کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ قرآن جیسی عظیم الشان ہدایت پہنچ جانے کے بعد ایمان نہ لانے اور توبہ نہ کرنے کا کوئی معقول عذر ان کے پاس باقی نہیں۔ آخر قبول حق میں اب کیا دیر ہے اور کس چیز کا انتظار ہے۔

ہدایت کے متعلق صوفیاء کے ارشادات:

..... حضرت سہل بن عبد اللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”الْهِدَايَةُ، هِيَ الْمَعُونَةُ عَلَى مَا أُمِرَ“ (مامور پر غیبی معاونت کا نام ہدایت ہے)۔

..... امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”الْهِدَايَةُ، هِيَ إِمَالَةُ الْقَلْبِ مِنَ الْبَاطِلِ إِلَى الْحَقِّ“ (باطل کو چھوڑ کر حق کی طرف دل کے مائل ہو جانے کا نام ہدایت ہے)۔

..... شیخ عبدالقادر جزائری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”الْهَدَايَةُ، هِيَ السُّلُوكُ عَلَى يَدِ شَيْخٍ صَادِقٍ عَارِفٍ، لَهُ دِرَايَةٌ بِخَفَايَا النُّفُوسِ، وَقُدْرَةٌ عَلَى التَّأْثِيرِ عَلَيْهَا وَفِيهَا“ (کامل شیخ، جو نفس کی پوشیدہ چالاکیوں سے باخبر ہو اور اس کے علاج میں مکمل مہارت رکھتا ہو، کے ہاتھ پر بیعت کر کے سلوک طے کرنا)۔

[موسوعة الكسز ان: تحت مادة: هدى]

## ہدایت کی اقسام: ①

شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہدایت کی تین قسمیں ہیں:

① ..... عام مخلوقات کی ہدایت یہ ہے کہ نفع بخش چیزوں کا حصول اور مضر چیزوں سے پرہیز کا ان کو پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے: ﴿الَّذِي آعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَى﴾ [طہ: ۵۰] (جس نے ہر چیز کو وہ بناوٹ عطا کی جو اس کے مناسب تھی، پھر اس کی رہنمائی بھی فرمائی)۔

② ..... خواص یعنی مومنین کی ہدایت یہ ہے کہ ان کی جنت کی طرف راہنمائی ہو جائے۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے: ﴿يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِآيَاتِهِمْ﴾ [یونس: ۹] (ان کے ایمان کی وجہ سے ان کا پروردگار انہیں اس منزل تک پہنچائے گا)۔

③ ..... تیسری قسم اخص لوگوں کی ہدایت یہ ہے کہ انہیں معرفتِ الہی کی طرف راہنمائی ہو جائے۔ ارشادِ خداوندی ہے: ﴿قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَى﴾ [البقرة: ۱۲۰] (کہہ دو کہ حقیقی ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے)۔

[ایضاً]

## انواع ہدایت: ①

شیخ اسماعیل حقی بروسوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہدایت کی بہت ساری انواع ہیں۔

چنانچہ ان میں سے:

..... کافر کی ہدایت ایمان کی طرف۔

..... گناہگار مومن کی ہدایت فرمانبرداری اور اطاعت کی طرف۔

..... فرمانبردار مومن کی ہدایت زہد اور تقویٰ کی طرف۔

..... زاہد اور متقی کی ہدایت معرفت کی طرف۔

..... عارف کی ہدایت وصل کی طرف۔

..... واصل باللہ کی ہدایت حصول کی طرف۔

درجہ حصول پر پہنچنے کے بعد دل میں لگا ہوا بیج اُگنے لگتا ہے، اس سے ایسا درخت اُگتا ہے جو کبھی خشک نہیں ہوتا۔

[ایضاً]

### فوائد السلوک:

..... حضرت سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کے پاس ہدایت تو آچکی تھی، لیکن ہدایت کے دروازے ان پر بند ہو چکے تھے، جس نے انہیں راہ ہدایت پر آنے اور ایمان لانے سے روک دیا۔

### دوسرا زجر:

وَيَسْتَغْفِرُوا رَبَّهُمْ

اور گناہ بخشوائیں اپنے رب سے

”غفر“ کے معنی کسی کو ایسی چیز پہنا دینے کے ہیں جو اسے میل کچیل سے محفوظ رکھ سکے۔ اور ”استغفار“ کے معنی قول اور عمل سے مغفرت طلب کرنے کے ہیں۔ چنانچہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَسْتَغْفِرُكَ رَبُّكَ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفَّارُ الْوَهَّابُ﴾ (۱۵۷) اپنے پروردگار سے مغفرت مانگو، یقین جانو وہ بہت بخشنے والا ہے۔

پوری انسانیت مغفرت کی خواہاں: (۱)

حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر آج تک اور آج سے لے کر روز قیامت تک اگر آپ نظر دوڑائیں تو آپ کو ہر شخص، خواہ وہ وقت کا نبی ہو، اللہ کا ولی ہو، عام مسلمان ہو، فاسق فاجر ہو یا مخلص مومن، اپنے حق میں مغفرت کا متمنی نظر آئے گا۔ آئیے ذرا اس کی چند مثالوں پہ نظر ڈالتے ہیں:

..... حضرت آدم علیہ السلام کا مغفرت کی خاطر رونے اور گڑ گڑانے کا تذکرہ قرآن مجید میں

یوں ہے: ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا ۖ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ (۱۵۸) [الاعراف: ۲۳]

..... حضرت نوح علیہ السلام نے بارگاہ الہی میں عرض کی: ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيْ مُؤْمِنًا ۚ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ [نوح: ۲۸] اور اپنی قوم کو بھی اسی کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ﴿اَسْتَغْفِرُكَ رَبُّكَ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفَّارُ الْوَهَّابُ﴾ [نوح: ۱۰]

..... حضرت ہود علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے یہی فرمایا: ﴿وَيَقُوْمِ اسْتَغْفِرُكَ رَبُّكَ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ﴾ [ہود: ۵۲]

..... حضرت صالح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے فرمایا: ﴿لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ [الزمر: ۳۶]

..... حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنے والد سے فرمایا تھا: ﴿سَاَسْتَغْفِرُكَ رَبِّيْ﴾ [مریم: ۴۷] اور خود اپنے بارے میں فرمایا: ﴿وَالَّذِيْ اَطْعَمُ اَنْ يُغْفِرَ لِيْ خَطِيْئَتِيْ يَوْمَ



الدِّينِ ﴿٨٧﴾ [الشعراء: ۸۲]

..... حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ آپ ہمارے لیے مغفرت مانگیں: ﴿يَا أَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا﴾ [یوسف: ۹۷] اور انہوں نے ان الفاظ میں وعدہ فرمایا: ﴿سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي﴾ [یوسف: ۹۸]

..... حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو مغفرت کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا: ﴿لَا تَتْرِبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ط يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ﴾ [یوسف: ۹۲]

..... فرعون کے جادوگر بھی مغفرت کے طلبگار تھے: ﴿إِنَّا نَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطِيئَاتِنَا﴾ [الشعراء: ۵۱]

..... حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب قبلی کو قتل کر دیا تو اسی وقت اپنی حاجت پیش کی: ﴿رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي﴾ [القصص: ۱۶] پھر اپنی دعا میں اپنے بھائی حضرت ہارون کو بھی شریک کیا اور عرض کی: ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِإِخِي﴾ [الاعراف: ۱۵۱]

..... حضرت داؤد علیہ السلام کے واقعہ میں بھی اسی چیز کا تذکرہ ہے: ﴿فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ﴾ [ص: ۲۴] اور پھر ان کی یہ مراد پوری کی گئی، جس کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے: ﴿فَغَفَرْنَا لَ ذَلِكَ﴾ [ص: ۲۵]

..... حضرت سلیمان علیہ السلام نے بادشاہت کا سوال کرنے سے پہلے مغفرت کا سوال کیا: ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي﴾ [ص: ۳۵]

..... حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی قرب قیامت میں اللہ رب العزت سے عرض کریں گے:

﴿إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۖ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ [المائدة: ۱۱۸]

..... حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جن کے لیے یہ ساری کائنات بنائی گئی، ان کو بھی اپنے لیے اور

اپنی امت کے لیے اسی مغفرت کے مانگنے کا حکم دیا گیا: ﴿وَاسْتَغْفِرْ لِدُنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ  
وَالْمُؤْمِنَاتِ﴾ [محمد: ۱۹]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مغفرت، اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی عطا ہے۔ ارشادِ خداوندی  
ہے: ﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾ [الفتح: ۲]  
..... سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اللہ کی طرف سے جو عتاب آیا، وہ بھی ان کی مغفرت کے  
لیے تھا: ﴿أَلَا تَحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ﴾ [النور: ۲۲]

..... حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک ایسی قوم کی سفارش کی گئی جو سخت  
سزا کی مستحق بن چکی تھی، وہ بھی مغفرت کے لیے ہی تھی: ﴿قُلْ لِلَّذِينَ آمَنُوا يَغْفِرُوا  
لِلَّذِينَ لَا يَرْجُونَ أَيَّامَ اللَّهِ﴾ [الجماعہ: ۱۳]

..... حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی فرض نمازوں کے بعد اور ختمِ قرآن کے وقت سب سے  
بڑی دعا یہی ہوا کرتی تھی: ﴿وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾ [الذاریات: ۱۸]  
..... اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تعریف پر مشتمل جو کلمات  
نازل کیے گئے، ان میں ان کے طلبِ مغفرت کا ہی تذکرہ ہے: ﴿وَالْمُسْتَغْفِرِينَ  
بِالْأَسْحَارِ﴾ [آل عمران: ۱۷]

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو اس بات پر تنبیہ بھی فرمائی کہ مشرک شخص  
مغفرت کا اہل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ﴾  
[النساء: ۴۸]

..... نبی کریم ﷺ دعوتِ دین کا جو کام بھی کرتے تھے، اس میں طلبِ مغفرت کا پہلو  
نمایا ہوا کرتا تھا: ﴿تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ﴾ [النافقون: ۵] پھر اللہ نے  
آپ ﷺ کو بتا دیا کہ کافر لوگ مغفرت کی قدر نہیں جانتے: ﴿سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ

أَسْتَغْفِرُكَ لَمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ﴿١١﴾ النّٰلِقُونَ: ٦ اس کے بعد آپ ﷺ کو اللہ کے چنے ہوئے اور نیک لوگوں کے حق میں عفو و درگزر سے کام لینے اور استغفار کرنے کا حکم دیا گیا: ﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ﴾ ﴿آل عمران: ١٥٩﴾

عرش کو اٹھانے والے فرشتے بھی اللہ تعالیٰ سے مومنین کے حق میں مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں: ﴿الَّذِينَ يَخِمْلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا﴾ [غافر: ٤]

..... اہل ایمان کا رونا دھونا اور اللہ کی بارگاہ میں پہنچنا بھی طلب مغفرت پر ہی منبج ہوتا ہے: ﴿سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ﴾ ﴿البقرة: ٢٨٥﴾

..... اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جو سب سے بڑی بشارت دی ہے، اس میں خود کو لوگوں کی مغفرت کرنے کا اہل قرار دیا ہے: ﴿هُوَ أَهْلُ التَّقْوَى وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ﴾ ﴿الدثر: ٥٦﴾ دوسری جگہ فرمایا: ﴿نَبِّئْ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ ﴿الحجر: ٩٩﴾ [بصائر ذوی التتمیز: ٢/ ١٣٦-١٣٩]

قرآن میں لفظ ”استغفار“ کا 3 طرح استعمال: (۱)

قرآن میں لفظ ”استغفار“ کا 3 طرح سے استعمال ہوا ہے:

①..... کفر اور شرک سے رجوع کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَقُلْتُ

اسْتَغْفِرُكُمْ وَأَنْتُمْ كَانْتُمْ غَافِرًا﴾ ﴿لوح: ١٠﴾

②..... نماز کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَالْمُسْتَغْفِرِينَ

بِالْأَسْحَارِ﴾ ﴿آل عمران: ١٤﴾

③..... گناہوں سے معافی مانگنے کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ﴾ [النصر: ۳]

استغفار کی فضیلت: (۱)

..... حدیث پاک میں آتا ہے:

((مَنْ لَزِمَ الْإِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللَّهُ لَهُ مِنْ كُلِّ ضِيقٍ مَخْرَجًا، وَمِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا، وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ.)) [سنن ابی داؤد، رقم: ۱۵۱۸]

”جو شخص پابندی سے استغفار کرتا رہے تو اللہ رب العزت اس کے لیے ہر مشکل میں سے راستہ نکال دیں گے اور ہر پریشانی سے نجات عطا فرما دیں گے اور وہاں سے عطا فرمائیں گے جہاں سے اس کا گمان بھی نہ ہو۔“

..... ایک اور حدیث میں نبی علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے:

((وَاللَّهُ إِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللَّهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ أَكْثَرَ مِنْ سَبْعِينَ مَرَّةً.))

[صحیح بخاری، رقم: ۶۳۰۷]

”اللہ کی قسم! میں اللہ تعالیٰ سے دن میں 70 بار سے بھی زائد استغفار کرتا ہوں۔“

کفار کی غفلت کا پہلا نتیجہ: (۱)

إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمْ سُنَّةٌ الْأَوَّلِينَ

سو اسی انتظار نے کہ پہنچے ان پر رسم پہلوں کی

یعنی وہ ایمان اس لیے نہیں لاتے کہ یا تو وہ عذاب کے انتظار میں ہوتے ہیں یا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جیسا پہلے والوں کے ساتھ معاملہ ہوا ہے ویسا معاملہ ہمارے ساتھ بھی ہو۔ ”سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ“ سے مراد اللہ کے عذاب کا وہ طریقہ ہے جو گزشتہ کافروں کے لیے



استعمال کیا گیا کہ ان کی جزا کھڑ گئی۔

سنت الہی اور سنت نبوی: ((

”سنت نبوی“ ہے مراد آنحضرت ﷺ کا وہ طریقہ ہے جسے آپ ﷺ اختیار فرماتے تھے۔ اور ”سنت الہی“ سے اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اطاعت کا طریقہ مراد ہوتا ہے۔ جیسے ارشاد خداوندی ہے: ﴿فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۖ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا﴾ [فاطر: ۴۳] (تم اللہ کے طے شدہ دستور میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے اور نہ تم اللہ کے طے شدہ دستور کو کبھی ملتا ہوا پاؤ گے)۔

[مفردات القرآن للام الراغب: تحت لفظ سنۃ]

قرآن مجید میں لفظ ”اَوَّل“ کے 9 مصداق: ((

قرآن مجید میں لفظ ”اَوَّل“ کے 9 مصداق بیان کیے گئے ہیں:

①..... بیت اللہ شریف۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ

لَلَّذِي بِبَكَّةَ﴾ [آل عمران: ۹۶]

②..... موسیٰ علیہ السلام۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ [الاعراف: ۱۴۳]

③..... انکار کرنے والے یہودی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ

يَهْدِي﴾ [البقرة: ۱۴۳]

④..... نبی علیہ السلام۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَأُمِرْتُ لِأَنْ أَكُونَ أَوَّلَ

الْمُسْلِمِينَ﴾ [الزمر: ۱۲]

⑤..... فرعون کے جادوگر۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿إِنَّا نَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا

خَطِينًا أَنْ كُنَّا أَوَّلَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٥١﴾ [الشعراء: ٥١]

⑥..... آسمانی دسترخوان اترنے کے وقت قوم عیسیٰ علیہ السلام۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا قَائِدًا مِّنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عَيْنًا أَلَوًّا وَآخِرِنَا﴾ [المائدة: ١١٣]

⑦..... انبیاء سابقین علیہم السلام۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَلْيَأْتِنَا بَايِعًا كَمَا أُرْسِلَ

الْأَوَّلُونَ﴾ [الانبیاء: ٥]

⑧..... گزشتہ آباؤ اجداد۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿قُلْ إِنَّ الْأَوَّلِينَ

وَالْآخِرِينَ ﴿٣٩﴾ لَمَجْمُوعُونَ إِلَىٰ مِيقَاتٍ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ﴿٥٠﴾﴾ [الواقعة: ٣٩، ٥٠]

⑨..... اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ﴾ [الحمد: ٣]

[تفصیل کے لیے دیکھیے: بصائر ذوی التمیز: ۲/ ۸۶، ۸۷]

## غفلت کا دوسرا نتیجہ: ①

### أَوَيَاتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ۝

یا آکھڑا ہواں پر عذاب سامنے کا

پہلی قوموں کی طرح اللہ تعالیٰ ان کو بالکل ہی تباہ کر ڈالے یا اگر تباہ نہ کیے جائیں تو کم از کم مختلف صورتوں میں عذاب الہی آنکھوں کے سامنے آکھڑا ہو۔ ”عذاب“ اس جانور کو کہتے ہیں جو نہ کھاتا ہو اور نہ پیتا ہو۔ عذاب میں بھی انسان کے لیے بھوک ہے،

پیاس ہے۔ [مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: بصائر ذوی التمیز: ۴/ ۳۵]

﴿وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوا آلِيَّتِي وَمَا أَنْذَرُوا هُزُوًا ۝﴾



اور ہم پیغمبروں کو صرف اس لیے بھیجتے ہیں کہ وہ (مومنوں کو) خوشخبری دیں، اور (کافروں کو عذاب سے) متنبہ کریں۔ اور جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے وہ باطل کا سہارا لے کر جھڑا کرتے ہیں، تاکہ اس کے ذریعے حق کو ڈگمگادیں، اور انہوں نے میری آیتوں کو اور انہیں جو تنبیہ کی گئی تھی، اس کو مذاق بنا رکھا ہے۔

انبیاء ﷺ کا فرض منصبی :

وَقَانُورِسُلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ

اور ہم جو رسول بھیجتے ہیں سو خوشخبری اور ڈرسانے کو

یعنی پیغمبروں کو ہم نے اس بات پر قادر بنا کر نہیں بھیجا کہ کافر جو معجزات طلب کریں وہ پیش کر دیں یا یہ مطلب ہے کہ ہم نے پیغمبروں کو اس امر پر قادر بنا کر نہیں بھیجا کہ وہ ساری مخلوق کو ہدایت یافتہ بنادیں۔

”التَّبَشِيرُ“ کے معنی ہیں: اس قسم کی خبر سنانا جسے سن کر چہرہ شدت فرحت سے ٹٹما اٹھے۔ مگر ان کے معانی میں قدرے فرق پایا جاتا ہے، ”تبشیر“ میں کثرت کے معنی ملحوظ ہوتے ہیں۔

[مفردات القرآن للامام الراغب: تحت مادة: ب ش ر]

قرآن میں لفظ ”ارسال“ کا 6 طرح استعمال :

قرآن میں لفظ ”ارسال“ 6 مختلف معانی کے لیے استعمال ہوا ہے:

①..... مسلط کرنے کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿الَّذِينَ آمَنُوا أَتَيْنَاهُمُ الْوَحْيَ وَأَرْسَلْنَا

الشَّيَاطِينَ عَلَى الْكَافِرِينَ تَوَسُّوهُمْ أَرْسَالًا﴾ [مریم: ۸۳]



- ②..... بھیجنے اور تصدیق کرنے کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا﴾ [النساء: ۷۹]
- ③..... نکالنے کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿إِنَّا هُمْ سِلْوَا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَهُمْ﴾ [القر: ۲۷]
- ④..... کسی باختیار شخص کو بھیجنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَأَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ﴾ [الشعراء: ۵۳]
- ⑤..... عذاب سے آزاد کرنے کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿أَنْ أَرْسَلَ مَعَنَا بَنِي إِسْرَآءِيلَ﴾ [الشعراء: ۱۷]
- ⑥..... بارش برسانے کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿يُرْسِلُ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ قَدَرًا مَزِيدًا﴾ [هود: ۵۲]
- [بصار ذوی التمییز: ۲/ ۹۸ بتغیر]

### رسول کی تعریف:

علامہ جرجانی رحمۃ اللہ علیہ رسول کی تعریف کے متعلق فرماتے ہیں: ”الرَّسُولُ إِنْسَانٌ بَعَثَهُ اللَّهُ إِلَى الْخَلْقِ لِتَبْلِيغِ الْأَحْكَامِ“ (رسول، وہ انسان ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے احکام الہیہ کی تبلیغ کے لیے انسانوں کی طرف مبعوث فرمایا ہو)۔

”رسول“ کا لفظ کبھی فرشتے کے لیے استعمال ہوتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿قَالُوا يَلُوطُ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ﴾ [هود: ۸۱] (فرشتوں نے لوط سے کہا: اے لوط! ہم تمہارے پروردگار کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں)۔ اور کبھی نبی کے لیے استعمال ہوتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَرَدُّوا أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ﴾



[ابراہیم: ۹] (ان سب کے پاس ان کے رسول کھلے کھلے دلائل لے کر آئے تو انہوں نے ان کے منہ پر اپنے ہاتھ رکھ دیے)۔  
[بصائر ذوی التمییز: ۳/۷۹۶۷۹]

## قرآن میں لفظ ”رسول“ کا ۸ طرح استعمال: (۱)

قرآن میں لفظ ”رسول“ ۸ طرح سے استعمال ہوا ہے:

- ① جبریل، میکائیل اور مخلوق میں سے چنیدہ بندوں کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ﴾ [الحج: ۷۵]
- ② انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ﴾ [النساء: ۱۶۵]
- ③ حضرت صالح علیہ السلام کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ نَاقَةَ اللَّهِ وَسُقْيَاهَا﴾ [الشعراء: ۱۶۲]
- ④ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَإِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ﴾ [الشعراء: ۱۶۲]
- ⑤ ملکہ بلقیس کے ان قاصدوں کے لیے جن کو اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف بھیجا تھا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنظُرْهُ بِمُرْءِيٍّ﴾ [النمل: ۳۵]
- ⑥ غیر معین شخص کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَآئِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا﴾ [الشوریٰ: ۵۱]
- ⑦ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا مَعْشَرَ الْبَنِي إِسْرَءِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ﴾ [المائدة: ۱۱۰]

مَرْيَمَ يَدْنِيْ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ﴿٦﴾ [القف: ٦]

⑥..... حضور اکرم ﷺ کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ

يَاْتِيْ مِنْ بَعْدِي﴾ [القف: ٦]

[تفصیل کیلئے دیکھیے: بصائر ذوی التمیز: ۳/۷۲، ۷۳]

قرآن میں لفظ ”مبشر“ کا 3 طرح استعمال: (۱)

قرآن میں لفظ ”مبشر“ 3 طرح سے استعمال ہوا ہے:

①..... عام رسولوں کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ

وَمُنْذِرِينَ﴾ [النساء: ۱۶۵]

②..... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ

يَاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اِسْمٰءَ اَحْمَدُ﴾ [القف: ٦]

③..... نبی علیہ السلام کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ

شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا﴾ [الاحزاب: ۴۵]

[بصائر ذوی التمیز: ۲/۲۰۶، ۲۰۷]

مجادلہ کفار کا بیان: (۱)

وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور جھگڑا کرتے ہیں کافر

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کافر لوگ خواہ مخواہ جھگڑنے پہ اتر آتے ہیں۔ اصل میں بات

یہ ہے کہ جس کے پاس دلیل نہ ہو تو جھگڑا کرتا ہے۔ اور جس کے پاس دلیل ہو تو وہ بڑے

حوصلے سے بات کرتا ہے، کیونکہ اس کو یقین ہے کہ میں حق پر ہوں۔

## نوعیتِ مجادلہ کا بیان: (۱)

### بِالْبَاطِلِ

جھوٹا جھگڑا

”الباطل“ یہ حق کا بالمقابل ہے اور تحقیق کے بعد جس چیز میں ثبات اور پائیداری نظر نہ آئے، اسے ”باطل“ کہا جاتا ہے۔ [بصارِ ذوی التمییز: ۲/۲۵۲]

قرآن میں لفظ ”باطل“ کا ۵ طرح استعمال: (۱)

قرآن میں لفظ ”باطل“ ۵ مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے:

①..... جھوٹ کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ﴾ [فصلت: ۴۲]

②..... ضائع کرنے کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَبْطِلُوا صَدَقَتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى﴾ [البقرة: ۲۶۳]

③..... کفر اور شرک کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾ [الاسراء: ۸۱]

④..... بتوں کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوا بِاللَّهِ ۖ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ﴾ [العنکبوت: ۲۵]

⑤..... ظلم اور زیادتی کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ [البقرة: ۱۸۸]

[بصارِ ذوی التمییز: ۲/۲۵۲، ۲۵۳]

غرض مجادلہ کا بیان: (۱)

### لِيُذْهِبُوا بِالْحَقِّ

کہ ٹلا دیں اس سے سچی بات کو

کافر لوگ ناحق باتیں بنیاد بنا کر جھگڑتے ہیں، تاکہ باطل کے ذریعہ سے حق بات کو نقصان پہنچائیں، اس کی جگہ سے ہٹا دیں۔ مثلاً کافر کہتے ہیں: ﴿أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا﴾ [الاسراء: ۹۴] (کیا اللہ نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟) کبھی کہتے: ﴿فَآ أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ [یس: ۱۵] (تم تو ہم جیسے انسان ہی ہو اس کے سوا کچھ نہیں)۔ کبھی کہتے: ﴿وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَا نَزَّلَ فَلَيْكُمْ﴾ [المؤمنون: ۲۴] (اگر اللہ چاہتا تو ہدایت کے لیے فرشتوں کو اتار دیتا)۔ اور بعض کہنے لگے: ﴿لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ مِّنَ الْفَرِيقَتَيْنِ عَظِيمٍ﴾ [الزخرف: ۳۱] (یہ قرآن ان دونوں بستیوں [مکہ و طائف] کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اتارا گیا؟) اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کافروں نے کہا تھا کہ تم جو ذبح کرتے ہو وہ ذبیحہ تو حلال ہو اور جس کو اللہ تمہارے ذبح کیے بغیر مار ڈالتا ہے، وہ حرام ہو۔

کفار کا وحی کو مذاق بنانے کا بیان: (۱)

### وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَقَآئِدًا زَاهِرًا ۝۵۱

اور ٹھہرا لیا انہوں نے میرے کلام کو اور جو ڈر سنائے گئے ٹھٹھا یعنی لوگ شریعت کو مذاق بنا لیتے ہیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ یہ لوگ جھگڑتے رہے اور اپنے غلط موقف پر ڈٹے رہے۔ اور انہوں نے میری آیتوں کو اور جس عذاب



سے ان کو ڈرایا گیا تھا، اس کو دل لگی بنا رکھا ہے۔ آیات سے مراد ہیں وہ آیات جو قرآن میں نازل کی گئی ہیں۔

”هَزُؤًا“ دل لگی کی چیز۔ مثلاً کہتے ہیں: ﴿لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَذَا﴾ [الانفال: ۳۱]  
 (اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا کہہ لیں)۔ کبھی کہتے ہیں: ﴿إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ﴾ [النحل: ۱۰۳]  
 (ان کو تو ایک انسان سکھاتا پڑھاتا ہے)۔ بعض اوقات یوں اعتراض کیا: ﴿إِنْ هَذَا إِلَّا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ﴾ [الانفال: ۳۱] (اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ اگلوں کی داستانیں ہیں)۔ عذاب کے متعلق کہتے ہیں: ﴿لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللَّهُ بِمَا نَقُولُ﴾ [المجادلہ: ۸] (ہمارے قول پر اللہ ہم پر عذاب کیوں نہیں بھیج دیتا؟) ”زقوم“ کے متعلق کہتے تھے کہ یہ تو عمدہ چھوارے اور مکھن کو کہتے ہیں۔ [دیکھیے: تفسیر مظہری: تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ فَأَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ إِنَّا جَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا وَإِنْ تَدْعُهُمْ إِلَى الْهُدَى فَلَنْ يَهْتَدُوا إِذًا أَبَدًا﴾

اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جسے اس کے رب کی آیتوں کے حوالے سے نصیحت کی جائے تو وہ ان سے منہ موڑ لے، اور اپنے ہاتھوں کے کرتوت کو بھلا بیٹھے؟ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے (ان لوگوں کے کرتوت کی وجہ سے) ان کے دلوں پر غلاف چڑھا دیئے ہیں جن کی وجہ سے وہ اس (قرآن) کو نہیں سمجھتے، اور ان کے کانوں میں ڈاٹ لگا دی ہے۔ اور اگر تم انہیں ہدایت کی طرف بلاؤ، تب بھی وہ صحیح راستے پر ہرگز نہیں آئیں گے۔

سب سے بڑے ظالم کا بیان: ﴿

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِهِ

اور اس سے زیادہ ظالم کون جس کو سمجھایا اس کے رب کے کلام سے یہاں اللہ تعالیٰ اس شخص کو بہت بڑا ظالم کہہ رہے ہیں جس کو آیات الہی سے نصیحت کی جاتی ہے، کیونکہ آیات الہیہ سب سے بڑی نصیحت ہے، تو ان کے ذریعے جس کو نصیحت کی جائے اور وہ نہ مانے تو ظاہری بات ہے کہ وہ سب سے بڑا ظالم ہوگا۔

آیات الہی سے اعراض کا بیان: ﴿

فَاعْرَضَ عَنْهَا

پھر منہ پھیر لیا اس کی طرف سے

یعنی اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جس کو قرآن کی آیات سے نصیحت کی گئی اور آیات کے الفاظ و معانی کا معجزہ ہونا اس پر واضح ہو گیا، لیکن اس نے آیات پر غور نہیں کیا اور نصیحت پذیر نہ ہوا اور جو گناہ پہلے کر چکا ہے اس کے انجام کو نہیں سوچا؟

کفار کی غفلت کا بیان: ﴿

وَنَسِي فَأَقْدَمَتْ يَدَاهُ

اور بھول گیا جو کچھ آگے بھیج چکے ہیں اس کے ہاتھ

کفار بڑی غافل قوم ہے، کفر یہ شرکیہ اعمال کر کے انہیں بھولنے کا مرض ہے۔ چنانچہ ایک مومن کامل تو اپنی نیکیوں پہ روتا ہے، ڈرتا ہے، پتہ نہیں یہ قبول بھی ہوں گی یا نہیں، جبکہ کافر اس سے بالکل بے فکر ہوتا ہے کہ میرا آخرت میں کیا بنے گا۔

## فوائد السلوک:

..... صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ لوگوں میں سب سے بڑا ظالم اسے کہا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو کھلی آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود ان سے عبرت حاصل نہ کرے، نیکی اور بھلائی کے راستے کو دیکھنے کے باوجود اس سے اعراض کرے، بُرائی کے مواقع دیکھنے کے بعد ان سے بچنے کی بجائے انہی کے پیچھے پڑا رہے۔

## اعراض و نسیان کے سبب کا بیان:

إِنَّا جَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً

ہم نے ڈال دیے ہیں ان کے دلوں پر پردے  
یعنی کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جیسے ان کے کانوں کے اندر کچھ ڈال دیا گیا ہو، ان کو  
خیر کی بات سنائی ہی نہیں دیتی۔ ان کے دلوں پر پردہ آ جاتا ہے اور اس پردے کی وجہ  
سے حق بات سننے سے قاصر ہوتے ہیں۔

یہ منہ موڑنے اور بھولنے کی علت و سبب کا بیان ہے کہ ان کے دلوں پر کفر کی  
تاریکیوں کے پردے ڈال دیئے گئے ہیں، ان کی تخلیق ہی کفر پر ہوئی ہے۔

## ”قلب“، صوفیاء کرام کی اصطلاح میں:

..... حکیم ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”الْقَلْبُ هُوَ مَالِكٌ لِلْجَوَارِحِ وَأَمِيرٌ عَلَيْهَا، فَإِذَا  
مَلَكَتْهُ الْمَعْرِفَةُ وَالْعَقْلُ اسْتَقَامَ، وَإِذَا مَلَكَتْهُ الْهَوَىٰ وَالنَّفْسُ مَالَ عَنِ اللَّهِ“  
(قلب، سارے اعضاء کا بادشاہ اور نگران ہے، چنانچہ معرفت و عقل جب اس پہ حاوی  
ہو جاتی ہے تو یہ سیدھا رہتا ہے اور جب نفس و ہویٰ اس پر غالب ہوتے ہیں تو یہ اللہ سے  
اعراض کرتا ہے)۔

..... امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”الْقَلْبُ حَقِيقَةُ رُوحِ الْإِنْسَانِ الَّتِي هِيَ مَحَلُّ مَعْرِفَةِ اللَّهِ، دُونَ اللَّحْمِ وَالْدَّمِ الَّذِي يُشَارِكُ فِيهِ الْمَيِّتُ وَالْبَهِيمَةُ“ (قلب، روح انسانی کی روح ہے اور یہ معرفتِ الہی کا محل ہے۔ صرف گوشت اور خون کا نام نہیں ہے، کیونکہ اس یہ تو میت اور جانوروں سب کے پاس ہوتا ہے)۔

..... بعض صوفیاء فرماتے ہیں: ”الْقَلْبُ جَوْهَرَةٌ مُظْلِمَةٌ مَغْمُورَةٌ بِتُرَابِ الْغَفْلَةِ، جَلَاؤُهَا الْفِكْرُ، وَ نُورُهَا الذِّكْرُ، وَ صُنْدُوقُهَا الصَّبْرُ“ (قلب ایک تاریک چیز ہے، جو غبارِ غفلت سے لٹھڑا ہوتا ہے، اس کی پالش فکر ہے، اس کا نور ذکر ہے اور اس کا صندوق صبر ہے)۔

### قلوب کی اقسام:

شیخ منصور بن عمار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قلوب کی کئی اقسام ہیں۔ چنانچہ:

- ..... ”قُلُوبُ الْعَارِفِينَ أَوْعِيَةُ الذِّكْرِ“ (عارفین کے دل ذکر کے برتن ہوتے ہیں)۔
- ..... ”قُلُوبُ أَهْلِ الدُّنْيَا أَوْعِيَةُ الطَّمَعِ“ (دنیا داروں کے دل طمع کے برتن ہوتے ہیں)۔
- ..... ”قُلُوبُ الزَّاهِدِينَ أَوْعِيَةُ التَّوَكُّلِ“ (زاہدین کے دل توکل کے برتن ہوتے ہیں)۔
- ..... ”قُلُوبُ الْفُقَرَاءِ أَوْعِيَةُ الْقَنَاعَةِ“ (فقراء کے دل قناعت کے برتن ہوتے ہیں)۔
- ..... ”قُلُوبُ الْمُتَوَكِّلِينَ أَوْعِيَةُ الرِّضَا“ (متوکلین کے دل رضا کے برتن ہوتے ہیں)۔

### قلوب کی مشابہت:

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قلوب تین قسم کے ہوتے ہیں:

- ..... ”قَلْبٌ مِثْلُ الْجَبَلِ لَا يُزِيلُهُ شَيْءٌ“ (ایک دل پہاڑ کی مانند ہوتا ہے، اسے کوئی چیز ٹلا نہیں سکتی)۔



”قَلْبٌ مِّثْلُ النَّخْلَةِ، أَضْلَاهَا ثَابِتٌ وَالرِّيحُ تُمِيلُهَا“ (ایک دل کھجور کے درخت کی مانند ہوتا ہے، جس کی جڑ مضبوط ہوتی ہے، لیکن طوفان اسے اکھیڑ دیتا ہے)۔  
 ”قَلْبٌ كَالرِّيشَةِ، يَمِيلُ مَعَ الرِّيحِ يَمِينًا وَ شِمَالًا“ (ایک دل پر کی مانند ہوتا ہے، جو ہوا کے ساتھ دائیں بائیں چلا جاتا ہے)۔

### دل برتن کی مانند ہے :

شیخ عبدالعزیز دیرینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دل برتنوں کے مشابہ ہوتے ہیں:  
 ”قَلْبُ الْكَافِرِ إِنَاءٌ مَّنْكَوَسٌ لَا يَدْخُلُهُ شَيْءٌ مِنَ الْخَيْرِ“ (کافر کا دل اُلٹے برتن کی مانند ہوتا ہے، اس میں ذرا سی خیر بھی داخل نہیں ہوتی)۔  
 ”قَلْبُ الْمُنَافِقِ إِنَاءٌ مَّكَسُورٌ مَا أَلْقَى فِيهِ مِنْ أَعْلَاهُ نَزَلَ مِنْ أَسْفَلِهِ“ (منافق کا دل ٹوٹے ہوئے برتن کی مانند ہوتا ہے، اس میں اوپر سے جو کچھ ڈالا جائے گا، وہ نیچے سے نکل جائے گا)۔

..... ”قَلْبُ الْمُؤْمِنِ إِنَاءٌ صَحِيحٌ مُّعْتَدِلٌ يُلْقَى فِيهِ الْخَيْرُ“ (مومن کا دل معتدل صحیح برتن کی مانند ہوتا ہے، جس میں خیر بھری ہوتی ہے)۔

### دل کی چار صفات :

حضرت سری سقطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چند چیزیں ایسی ہیں جب تک وہ دل میں ہوں تو ان کے علاوہ کوئی اور چیز دل میں نہیں رہ سکتی:

- ① ”الْخَوْفُ مِنَ اللَّهِ وَخَدَهُ“ (ان میں سے ایک ہے صرف اللہ کا خوف)۔
- ② ”وَالرَّجَاءُ لِلَّهِ وَخَدَهُ“ (دوسری صرف اللہ سے امید رکھنا)۔
- ③ ”وَالْحُبُّ لِلَّهِ وَخَدَهُ“ (تیسری صرف اللہ کی محبت)۔

(۶) ”وَالْأَنْسُ بِاللّٰهِ وَخَدَهُ“ (اور چوٹی ہے خط اللہ کی: اے کے ساتھ انس)۔  
 دل کو زندہ کرنے کا طریقہ: (۱)

شیخ احمد بن حنبلہ فرماتے ہیں کہ دل کو زندہ کرنے کے تین طریقے ہیں: ”الزُّهْدُ  
 فِي الدُّنْيَا وَالِاسْتِغْفَالُ بِذِكْرِ اللّٰهِ وَصُحْبَةُ اَوْلِيَاءِ اللّٰهِ“ (دنیا سے زہد اختیار کرنا، اللہ  
 کے ذکر میں مشغول رہنا اور اولیاء اللہ کی صحبت اختیار کرنا)۔  
 دل کی آنکھیں: (۱)

حضرت خالد بن معدان رحمہ فرماتے ہیں: ”مَا مِنْ عَبْدٍ اِلَّا وَ لَهُ عَيْنَانِ فِي  
 دُخَاهُ يُبْصِرُ بِهِمَا فِي اَمْرِ الدُّنْيَا، وَ عَيْنَانِ فِي قَلْبِهِ يُبْصِرُ بِهِمَا فِي اَمْرِ الْاٰخِرَةِ“  
 (جس طرح ہر بندے کی دو ظاہری آنکھیں ہوتی ہیں جن سے وہ اپنے دنیاوی امور کو  
 دیکھتا ہے، ایسے ہی دل کی بھی دو آنکھیں ہوتی ہیں جن سے وہ اپنی آخرت کے امور کو  
 دیکھتا ہے)۔

یہ اردل کا علاج: (۱)

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ فرماتے ہیں: ”دَوَاءُ الْقَلْبِ قِلَّةُ الْمَلَقَاتِ“  
 (بیمار دل کا علاج یہ ہے کہ لوگوں سے میل جول کم رکھا جائے)۔  
 بقول شاعر:

لِقَاءُ	النَّاسِ	لَيْسَ	يُفِيدُ	شَيْئًا
سِوَى	الْهِدْيَانِ	مِنْ	قَيْلٍ	وَقَالَ
فَاقْلِلْ	مِنْ	لِقَاءِ	النَّاسِ	إِلَّا
لَاخِذْ	الْعِلْمَ	أَوْ	إِصْلَاحَ	حَالِ

”لوگوں سے ملاقات کرتے رہنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، البتہ نقصان ضرور ہے کہ بندہ فضول گوئی اور قیل و قال میں پڑ جاتا ہے۔ اس لیے لوگوں سے ملاقات کو کم کر دو۔ ہاں! اگر علم حاصل کرنا ہو یا اپنی اصلاح مقصود ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔“

دل کی دوا..... پانچ چیزیں: (۱)

شیخ ابراہیم خواص رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دل کی دوا پانچ چیزیں ہیں:

①..... تدبر اور غور و فکر کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرنا۔

②..... پیٹ کا خالی رکھنا۔

③..... رات کو قیام کرنا یعنی نوافل پڑھنا۔

④..... تہجد کے وقت رونا دھونا۔

⑤..... صالحین کی صحبت میں بیٹھنا۔

دل کے بگاڑ کے چھ اسباب: (۱)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دل کے بگاڑ کے چھ اسباب ہیں:

①..... ”يَذْنِبُونَ وَلَا يَرْجُونَ التَّوْبَةَ“ (لوگ گناہ کرتے ہیں، مگر توبہ نہیں کرتے)۔

②..... ”يَتَعَلَّمُونَ وَلَا يَعْمَلُونَ“ (علم حاصل کرتے ہیں، مگر اس پر عمل نہیں کرتے)۔

③..... ”وَإِذَا عَمِلُوا لَا يُخْلِصُونَ“ (اگر عمل کرتے ہیں تو اس میں اخلاص نہیں ہوتا)۔

④..... ”وَيَأْكُلُونَ وَلَا يَشْكُرُونَ“ (اللہ کا دیا ہوا کھا کر اس کا شکر ادا نہیں کرتے)۔

⑤..... ”وَلَا يَرْضَوْنَ بِمَا قَسَمَ اللَّهُ تَعَالَى لَهُمْ“ (اپنے بارے میں اللہ کی تقسیم پر راضی

نہیں رہتے)۔

⑥..... ”وَيَدْفَنُونَ مَوْتَاهُمْ وَلَا يَعْتَبِرُونَ“ (مردوں کو اپنے ہاتھوں سے دفن کرتے

ہیں، مگر ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے)۔

دل کی سختی کے اسباب: (۱)

شیخ محمد بن فضل بلخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”قَسْوَةُ الْقَلْبِ تَتَوَلَّدُ مِنْ أَكْلِ الْحَرَامِ وَالْحَوَاضِ فِي الْبَاطِلِ وَ مُجَالَسَةِ الْبَطَّالِينَ“ (دل کی سختی... حرام کھانے، لغو اور بے بنیاد باتوں کی ٹوہ میں لگے رہنے اور بے کار لوگوں کی صحبت میں بیٹھنے سے ہوتی ہے)۔

قلب کے پاک ہونے کی علامت: (۱)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ”لَوْ طُهِرَتْ قُلُوبُنَا لَمَّا شَبِعَتْ مِنْ كَلَامِ اللَّهِ“ (اگر ہمارے دل پاک ہوتے تو یہ کبھی بھی قرآن مجید کی تلاوت سے سیر نہ ہوتے)۔

دلوں کے جاسوس: (۱)

حضرت سہل بن عبد اللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”إِحْذَرُ أَيُّهَا الْمُرِيدُ! أَنْ تُجَالِسَ أَحَدًا مِنَ الْفُقَرَاءِ بِغَيْرِ أَدَبٍ، فَإِنَّ الْفُقَرَاءَ جَوَاسِيسُ الْقُلُوبِ، وَ رُبَّمَا دَخَلُوا فِي قَلْبِكَ وَخَرَجُوا فَعَرَفُوا مَا فِيهِ وَأَنْتَ لَا تَعْلَمُ“ (اے مرید! فقراء [مشائخ] کی محفل میں بے ادب ہو کے مت بیٹھو، کیونکہ وہ دلوں کے جاسوس ہوتے ہیں، بسا اوقات تمہارے دل میں داخل ہو کر نکل جاتے ہیں، انہیں تمہارے دل کی اندرونی حالت کا پتہ چل جاتا ہے، لیکن تمہیں ان کے داخل ہونے کا پتہ بھی نہیں چلتا)۔

عارفین کے قلوب، باغات کی مانند: (۱)

حضرت ابوالحسین نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى جَعَلَ عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ بَسَاتِينَ، مَنْ شَمَّ رَائِحَتَهَا لَمْ يَشْتَقْ إِلَى الْجَنَّةِ، وَهِيَ قُلُوبُ الْعَارِفِينَ“ (اللہ



تعالیٰ نے روئے زمین پہ ایسے باغ پیدا فرمائے ہیں کہ جو شخص اُن کی خوشبو سونگھ لیتا ہے وہ جنت کا مشتاق نہیں رہتا۔ وہ باغ، عارفین کے قلوب ہیں۔

### دلوں کا دھنس جانا: (۱)

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بازار کی طرف جا رہا تھا، میرے ساتھ ایک حبشی لونڈی بھی تھی، میں نے اس کو ایک جگہ بٹھا دیا اور اسے کہا کہ جب تک میں واپس نہ آ جاؤں، تم نے یہاں بیٹھنا ہے۔ یہ کہہ کر میں بازار چلا گیا۔ جب میں اپنے کام سے فارغ ہو کر وہاں پہنچا تو اسے وہاں نہ پایا۔ اتنے میں وہ بھی کہیں سے میرے پاس پہنچ گئی اور کہنے لگی: میرے آقا! مجھے سزا دینے میں جلدی نہ کیجیے، اس لیے کہ آپ نے مجھے ایسے لوگوں کے درمیان بٹھا دیا تھا، جو اللہ کا ذکر نہیں کر رہے تھے۔ مجھے خوف لاحق ہوا کہ اگر یہ لوگ زمین میں دھنسا دیے گئے تو ان کے ساتھ ہونے کی وجہ سے میرا بھی وہی حشر ہو جائے گا، اسی وجہ سے میں اس جگہ سے علیحدہ ہو گئی تھی۔ میں نے اس سے کہا: اس اُمت کے نبی حضرت محمد ﷺ کے اعزاز میں دھنسنے کا عذاب اٹھالیا گیا ہے، وہ کہنے لگی: اگرچہ زمین کا دھنسا اٹھالیا گیا ہے، مگر دلوں کا دھنس جانا تو اب بھی باقی ہے۔

### دل کو بیدار رکھو: (۱)

حضرت رابعہ عدویہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں: ”اجْتَهِدُوا لِتَجْعَلُوا الْقَلْبَ يَقْظًا، لِأَنَّ الْقَلْبَ إِذَا اسْتَيْقَظَ لَمْ تَبْقَ لَهُ حَاجَةٌ إِلَى الرَّفِيقِ“ (اپنے دل کو بیدار رکھنے کی کوشش کیا کرو، اس لیے کہ جب ایک مرتبہ دل بیدار ہو جاتا ہے تو پھر اُسے دوست کی حاجت نہیں رہتی)۔

### اپنے دل کو مسجد بنالو: (۱)

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”اجْعَلْ قَلْبَكَ مَسْجِدًا، لَا تَدْعُ مَعَ

اللّٰهُ أَحَدًا“ (اپنے دل کو مسجد بنا لو اور اللہ کے علاوہ کسی کو نہ پکارو)، جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَأَنَّ الْمَسْجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللّٰهِ أَحَدًا﴾ [البن: ۱۸] (اور یہ کہ سجدے تو تمام تر اللہ ہی کا حق ہیں۔ اس لیے اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت مت کرو)۔  
 کفار کا دین سمجھی سے محرومی کا بیان: (۱)

أَنْ يَفْقَهُوْهُ فِيْ اِذَا نِيْهِمْ وَقَرَأَ

کہ اس کو نہ سمجھیں۔ اور ان کے کانوں میں ہے بوجھ  
 اللہ رب العزت کی آیات کو سمجھنے سے کفر کے پردے ڈال دیئے گئے ہیں۔ تاریکی  
 کے پردے ڈالنے کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ سمجھ نہیں پاتے۔  
 ”وَقَرَأَ“ کہتے ہیں: کان میں بھاری پن کا ہونا۔ نیز ”وَقَر“ کا لفظ گدھے یا خچر کے  
 ایک بوجھ پر بھی بولا جاتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ ان کے کانوں میں پورے طور پر سننے کی  
 صلاحیت ہی ہم نے عطا نہیں کی۔ اور جب دلوں پر پردے ڈال دیئے اور کانوں میں  
 گرانی پیدا کر دی تو ایسے وقت میں وہ ہرگز ہدایت یاب نہیں ہو سکتے۔ ہدایت یابی کی  
 استعداد و صلاحیت ہی معدوم ہے۔ اس آیت میں وہ کافر مراد ہیں، جن کا کبھی بھی ایمان  
 نہ لانا اللہ کے علم میں تھا۔

[دیکھیے مظہری: تحت هذه الآية من سورة الكهف]

”فقہ“ کا لغوی معنی: (۱)

”الْفِقْهُ“ کہتے ہیں: علم حاضر سے علم غائب تک پہنچنا۔

”فقہ“ کا اصطلاحی معنی: (۱)

① ..... ”الْفِقْهُ عِلْمُ أَصُولِ الشَّرِيعَةِ وَ فُرُوعِهَا“ (شریعت کے اصولی اور فروعی

مسائل کو جاننے کا نام ”فقہ“ ہے۔

⑤ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک: ”الْفَقْهُ مَعْرِفَةُ النَّفْسِ مَا لَهَا وَ مَا عَلَيْهَا“ (نفس انسانی اپنے لیے مفید اور مضر چیزیں پہچان لے کہ یہ چیز میرے لیے دنیا و آخرت میں فائدہ مند اور یہ نقصان دہ ہے)، اسے ”فقہ“ کہتے ہیں۔

اصل فقیہ کون؟

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”الْفَقِيْهُ عَلَى الْحَقِيْقَةِ هُوَ الَّذِي يَحْفَظُ الْحُدُوْدَ لَا الَّذِي يَذْكُرُ عِلْمَ الْحُدُوْدِ“ (درحقیقت فقیہ وہی شخص ہوتا ہے جو شریعت کی حدود کی پاسداری کرتا ہے، یعنی منع کردہ امور سے باز رہتا ہے، نہ کہ وہ جو فقط حدود شریعت کا علم رکھنے والا ہو)۔

فقیہ کے چار حروف:

شیخ عبدالغنی نابلسی فرماتے ہیں کہ فقیہ کے چار حروف ہیں فاء، قاف، یاء اور ہاء۔

① ..... ”فَالْفَاءُ: فَهَلْهُ بِأَنَّ أَفْقَهُ فِي الدِّينِ وَالْجَاهُ إِلَيْهِ“ (فاء سے مراد فہم ہے جو اسے دین میں حاصل ہوتا ہے)۔

② ..... ”وَالْقَافُ: قَنَاعَتُهُ بِمَا يَسَّرَ اللَّهُ لَهُ بِهِ“ (قاف سے مراد قناعت ہے، یعنی اللہ نے جو کچھ اسے دیا ہو، وہ اسی پر قناعت کرتا ہے)۔

③ ..... ”وَالْيَاءُ: يَقِيْنُهُ بِأَنَّ مَرْجِعَهُ إِلَيْهِ“ (یاء سے مراد اس کا یقین ہے کہ اس نے اللہ کی طرف لوٹ کے جاتا ہے)۔

④ ..... ”وَالْهَاءُ: هُرُوْبُهُ مِنْ نَفْسِهِ رَاجِعًا إِلَيْهِ“ (ہاء سے مراد ہروب ہے، یعنی وہ نفس سے بھاگ کر اللہ کی طرف دوڑتا ہے)۔

فقیہ، شیطان پر بھاری :))

حدیث پاک میں آتا ہے: ”فَقِيَهُ وَاحِدٌ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ“  
[محب البیان، رقم: ۱۵۱۱] (ایک فقیہ، شیطان پر ہزار عبادت گزاروں کے مقابلے میں  
بھاری ہوتا ہے)۔

فقیہ فی الدین؛ بہت بڑی دولت :))

بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ  
ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے تو میں نے  
آپ ﷺ کے لیے وضو کے پانی کا انتظام کر دیا، جب آپ ﷺ نے دیکھا تو پوچھا:  
”مَنْ وَضَعَ هَذَا؟“ (یہ کس نے رکھا ہے؟) کسی نے بتا دیا تو آپ ﷺ نے اس  
وقت مجھے یہ دعا دی: ”اللَّهُمَّ فَقِيَهُ فِي الدِّينِ“ [صحیح بخاری، رقم: ۱۴۳] (اے اللہ! اس کو  
دین کی سمجھ عطا فرما)۔

فقیہ و تصوف؛ یک جان دو قلب :))

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”مَنْ تَصَوَّفَ وَلَمْ يَتَفَقَّهْ فَقَدْ تَزَنَّدَقَ، وَمَنْ تَفَقَّهَ  
وَلَمْ يَتَصَوَّفْ فَقَدْ تَفَسَّقَ، وَمَنْ جَمَعَ بَيْنَهُمَا فَقَدْ تَحَقَّقَ“ (جس نے تصوف سیکھا اور  
فقیہ نہیں سیکھی تو وہ زندیق ہو جائے گا، اور جس نے فقیہ سیکھی، مگر تصوف نہیں سیکھا تو وہ فسق  
میں پڑ جائے گا، اور جس نے ان دونوں کو جمع کر لیا، اس نے حقیقت کو پالیا)۔

فوائد السلوک :))

جس کے کان میں بوجھ ہوتا ہے اسے اچھی بات بھی بُری محسوس ہوتی ہے۔ اصل  
میں یہ دل پر پردہ آجانے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی بندہ خیر خواہی کے



جذبے کے تحت اسے بھلائی کی کوئی بات کہتا ہے تو وہ اسے اپنا دشمن سمجھنے لگ جاتا ہے۔  
بقول شاعر:

میں اسے سمجھوں ہوں دشمن ، جو مجھے سمجھائے ہے  
ازلی بد بختوں کی بد بختی کا بیان : (۱)

وَإِنْ تَذَعُفْهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ فَلَنْ يَهْتَدُوا إِذًا أَبَدًا ﴿١٥﴾

اور اگر تو ان کو بلائے راہ پر تو ہرگز نہ آئیں راہ پر اس وقت کبھی  
اگر آپ انہیں ہدایت کی طرف دعوت دیں تو وہ کبھی ہدایت قبول نہیں کریں گے۔ یہ  
آیات الہی سے اعراض کا نتیجہ ہے کہ وہ ہدایت سے یکسر محروم ہو چکے ہیں۔

وَرَبُّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ ۖ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوا الْعَجَلُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۖ بَلْ  
لَهُمْ مَوْعِدٌ لَّنْ يَجِدُوا مِنْ دُونِهِ مَوْيِلًا ﴿١٦﴾

اور تمہارا پروردگار بہت بخشنے والا، بڑا رحمت والا ہے۔ جو کمالی انہوں نے کی ہے، اگر  
وہ اس کی وجہ سے انہیں پکڑنے پر آتا تو ان کو جلد ہی عذاب دے دیتا، لیکن ان کے  
لیے ایک وقت مقرر ہے، جس سے بچنے کے لیے انہیں کوئی پناہ گاہ نہیں ملے گی۔

تاخیر عذاب کے سبب کا بیان : (۱)

وَرَبُّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ

اور تیرا رب بڑا بخشنے والا ہے رحمت والا

تیرا پروردگار بخشش کرنے والا اور رحمت والا ہے، یہ اس کی رحمت ہے کہ مجرموں کو

پڑنے میں جلدی نہیں کرتا، بلکہ موقع دیتا رہتا ہے۔  
رحمت الہی کے ۱۰۰ حصے: (۱)

حدیث پاک میں آتا ہے: "إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مِائَةَ رَحْمَةٍ كُلُّ رَحْمَةٍ طَبَاقُهَا طَبَاقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ فَقَسَمَ رَحْمَةً بَيْنَ جَمِيعِ الْخَلَائِقِ رَاحِئًا تَسْفَاؤُ تَسْعِينَ رَحْمَةً لِنَفْسِهِ فَإِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَدَّ هَذِهِ الرَّحْمَةَ فَصَارَ مِائَةَ رَحْمَةٍ يَرْحَمُ بِهَا عِبَادَهُ" (مسند رک الماکم، رقم: ۱۸۶) (اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی پیدائش کے دن رحمت کے ۱۰۰ حصے پیدا فرمائے، ہر رحمت کا اتنا ہی حصہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان ہے۔ رحمت کا ایک حصہ تمام مخلوقات میں تقسیم فرما دیا اور ۹۹ حصے اپنے لیے رکھ لیے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس ایک حصے کو بھی واپس لے لیں گے تو یہ کل ۱۰۰ حصے ہو جائیں گے، جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رحم فرمائیں گے)۔  
رحمت کی انتہاء: (۱)

حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"يَا ابْنَ آدَمَ! إِنَّكَ مَا دَعَوْتَنِي وَرَجَوْتَنِي غَفَرْتُ لَكَ عَلَى مَا كَانَ فِيكَ وَ لَا أُبَالِي"

"اے ابن آدم! تو جب تک مجھے پکارتا رہے گا اور مجھ سے مغفرت کی امید رکھے گا، میں تجھے معاف کرتا رہوں گا اور مجھے کوئی پروا نہیں۔"

"يَا ابْنَ آدَمَ! لَوْ بَلَغَتْ ذُنُوبُكَ عَنَانَ السَّمَاءِ ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَنِي غَفَرْتُ لَكَ، وَ لَا أُبَالِي"

"اے ابن آدم! خواہ تیرے گناہ آسمان کے کناروں تک پہنچ جائیں، تب بھی اگر تو

مجھے مہلت مانگے گا تو میں تجھے معاف کر دوں گا اور مجھے کوئی پروا نہیں۔“

”يَا اِبْنِ اٰدَمَ! اِنَّكَ لَوِ اتَيْنٰنِيْ بِقُرَابِ الْاَرْضِ خَطَايَا ثُمَّ تَقِيْتَنِيْ لَا تُشْرِكُ بِيْ شَيْئًا لَا تُنِيْلُكَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةٌ.“ [جامع ترمذی، رقم: ۳۵۴۰]

”اے ابن آدم! اگر تو زمین کے برابر بھی گناہ کرنے کے بعد مجھ سے اس حالت میں ملے گا کہ تُو نے شرک نہ کیا ہو تو میں تجھے اتنی ہی مغفرت عطا کر دوں گا۔“

حلم خداوندی کا بیان: (۱)

لَوْ يَوْأَخِذُ هُمْ بِمَا كَسَبُوا الْعَجَلُ لَهُمُ الْعَذَابُ

اگر ان کو پکڑے ان کے کیے پر تو جلد ڈالے ان پر عذاب

اللہ تعالیٰ کے غفور و رحیم ہونے کی شہادت یہ ہے کہ قریش کو اس نے مہلت اور چھوٹ دے رکھی ہے، باوجودیکہ وہ رسول اللہ ﷺ کی عداوت پر کمر بستہ رہتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ جب کسی کی گرفت کرنے پر آتا ہے تو اسے ایسے طریقے سے پکڑتا ہے کہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَإِنْ كُنِيْدِيْ مَتِيْنًا ۝۱۸۳﴾ [الاعراف: ۱۸۳] (یقین جانو کہ میری خفیہ تدبیر بڑی مضبوط ہے)، اس سے کون باہر نکل سکتا ہے؟ سورۃ البروج میں ہے: ﴿وَإِنْ يَبْطِشْ رَبُّكَ لِشَيْءٍ مِّنْ دُونِ الَّذِيْنَ لَمْ يَكُنْ لَكَ بِهِ حَقْلٌ أَوْ كَبَرْتَ بِهِ ۝۱۸۴﴾ [البروج: ۱۸۴] (حقیقت یہ ہے کہ تمہارے پروردگار کی پکڑ بہت سخت ہے)، سورۃ الرحمن میں جنوں اور انسانوں سے خطاب کر کے فرمایا: ﴿وَإِنْ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا ۝۱۸۵﴾ [الرحمن: ۱۸۵] (اگر تم میں یہ قدرت ہے کہ آسمانوں اور زمین کی حدود سے پار نکل سکو، تو پار نکل جاؤ)۔

لفظ ”کسب“ کا قرآنی استعمال: (۱)

”کسب“ کا لفظ قرآن میں نیک و بد دونوں قسم کے اعمال کے متعلق استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ:

① اعمالِ صالحہ کے متعلق فرمایا: ﴿أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا﴾ [الانعام: ۱۵۸] (یا جس نے اپنے ایمان کے ساتھ کسی نیک عمل کی کمائی نہ کی ہو)۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ [البقرة: ۲۰۱، ۲۰۲] (اور انہی میں سے وہ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی، اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اپنے اعمال کی کمائی کا حصہ ثواب کی صورت میں ملے گا)۔

② ..... اور اعمالِ بد کے متعلق فرمایا: ﴿أَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ﴾ [الانعام: ۷۰] (قیامت کے دن کوئی شخص اپنے اعمال کی سزا میں ہلاکت میں نہ ڈالا جائے)۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أُبْسِلُوا بِمَا كَسَبُوا﴾ [الانعام: ۷۰] (یہی لوگ ہیں کہ اپنے اعمال کے وبال میں ہلاکت میں ڈالے گئے)۔

[مفردات القرآن للامام الراغب: تحت مادة: ک س ب]

لفظ ”عجل“ کی تحقیق: (۱)

”العجلة“ کا معنی ہے: کسی چیز کو اس کے وقت سے پہلے ہی حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔ اس کا تعلق چونکہ خواہشِ نفسانی سے ہوتا ہے، اس لیے عام طور پر قرآن میں اس کی مذمت کی گئی ہے، حتیٰ کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”الْعَجَلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ“ [جامع ترمذی،

رقم: ۲۰۱۲ (جلد بازی شیطان کی جانب سے ہوتی ہے)۔ قرآن مجید میں ہے:  
 «سَأُورِنُكُمْ آيَاتِي فَلَا تَسْتَغْفِرُونَ» ﴿۱۰﴾ [انبیاء: ۲۷] (میں تم لوگوں کو عذابِ یب اپنی  
 نشانیاں دکھاؤں گا، لہذا اس کے لیے جلدی نہ کرو)۔

امرواح القرآن للامام الراغب: تحت مادۃ: عذاب

فوائد السلوب: (۱)

عذاب کی دو صورتیں ہیں: (۱) حسی، (۲) روحانی۔ گناہ کرنے سے حسی عذاب تو  
 فوراً نہیں آتا، لیکن روحانی عذاب شروع میں قلبی کیفیات کے سلب ہونے کی صورت  
 میں ہوتا ہے۔

عذاب کا وقت مقرر ہے: (۱)

بَلْ لَّهُمْ مَوْعِدٌ لَّنْ يَجِدُوا مِنْ دُونِهِ مَوْعِدًا ﴿۱۰﴾

لیکن ان کے لیے ایک وقت مقرر ہے، جس سے بچنے کے لیے انہیں کوئی پناہ گاہ نہیں  
 ملے گی

مطلب یہ ہے کہ ان کے لیے وعدے کا ایک وقت مقرر ہے، پھر جب وہ وقت  
 آجائے گا تو وہ گرفت میں آجائیں گے اور وہ اللہ کے سوا کہیں جائے پناہ بھی نہیں پاسکیں  
 گے۔ ہر فرد، جماعت، گروہ، قوم، ملک اور بستی کے لیے ایک وقت مقرر ہے، اس وقت  
 تک مہلت ملتی رہتی ہے پھر مقررہ وقت پر گرفت آجاتی ہے اور لوگ صفحہ ہستی سے مٹا  
 دیے جاتے ہیں۔

﴿وَتِلْكَ الْقُرَىٰ أَهْلَكْنَاهُمْ لَمَّا ظَلَمُوا وَجَعَلْنَا لِقِيتِهِمْ مَّوْعِدًا﴾ ﴿۱۰﴾

یہ ساری بستیاں (تمہارے سامنے) ہیں، جب انہوں نے ظلم کی روش اپنائی تو ہم نے ان کو ہلاک کر ڈالا، اور ان کی ہلاکت کے لیے (بھی) ہم نے ایک وقت مقرر کیا ہوا تھا۔

## ظالم بستیوں کی ہلاکت کا بیان: (۱)

وَتِلْكَ الْقُرَىٰ أَهْلَكْنَاهُمْ لَمَّا ظَلَمُوا

اور یہ سب بستیاں ہیں جن کو ہم نے غارت کیا جب وہ ظالم ہو گئے  
 ”الْقُرَىٰ“ سے مراد ہیں: قومِ نوح، عاد، ثمود اور دوسری گزشتہ کافرا قوام کی تباہ شدہ  
 بستیاں۔ ”لَمَّا ظَلَمُوا“ (جب انہوں نے ظلم کیا) یعنی کفارِ قریش کی طرح جب انہوں  
 نے کفر کیا۔ ”ظلم“ سے مراد کفر و معصیت ہے۔

[دیکھیے: تفسیر مظہری: تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

## لفظ ”قریہ“ کی تحقیق: (۱)

”الْقَرْيَةُ كُلُّ مَوْضِعٍ يَجْتَمِعُ فِيهِ نَاسٌ، وَ النَّاسُ الْمُجْتَمِعُونَ أَيْضًا“ (قریہ سے  
 مراد وہ جگہ ہے جہاں لوگ جمع ہو کر آباد ہو جائیں۔ بحیثیت مجموعی ان دونوں کو قریہ کہتے  
 ہیں اور جمع ہونے والے لوگوں پر بھی ”قریہ“ کا لفظ بولا جاتا ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ  
 ﴿وَسُئِلَ الْقَرْيَتَ﴾ [یوسف: ۸۲] (بستی سے دریافت کر لیجیے) میں اکثر مفسرین نے  
 ”اہل“ کا لفظ محذوف مان کر ”قریہ“ سے وہاں کے باشندے مراد لیے ہیں۔ حضرت  
 علی بن حسین فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی متعدد آیات میں لفظ ”قریہ“ بول کر بستی کے  
 لوگ مراد لیے گئے ہیں، کسی نے پوچھا کہ قرآن مجید میں سے اس پر کوئی دلیل؟ فرمایا:  
 کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿وَوَكَايِنَ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهَا﴾

الطلاق: ۸] نہیں پڑھا؟

[مفردات القرآن: تحت مادة: ق، ری، بز، یادة]

قرآن میں لفظ ”قریۃ“ کے ۷ مصداق: (۱)

قرآن میں لفظ ”قریۃ“ کے ۷ مصداق بیان کیے گئے ہیں:

①..... ”اریحا“ یا ”ریحاء“ نامی بستی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَإِذْ قُلْنَا اذْخُلُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ﴾ [البقرة: ۵۸]

②..... حضرت عزیر علیہ السلام کی بستی اذیر ہزقل۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ﴾ [البقرة: ۲۵۹]

③..... ایلہ نامی بستی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَسَأَلُهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ﴾ [الاعراف: ۱۶۳]

④..... حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کی بستی [نینوی]۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةً آمَنَتْ﴾ [یونس: ۹۸]

⑤..... انطاکیہ نامی بستی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿حَتَّىٰ إِذَا آتَيْنَا أَهْلَ قَرْيَةٍ اسْتَطْعَمْنَا أَهْلَهَا﴾ [الکہف: ۷۷]

⑥..... مکہ اور طائف۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَقَالُوا الْوَلَا نُزِلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ﴾ [الزخرف: ۳۱]

⑦..... مکہ مکرمہ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَكَايِن مِّن قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِّن قَرْيَتِكَ الَّتِي أَخْرَجْتِكَ أَهْلُكُنْهُمْ﴾ [محمد: ۱۳]

[بصائر ذوی التمییز: ۴/۲۶۶، ۲۶۷]

قرآن میں لفظ ”ہلاک“ کا 4 طرح استعمال: (۱)

قرآن مجید میں لفظ ”ہلاک“ 4 معانی کے لیے استعمال ہوا ہے:

①..... کسی چیز کا اپنے پاس سے جاتے رہنا اور دوسرے کے پاس موجود ہونا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَّةٌ﴾ [الحاقة: ۲۹]

②..... کسی چیز میں خرابی اور تغیر کا پیدا ہو جانا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَإِذَا تَوَلَّى سَعًى فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ﴾ [البقرة: ۲۰۵]

③..... موت کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿إِنْ أَمْرُؤٌ أَهْلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَدًا أُخْتُ فَلَهَا يَصْفُ قَاتِرٌ﴾ [النساء: ۱۷۶]

④..... کسی چیز کا دنیا سے بالکل ختم ہو جانا، اسے فنا کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾ [القصاص: ۸۸]

[بصارِ ذوی التمییز: ۵/ ۳۳۸، ۳۳۹]

وعدہ ہلاکت کا بیان: (۱)

وَجَعَلْنَا لِهَٰلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ۝۹

اور مقرر کیا تھا ہم نے ان کی ہلاکت کا ایک وعدہ

یعنی ہم وقت مقررہ سے پہلے بھی عذاب نہیں لاتے اور جب وہ وقت آ جاتا ہے تو آیا ہوا عذاب ٹلتا بھی نہیں ہے۔ ”مَّوْعِدًا“ یعنی معین اور مقررہ وقت، جس سے کوئی بھی آگے بڑھ سکا، نہ پیچھے ہٹ سکا۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح گزشتہ ہلاک شدہ اقوام کے ہلاک کرنے کا اللہ نے ایک وقت مقرر کر دیا تھا جو اٹل تھا، اسی طرح کفارِ قریش کے لیے ایک خاص وقت مقرر کر دیا ہے جو اٹل ہے، یہ اس سے آگے بڑھ نہیں سکتے، پیچھے ہٹ



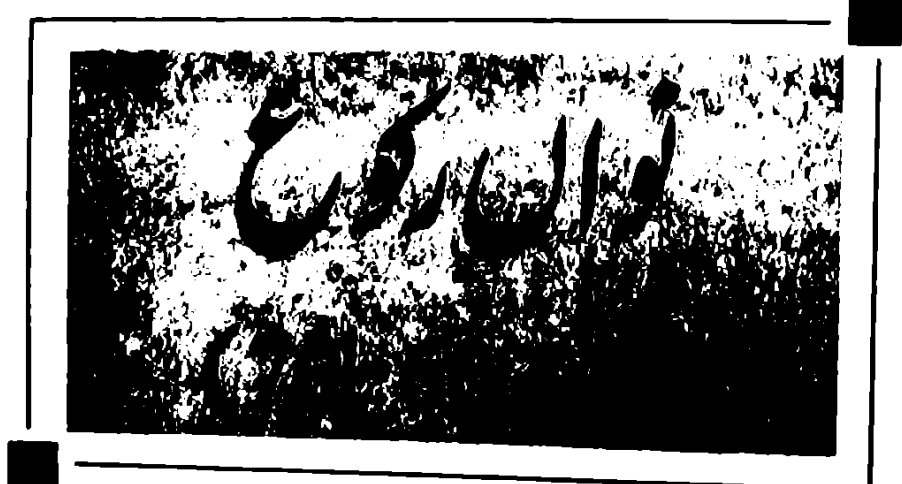
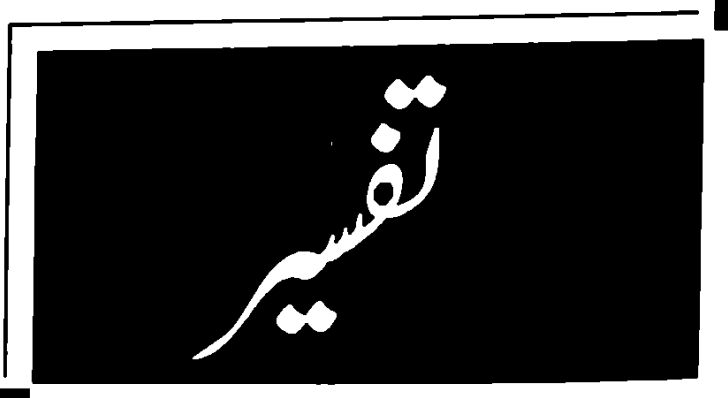
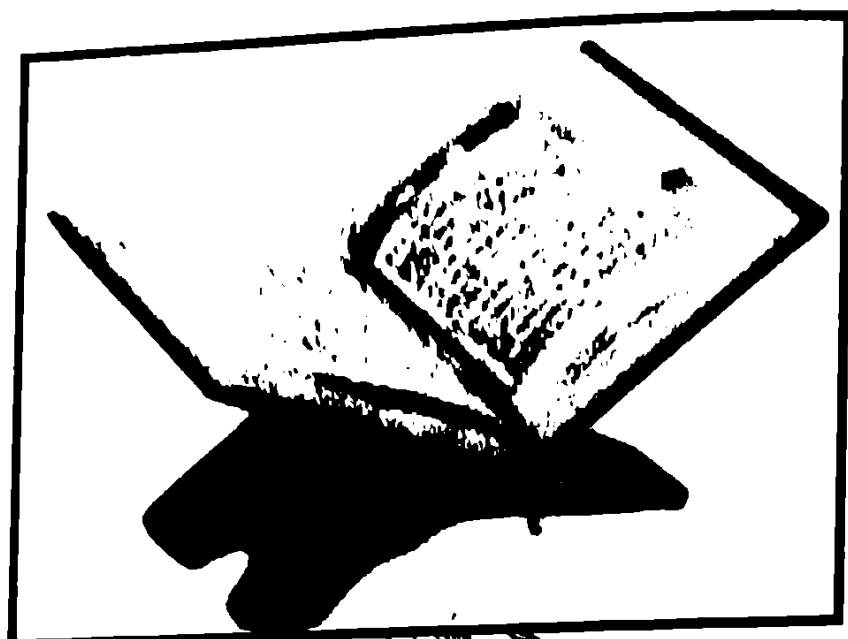


نہیں سکتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہلاکت کا ایک قانون تو وہ تھا جو سابقہ اقوام پر نافذ العمل تھا کہ جب ان کی سرکشی حد سے بڑھ گئی تو پھر آخر میں یکدم عذاب آیا اور ساری قوم ہلاک ہو گئی، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ﴿فَهَلْ تَرَىٰ لَهُم مِّنْ بَاقِيَةٍ ۝۸﴾ [الحاقة: ۸] کے مصداق، ان میں سے ایک بھی باقی نہ بچا۔ ہلاکت کا دوسرا طریقہ امہال و تدریج کا قانون ہے کہ جہاں ظلم و زیادتی ہوگی، وہاں تباہی آئے گی۔

### مسلمانوں کی حالت زار: ﴿

یہ تباہی مختلف خطوں میں جرم کی نوعیت کے مطابق مختلف طریقوں سے آتی ہے۔ آج دنیا میں مسلمان ایسی ہی تباہی کا شکار ہو رہے ہیں، افغانستان، ایران، عراق، فلسطین، قبرص، فلپائن اور مصر کے مسلمانوں انہی مظالم کی وجہ سے ہلاک ہو رہے ہیں۔ لوگ دَر بدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں، مگر ہمارے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ بادشاہ ظالم اور عیاش ہیں، انہوں نے اپنے معاملات میں کافروں کو دخیل بنا رکھا ہے، امریکہ، برطانیہ اور روس، سب گندی سیاست چمکائے ہوئے ہیں، اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے یہ بے گناہ لوگوں کو کچل رہے ہیں۔ یہ سب ہمارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے، ہم نے اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا، کفر و شرک کا راستہ اختیار کیا، خدا کے نافرمانوں کا ساتھ دیا، رُسوماتِ باطلہ کو اختیار کیا، جس کے نتیجے میں بتدریج بربادی آئی اور ہم روز بروز اسی تباہی کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ اگر ہم ظلم سے باز آجائیں تو اللہ کا قانون یہ ہے کہ جب تک لوگ اصلاح کنندہ ہوں تو وہ کسی کو ہلاک نہیں کرتا، جو نہی ظلم کا دور دورہ ہوگا تو ہلاکت آئے گی۔ اب اللہ کا یہی قانون ہے کہ ظلم کے نتیجے میں یہ لوگ فتنوں کا شکار ہوں گے اور ان پر ہلاکت و تباہی آئے گی۔



## رکوع کا خلاصہ



اس رکوع میں:

..... حضرت موسیٰ و حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ کے 8 مناظر میں سے 4 مناظر بیان کیے گئے ہیں:

پہلا منظر..... حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رفیق سفر کو بتا دیا کہ میں اللہ کے خاص بندے سے ملاقات کرنے جا رہا ہوں۔ [آیت: ۶۰]

دوسرا منظر..... حضرت یوشع علیہ السلام کا مچھلی کو بھول جانے کی تفصیل ہے۔ [آیت: ۶۱]

تیسرا منظر..... حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت یوشع علیہ السلام سے کھانا طلبی کو بیان کیا گیا ہے۔ [آیت: ۶۲ تا ۶۴]

چوتھا منظر..... حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ [آیت: ۶۵ تا ۷۰]

رابط آیات: (۱)

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان نافرمانوں کا ذکر کیا جو قرآن کریم کی تعلیمات

سے روگردانی کرتے ہیں اور حق کو گرانے کے لیے باطل کو ہمراہ لے کر جھگڑا کرتے ہیں۔ فرمایا: یہ محض اللہ کی مہربانی ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو جلدی ہلاک نہیں کرتا، بلکہ اپنے قانون کے مطابق مہلت دیتا ہے، اللہ نے ہلاکت کا سبب ظلم و زیادتی کو قرار دیا، قرآن پاک میں سابقہ اقوام، عاد، ثمود، قوم فرعون، قوم لوط، اہل مدین وغیرہ کا حال بھی مذکور ہے جب انہوں نے کفر و شرک کی انتہا کر دی، ظلم و زیادتی کو مستقل و طیرہ بنالیا تو پھر اللہ کی گرفت آئی اور نافرمان لوگ صفحہ ہستی سے ناپید کر دیئے گئے۔ گزشتہ آیات میں باغ والے مغرور شخص کا حال بھی بیان ہو چکا ہے جس پر بربادی آئی، پھر اللہ نے ابلیس کے تکبر کا ذکر فرمایا۔ مکہ والوں کے غرور کا حال بھی بیان ہو چکا ہے کہ وہ اہل ایمان کو حقیر سمجھتے تھے اور حضور ﷺ سے کہتے تھے کہ آپ ان لوگوں کو اپنی مجلس سے اٹھا دیں تو ہم آپ کی بات سننے کے لیے تیار ہیں۔

آج کی آیات کو بھی اس موضوع کے ساتھ مناسبت ہے، حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے نیک بندے غرور و تکبر سے دور رہتے ہیں، وہ تو اللہ کے سامنے ہمیشہ عاجزی کا اظہار کرتے ہیں اور مخلوق کے ساتھ بھی تواضع سے پیش آتے ہیں، ہاں! اگر کسی لغزش کی بناء پر اس ضمن میں کچھ کوتاہی ہو جائے تو پھر وہ اس کی تلافی کر لیتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی ایک معمولی سی لغزش ہو گئی تھی جس سے کسی حد تک تکبر کی عکاسی ہوتی تھی تو اللہ نے اس پر فوراً تنبیہ کر دی اور موسیٰ علیہ السلام کو ابتلاء میں ڈال دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ: (۱)

سورہ کہف میں چوتھا قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیان فرمایا۔ اس کے بعد بنی اسرائیل کے کسی آدمی نے ان سے

پوچھا: کیا آپ سے بڑا کوئی اور عالم بھی ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: نہیں۔ اس وقت بڑا عالم تو میں ہی ہوں۔ یعنی اس نے یوں پوچھا ہوگا کہ کیا آپ ہی بڑے عالم ہیں؟ چونکہ آپ وقت کے نبی تھے اور اولوالعزم رسول تھے، آپ پر وحی اترتی تھی اور آپ کو کتاب ملی تھی اس لیے آپ نے فرما دیا کہ ہاں میں ہی بڑا عالم ہوں، مگر اللہ تعالیٰ چاہتے تھے کہ اپنے پیغمبر کو اور بھی علم والوں سے روشناس کروائیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتلایا کہ آپ دریا کی اس طرف جائیں، وہاں آپ کو ایک آدمی ملے گا جس کو ہم نے اپنی رحمت سے علم عطا کیا ہوگا..... جو علم اللہ تعالیٰ ڈائریکٹ کسی کے دل میں ڈال دیتے ہیں، اس کو ”علم لدنی“ کہتے ہیں..... تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ آپ اس سے ملیں۔ چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام وقت کے نبی تھے، علم کی قدر و منزلت جانتے تھے اور دل میں چاہت بھی تھی، اس لیے دل میں شوق پیدا ہوا کہ میں کسی ایسے آدمی سے ملوں جس کو اللہ تعالیٰ نے اور علم عطا فرمایا ہے۔

### علم کی شاخیں:

دیکھیں! علم کی مختلف شاخیں ہوتی ہیں۔ ایک ہی کالج ہے، ایک ریاضی کا پروفیسر ہے، ایک فزکس کا ہے، ایک کیمسٹری کا ہے، ایک بیالوجی کا ہے۔ سب پروفیسر ہیں، مگر ہر ایک کا مضمون اپنا اپنا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے مختلف بندوں کو مختلف علوم عطا فرمائے۔ جیسا کہ

..... سیدنا آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ”علم الاسماء“ عطا فرمایا۔

..... حضرت ادریس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ”علم الکتابت“ عطا فرمایا۔ لکھنے کا علم۔ یعنی سیدنا آدم علیہ السلام کے زمانے میں لوگ لکھنا نہیں جانتے تھے۔ حضرت ادریس علیہ السلام کو

اللہ تعالیٰ نے یہ علم دیا جس کی وجہ سے لوگ لکھنا جان گئے۔ ان کی لکھائی آج کی لکھائی کی طرح نہیں تھی۔ وہ چند لائنیں لگائی جاتی تھیں۔ وہ لکھائی ہی تھی جو حضرت اور یس علیہ السلام نے شروع کی تھی۔

پھر اللہ رب العزت نے حضرت نوح علیہ السلام کو ”صَنَاعَةُ الْفَلَکِ“ (کشتی بنانے) کا علم عطا فرمایا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ”عِلْمُ الْمَنَاطِرَةِ“ عطا فرمایا۔ اس کو ”علم الحجة“ کہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے نمرود کے ساتھ بحث کی۔ نمرود سے کہا: میرا رب تو وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے۔ تو نمرود کو دھوکا لگا۔ اس نے ایک قیدی کو بلا کر، جو بے گناہ تھا، قتل کروادیا اور جو واقعی واجب القتل تھا اس کو آزاد کر دیا۔ اور کہنے لگا کہ یہ تو میں بھی کر سکتا ہوں، زندہ بھی کر سکتا ہوں اور مار بھی سکتا ہوں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ گھی سیدھی انگلی سے نہیں نکلے گا، ٹیڑھی انگلی سے نکالنا پڑے گا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا: میرا رب تو وہ ہے..... يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ (جو مشرق سے سورج کو طلوع کرتا ہے، اگر تم رب ہونے کا دعویٰ کرتے ہو تو مغرب سے طلوع کر کے دکھا دو) فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ اس پر نمرود حیران ہو گیا، لا جواب ہو گیا۔

سیدنا سلیمان علیہ السلام کو ”مَنْطِقُ الطُّيُورِ“ (پرندوں کی بولیوں) کا علم عطا کیا گیا۔ پرندے بھی جب ایک دوسرے کو آوازیں دیتے ہیں تو وہ آپس میں باتیں کر رہے ہوتے ہیں۔ ہم اس کو نہیں سمجھ سکتے، لیکن وہ ایک دوسرے کا پیغام سمجھ رہے ہوتے ہیں۔ یہ علم اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو عطا فرمایا۔



﴿بَآيُهَا النَّاسُ عَلِمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ﴾ [آمل: ۱۶]

اللہ تعالیٰ نے ”علم الاسباب“ ذوالقرنین کو عطا فرمایا تھا کہ اسباب کو کس طرح جوزنا ہے اور ان سے کس طرح فائدہ اٹھاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو ”علم الافعال“ عطا فرمایا تھا۔ کہ کائنات میں جو ہورہا ہے، اس کے اندر کیا حکمت ہے، اس کی کیا وجہ ہے، یہ علم اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو عطا فرمایا تھا۔ اس کو ”تکوینی علم“ کہتے ہیں۔

تشریحی اور تکوینی علوم: (۱)

ایک ہوتا ہے تشریحی (شریعت کا) علم۔ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت واقعی اوپر کے درجے میں تھے، کیونکہ وقت کے نبی تھے۔ ایک ہے تکوینی علم۔ یہ جوزمین و آسمان کا نظام چل رہا ہے، یہ بھی آخر کوئی چلا رہا ہے نا۔ وہ اللہ تعالیٰ ہے جو چلا رہا ہے۔ اللہ کے حکم سے چل رہا ہے۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے کچھ مخصوص بندوں کو رکھا ہوا ہے۔ جیسے ایک ملک ہوتا ہے اور اس میں حکومت کے کچھ لوگ ہوتے ہیں۔ جو صدر اور وزیر اعظم ہوتا ہے وہ خود تو سارا ملک نہیں چلا رہا ہوتا، اس نے آگے بندے رکھے ہوتے ہیں، ان کو سرکاری ملازم کہتے ہیں، وہ جو سرکاری ملازم ہوتے ہیں ان کو لوگ ”بیوروکریسی“ کہتے ہیں، وہ بیوروکریسی ملک کو چلا رہی ہوتی ہے۔

اسی طرح یہ جو دنیا کا نظام چل رہا ہے، اس کے ظاہری نظام کو چلانے کے لیے بھی کچھ فرشتے اور کچھ بندے ہیں جن کے ذمے اللہ تعالیٰ نے کام لگائے ہوئے ہیں۔ اس کو تکوینی نظام کہتے ہیں۔ یوں سمجھ لیں کہ وہ دنیا کی بیوروکریسی ہے جو اللہ نے بنائی ہوئی ہے۔ چونکہ ہمارا تو واسطہ ہی نہیں ہے ان سے، اس لیے ہم نہیں جانتے، لیکن اللہ تعالیٰ جانتے ہیں۔ لہذا



اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک ایسے بندے کی طرف متوجہ کر دیا جس کے پاس یہ تکوینی علم تھا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس بندے کو ملنے کے لیے گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے دریافت کیا:

”أَيُّ عِبَادِكَ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟“

”(اے اللہ!) تجھے اپنے بندوں میں کون بندہ سب سے زیادہ پیارا ہے؟“

اللہ نے فرمایا:

”الَّذِي يَذْكُرُنِي وَلَا يَنْسَانِي“

”(مجھے سب سے زیادہ پیارا وہ بندہ ہے) جو مجھے یاد رکھتا ہے اور بھولتا نہیں ہے۔“

موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

”فَأَيُّ عِبَادِكَ أَقْضَى؟“

”سب سے اچھا حاکم تیرے بندوں میں کون ہے؟“

اللہ نے فرمایا:

”الَّذِي يَقْضِي بِالْحَقِّ وَلَا يَتَّبِعُ الْهَوَى“

”جو نفسانی میلان پر نہیں چلتا، حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے۔“

موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

”فَأَيُّ عِبَادِكَ أَعْلَمُ؟“

”تیرے بندوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟“

فرمایا:



”الَّذِي يَنْتَغِي عِلْمَ النَّاسِ إِلَىٰ عِلْمِهِ عَسَىٰ أَنْ يُصِيبَ كَلِمَةً تَذُلُّهُ عَلَىٰ هُدًى  
وَتَرْدُّهُ عَنْ رَدِّي“

”جو اپنے علم کے ساتھ دوسرے لوگوں کا علم بھی ملا لیتا ہے، یعنی اپنے علم میں دوسروں  
سے پوچھ کر یا دوسروں سے سیکھ کر اضافہ کر لیتا ہے۔ اس غرض سے کہ شاید اس کی کوئی  
بات ایسی معلوم ہو جو ہدایت کا راستہ بتادے اور ہلاکت کے راستہ سے موڑ دے۔“  
موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

”إِنْ كَانَ فِي عِبَادِكَ أَعْلَمُ مِنِّي فَادُلَّنِي عَلَيْهِ“

”تیرے بندوں میں اگر کوئی مجھ سے زیادہ جاننے والا ہو تو مجھے اس کا پتہ اور راستہ بتادے۔“  
اللہ نے فرمایا:

”أَعْلَمُ مِنْكَ الْخَضِرُ“

”مجھ سے زیادہ عالم خضر ہے۔“

موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

”أَيْنَ أَطْلُبُهُ؟“

”میں خضر کو کہاں تلاش کروں؟“

اللہ نے فرمایا:

”عَلَىٰ سَاحِلِ الْبَحْرِ عِنْدَ الصَّخْرَةِ“

”پتھر کے قریب سمندر کے کنارے پر۔“

موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

”كَيْفَ لِي بِهِ؟“

”مجھے اس کا نشان کیسے معلوم ہوگا؟“

اللہ نے فرمایا:

”تَأْخُذْ حُوتًا فِي مِكَتَلٍ فَحَيْثُ فَقَدْتَهُ فَهُوَ هُنَاكَ“

”ایک مچھلی لے کر (بھون کر) ٹوکری میں رکھ لے، جہاں وہ مچھلی کھو جائے اسی جگہ خضر ملے گا۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے فرمایا کہ جس جگہ مچھلی کھو جائے، مجھے بتا دینا۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کا خادم دونوں چل دیئے۔

[تفسیر مظہری: تحت هذه الآية من سورة الكهف]

## واقعہ موسیٰ و خضر علیہ السلام کے 8 مناظر

﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّى أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا ۝١٠﴾

اور (اس وقت کا ذکر سنو) جب موسیٰ نے اپنے نوجوان (شاگرد) سے کہا تھا کہ میں اس وقت تک اپنا سفر جاری رکھوں گا جب تک دو سمندروں کے سنگم پر نہ پہنچ جاؤں، ورنہ برسوں چلتا رہوں گا۔

پہلا منظر..... رفیق سفر کی آگاہی کا بیان: (۱)

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِفَتَاهُ

اور جب کہا موسیٰ نے اپنے جوان کو

یہ نوجوان یوشع بن نون تھے، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی تھے۔ وہ سفر میں ساتھ

چل پڑے..... سفر میں کسی کو ساتھ لے لینا بھی شرعاً جائز ہے۔ بندے کی ضرورت ہوتی ہے۔ عمر کے مختلف حصوں میں انسان کو کسی ساتھی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سے سفر آسان ہو جاتا ہے..... اس لیے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک نئے سفر پر چلے، کہ کہاں جانا ہے، کس سے ملنا ہے، کچھ پتا نہیں تھا، جس کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بندے کو ساتھ لے لیا۔

فوائد السلوک: (۱)

۱۔..... شیخ کامل کی تلاش میں خوب کوشش کرنی چاہیے۔

۲۔..... یہ بھی حسنِ ادب ہے کہ سفر کی ضروری باتوں سے اپنے رفیق اور خادم کو بھی باخبر کر دینا چاہئے۔ متکبر لوگ اپنے خادموں اور نوکروں کو ناقابلِ خطاب سمجھتے ہیں، سفر کے متعلق کچھ نہیں بتاتے۔

۳۔..... علمی سفر اپنے سے اَعْلَم (علمی اعتبار سے بڑا) کے مشورے اور رہنمائی کے مطابق کیا جائے۔ چنانچہ بخاری شریف کی حدیث ہے کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو کسی نے سوال کیا: ”أَيُّ النَّاسِ أَعْلَمُ؟“ (لوگوں میں بڑے عالم کون ہیں؟) ”قَالَ: أَنَا“ (موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میں ہوں)۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر موسیٰ علیہ السلام پر عتاب فرمایا، کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے بڑے عالم کی تعیین اللہ کی طرف منسوب نہیں کی، بلکہ خود ہی اپنے بارے میں فرمایا کہ میں بڑا عالم ہوں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی: ”بَلَىٰ عَبْدٌ مِّنْ عِبَادِي بِمَجْمَعِ الْبَحْرَيْنِ، هُوَ أَعْلَمُ مِنْكَ“ (بلکہ میرا ایک خاص بندہ مجمع البحرین کے پاس رہتا ہے جو آپ سے بڑا عالم ہے)۔ موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ الہی میں عرض کیا: ”أَيُّ رَبِّ، كَيْفَ السَّبِيلُ إِلَيْهِ؟“ [صحیح بخاری، رقم: ۴۷۲۷]

(پروردگار! آپ کے اس خاص بندے تک رسائی کیسے ہوسکتی ہے؟) ... اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے رہنمائی حاصل کر لی۔

﴿أَوْ أَمَضَىٰ حَقُّنَا﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کامل کی تلاش میں پوری ہمت اور کوشش سے کام لینا چاہیے۔

پیغمبرانہ قوت ارادی کی پہلی شق: (۱)

### لَا أَنْزَحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ

میں نہ ہٹوں گا جب تک نہ پہنچ جاؤں جہاں ملتے ہیں دو دریا  
ویسے تو ”بحر“ سمندر کو کہتے ہیں، لیکن یہ لفظ بڑے دریا کے لیے بھی استعمال ہو جاتا ہے۔ جہاں دو سمندر یا دو دریا آپس میں ملتے ہیں اس جگہ کو ”مجمع البحرین“ کہتے ہیں۔ ان کو بتایا گیا تھا کہ جہاں پر مجمع البحرین ہے وہاں پر اس بندے سے آپ کی ملاقات ہو جائے گی۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عزم کا اظہار کیا کہ میں چلتا رہوں گا، چلتا رہوں گا..... لگتا ہے کہ لمبا سفر تھا، تھکاوٹ والا سفر تھا..... فرمایا کہ میں چلتا رہوں گا، حتیٰ کہ مجمع البحرین تک پہنچ جاؤں گا۔

مجمع البحرین: (۱)

”مَجْمَعُ الْبَحْرَيْنِ“ دو دریاؤں کے سنگم کو کہتے ہیں۔ یہاں کون سے دو دریا اور ان کا سنگم مراد ہے؟ اس کے متعلق مفسرین اور ارباب سیرت سے مختلف اقوال منقول ہیں، مگر ان میں کوئی بھی قول فیصل کی حیثیت نہیں رکھتا۔ البتہ جن حضرات نے اس سے ”بحر روم“ اور ”بحر قلزم“ اور ”ان دونوں کا سنگم“ مراد لیا ہے، وہ قرین قیاس ہے اور یہ ممکن ہے کہ

جس زمانے کا یہ واقعہ ہے اس وقت ان دونوں میں ایسا خط اتصال موجود ہو، جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ پیش آیا ہے۔ اس لیے خروج مصر اور میدان تہ کے قیام کے دوران ان میں بظاہر انہی ہر دو سمندروں سے یہ واقعہ متعلق ہو سکتا ہے، اور حضرت استاد علامہ سید محمد انور شاہ قدس سرہ فرماتے ہیں کہ یہ مقام وہ ہے جو آج کل ”عقبہ“ کے نام سے مشہور ہے۔

[قص القرآن: ۱/۴۱۲]

فوائد السلوک:

سفر کے آغاز میں پہلے منزل مقصود کو متعین کیا جائے، جیسے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

﴿حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ﴾ [الکہف: ۶۰]

پنجمبرانہ قوتِ ارادی کی دوسری شق:

أَوْ أَمْضِي حُقُبًا ۝

ورنہ برسوں چلتا رہوں گا

یعنی میں کئی دنوں تک چلتا رہوں گا، اس تک پہنچنے کے لیے۔ اس سے دل کی طلب ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں کتنا شوق تھا کہ میں کسی ایسے بندے سے ملوں گا جو ایسا علم رکھتا ہو جو میرے پاس نہیں ہے۔ طلبہ کو چاہیے کہ اس سے وہ اپنے دل میں علم کی طلب اور بڑھائیں۔

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض نے کہا ہے کہ ”احقاب“ کا واحد ”حقب“ ہے جس کے معنی زمانہ کے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ ”حقبہ“ کا لفظ اسی (80) سال کی مدت پر بولا جاتا ہے، اس کی جمع ”حقب“ آتی ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ

مدت غیر معینہ پر بولا جاتا ہے۔

[مفردات القرآن للامام الراغب: تحت مادة: ح ق ب]

علمی سفر: (۱)

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ سفر "الرَّحْلَةُ الْعِلْمِيَّةُ" کی قبیل سے تھا، کیونکہ وہ اپنے سے زیادہ عالم محض سے اکتساب فیض کے لیے ملاقات کرنا چاہتے تھے۔ تاریخ اسلام میں ایسے بہت سے محدثین اور بزرگان کا ذکر ملتا ہے جنہوں نے حصول علم کی خاطر چالیس چالیس ہزار میل کا سفر طے کیا، یہ اس قدیم زمانے کی بات ہے جب اونٹ، گھوڑے یا خچر وغیرہ کے علاوہ کوئی سواری میسر نہ ہوتی تھی، بلکہ لوگ تو پیدل ہی سفر کرتے تھے، آج کی سہولتوں کی وجہ سے دنیا، ایک گھرانے کی طرح سمٹ چکی ہے، کراچی سے صرف اڑھائی گھنٹے میں جدہ اور 24 گھنٹے میں امریکہ پہنچ جاتے ہیں، اب تو افریقہ کا ناقابل عبور وسیع و عریض صحرا بھی پانچ دس گھنٹوں میں عبور کر لیا جاتا ہے۔ پرانے زمانے میں سفر کرنا جان جوکھوں کا کام تھا، اس کے باوجود ہمارے بزرگوں نے بڑے طویل سفر اختیار کیے، امام احمد رحمہ اللہ، عبدالرزاق رحمہ اللہ، ابن ہمام رحمہ اللہ، امام بخاری رحمہ اللہ، امام مسلم رحمہ اللہ، ابن ماجہ رحمہ اللہ وغیرہم اس زمانے کے تمام متمدن شہروں میں حصول علم کے لیے پہنچے اور بہت سے اساتذہ سے فیض حاصل کیا۔ کہتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے 1800 اساتذہ سے علم حاصل کیا، اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کم و بیش 4 ہزار اساتذہ سے فیض حاصل کیا، جن میں بڑی بڑی جلیل القدر ہستیوں کے نام آتے ہیں۔

فوائد السلوک: (۱)

..... سنت اللہ یہ رہی ہے کہ علم مطلوب بنے تو حاصل ہوتا ہے، علم طالب بن کر نہیں آتا،



جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے علم کو مطلوب بنایا اور اس کے لیے حضرت خضر علیہ السلام کی طرف سفر فرمایا۔ حالانکہ خود بنی اسرائیل کے معاملات میں مصروف بھی تھے۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ اس لیے مشائخ فرماتے ہیں: ”الْعِلْمُ يُزَارُ وَلَا يُزُورُ“ (علم کی زیارت کے لیے جانا پڑتا ہے، یہ کسی کی زیارت کے لیے نہیں جاتا)۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے: ﴿وَقَاكَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ﴾ (اور مسلمانوں کے لیے یہ بھی مناسب نہیں ہے کہ وہ (ہمیشہ) سب کے سب (جہاد کے لیے) نکل کھڑے ہوں۔ لہذا ایسا کیوں نہ ہو کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک گروہ (جہاد کے لیے) نکلا کرے، تاکہ (جو لوگ جہاد میں نہ گئے ہوں وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرنے کے لیے محنت کریں، اور جب ان کی قوم کے لوگ (جو جہاد میں گئے ہیں) ان کے پاس واپس آئیں تو یہ ان کو متنبہ کریں، تاکہ وہ (گناہوں سے) بچ کر رہیں)۔ اور نبی علیہ السلام نے بھی فرمایا: ”طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ“ [سنن ابن ماجہ، رقم: ۲۲۴] (علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے)۔

..... متعین مقام پر اگر مطلوب نہ ملے تو گوہر مقصود کے لیے دوسرے مقامات کا رخ کرنا چاہیے، جیسے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿أَوْ أَمْضِي حُقُبًا﴾ (ورنہ برسوں چلتا رہوں گا)۔

..... طالب علم کو ارادے کا پختہ ہونا چاہیے، جیسے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿أَوْ أَمْضِي حُقُبًا﴾ (ورنہ برسوں چلتا رہوں گا)۔

..... حصول علم کے لیے جتنی کوشش کی جائے، کم ہے۔ جتنا سفر طے کیا جائے، بڑی خوش

نصیبی کی بات ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "إِنَّ الْمُتَعَلِّمَ لَوْ سَافَرَ مِنَ الْمَشْرِقِ إِلَى الْمَغْرِبِ لَطَلَبَ مَسْأَلَةً وَاحِدَةً لِحَقِّ لَهُ ذَلِكَ" [تفسیر کبیر تحت الآیہ ۶۳ من سورۃ الکہف] (اگر طالب علم کو کسی ایک مسئلے کے لیے مشرق سے مغرب تک کا سفر کرنا پڑے تو ضرور کرے)۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿أَوْ أَمْضِي حُقُبًا﴾ ۶۰

۶۰..... ﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ﴾ (اور جب موسیٰ نے اپنے نوجوان (شاگرد) سے کہا تھا کہ میں اس وقت تک اپنا سفر جاری رکھوں گا جب تک دو سمندروں کے سنگم پر نہ پہنچ جاؤں) سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے سفر کے آغاز میں رفیق کو سفر اور مشکلات سفر سے اجمالاً آگاہ کیا جائے، تاکہ وہ ساتھ دینے کا فیصلہ علی وجہ البصیرۃ کر سکے۔

﴿فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلًا فِي الْبَحْرِ سَرَبًا﴾ ۶۱

چنانچہ جب وہ ان کے سنگم پر پہنچے تو دونوں اپنی مچھلی کو بھول گئے، اور اس نے سمندر میں ایک سرنگ کی طرح کا راستہ بنالیا۔

دوسرا منظر..... حضرت یوشع کا مچھلی کو بھول جانا: ۶۱

﴿فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا﴾

پھر جب پہنچے دونوں دریا کے ملاپ تک بھول گئے اپنی مچھلی یعنی موسیٰ علیہ السلام مچھلی مانگنا اور دریافت حال بیان کرنا بھول گئے اور یوشع مچھلی کے زندہ ہو کر سمندر میں جا گرنے کا تذکرہ کرنا بھول گئے۔ ان کے پاس یہی ایک مچھلی تھی



جوانہوں نے غذا کے طور پر رکھی ہوئی تھی کہ جب بھوک لگے گی تو کھالیں گے۔  
 ”حَوْتَ“ کا لفظ مچھلی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ”سَمَك“ کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے۔ ”أَسْمَاك“ مچھلیوں کو کہتے ہیں۔ ”حَوْتَ“ کا لفظ قرآن مجید میں تین جگہوں پر استعمال ہوا ہے:

- ① ایک تو یہاں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ میں۔
  - ② دوسرا حضرت یونس علیہ السلام کے لیے جب وہ مچھلی کے پیٹ میں چلے گئے تھے۔
  - ③ تیسرا یہودی لوگ جو ہفتے کے دن مچھلیاں پکڑتے تھے، اس لیے ”حِينَ تَأْتِيهِمْ يَوْمَئِذٍ حَوْتًا“ جمع کا صیغہ استعمال کیا۔ اس کے لیے بھی گویا ”حَوْتَ“ کا لفظ استعمال ہوا۔
- موسیٰ علیہ السلام وہاں سو گئے اور بھونی ہوئی مچھلی تڑپ کر زندہ ہو کر سمندر میں چلی گئی۔ سفیان بن عیینہ نے کہا: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس پتھر کے پاس آب حیات کا چشمہ تھا، جس کی خاصیت یہ تھی کہ جس مُردہ چیز پر اس کا پانی لگ جاتا تھا، وہ زندہ ہو کر سمندر میں جا کو دیتی تھی۔ [دیکھیے: تفسیر مظہری: تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

تلی ہوئی مچھلی زندہ کیسے ہو گئی؟

اس کے متعلق قرآن مجید کی کسی آیت یا حضور ﷺ کے فرمان سے کچھ ثابت نہیں، البتہ امام بخاری نے امام سفیان ثوری سے یہ قول نقل کیا ہے کہ لوگ کہتے ہیں:

”وَفِي أَصْلِ الصَّخْرَةِ عَيْنٌ يُقَالُ لَهَا الْحَيَاءُ، لَا يُصِيبُ مِنْ مَائِهَا شَيْءٌ إِلَّا حَيٌّ، فَأَصَابَ الْحَوْتَ مِنْ مَاءِ تِلْكَ الْعَيْنِ، فَتَحَرَّكَ وَانْسَلَّ مِنَ الْمِكْتَلِ فَدَخَلَ الْبَحْرَ“ [صحیح بخاری، رقم: ۴۷۷۷] (جس پتھر کے قریب ان دو ساتھیوں نے آرام کیا تھا، وہاں آب حیات کا چشمہ تھا، اس چشمہ کے متعلق مشہور ہے کہ جس چیز کو اس چشمہ کا پانی لگ جائے،



اسے حیات جاودانی حاصل ہو جاتی ہے، اس چشمے کے پانی کا کوئی چھینٹا اس تلی ہوئی مچھلی پر پڑ گیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے زندہ کر دیا اور وہ تھیلے میں سے کود کر سمندر میں چلی گئی۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ ”نَسِيَا حُوتَهُمَا“ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ مچھلی نمک لگی ہوئی تھی اور اس کا پیٹ بھی چاک کیا گیا تھا۔ [درمنثور]

فوائد السلوک: (۱)

..... اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں زادِ راہ ساتھ رکھنا، توکل کے منافی نہیں۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھ زادِ راہ کے طور پر مچھلی لے لی تھی، خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی جب غارِ حراء میں تشریف لے جاتے تھے تو اپنے ساتھ زادِ راہ لے جایا کرتے تھے، جب ختم ہو جاتا تو پھر دوبارہ گھر تشریف لاتے۔ چنانچہ بخاری شریف کی روایت ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

”أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ فِي النَّوْمِ، فَكَانَ لَا يَرَى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ، ثُمَّ حَبَبَ إِلَيْهِ الْخَلَاءُ، وَكَانَ يَخْلُو بِغَارِ حِرَاءٍ فَيَتَحَنَّنُ فِيهِ - وَهُوَ التَّعَبُّدُ - اللَّيَالِي ذَوَاتِ الْعَدَدِ قَبْلَ أَنْ يَنْزِعَ إِلَى أَهْلِهِ، وَيَتَزَوَّدُ لِذَلِكَ، ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى خَدِيجَةَ فَيَتَزَوَّدُ لِمِثْلِهَا“ [صحیح بخاری، رقم: ۳]

سب سے پہلی وحی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اُترنی شروع ہوئی وہ اچھے خواب تھے، جو بحالت نیند آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے تھے، چنانچہ جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی خواب دیکھتے تو وہ صبح کی روشنی کی طرح ظاہر ہو جاتا، پھر تنہائی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبت ہونے لگی اور غارِ حراء میں تنہا رہنے لگے اور گھر والوں کے پاس آنے کا جب شوق ہوتا تو اس سے پہلے وہاں ”تحنن“ کیا

کرتے، (تحث سے مراد کئی راتیں عبادت کرنا ہے) اور اس کے لیے توشہ ساتھ لے جاتے  
پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس واپس آتے اور اسی طرح توشہ لے جاتے۔

طلب علم کے لیے سفر کرنا انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے، خصوصاً سید موسیٰ ہے۔  
اپنے شیخ کے جسمانی آرام و راحت کا لحاظ و خیال رہے، چنانچہ مچھلی زندہ ہو گئی  
تھی، چونکہ موسیٰ علیہ السلام آرام فرما رہے تھے، اس لیے حضرت یوشع علیہ السلام نے انہیں جگانا  
مناسب نہ سمجھا۔

﴿نَسِيًا حُوتَهُمَا﴾... ﴿لَا تُؤَاخِذُنِي بِمَا نَسِيتُ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ علم سے  
تعلق رکھنے والے نسیان سے پریشان نہ ہوں، کیونکہ بھول چوک نہ ولایت کے خلاف  
ہے اور نہ نبوت کے۔ چنانچہ عرب والے کہتے ہیں: ”الْإِنْسَانُ مِنَ النِّسْيَانِ“ (انسان  
تو نسیان سے ہے)۔

طلبہ کے لیے علمی نکتہ:

سوال: ﴿نَسِيًا حُوتَهُمَا﴾ (وہ دونوں اپنی مچھلی کو بھول گئے) نسیان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام  
اور حضرت یوشع کی طرف کیوں منسوب کیا گیا؟ حالانکہ مچھلی کو حضرت یوشع نے بھولا تھا۔  
جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں: ﴿فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ﴾ (میں مچھلی کے قصے کو بھول گیا)،  
﴿وَمَا أُنْسِينِي إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ﴾ (اس کی یاد کو شیطان ہی نے بھلا دیا)۔

جواب اول: دونوں کی طرف نسیان کی نسبت مجازی ہے۔ مراد اس سے حضرت یوشع ہی  
ہیں۔ امام فراء فرماتے ہیں کہ اس کی نظیر قرآن کریم کی یہ آیت ہے: ﴿يُخْرِجُ مِنْهُمَا  
اللُّؤْلُؤَ وَالْمَرْجَانَ﴾ [الرحمن: ۲۲] (ان دو دریاؤں (کھارے اور میٹھے) سے لؤلؤ اور  
مرجان نکلتے ہیں)۔ حالانکہ یہ کھارے دریا سے نکلتے ہیں میٹھے سے نہیں نکلتے، مگر منسوب



دونوں کی طرف کیا گیا۔

جواب ثانی: حضرت موسیٰ علیہ السلام مچھلی کے متعلق پوچھنا بھول گئے اور حضرت یوشع مچھلی کے واقعے کو بتانا بھول گئے۔ لہذا انسیان کی اضافت دونوں کی طرف کرنا صحیح ہے۔ واقعہ اس طرح ہے کہ انہوں نے ایک مچھلی تل کر ایک تھیلے میں رکھ کر بطور زادِ سفر ساتھ رکھ لی۔ جب آبِ حیات کے پاس پہنچے تو وہاں تھوڑی دیر کے لیے ٹھہر گئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی ضرورت کے لیے تھوڑا دور گئے۔ ادھر یوشع نے اس پانی سے وضو کیا، اس کے چھینٹے تلی ہوئی مچھلی پر پڑے، جس سے وہ زندہ ہو کر وہاں سے کھسک کر سمندر کے اندر چلی گئی۔ یوشع یہ واقعہ بتانا اور موسیٰ علیہ السلام اس مچھلی کے متعلق پوچھنا بھول گئے۔

[مسائل الرازی، صفحہ ۲۴۵، ۲۴۶]

مچھلی کا زندہ ہونا: ①

فَاتَّخَذَ سَبِيلًا فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ①

پھر اس نے اپنی راہ کر لی دریا میں سرنگ بنا کر

ان کو فرمایا گیا تھا کہ جب وہ جگہ آئے گی تو یہ مچھلی پانی میں اپنا راستہ بنا لے گی۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس کو زندہ کر دیں گے اور وہ پانی میں چلی جائے گی، یہ نشانی بتائی گئی تھی۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ مچھلی پانی میں گھسی تو اللہ نے پانی کی رفتار کو اس کے گرد و پیش سے روک دیا اور پانی کے اندر محراب سی بن گئی۔

[صحیح بخاری، رقم: ۳۴۰۱]

﴿فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتَاهُ ابْتِغَا عَدَاءَنَا ۖ لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَذَا نَصَبًا ۝﴾

پھر جب دونوں آگے نکل گئے تو موسیٰ نے اپنے نوجوان سے کہا کہ ہمارا ناشتہ لاؤ، یہی بات یہ ہے کہ ہمیں اس سفر میں بڑی تھکاوٹ لاحق ہوگئی ہے۔

تیسرا منظر..... کھانا طلبی کا بیان : (۱)

فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتَاهُ آتِنَا غَدَاءَنَا

پھر جب آگے چلے، کہا موسیٰ نے اپنے جوان کو لا ہمارے پاس ہمارا کھانا چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یوشع بن نون علیہ السلام مجمع البحرین سے آگے بڑھ گئے، جہاں مچھلی زندہ ہوئی تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ کھانا لے آؤ، بھوک لگی ہے۔

فوائد السلوک : (۱)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت یوشع علیہ السلام سے فرمایا: ﴿آتِنَا غَدَاءَنَا﴾ (ہمارا ناشتہ لاؤ)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ استاد اور شیخ کے لیے شاگرد اور مرید سے خدمت لینا جائز ہے۔

﴿غَدَاءَنَا﴾ (ہم دونوں کا ناشتہ) اور ﴿حُوتَهُمَا﴾ (ان دونوں کی مچھلی) سے معلوم ہوتا ہے کہ خادم اور مخدوم کے درمیان کھانے میں امتیاز نہیں ہونا چاہیے، امام بخاری رحمہ اللہ نے مستقل ایک باب باندھا ہے: ”الْعَبِيدُ إِخْوَانُكُمْ فَأَطْعِمُوهُمْ مِمَّا تَأْكُلُونَ“ (تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں، چنانچہ انہیں وہی کھانا کھلاؤ جو خود کھاتے ہو)، پھر انہوں نے ایک حدیث نقل فرمائی ہے: معرور بن سوید تابعی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اور ان کے ایک غلام پر ایک جیسا لباس دیکھا

تو میں نے اس کا جب دریافت کیا، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک دفعہ میں نے ایک بندے کو سخت ست کہا، انہوں نے نبی ﷺ سے میری شکایت کی، نبی ﷺ نے مجھے فرمایا: "أَعِزَّتْهُ بِأَمْرِهِ؟" (کیا آپ نے اسے اس کی ماں کی عار دلائی؟) پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "إِنَّ إِخْوَانَكُمْ خَوْلُكُمْ جَعَلَهُمُ اللَّهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ، فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ، فَلْيُطْعِمْنَهُ مِمَّا يَأْكُلُ، وَلْيَلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ، وَ لَا يُكَلِّفُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ، فَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ فَأَعِزُّوهُمْ" [صحیح بخاری، رقم: ۲۵۳۵] (تمہارے خدمت گزار تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہاتھوں (قبضہ) میں دے دیا ہے، اس لئے جس کا بھائی اس کے قبضہ میں ہو تو اسے وہی کھلائے جو خود کھاتا ہے اور اسے ویسا ہی پہنائے جیسا خود پہنتا ہے ان کو ایسے کام کی تکلیف نہ دو جو ان سے نہ ہو سکے اور اگر انہیں تکلیف دو تو ان کی مدد کرو)۔

﴿إِتِنَا غَدَاءَنَا﴾ (ہمارا ناشتہ لاؤ)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ناشتہ کرنا، کالمین سے ثابت ہے، اور ساتھ رات کا کھانا بھی۔

بلا مقصد سفر میں تھکاوٹ کا بیان:

لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَذَا نَصَبًا ۝

ہم نے پائی اپنے اس سفر میں تکلیف

جب دونوں حضرات وہاں پہنچے جہاں مجمع البحرین تھا تو وہاں پر ایک پتھر دیکھا۔ پتھر کو "صخرة" کہتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تھکے ہوئے تھے۔ چنانچہ وہاں آرام کرنے کے لیے لیٹے تو ان کو نیند آ گئی۔ جب موسیٰ علیہ السلام سوئے تو مچھلی تڑپی اور پانی کے اندر چلی گئی۔ یوشع بن نون نے سوچا کہ جب موسیٰ (علیہ السلام) جاگیں گے تو میں ان کو بتا دوں گا کہ

مچھلی تو پانی میں چلی گئی۔ لیکن جب موسیٰ علیہ السلام جاگے تو وہ نوجوان ان کو یہ بات بتانا بھول گیا اور پھر سفر شروع ہو گیا۔

یہ بھی کیا کم ہے کہ ہم تیری تمنا میں جئیں  
لطفِ منزل نہ سہی، خواہشِ منزل ہی سہی  
جب سفر کرتے کرتے کافی آگے پہنچے تو موسیٰ علیہ السلام نے یوشع بن نون سے کہا: بھئی!  
کوئی کھانے پینے کی چیز لاؤ، ہمیں اس سفر کی وجہ سے بڑی تھکاوٹ ہو گئی ہے۔ حضرت  
موسیٰ علیہ السلام چل چل کر تھک گئے تھے۔

اصل میں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مقررہ پتھر سے آگے بڑھے تو اللہ کی طرف سے  
آپ پر بھوک کا دورہ پڑا، تاکہ کھانے کی خواہش ہو اور مچھلی یاد آ جائے اور اپنے مقصد کی  
طرف لوٹ آئیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے مچھلی کو چیرا، اس کو  
نمک لگایا اور اس میں سے صبح کو بھی کھایا اور شام کو بھی کھایا۔ جب اگلی صبح ہوئی تو اپنے  
نوجوان سے فرمایا کہ ہمارے لیے صبح کا کھانا لے آؤ، کیونکہ ہم اس سفر سے تھک گئے  
ہیں۔ [درمنثور: تحت ہذہ الآیۃ]

اس مچھلی کی نسل اب بھی اس جگہ کے آس پاس دریا میں موجود ہے، اسے ”سمکِ  
موسیٰ“ کہتے ہیں یعنی موسیٰ علیہ السلام کی مچھلی۔ چنانچہ باقاعدہ اس کا ایک طرف گوشت سے  
خالی ہوتا ہے، گویا کوئی آدھا حصہ کھا چکا ہے۔

”سفر“ کو ”سفر“ کیوں کہتے ہیں؟ ①

”سفر“ کے لغوی معنی پردہ اٹھانے کے ہیں۔ اور ”سفر“ کو ”سفر“ اس لیے کہتے ہیں

کہ یہ لوگوں کے اخلاق و عادات سے پردہ اٹھا دیتا ہے۔ لوگوں کا سفر کرنے سے یہی مقصد ہوتا ہے کہ وہ اپنی بُری عادات کا مشاہدہ کریں اور پھر ان کو اچھی عادات میں تبدیل کرنے کی کوشش کریں۔ اسی طرح سفر کے ذریعے لوگ اپنی ناکامی کی وجوہات کو پہچانتے ہیں، جن کو وہ وطن میں رہتے ہوئے نہیں پہچان سکتے۔

سفر کی دو قسمیں: (۱)

امام احمد بن عبد الرحمن بن قدامہ مقدسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”السَّفَرُ سَفَرَانِ: سَفَرٌ بظاہرِ البدنِ عَنِ الْوَطَنِ، وَ سَفَرٌ بِسِرِّ الْقَلْبِ عَنْ أَسْفَلِ سَافِلِينَ إِلَى مَلَكُوتِ السَّمَاوَاتِ“ (سفر دو قسم کا ہوتا ہے، ایک سفر ظاہری بدن کے ساتھ ہوتا ہے کہ بندہ اپنے وطن کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلا جائے اور دوسرا دل کا سفر ہوتا ہے کہ بندہ دنیا سے آسمانوں کی بلندی تک پہنچ جائے)۔

### زادِ مسافر: (۲)

امام ابن عربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”التَّقْوَى زَادٌ، وَالزَّادُ لِلْمُسَافِرِ لَا لِلْمُقِيمِ، مَنْ لَا سَفَرَ لَهُ لَا زَادَ لَهُ“ (تقویٰ تو زادِ راہ کی مانند ہے اور زادِ راہ کی مسافر کو ضرورت ہوتی ہے، نہ کہ مقیم کو۔ جس نے کسی سفر پہ نہ لکنا تو اس کو زادِ راہ سے کیا لینا دینا؟)

### آخرت کا مسافر: (۳)

بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ کسی بھی سفر پہ روانہ ہونے والے شخص کے لیے کچھ چیزیں بہت ضروری ہوتی ہیں، خاص طور پر آخرت کے مسافر کے لیے تو اس سے بھی زیادہ ضروری ہیں۔ وہ چیزیں مندرجہ ذیل ہیں:

①..... مقصدِ سفر: جس کی وجہ سے انسان سفر کرتا ہے۔



② رہنمائے سفر: وہ شیخ طریقت ہے۔

③ توشیئے سفر: وہ تقویٰ ہے۔

④ اسلحہ سفر: وہ وضو ہے۔

⑤ چراغ سفر: وہ ذکر الہی ہے۔

⑥ سواری سفر: مضبوط ہمت ہے۔

⑦ عصائے سفر: وہ عاجزی ہے۔

⑧ راہ سفر: وہ شریعت ہے۔

⑨ قافلہ سفر: وہ سچے دوست ہیں۔

### فوائد السلوک:

﴿لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا﴾ یہ دلیل ہے اس پر کہ اپنی حالت مرض وغیرہ کا اظہار منافی کمال نہیں۔

..... موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور پر تشریف لے گئے تو وہاں تو آپ کو تھکاوٹ محسوس نہیں ہوئی تھی، مگر اس سفر میں آپ نے تھکاوٹ کی شکایت کی، اس کے جواب میں بزرگ فرماتے ہیں کہ کوہ طور کا سفر خالق کی طرف تھا، اس لیے آپ نے وہاں تھکاوٹ محسوس نہیں کی، جبکہ یہ سفر مخلوق کی طرف تھا، اللہ کے خاص بندے سے ملاقات کے لیے جا رہے تھے، اس لیے یہاں تھکاوٹ محسوس ہوئی۔

..... بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ اصل میں مسئلہ یہ ہے کہ منزل سے پہلے تھکاوٹ عام طور پر نہیں ہوتی اور منزل کے بعد سفر چونکہ مقصد سے ہٹ کر ہوتا ہے، اس لیے تھکاوٹ ہو جاتی ہے۔ یہاں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تھکاوٹ جائے ملاقات سے آگے ہوئی ہے۔

اس سے مراد باطنی روحی سفر ہے یعنی سالک صفات بشریہ، خسیہ و رانیہ (مثلاً حسد، تکبر، نفیبت، ریاء وغیرہ) سے صفات ملکہ فاضلہ (مثلاً صبر، ہمت، خوف ورجاء وغیرہ) کی طرف تہدیلی اور ترقی حاصل کرتا ہے اس طرح پر کہ مراقبہ و تصور اور سنت پر عمل سے صفات بشریہ خسیہ کو محو کرتا ہے بلکہ اپنے آپ کو بھی فنا کر کے صفات ملکہ فاضلہ کی طرف ترقی کرتا اور مقامات سیر میں سفر کرنے لگتا ہے۔ جیسے ولایت صغریٰ، کبریٰ و علیا، کمالات نبوت و رسالت، اولوالعزم، حقائق الہیہ و انبیاء حتیٰ کہ فیض ذات غیب الغیب و الٰہیین سے (بلا واسطہ) مشرف ہونے لگتا ہے۔ یہ ایک عجیب بھید ہے کہ اپنے گھر میں بیٹھ کر سفر میں رہتا ہے پس سالک پر واجب ہے کہ ہر وقت اپنے نفس کی دیکھ بھال میں رہے کہ اس میں کچھ غیر اللہ کی محبت تو نہیں ہے، اگر ذرا بھی پائے تو اس کو ”لا اِلهَ“ کی نفی میں لا کر ”اِلا اللہ“ کی ضرب سے اللہ تعالیٰ کی محبت اپنے دل میں قائم کرے۔ (جاننا چاہیے کہ اللہ کے واسطے جس چیز سے محبت کی جائے اللہ تعالیٰ کی محبت میں داخل ہے) اور سفر در وطن بھی سیر انفسی کو متضمن ہے۔

..... اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ طلب علم کے سفر میں مصائب کا پیش آنا عین متوقع امر ہے۔

..... موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَذَا نَصَبًا﴾ (جی بات یہ ہے کہ ہمیں اس سفر میں بڑی تھکاوٹ لاحق ہو گئی ہے)۔ اسی طرح ﴿إِشْتَطَعْنَا أَهْلًا﴾ (موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام نے بستی والوں سے کھانا مانگا) سے بآسانی معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی بشری تقاضے پیش آتے ہیں، یہ نبوت کے منافی نہیں ہیں، جیسے بھوک اور تھکاوٹ وغیرہ۔

”لَفَذَلَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَذَا نَصَبًا“ سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنوں کے سامنے تکلیف اور درد کا اظہار جائز ہے... ایسا کرنا بے صبری اور منافی کمال نہیں۔

”قَالَ ارْءَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ وَمَا أَنْسِينِي إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ وَاتَّخَذَ سَبِيلًا فِي الْبَحْرِ عَجَبًا“  
اس نے کہا: بھلا بتائیے! (عجیب قصہ ہو گیا) جب ہم اس چٹان پر ٹھہرے تھے تو میں مچھلی (کا آپ سے ذکر کرنا) بھول گیا۔ اور شیطان کے سوا کوئی نہیں ہے جس نے مجھ سے اس کا تذکرہ کرنا بھلایا ہو، اور اس (مچھلی) نے تو بڑے عجیب طریقے پر دریا میں اپنی راہ لے لی تھی۔

حضرت یوشع علیہ السلام کا دید قصور: (۱)

قَالَ ارْءَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ

بولا: وہ دیکھا تو نے جب ہم نے جگہ پکڑی اس پتھر کے پاس سو میں بھول گیا مچھلی ”نَسِيتُ الْحُوتَ“ کا مطلب دو طرح سے بیان کیا گیا ہے۔ ایک مطلب وہی ہے جو ترجمہ میں ذکر کر دیا گیا کہ میں آپ سے مچھلی کا واقعہ بیان کرنا بھول گیا۔ اس کا دوسرا ترجمہ ہے: ”تَرَكَتُ“ یعنی میں نے مچھلی کھودی، مچھلی چھوڑ آیا۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یوشع نے مچھلی کو جب کو دکر سمندر میں گرتے دیکھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مطلع کرنے کا ارادہ کیا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بیداری کے بعد ذکر کرنا بھول گئے اور دن بھر بھولے رہے، یہاں تک کہ دوسرے روز ظہر کی نماز پڑھ

لی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کھانا طلب کیا تو حضرت یوشع کو مچھلی یاد آئی اور آپ نے عذر پیش کیا۔ (دیکھیے: تفسیر مظہری: تحت هذه الآية من سورة الكهف)

فوائد السلوک: (۱)

طالب علم اور سالک، بلکہ ہر چھوٹے کو چاہیے کہ استاد، شیخ اور بڑے کی غلطی بھی اپنے کھاتے میں ڈالے، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿نَسِيًا خُوتَهُمَا﴾ دونوں مچھلی بھول گئے تھے، یعنی حضرت یوشع علیہ السلام بتانا بھول گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پوچھنا بھول گئے کہ بھی! مچھلی زندہ تو نہیں ہوئی..... لیکن جب پوچھا تو حضرت یوشع علیہ السلام نے شاگردی اور مریدی کا حق ادا کر دیا اور رہتی دنیا تک ایک عظیم الشان ادب کا دروازہ کھولا اور قانون ادب بتا دیا: ﴿إِنِّي نَسِيتُ الْخُوتَ﴾ کہ جی! میں بھول گیا۔ یہ نہیں فرمایا: ﴿نَسِيتُ﴾ کہ جی! ہم بھول گئے تھے۔

﴿إِذْ أَوْينَا إِلَى الصَّخْرَةِ﴾ (جب ہم اس چٹان پر ٹھہرے تھے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ راحت کے اسباب سے استفادہ کرنا نبوت و ولایت کے منافی نہیں۔

یہاں کی وسوسہ اندازی: (۱)

وَقَالُوا نَسِينَا إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ

اور یہ مجھ کو بھلا دیا یا شیطان ہی نے کہ اس کا ذکر کروں

یعنی شیطانی وسوسہ آفرینی اور اغواء قلبی نے مجھے مچھلی کا تذکرہ کرنا بھلا دیا۔ علامہ بیضاوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت یوشع علیہ السلام آیات قدرت کے مشاہدے میں غرق ہو گئے تھے، مچھلی کا واقعہ دیکھ کر یکسر بارگاہِ قدس کی طرف ان کی ساری توجہ کھینچ گئی تھی اور اسی مقام فنا میں پہنچ جانے نے ان کو مچھلی کا تذکرہ بھلا دیا تھا، لیکن فروتنی اور انکسار طبع کی

وجہ سے انہوں نے بھولنے کی نسبت اپنی طرف اور فراموش کرانے یعنی شیطانی اثر اندازی کی نسبت شیطان کی طرف کی۔

[دیکھیے: تفسیر مظہری: تحت هذه الآية من سورة الكهف]

### لفظ ”شیطان“ کی تحقیق: (۱)

..... ”الشَّيْطَانُ“ میں ”نون“ اصلی ہے اور یہ ”شَطْنُ“ سے مشتق ہے، جس کے معنی دور ہونے کے ہیں اور ”بِئْرُ شَطُونُ“ (بہت گہرا کنواں) یعنی جس کا پانی بہت دور ہو..... ”شَطْنَتِ الدَّارُ“ (گھر کا دور ہونا) وغیرہ محاورت عربی میں استعمال ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ”شیطان“ کو ”شیطان“ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کر دیا گیا ہے۔

..... بعض نے کہا ہے کہ لفظ شیطان میں ”نون“ زائدہ ہے اور یہ ”شَاطَ يَشِيْطُ“ سے مشتق ہے، جس کے معنی غصہ سے سوختہ ہو جانے کے ہیں اور ”شیطان“ کو بھی ”شیطان“ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ آگ سے پیدا ہوا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ قَارِحٍ مِّنْ نَّارٍ ۖ﴾ [الرحمن: ۱۵] (اور جنات کو آگ کی لپٹ سے پیدا کیا) سے معلوم ہوتا ہے۔

..... ابو عبیدہ نے کہا ہے کہ شیطان ہر سرکش کو کہتے ہیں، خواہ وہ جن وانس میں سے ہو یا دیگر حیوانات سے۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شٰیْطٰنِ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ﴾ [الانعام: ۱۱۲] (اسی طرح ہم نے ہر پچھلے نبی کے لیے کوئی نہ کوئی دشمن پیدا کیا تھا، یعنی انسانوں اور جنات میں سے شیطان قسم کے لوگ)۔

[مفردات القرآن للامام الراغب، بزیادة]



## شیطان کے خلاف تین مددگار: ۱

شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تین چیزوں کے ذریعے شیطان پر قابو پایا جاسکتا ہے: ”تَعْرِفُ مَكَائِدَهُ وَ تَرَكَ الْإِعْتِنَاءَ بِوَسْوَاسَتِهِ وَ إِذْمَانُ ذِكْرِ اللَّهِ“ (پہلی چیز ہے اس کی چال بازیوں سے واقف ہونا، دوسری ہے اس کے وسوسہ پہ توجہ نہ دینا اور تیسری یہ کہ ہر وقت اللہ کی یاد میں مشغول رہنا)۔

## فوائد السلوک: ۱

﴿وَقَا أَنْسَيْنِي﴾ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وسوسہ و نسیان شیطان کے اثر سے پیش آ جانا، ولایت کے بلکہ نبوت کے بھی منافی نہیں۔

﴿وَقَا أَنْسَيْنِي إِلَّا الشَّيْطَانُ﴾ (اور شیطان کے سوا کوئی نہیں ہے جس نے مجھ سے اس کا تذکرہ کرنا بھلایا ہو) سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کے اطمینان کے لیے اپنی کوتاہی کا سبب اور عذر بھی بیان کرنا چاہیے۔

﴿وَقَا أَنْسَيْنِي إِلَّا الشَّيْطَانُ﴾ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شرور کی نسبت نسبتاً شیطان کی طرف کرنی چاہیے۔

## سمکِ موسیٰ کے عجوبہ ہونے کا بیان: ۱

وَاتَّخَذَ سَبِيلًا فِي الْبَحْرِ عَجَبًا ۝

اور اس نے کر لیا اپنا راستہ دریا میں عجیب طرح

جب انہوں نے ان سے کھانے کے لیے مچھلی مانگی تو ان کو اس وقت یاد آیا کہ مچھلی تو پانی میں چلی گئی تھی۔ چنانچہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو بتایا کہ میں آپ کو بتانا بھول گیا تھا،

مچھلی تو وہاں پتھر کے قریب ہی پانی میں چلی گئی تھی۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ لفظ ”عَجَبًا“ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا۔ یوشع نے جب ان سے مچھلی کا تذکرہ کیا اور سمندر میں اپنی راہ لینے کا اظہار کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ”عَجِيبٌ“ بعض نے کہا کہ ”اِتَّخَذَ“ کی ضمیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے، یعنی مچھلی کا سمندر کے اندر اپنا راستہ اختیار کرنے کو موسیٰ علیہ السلام نے عجیب قرار دیا۔  
[تفسیر مظہری: تحت ہذہ الآیۃ]

امام قتادہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ مچھلی سمندر کے ایسے حصہ میں آئی جس کو آبِ حیات (زندگی کا چشمہ) کہا جاتا ہے، جب اس مچھلی کو اس چشمے کا پانی پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی روح کو لوٹا دیا اور وہ زندہ ہو گئی۔ [تفسیر درمنثور: تحت ہذہ الآیۃ]

﴿قَالَ ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبْغُ ۖ فَارْتَدَّ اَعْلٰی اَنْارِهِمَا قَصَصًا ۝۳۶﴾

موسیٰ نے کہا: اسی بات کی تو ہمیں تلاش تھی۔ چنانچہ دونوں اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے واپس لوٹے۔

موسیٰ علیہ السلام کا منزل پانے کا بیان: ①

﴿قَالَ ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبْغُ ۖ فَارْتَدَّ اَعْلٰی اَنْارِهِمَا قَصَصًا ۝۳۶﴾

کہا: یہی ہے جو ہم چاہتے تھے پھر اُلٹے پھرے اپنے پیر پہچانتے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: بھی! ہمیں اسی جگہ کی تو تلاش تھی۔ چلو ہم اپنے قدموں کے نشانوں پر اسی جگہ واپس جاتے ہیں، ہمیں اسی جگہ پر وہ بندہ ملے گا۔ چنانچہ وہ دوبارہ

اپنے راستہ پر واپس آئے، جہاں ان کی ملاقات حضرت خضر علیہ السلام سے ہو گئی۔  
 مانا کہ تری دید کے قابل نہیں ہوں میں  
 تُو میرا شوق دیکھ، میرا اضطراب دیکھ  
 ایک عربی شاعر نے کہا ہے:

فَلَوْ قَدَرْتُ عَلَى الْإِنِّيَانِ زُرْنَكُمْ  
 سَخَبْنَا عَلَى الْوَجْهِ أَوْ مَشِينَا عَلَى الرَّأْسِ  
 ”میں آپ سے ملنے آؤں گا، چاہے مجھے چہرے کے بل آنا پڑے یا سر کے بل آنا  
 پڑے۔“

### طلبہ کے لیے علمی نکتہ: ①

”الْبَغْيُ“ کے معنی کسی چیز کی طلب میں درمیانہ روی کی حد سے تجاوز کی خواہش کرنا  
 کے ہیں۔ ”بغی“ دو قسم پر ہے:

①..... محمود۔ یعنی حد عدل و انصاف سے تجاوز کر کے مرتبہ احسان حاصل کرنا اور فرض  
 سے تجاوز کر کے تطوع بجالانا۔

②..... مذموم۔ یعنی حق سے تجاوز کر کے باطل یا شبہات میں واقع ہونا۔ چونکہ ”بغی“  
 محمود بھی ہوتی ہے اور مذموم بھی، اس لیے آیت کریمہ میں ہے: ﴿وَإِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى  
 الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ [الشوری: ۴۲] (الزام تو ان  
 لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ملک میں ناحق فساد پھیلاتے ہیں)۔

[مفردات القرآن للامام الراغب: تحت هذه الآية]

### فوائد السلوک: ①

..... شیخ عبدالعزیز دباغ رحمہ اللہ مادر زاد ولی اور باطنی نسبت کے باکمال بزرگ تھے،



اللہ نے آپ کی زبان پر بڑی بڑی باتیں جاری کیں، سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی طرح زیادہ لکھے پڑھے نہیں تھے، مگر اللہ نے بڑا روشن دل عطا فرمایا تھا، یہی حال حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، ظاہری علم کم تھا، مگر مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے لوگ آپ کے مرید تھے، اگر یہ کہا جائے کہ گزشتہ صدی میں پوری دنیا میں اتنا بڑا ولی اللہ نہیں گزرا تو یہ بات غلط نہیں ہوگی۔ بہر حال شیخ عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نکتہ بیان کیا ہے، فرماتے ہیں کہ جس مقام پر موسیٰ علیہ السلام کی مچھلی گم ہوئی، اسی مقام پر ان کا مطلوب حاصل ہوا۔ مچھلی پیٹ کا معاملہ تھا، تو جہاں پیٹ کا معاملہ ختم ہوا وہاں معرفت حاصل ہوگئی۔ اسی طرح فرماتے ہیں کہ جب تک انسان کے ساتھ پیٹ کا دھندا غالب ہوگا، خدا تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں ہو سکتی۔

..... بڑے کو چاہیے کہ اگر چھوٹے سے کوئی بھول چوک ہو جائے تو اسے نظر انداز کر دے، جیسے حضرت یوشع کو کوئی ڈانٹ نہیں پڑی۔  
..... اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فاضل کے لیے طالب بننے میں بڑی دشواری پیش آتی ہے۔

..... ﴿فَارْتَدَّ عَلَيَّ اثَارِهِمَا فَصَصَّاهُ﴾ (چنانچہ دونوں اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے واپس لوٹے) سے معلوم ہوتا ہے کہ زبردست کوشش کے ساتھ ساتھ صحیح سمت کی طرف رخ ہونا اور انتہائی احتیاط بھی کامیابی کے لیے ضروری ہے۔

..... موسیٰ علیہ السلام نے صرف اتنا فرمایا: ﴿ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ﴾ (اسی بات کی تو ہمیں تلاش تھی) اور ڈانٹا نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدام کی کوتاہی پر معذرت کو قبول کرنا چاہیے۔

..... ﴿فَارْتَدَّ عَلَيَّ اثَارِهِمَا فَصَصَّاهُ﴾ (چنانچہ دونوں اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے



واپس لوٹے) سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیوی معاملات میں عقل و فکر سے کام لینا چاہیے۔

○ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے چلتے وقت اقدام مبارک کے آثار ہوتے ہیں۔

○ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حق و صواب معلوم ہو جائے تو فوراً اس کی طرف رجوع کرے۔

﴿فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا اتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِمَّا لَدُنَّا عَلَمًا﴾

تب انہیں ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ ملا جس کو ہم نے اپنی خصوصی رحمت سے نوازا تھا، اور خاص اپنی طرف سے ایک علم سکھایا تھا۔

چوتھا منظر..... حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات: ①

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا اتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا

پھر پایا ایک بندہ ہمارے بندوں میں کہ جس کو دی تھی ہم نے رحمت اپنے پاس سے ایک اور روایت میں آیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص کپڑا اوڑھے چت لیٹا ہے، کپڑے کا کچھ حصہ سر کے نیچے دبا ہے اور کچھ ٹانگوں کے نیچے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس وقت حضرت خضر علیہ السلام وسطِ سمندر میں ایک جہاں سردار سبز مند بچھائے نماز پڑھ رہے تھے۔ [تفسیر مظہری: تحت هذه الآية]

یہ آیا کون کہ دھیمی پڑ گئی تو مجمعِ محفل کی

پٹنگوں کے عوض اڑنے لگیں چنگاریاں دل کی

جب پہلی ملاقات ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام کو سلام کیا، خضر علیہ السلام نے

جواب میں کہا: ”هَلْ بِأَرْضِي مِنْ سَلَامٍ؟“ (یہاں میری اس سرزمین میں سلام



کہاں؟ یعنی یہاں پر سلام کرنے کا کونسا موقع ہے؟ یہاں تو کوئی آبادی ہی نہیں ہے، بالکل ویران جگہ ہے۔ اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں گرد و نواح میں سب کفار و مشرکین آباد ہیں تو یہاں کیسے سلام ہوا؟ اس کے خضر علیہ السلام نے یہ بھی کہا: ”مَنْ أَنْتَ؟“ (تو سلام کرنے والا کون آدمی ہے؟) موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: ”أَنَا مُوسَى“ یعنی میں موسیٰ ہوں۔ خضر علیہ السلام نے پھر پوچھا: ”مُوسَى بَنِي إِسْرَائِيلَ؟“ (کیا بنی اسرائیل والے موسیٰ؟) تو آپ نے کہا: ہاں۔ [صحیح بخاری، رقم: ۴۷۲۶]

### حضرت خضر علیہ السلام کی شخصیت: ۱

آپ کا اصل نام ”بَلْیَا“، کنیت ”ابوالعباس“ اور لقب ”خضر“ تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب یوں ہے: ”بَلْیَا بن مَلْکَانَ بن فَالِغ بن عَابِر بن شَالِح بن أَرْفَحْشَد بن سَام بن نُوح“ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح یہ بھی سامی نسل سے تعلق رکھتے تھے، ان کا زمانہ بھی حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے قریب ہی ہے۔ [تفسیر معالم العرفان: تحت هذه الآية]

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ بعض نیک لوگوں کی حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کی یہ توجیہ بیان کرتے ہیں کہ خضر علیہ السلام دنیا کا دور تو ختم کر چکے ہیں، البتہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے ان کی مثالی صورت ظاہر کر دیتا ہے۔ لہذا ممکن ہے کہ وہ مثالی صورت میں بھولے بھٹکوں کی راہنمائی کرتے ہوں۔ مثالی صورت خواب میں بھی نظر آ سکتی ہے اور بیداری میں بھی۔ بعض اوقات نیک آدمی خواب میں نظر آتے ہیں اور کوئی اچھی بات بھی بتلا دیتے ہیں، حالانکہ اس بندے کو پتہ ہی نہیں ہوتا کہ وہ کون ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ خواب میں مثالی وجود دکھانے پر قادر ہے اسی طرح بیداری میں بھی ایسا ہو سکتا ہے۔

[حوالہ بالا]

خضر علیہ السلام بھی اولادِ آدم میں سے ہیں: (۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ خضر علیہ السلام، آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور ان کی عمر میں تاخیر کی گئی ہے، یہاں تک کہ وہ دجال کی تکذیب کریں گے۔

[درمنثور: تحت هذه الآية من سورة الكهف]

ابن اسحاق رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ہمارے اصحاب نے ہم کو بیان فرمایا کہ آدم علیہ السلام کو جب موت حاضر ہوئی تو انہوں نے اپنے بیٹوں کو جمع کر کے فرمایا: اے میرے بیٹو! اللہ تعالیٰ عنقریب زمین پر عذاب نازل کرے گا، پس میرا جسم تمہارے ساتھ غار میں ہو، یہاں تک کہ جب تم (کشتی سے) نیچے اُترو تو مجھے بھیج دینا اور مجھے شام کی زمین میں دفن کر دینا۔ آدم علیہ السلام کا جسم ان کے بیٹوں کے ساتھ رہا، جب اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو بھیجا تو انہوں اس جسم کو (مٹی میں) ملا لیا، اللہ تعالیٰ نے زمین پر طوفان کو بھیجا تو زمین غرق ہو گئی۔ نوح علیہ السلام تشریف لائے، یہاں تک کہ بابل میں اُترے اور انہوں نے اپنے بیٹوں کو تین باتوں کی نصیحت فرمائی (اور وہ ”سام“، ”حام“ اور ”یافث“ تھے) کہ وہ ان کے جسم کو اس غار کی طرف لے جائیں جس میں ان کو دفن کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا: زمین وحشت والی ہے، یہاں کوئی انس والا نہیں اور نہ ہم راستہ جانتے ہیں، لیکن کچھ دیر ٹھہر جاؤ یہاں تک کہ لوگ اور بڑھ جائیں۔ نوح علیہ السلام نے ان سے فرمایا: آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی تھی کہ جو ان کو دفن کرے، اس کی عمر قیامت تک طویل ہو۔ پس آدم علیہ السلام کا جسم اسی طرح رہے گا، یہاں تک کہ خضر علیہ السلام کو آپ کے دفن کرنے کا فریضہ سونپا گیا، اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے وعدہ کو پورا کر دیا، جو ان سے وعدہ فرمایا تھا، پس وہ زندہ رہیں گے جب تک اللہ تعالیٰ

ان کو زندہ رکھنا چاہیں گے۔ [حوالہ بالا]

ابن عساکر نے سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ خضر علیہ السلام کی ماں رومیہ

تھی اور ان کے والد فارسی تھے۔ [حوالہ بالا]

کنگھی کرنے والی عورت اور اس کے بیٹے کی خوشبو: ۱۱

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ معراج کی رات میں نے پاکیزہ خوشبو سونگھی۔ میں نے پوچھا: اے جبریل! یہ پاکیزہ خوشبو کیسی ہے؟ انہوں نے فرمایا: ایک کنگھی کرنے والی عورت، اس کے بیٹے اور اس کے شوہر کی قبر کی خوشبو ہے۔

اور اس واقعہ کی ابتدا یوں ہوئی کہ خضر علیہ السلام بنی اسرائیل کے عزت والے لوگوں میں سے تھے اور ان کا گزر گر جاگھر کے ایک راہب کے پاس سے ہوا، جو اپنے گرجا میں رہتا تھا، راہب ان کے پاس آیا اور انہوں نے اس کو سلام کیا اور اس بات پر وعدہ لیا کہ کسی کو یہ نہیں سکھائے گا، پھر اس کے باپ نے ایک عورت سے شادی کی اور خضر علیہ السلام نے بیوی کو اسلام سکھا دیا اور اس عورت سے وعدہ لیا کہ وہ کسی کو نہیں سکھائے گی۔ خضر علیہ السلام عورتوں کے قریب نہ جاتے تھے، پھر اس نے دوسری عورت سے شادی کی اور اس کو بھی آپ نے اسلام سکھا دیا اور اس سے بھی وعدہ لیا کہ وہ کسی کو نہ بتائے گی۔ پھر اس نے اس کو طلاق دے دی، ان میں ایک نے راز فاش کر دیا اور دوسری نے چھپائے رکھا۔ راز فاش ہونے پر خضر علیہ السلام بھاگ گئے، یہاں تک کہ وہ سمندر میں ایک جزیرہ پر آ گئے، آپ کو دو آدمیوں نے دیکھا، ان میں سے ایک نے اس کا معاملہ ظاہر کیا اور دوسرے نے چھپایا، اس سے کہا گیا کہ جس نے اس کو تیرے ساتھ دیکھا تھا، وہ کون

تھا؟ اس نے کہا: فلاں نے۔ اور ان کے دین میں یہ تھا کہ جو جھوٹ بولے، اس کو قتل کر دیا جائے۔ اس سے پوچھا گیا تو اس نے چھپایا، اس کو قتل کر دیا گیا۔ جس نے اس پر راز فاش کیا تھا، پھر اس پر چھپانے والے نے کنگھی کرنے والی عورت سے نکاح کر لیا، اس درمیان کہ وہ فرعون کی بیٹی کو کنگھی کر رہی تھی، اچانک کنگھی اس کے ہاتھ سے گر گئی، اس عورت نے کہا: فرعون ہلاک ہو، لڑکی نے اپنے باپ کو اس بات کی خبر دی، فرعون نے عورت کو، اس کے بیٹوں کو اور اس کے شوہر کو بھی بلوا بھیجا اور انہیں کہا کہ اپنے دین سے ہٹ جاؤ، انہوں نے انکار کر دیا۔ فرعون نے کہا: تم کو قتل کر دوں گا، انہوں نے کہا: اگر تو ہم کو قتل کرے گا تو ایک ہی قبر میں ہم کو دفن کر دینا۔ فرعون نے ان کو قتل کر دیا اور ان کو ایک ہی قبر میں دفن کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے اس سے زیادہ پاکیزہ خوشبو نہیں سونگھی، حالانکہ میں جنت میں داخل ہوا تھا۔ [حوالہ بالا]

..... ابن ابی حاتم نے شعیب ابن الحجاب رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ خضر علیہ السلام ایسے بندے تھے کہ ان کو آنکھیں نہیں دیکھتی تھیں، مگر جس کا اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتے کہ وہ ان کو دیکھ لے، خاص طور پر وہ انہیں نظر آ جاتے ہیں۔ قوم میں سے کسی نے ان کو نہیں دیکھا، مگر موسیٰ علیہ السلام نے۔ اگر قوم ان کو دیکھ لیتی تو وہ انہیں نہ تو کشتی پھاڑنے دیتے اور نہ لڑکے کو قتل کرنے دیتے۔ حماد رحمہ اللہ کہتے ہیں: اور وہ لوگ دیکھ رہے تھے کہ اس لڑکے کو اچانک موت آ گئی۔ [حوالہ بالا]

### فوائد السلوک: ①

..... حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس جملے پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”فِيهِ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ وَمَنْ دُونَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ مِنَ الْغَيْبِ إِلَّا مَا عَلَّمَهُمُ اللَّهُ، لَوْ كَانَ الْخَضِرُ



يَعْلَمُ كُلُّ غَيْبٍ لَّعَرَفَ مُوسَى قَبْلَ أَنْ يَسْأَلَهُ“ [فتح الباری، تحت حدیث البخاری برقم: ۱۲۲] یعنی انبیاء اور اولیاء وغیرہ غیب کی اتنی ہی بات جانتے ہیں جتنی اللہ انہیں بتلا دیتا ہے، اگر خضر علیہ السلام غیب دان ہوتے تو موسیٰ علیہ السلام کو بغیر پوچھے ہی پہچان لیتے۔

رحمہ... مجاہدہ کے بعد اللہ کی طرف مبشرات وقوع پذیر ہو جاتے ہیں، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تھکاوٹ کے بعد حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کی۔ چنانچہ اللہ نے بھی فرمایا: ﴿فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا﴾ (تب انہیں ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ ملا)... ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ (اور جن لوگوں نے ہماری خاطر کوشش کی ہے، ہم انہیں ضرور بالضرور اپنے راستوں پر پہنچائیں گے)... اسی طرح فرمایا: ﴿إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾ (یقیناً مشکلات کے ساتھ آسانی بھی ہوتی ہے)۔ عرب والے بھی کہتے ہیں: ”مَنْ جَدَّ وَجَدَّ“ (جو کوشش کرتا ہے پالیتا ہے)۔

رحمہ... ﴿اَتَيْنِدُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ مخلوق کوئی بھی ہو، اپنی ذات و صفات میں حق تعالیٰ کی محتاج ہوتی ہے۔

رحمہ... جہاں شرک کا شائبہ و توہم ہو وہاں تعبیر میں توحید کے تحفظ کا پورا پورا اہتمام کیا جائے، اور شرک کی بلیغ نفی کی جائے، تاکہ جہلاء کسی قسم کی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ حضرت خضر علیہ السلام کے ہاتھوں عجیب و غریب کام وقوع پذیر ہوئے۔ چنانچہ جہلاء اس بات میں مبتلا ہو سکتے تھے کہ وہ ”مختارِ کل“ ہیں۔ جو ایک گمراہ کن عقیدہ ہے۔ اس باطل عقیدہ کے توڑ کے لیے اللہ تعالیٰ نے دو انداز اپنائے... پہلا یہ کہ حضرت خضر علیہ السلام کو ”عَبْدًا“ (بندہ) قرار دیا، اس میں ان کی معبودیت کی نفی ہے... دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ وہ ہمارے خاص بندوں میں سے ایک

بندہ ہے، اور جو باطنی و مادی ہے کہ بندہ، رب نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:  
 ﴿عِبَادِ اعْبُدُونِي﴾ (تب انہیں ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ ملا)۔  
 ﴿فَوَجَدَا عَبْدًا مِنْ عِبَادِنَا﴾... ﴿الْفَقِيْرَ﴾... ﴿وَكَانَ الْوَهْدُ صَافً﴾ ان تین مقامات سے  
 معلوم ہوتا ہے کہ القاب میں مبالغہ آرائی کے بجائے، اقییت کا خیال رکھا جائے۔  
 ﴿اَتَّبِعْ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِنَا﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبوت اور الٰہیت خاصہ رحمہ  
 کبریٰ ہیں اور دونوں رحمہ حق کا ثمرہ ہیں۔

﴿عِبَادِ اعْبُدُونِي﴾ کی تعبیر بتا رہی ہے کہ قطب الحکومین، رجال الخدمت وغیرہ  
 اصطلاحات بالکل بے اصل نہیں ہیں۔ علماء المل بلافت اس تعبیر کو بخوبی سمجھتے ہیں۔  
 طلبہ کے لیے علمی نکتہ: (۱)

توحید کا تحفظ بھی مقصود ہے اور اہل اللہ کا احترام بھی، چنانچہ ”عبد“ کی حکیم برائے  
 تعظیم ہے اور ”عبادنا“ میں اضافت تشریفیہ ہے، چنانچہ ﴿فَوَجَدَا عَبْدًا مِنْ عِبَادِنَا﴾ کا  
 معنی یوں بنے گا کہ ان دونوں نے ہمارے خاص بندوں میں سے ایک عظمتوں والا بندہ پایا۔  
 حضرت خضر علیہ السلام کے علم لدنی کا بیان: (۱)

### وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا

اور جس کو سکھایا تھا اپنے پاس سے ایک علم  
 یہ جو خاص علم تھا وہ نگوینی علم تھا۔ شریعت کا علم نہیں تھا، شریعت کے علم میں تو حضرت  
 موسیٰ علیہ السلام سب سے بڑے تھے۔ یہ حضرت خضر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ولی تھے جن کو اللہ  
 تعالیٰ نے نگوینی علم دیا تھا۔ یہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے، اس کے ہر کام میں حکمت کیا ہے،  
 حقیقت کیا ہے، یہ علم ان کے پاس تھا۔ اس کو ”علم لدنی“ کہا گیا۔



کیا حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے؟ (۱)

امام بغوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اکثر علماء خضر علیہ السلام کو نبی تسلیم نہیں کرتے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک علماء کا یہ قول غور طلب ہے کیونکہ اولیاء اللہ جو علم الہام سے حاصل ہوتا ہے وہ ظنی ہوتا ہے یقینی نہیں ہوتا، اس کو الہامِ ربمانی کہا جاسکتا ہے، لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ القاءِ شیطانی ہو، خصوصاً ایسی صورت میں کہ وہ تعلیمِ شریعت کے خلاف ہو اس صورت میں تو اس کا القاءِ شیطانی ہونا تقریباً یقینی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ الہامی علوم باہم متعارض اور مختلف ہوتے ہیں۔ اب اگر خضر علیہ السلام کا نبی نہ ہونا مان لیا جائے تو کیا جواب ہوگا؟ معصوم بچے کو بے قصور قتل کر دینے کا محض اس وجہ سے کہ خضر علیہ السلام کو الہام سے معلوم ہو گیا کہ ماں باپ اس کی محبت میں پڑ کر گناہگار اور بے راہ ہو جائیں گے، اس لیے اس کو قتل کر دیا جائے (یہ الہام تو شریعت کے خلاف تھا، پھر خضر علیہ السلام نے اس پر عمل کیوں کیا؟ تو معلوم ہوا کہ یہ الہام نہیں تھا، بلکہ وحی تھی اور حضرت خضر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے۔ [تفسیر مظہری بزیادہ]

اللہ تعالیٰ کے علم سے موازنہ: (۱)

صحیحین کی روایت میں ہے کہ کشتی والوں نے خضر علیہ السلام کو پہچان لیا اور انہیں بغیر کرایہ کشتی میں سوار کر لیا، آگے اسی روایت میں آتا ہے: ”وَقَعَ عُصْفُورٌ عَلَى حَرْفِ السَّفِينَةِ فَغَمَسَ مِنْقَارُهُ فِي الْبَحْرِ“ (ایک چڑیا کشتی کے کنارے پر آ کر بیٹھ گئی، پھر اس نے اپنی چونچ سمندر میں ڈالی) تو خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: ”مَا عَلِمَكَ وَ عَلَيَّ وَعِلْمُ الْخَلَائِقِ فِي عِلْمِ اللَّهِ إِلَّا مِقْدَارُ مَا غَمَسَ هَذَا الْعُصْفُورُ مِنْقَارَهُ“ [صحیح بخاری، رقم: ۴۷۲۷] (میرے اور تمہارے علم کی نسبت اللہ تعالیٰ کے علم سے اس قدر ہے

جہی اس چٹا کی چوٹی کی تری کو سمندر سے (اصل میں یہ خدائی جانب سے ترید  
فی: یہ کہ اسی مسئلہ میں موسیٰ علیہ السلام پر اہل آئی غمی کہ مجھ سے زیادہ عالم کوئی نہیں ہے۔  
موسیٰ علیہ السلام نے واضح کر دیا کہ اسے موسیٰ! میرا اور میرا علم اتنا معمولی ہے، جتنا اس  
چٹا کی چوٹی کو اس سمندر میں کی کر دی ہے۔ اعمیٰ عام اللہ!

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب  
موسیٰ علیہ السلام حضرت علیہ السلام سے ملے تو ایک پندہ آیا اور اس نے اپنی چوٹی کو پانی میں ڈال  
دیا، حضرت علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ پندہ کیا کہتا ہے؟  
پہمنا: کیا کہتا ہے؟ فرمایا: وہ کہتا ہے کہ تیرا علم اور موسیٰ علیہ السلام کا علم اللہ کے علم کے مقابلے  
میں اس پانی کے برابر ہے جو میری چوٹی نے لیا ہے۔ اعمیٰ مدبر!

نوائد السلوک: (۱)

یہ آیت اصل ہے اثبات علم لدی میں اور اس علم لدی کو علم حقیقت و علم باطن بھی  
کہتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ وَعَآمِينَ“ (میں نے رسول اللہ ﷺ سے علم کے دو برتن محفوظ کیے ہیں)۔ ان  
میں سے ایک علم کو تو میں نے پھیلا دیا ہے جس کا تعلق عبادت، طہال و حرام اور عبادات  
سے ہے اور اگر میں دوسرے علم کو بھی ظاہر کر دوں ”قُطِعَ هَذَا الْبَلْعُومُ“ (مجھ بخاری  
لم: ۱۷۰) (تو یہ گردن کٹ جائے)، مطلب یہ ہے کہ اس خاص علم کی پیچیدگیاں اور باطنی  
باتیں ہرگز برداشت نہیں ہو سکیں گی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے: ”مَا رَبِّ! جَوْهَرٌ عِلْمٌ لَوْ أُتِيَخَ لَقِيلَ أَتَتْ

مَنْ يَغْبُدُ الْوَتْنَ“ (علم کے بہت سے جوہر ایسے ہیں کہ اگر میں ان کو ظاہر کر دوں تو لوگ مجھ پر کفر کا فتویٰ لگا دیں گے)، ”وَلَا تَسْتَعْلِ رِجَالُ الْمُسْلِمُونَ دَمِي، يَرُونَ أَفْجَحَ مَا يَأْتُونَهُ حَسَنًا“ (اور کئی مسلمان میرے خون کو حلال سمجھنے لگیں گے، جو خود بُرے سے بُرا عمل کرتے ہیں اور اسے اچھا خیال کرتے ہیں)۔ [تفسیر معالم العرفان]

### علم لدنی:

علم فرشتے کے ذریعے بھی سکھایا جاسکتا ہے، اشارے سے بھی ایسا ہوتا اور علم قلب میں ڈالا جاسکتا ہے، اللہ تعالیٰ انہی ذرائع سے اپنے بندوں کو علم عطا کرتا ہے، علم لدنی وہ علم ہے جس میں اچھے کام کی توفیق یا خذلان یعنی رُسا کرنے کی طرف اشارہ ہوتا ہے، ایسا علم بغیر کسب اور تلقین کے حاصل ہوتا ہے اور اسے ”علم وہبی“ بھی کہتے ہیں، اس کو ”کشف“ اور ”الہام“ سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ تاہم خضر علیہ السلام کا علم انبیاء کرام علیہم السلام والا علم تھا، اگرچہ آپ تشریف ہی نہیں تھے، بلکہ اللہ نے تکوینیات کے سلسلے میں آپ کو کچھ علوم سکھائے تھے، اس علم کے متعلق مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے لوگ کہتے ہیں:

علم چوں بردل زند یارے شود

علم چوں برگل زندگی بارے شود

”جس علم کی چوٹ دل پر لگتی ہے وہ انسان کے لیے مفید ہوتا ہے اور جس علم کا تعلق مٹی یا

جسم سے ہوتا ہے وہ انسان کے لیے بطور بوجھ ہی ہوتا ہے۔“

دوسرے شعر میں ہے:

علم را برتن زنی مارے بود

”جس علم کی چوٹ دل کی بجائے جسم پر پڑتی ہے، وہ علم انسان کے لیے بطور سانپ

کے ہوتا ہے کہ اس سے نقصان کی توقع ہی کی جاسکتی ہے۔“



بہر حال ”علم لدنی“ وہ ہے جس سے قلب کی صفائی ہو اور تعلق باللہ درست ہو جائے، اس قسم کا علم انبیاء کرام علیہم السلام کو تو قطعی نص سے ہوتا ہے، البتہ کسی حد تک اولیاء اللہ کو بھی حاصل ہوتا ہے، شاعر لوگ کہتے ہیں کہ اگر انسان کو سر بلندی اور تفوق کا باعث بننے والا علم حاصل نہ ہو تو وہ خسارے میں رہتا ہے، اردو زبان کے شاعر ”آزاد“ کا شعر بھی ہے۔

سب صنعتیں جہاں کی آزاد ہم کو آئیں  
ملا وہ یار جس سے ایسا ہنر نہ آیا

شیخ ابن عربی رحمہ اللہ نے بھی کہا ہے: ”مَا لَذَّةُ الْعَيْشِ إِلَّا صُحْبَةُ الْفُقَرَاءِ هُمْ السَّلَاطِينُ وَ السَّادَاتُ وَ الْأُمَرَاءُ“ (فقراء کی صحبت کے بغیر کمال درجے کی مجلسی زندگی حاصل نہیں ہو سکتی، یہی لوگ سلاطین بھی ہیں، سادات بھی ہیں اور امراء بھی ہیں)، ان کے قلوب پر ہمیشہ اللہ کی تجلیات نازل ہوتی رہتی ہیں اور انہی کو ”علم لدنی“ حاصل ہے۔ اگر ان لوگوں کی رفاقت نصیب ہو جائے تو بڑے کمال کی بات ہے۔

[تفسیر معالم العرفان]

## علم نافع: ①

حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”الْعِلْمُ هُوَ نُورٌ يَضَعُهُ اللَّهُ فِي قَلْبِ مَنْ يُرِيدُ أَنْ يَهْدِيَهُ“ (علم وہ نور ہے جسے اللہ تعالیٰ ایسے بندے کے دل میں جگہ دیتا ہے جس کو وہ ہدایت دینا چاہتا ہے)۔ [موسوعة الكسزان: تحت مادة: علم م]

## علم کے تین قرآنی نام: ①

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں قرآن مجید کو تین مختلف ناموں سے تعبیر کیا ہے:

① حیاة: چنانچہ فرمانِ خداوندی ہے: ﴿أَوْ مَنْ كَانَ مِنِّي فَأَخَيَّرْنَا وَجَعَلْنَا لِدُنُوْرَا يَنْصِبِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا ۚ كَذَلِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ [الانعام: ۱۲۲] (ذرا بتاؤ کہ جو شخص مردہ ہو، پھر ہم نے اسے زندگی دی ہو اور اس کو ایک روشنی مہیا کر دی ہو جس کے سہارے وہ لوگوں کے درمیان چلتا پھرتا ہو، کیا وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کا حال یہ ہو کہ وہ اندھیروں میں گھرا ہوا ہو جن سے کبھی نکل نہ پائے؟ اسی طرح کافروں کو یہ بھادیا گیا ہے وہ جو کچھ کرتے رہے ہیں، وہ بڑا خوشنما کام ہے)۔

② روح: ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا﴾ [الشوریٰ: ۵۲] (اور اسی طرح ہم نے تمہارے پاس اپنے حکم سے ایک روح بطور وحی نازل کی ہے)۔

③ نور: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ [النور: ۳۵] (اللہ تعالیٰ نورِ ہدایت دینے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا)۔ [ایضاً]

مراتبِ علم:

حضرت سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”أَوَّلُ الْعِلْمِ الْإِسْتِمَاعُ، ثُمَّ الْفَهْمُ، ثُمَّ الْحِفْظُ، ثُمَّ الْعَمَلُ، ثُمَّ النَّشْرُ“ (علم کا پہلا درجہ یہ ہے کہ بات کو توجہ سے سنا جائے، پھر سمجھا جائے، پھر یاد کیا جائے، پھر اس پر عمل کیا جائے اور اس کے بعد اس کی اشاعت کی جائے)۔ [ایضاً]

علم کے تدریجی مراحل:

شیخ ابو عبد الرحمن سلمی رضی اللہ عنہ بعض صوفیاء کی بات نقل کر کے لکھتے ہیں: ”أَوَائِلُ الْعِلْمِ

الْحَشِيَّةُ، ثُمَّ الْإِجْلَالُ، ثُمَّ التَّعْظِيمُ، ثُمَّ الْهَيْبَةُ، ثُمَّ الْفَنَاءُ، علم کے ذریعے پہلے خشیت الہی پیدا ہوتی ہے، پھر عظمت الہی، پھر تعظیم، پھر ہیبت اور پھر فنایت نصیب ہو جاتی ہے۔ [ایضاً]

## لذتِ علم:

شیخ عبداللہ بن علوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”لَا يَجِدُ الْعَالَمُ لَذَّةَ الْعِلْمِ حَتَّى يَهْدِبَ نَفْسَهُ وَ أَخْلَاقَهُ، وَ يَسْتَقِيمَ عَلَى الْكِتَابِ وَ السُّنَّةِ، وَ يَزِي بِالرِّيَاسَةِ تَحْتَ قَدَمِهِ“ (کوئی عالم اس وقت تک علم کی لذت سے آشنا نہیں ہو سکتا، جب تک کہ وہ اپنے نفس اور اخلاق کی اصلاح نہ کر لے، اس کے ساتھ ساتھ کتاب و سنت پر استقامت کے ساتھ چلتا رہے اور دنیاوی جاہ و مرتبے کو اپنے پاؤں کے نیچے روند نہ ڈالے)۔

[ایضاً]

## علمِ نافع کی اقسام:

بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ علمِ نافع کی چند اقسام ہیں۔ چنانچہ:

❖..... ”هِيَ عِلْمٌ يَقْوَى بِهِ يَقِينُكَ“ (علمِ نافع وہ ہوتا ہے جس کے ذریعے بندے کا یقین پختہ ہو جائے)۔

❖..... ”عِلْمٌ تَحْسُنُ بِهِ عِبَادَةَ رَبِّكَ“ (ایک وہ علم ہوتا ہے جس کے ذریعے بندہ احسن طریقے سے اپنے رب کی عبادت کر سکے)۔

❖..... ”عِلْمٌ تَحْسُنُ بِهِ مُعَامَلَةَ إِخْوَانِكَ الْمُؤْمِنِينَ“ (ایک وہ علم ہوتا ہے جس کے ذریعے بندہ اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ پیش آنے والے معاملات کو احسن طریقے سے سرانجام دے سکے)۔

○ "عَلَّمَ تَحْسِبُ بِهِ مَعْنِيَّتَكَ وَ أَفْأَكَ" (ایک وہ علم ہوتا ہے جس کے ذریعے بندے دل میں عیش و انگیزش ہوتی ہے اور اس کے دل غار کی اصلاح ہو جاتی ہے)۔

○ "عَلَّمَ بِدَوِّهِ لَكَ بِهِ الْعَرِيدُ مِنَ الْعُضْلِ" (ایک وہ علم ہوتا ہے جس کی وجہ سے بندے پر اللہ تعالیٰ کی رحمت و مہربانی ہوتی رہے)۔

○ "عَلَّمَ نَعْلَمُ بِهِ مِنْ أُنْثَى" (ایک وہ علم ہوتا ہے جس کی وجہ سے بندہ اپنی اوقاف کو بچان لیتا ہے)۔

[ایضاً]

ادام صاحب رحمۃ اللہ کا فرمان : (۱)

امام ابو حنیفہ رحمہ فرماتے ہیں: "مَا الْعِلْمُ إِلَّا لِلْعَمَلِ بِهِ، وَالْعَمَلُ بِهِ تَرْكُ الْعَاجِلِ لِلْآجِلِ" (علم تو ہوتا ہی اس لیے ہے کہ اس پر عمل کیا جائے، اور عمل کہتے ہیں دنیا کو آخرت کے لیے چھوڑنا، یعنی دنیا میں دل نہ لگانا)۔ [ایضاً]

جامع علم : (۱)

شیخ ابراہیم دسوقی رحمہ فرماتے ہیں: "الْعِلْمُ كُلُّهُ، مَجْمُوعٌ فِي حَرْفَيْنِ: مَنْ عَرَفَ اللَّهَ وَ عِبْدَهُ فَقَدْ أَذْرَكَ الشَّرِيعَةَ وَ الْحَقِيقَةَ" (سارے کا سارا علم دو حرفوں میں سمٹا ہوا ہے، اور وہ یہ کہ جو شخص اللہ کی معرفت اور عبادت میں لگ گیا تو اس نے شریعت اور حقیقت کو پا لیا)۔ [ایضاً]

علم کی زکوٰۃ : (۱)

○ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ فرماتے ہیں: "زَكَاةُ الْعِلْمِ نَفْسُهُ وَ دَعْوَةُ الْخَلْقِ إِلَى الْحَقِّ" (علم کی زکوٰۃ یہ ہے کہ اسے پھیلا یا جائے اور اس کے ذریعے مخلوق کو خالق کی

طرف بلایا جائے۔

حضرت جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ”زَكَاةُ الْعِلْمِ أَنْ يُعَلِّمَهُ أَهْلَهُ“ (علم کی زکوٰۃ یہ ہے کہ ان لوگوں کو سکھایا جائے جو اس کے اہل ہوں)۔ [ایضاً]

علم کی زینت: (۱)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”زِينَةُ الْعِلْمِ الْوَزْعُ وَالْحِلْمُ“ (علم کی زینت، تقویٰ اور بردباری سے ہوا کرتی ہے)۔ [ایضاً]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان: (۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”الْعِلْمُ وَرَاثَةُ كَرِيمَةٍ، لَا شَرَفَ كَالْعِلْمِ، الْعِلْمُ مَقْرُونٌ بِالْعَمَلِ، فَمَنْ عَمِلَ عَمَلًا، وَالْعِلْمُ يَهْتَفُ بِالْعَمَلِ، فَإِنْ أَجَابَهُ وَ إِلَّا اِرْتَحَلَ عَنْهُ“ (علم بہترین میراث ہے، علم جیسا کوئی شرف نہیں۔ علم و عمل یک جان دو قلب ہیں۔ چنانچہ جو علم سیکھے تو اسے چاہیے کہ عمل بھی کرے۔ علم عمل کی صدا لگاتا ہے، اگر جواب آجائے تو ٹھیک ورنہ رخصت ہو جاتا ہے)۔

رَضِينَا	قِسْمَةً	الْجَبَّارِ	فِينَا
لَنَا	وَالْعِلْمُ	لِلْجُهَّالِ	مَالٌ
فَإِنَّ	الْمَالُ	يَفْنَى	قَرِيبٌ
وَ	إِنَّ	الْعِلْمُ	بَاقٍ
		لَا	يَزَالُ

مزید فرماتے ہیں:

”الْعِلْمُ خَيْرٌ مِنَ الْمَالِ، الْعِلْمُ يَخْرُسُكَ وَأَنْتَ تَخْرُسُ الْمَالَ، الْعِلْمُ حَاكِمٌ وَالْمَالُ مَخْكُومٌ عَلَيْهِ، الْمَالُ تُنْقِصُهُ التَّفَقُّةُ، وَالْعِلْمُ يَزْكُو بِالْإِنْفَاقِ.“



”علم مال سے بہت بہتر ہے، اس لیے کہ علم انسان کی حفاظت کرتا ہے، جبکہ مال کی حفاظت انسان کو کرنی پڑتی ہے۔ علم حاکم ہے اور مال اس کا محکوم ہے، مال جب خرچ کیا جائے تو وہ کم ہو جاتا ہے، جبکہ علم خرچ کرنے سے اور بڑھتا ہے۔“

[ایضاً]

### حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان: (۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ”خَيْرَ سُلَيْمَانَ بْنِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ بَيْنَ الْعِلْمِ وَالْمَالِ وَالْمُلْكِ، فَأَخْتَارَ الْعِلْمَ، فَأُعْطِيَ الْمَالُ وَالْمُلْكُ مَعَهُ“ (حضرت سلیمان علیہ السلام کو علم، مال اور بادشاہت میں سے کسی ایک کے انتخاب کا اختیار دیا گیا تو انہوں نے علم کو چن لیا تھا، چنانچہ ان کو علم کے ساتھ ساتھ مال بھی مل گیا اور بادشاہت بھی مل گئی)۔ [ایضاً]

### حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کا فرمان: (۱)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”مَنْ رَأَى أَنَّ الْغَدَّوَ إِلَى طَلَبِ الْعِلْمِ لَيْسَ بِجِهَادٍ فَقَدْ نَقَصَ فِي رَأْيِهِ وَعَقْلِهِ“ (جو شخص علم کی طلب کے لیے نکلنے کو جہاد نہیں سمجھتا، اس کی عقل اور رائے میں نقص پایا جاتا ہے)۔ [ایضاً]

### حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان: (۱)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”عَلَيْكُمْ بِالْعِلْمِ قَبْلَ أَنْ يُرْفَعَ، وَرَفْعُهُ مَوْتُ رُؤَايَاهُ، فَوَ الَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَيُودِّنَ رِجَالٌ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ شُهَدَاءَ أَنْ يَتَّبِعَهُمْ عُلَمَاءُ لِمَا يَزُونَ مِنْ كِرَامَتِهِمْ“ (علم کے اٹھ جانے سے پہلے پہلے اسے حاصل کرلو۔ علم کے اٹھ جانا علماء کی موت سے ہوتا ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری

جان ہے، جب شہداء، بارگاہِ الہی میں علماء کے اعزاز و اکرام کو دیکھیں گے تو یہ تمنا کریں گے کہ کاش! ہمیں علماء کی صف میں اٹھایا جاتا۔ [ایضاً]

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان: ﴿

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”طَلَبُ الْعِلْمِ أَفْضَلُ مِنَ النَّافِلَةِ“ (علم حاصل کرنا، نوافل پڑھنے سے افضل ہے)۔ [ایضاً]

شیخ سہل بن عبد اللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان: ﴿

حضرت سہل بن عبد اللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”مَا مِنْ طَرِيقٍ إِلَى اللَّهِ أَفْضَلُ مِنَ الْعِلْمِ“ (اللہ کی طرف جانے والے راستوں میں علم زیادہ فضیلت والا کوئی اور راستہ نہیں ہے)۔ [ایضاً]

شیخ ابوالاسود رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان: ﴿

شیخ ابوالاسود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”لَيْسَ شَيْءٌ أَعَزَّ مِنَ الْعِلْمِ، الْمُلُوكُ حُكَّامٌ عَلَى النَّاسِ، وَالْعُلَمَاءُ حُكَّامٌ عَلَى الْمُلُوكِ“ (علم سے زیادہ عزت والی اور کوئی چیز نہیں ہے۔ اس لیے کہ بادشاہ عوام الناس پر حکمرانی کرتے ہیں اور علماء بادشاہوں پر حکمرانی کرتے ہیں)۔ [ایضاً]

شیخ فتح موصلی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان: ﴿

شیخ فتح موصلی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ حاضرین مجلس سے فرمانے لگے:

”الْيَسَّ الْمَرِيضُ إِذَا مَنَعَ الطَّعَامَ وَالشَّرَابَ وَالِدَوَاءُ يَمُوتُ؟“

”اگر مریض کو کھانے پینے اور دوائی کے استعمال سے روک دیا جائے تو کیا وہ مر نہیں

جائے گا؟“

حاضرین مجلس نے عرض کیا:

”بلی“

”کیوں نہیں۔“

فرمایا:

”كَذَلِكَ الْقَلْبُ إِذَا مَنِعَ عَنْهُ الْحِكْمَةُ وَالْعِلْمُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ يَمُوتُ.“

”یہی حال دل کا بھی ہے، اگر اس سے حکمت اور علم کو تین دن تک روک دیا جائے تو یہ

مر جاتا ہے۔“

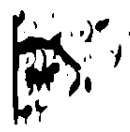
[ایضاً]

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان: ﴿

انسان کو شرافت علم کی وجہ سے ملتی ہے۔ یہ شرافت اس کی جسمانی قوت کی وجہ سے نہیں ہوتی، ورنہ تو اونٹ اس سے کہیں زیادہ طاقتور ہوتا ہے..... اور نہ ہی جسم کے موٹے ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے، اس لیے کہ ہاتھی اس سے بہت زیادہ موٹا ہوتا ہے..... اور نہ ہی اس کی بہادری شرافت کا سبب بنتی ہے، اس لیے کہ درندے تو اس سے زیادہ بہادر ہوتے ہیں، بلکہ اسے تو پیدا ہی علم کے لیے کیا گیا ہے۔ [ایضاً]

علم لدنی کسے کہتے ہیں؟ ﴿

فتح نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”الْعِلْمُ الدُّنْيِيُّ: وَهُوَ عِلْمٌ مَعْرِفَةِ ذَاتِهِ وَصِفَاتِهِ الَّذِي لَا يَعْلَمُهُ أَحَدٌ إِلَّا بِتَغْلِيظِهِ إِيَّاهُ“ (علم لدنی اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی معرفت کا علم ہے، اسے وہی شخص جان سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ سکھائیں)۔



عالم کون ہوتا ہے؟ (۱)

شیخ ابوطالب مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

❖ "لَيْسَ الْعَالَمُ الْمُتَكَلِّمُ الْوَاصِفُ، إِنَّمَا الْعَالَمُ الْحَذِرُ الْخَائِفُ" (عالم صرف بیان کرنے والا نہیں ہوتا، بلکہ عالم خوفِ خدا رکھنے والا ہوتا ہے)۔

❖ "لَيْسَ الْعَالَمُ مَنْ جَلَسَ عَلَى الْكُرْسِيِّ، إِنَّمَا الْعَالَمُ مَنْ اجْتَنَبَ الْمَعَاصِي" (عالم وہ نہیں ہوتا، جو صرف کرسی پر بیٹھے اور وعظ و نصیحت کرے، بلکہ عالم وہ ہوتا ہے جو گناہوں سے پرہیز کرتا ہے)۔

❖ "لَيْسَ الْعَالَمُ مَنْ صَاحَ فِي الْمَحَافِلِ، إِنَّمَا الْعَالَمُ مَنْ عَرَفَ دَقَائِقَ الشُّبُهَاتِ مِنَ النَّوَازِلِ" (عالم وہ نہیں ہوتا، جو محفلوں میں چیخ چیخ کے بولتا ہو، بلکہ عالم وہ ہوتا ہے جو شبہات کی باریکیوں کو پہچانتا ہے)۔

❖ "لَيْسَ الْعَالَمُ مَنْ يَزْوِي، إِنَّمَا الْعَالَمُ مَنْ يَرْعَوِي" (عالم وہ نہیں ہوتا، جو صرف روایت کرے، بلکہ عالم وہ ہوتا ہے جو خلافِ شریعت چیزوں سے دور رہتا ہے)۔

❖ "لَيْسَ الْعَالَمُ مَنْ جَمَعَ وَ مَنَعَ، إِنَّمَا الْعَالَمُ مَنْ زَهَدَ وَ قَنَعَ" (عالم وہ نہیں ہوتا، جس نے دنیا جمع کی اور دوسرے سے اسے روک رکھا، بلکہ عالم وہ ہوتا ہے جس نے زہد اختیار کیا اور قناعت اپنائی)۔

❖ "لَيْسَ الْعَالَمُ الطَّوِيلُ اللِّسَانِ، إِنَّمَا الْعَالَمُ كَثِيرُ الْإِحْسَانِ" (عالم طویل اللسان نہیں ہوتا، بلکہ کثیر الاحسان ہوتا ہے)۔

❖ "لَيْسَ الْعَالَمُ ذَا الْوَجْهَيْنِ، إِنَّمَا الْعَالَمُ ذُو الْجَهْدَيْنِ" (عالم دورِ رخ نہیں رکھتا یعنی دورِ نگاہ نہیں ہوتا، بلکہ یک رنگ ہو کر ڈبل مشقتیں اٹھانے والا ہوتا ہے)۔

﴿لَيْسَ الْعَالَمُ مَنْ يَصِفُ الْجَنَّةَ وَالْحُورَ وَ يُشَوِّقُ إِلَى الْغِلْمَانِ وَالْقُصُورِ، إِنَّمَا الْعَالَمُ مَنْ لَا يَظْلِمُ وَلَا يَجُورُ وَلَا يَنْطِقُ بِالْكَذِبِ وَالْفُجُورِ﴾ (عالم وہ نہیں ہے جو جنت اور حوروں کے تذکرے کرتا رہے اور جنت کے غلمان اور محلات کا شوق دلاتا رہے، بلکہ عالم وہ ہوتا ہے جو ظلم نہیں کرتا، جھوٹ اور فسق و فجور کی باتیں نہیں کرتا)۔

﴿لَيْسَ الْعَالَمُ إِذَا عَلِمَ أَكَلَ وَ نَامَ، إِنَّمَا الْعَالَمُ إِذَا عَلِمَ تَهَجَّدَ بِاللَّيْلِ وَ بِالنَّهَارِ صَامَ﴾ (عالم وہ نہیں ہوتا کہ جب اس کے پاس علم آتا ہے تو کھاتا ہے اور سو جاتا ہے، بلکہ عالم وہ ہوتا ہے کہ جب اس کے پاس علم آتا ہے تو وہ رات کے وقت تہجد پڑھتا ہے اور دن کے وقت روزہ رکھتا ہے)۔

﴿لَيْسَ الْعَالَمُ مَنْ حَفِظَ الْأَحَادِيثَ وَالْأَخْبَارَ، إِنَّمَا الْعَالَمُ مَنْ عَدَّ كَلَامَهُ وَخَافَ عُقُوبَةَ الْمَلِكِ الْجَبَّارِ﴾ (عالم وہ نہیں ہوتا جو احادیث کو زبانی حفظ کرتا ہے، بلکہ عالم وہ ہوتا ہے جو اپنی باتوں کو گن گن کر بولتا ہے اور پروردگار کی سزا سے ڈرتا ہے)۔

﴿لَيْسَ الْعَالَمُ الَّذِي يَجْمَعُ الْكُتُبَ وَالْكَرَارِيسَ، إِنَّمَا الْعَالَمُ الَّذِي يَخَافُ أَنْ يُنْكَرَ بِهِ كَمَا مُكِرَ بِالشَّقِيِّ إِبْلِيسَ﴾ (عالم وہ نہیں ہوتا جو فقط کتابیں اور رجسٹر جمع کرتا ہے، بلکہ عالم وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے ڈرتا ہو، جیسا کہ ابلیس بد بخت کے ساتھ خفیہ تدبیر کا معاملہ کیا گیا)۔

﴿لَيْسَ الْعَالَمُ الَّذِي يَفْتَخِرُ بِكَثْرَةِ الْكَلَامِ، إِنَّمَا الْعَالَمُ الَّذِي أَسْكَنَهُ إِجْلَالُ الْمَلِكِ الْعَلَامِ﴾ (عالم وہ نہیں ہوتا جو کثرت کلام پہ فخر کرتا پھرے، بلکہ عالم وہ ہوتا ہے جسے جلال خداوندی نے خاموش کر دیا ہو)۔

﴿الْعَالَمُ هُوَ الَّذِي كُلَّمَا ازْدَادَ عِلْمًا، ازْدَادَ تَوَاضُعًا وَ حِلْمًا﴾ (عالم وہ ہوتا ہے

کہ جب جب اس کا علم بڑھتا رہے تو ساتھ ساتھ تواضع اور بردباری بھی بڑھتی رہے۔  
شیخ اکبر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان: (۱)

شیخ اکبر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "الْعَالَمُ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ عِلْمِ الظَّاهِرِ  
وَالْبَاطِنِ، وَمَنْ لَمْ يَجْمَعْ بَيْنَهُمَا فَلَيْسَ بِعَالِمٍ" (اللہ تعالیٰ کے ہاں عالم وہ ہوتا ہے جو علم  
ظاہری اور علم باطنی دونوں رکھتا ہو۔ اور جس نے دونوں کو جمع نہیں کیا، وہ عالم نہیں ہے)۔  
علماء و فقہاء کے درجات: (۱)

شیخ احمد رفاعی کبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علماء اور فقہاء کے کئی درجات ہیں:  
پہلا درجہ: یہ اس شخص کا درجہ ہے جس نے علم مجادلہ اور مفاخرہ کے لیے حاصل کیا ہو، مال  
اور قیل و قال جمع کیا ہو..... یہ بہت بُرا عالم ہے۔  
دوسرا درجہ: اس شخص کا درجہ ہے جس نے علم مناظرہ کے لیے نہیں سیکھا، لیکن اس لیے کہ  
اس کا شمار علماء میں ہو..... یہ محروم عالم ہے۔  
تیسرا درجہ: اس شخص کا درجہ ہے جس نے مشکل مسائل کو حل کیا، منقولات اور معقولات  
کی باریکیاں کھول کھول کر بیان کیں، مناظرہ کے سمندر میں غوطہ زن ہوا، شریعت کی  
زبردست مدد کی، لیکن اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا سمجھتا رہا..... یہ مغرور عالم ہے۔  
چوتھا درجہ: اس شخص کا درجہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا، چنانچہ اس نے غافل کو  
غفلت سے نکالنے اور جاہل کی رہنمائی میں اپنے آپ کو تھکایا۔ اس نے خیر خواہی کو  
پھیلایا، نہی عن المنکر کیا اور یہ سب کچھ کسی دنیاوی غرض کے لیے نہیں کیا۔ اور وہ سمجھتا ہے  
کہ شریعت جس کو اچھا قرار دے، وہی اچھا ہے اور جسے قبیح قرار دے، وہ قبیح ہے..... یہ  
عارف باللہ ہے۔

## عالم کی موت : ۱۱

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: "وَاللّٰهُ لَمَوْتُ عَالَمٍ أَحَبُّ إِلَى الشَّيْطَانِ مِنْ مَوْتِ سَبْعِينَ عَابِدًا (اللہ کی قسم! ایک عالم کی موت، شیطان کے لیے 70 عابدوں کی موت سے زیادہ پسندیدہ ہے)۔"

## علامہ آخرت کی علامات : ۱۲

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علماء آخرت کی پانچ صفات ہیں، جو پانچ آیات سے سمجھ میں آتی ہیں:

- ① خشیت: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ [فاطر: ۲۸] (اللہ سے اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں)۔
- ② خشوع: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَفَآءُ الْيَكْمَرِ وَقَآءُ أَنْزَلَ إِلَيْهِمْ خُشْعِينَ لِلَّهِ لَا يَشْتَرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ شَمًا قَلِيلًا﴾ [آل عمران: ۱۹۹] (اور بے شک اہل کتاب میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو اللہ کے آگے عاجز و نیاز کا مظاہرہ کرتے ہوئے اللہ پر بھی ایمان رکھتے ہیں، اس کتاب پر بھی جو تم پر نازل کی گئی ہے اور اس پر بھی جو ان پر نازل کی گئی تھی، اور اللہ کی آیتوں کو تھوڑی سی قیمت لے کر بیچ نہیں ڈالتے)۔

- ③ تواضع: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَإِخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ﴾ [الحجر: ۸۸] (اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، ان کے لیے اپنی شفقت کا بازو پھیلا دو)۔

- ④ خوش اخلاقی: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ﴾ [آل عمران: ۱۵۹] (اللہ کی رحمت ہی تھی جس کی بنا پر اے پیغمبر! تم نے ان لوگوں سے نرمی کا

برتاؤ کیا۔

۵ زہ: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَيَلَكُمْ ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ لِّمَنِ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ [القصص: ۸۰] (اور جن لوگوں کو اللہ کی طرف سے علم عطا ہوا تھا، انہوں نے کہا: تم پر افسوس ہے کہ تم ایسا کہہ رہے ہو، اللہ کا دیا ہوا ثواب اس شخص کے لیے کہیں زیادہ بہتر ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے)۔

عالم ظاہری اور عارف ربانی میں فرق: (۱)

شیخ احمد بن عجمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

﴿..... "الْعَالِمُ دُونَ مَا يَقُولُ، وَالْعَارِفُ فَوْقَ مَا يَقُولُ"﴾ (عالم جو کہتا ہے اس سے کم درجے کا ہوتا ہے، عارف جو کہتا ہے اس سے اعلیٰ درجے کا ہوتا ہے)۔

﴿..... "الْعَالِمُ مَحْجُوبٌ وَالْعَارِفُ مَحْبُوبٌ"﴾ (عالم معرفتِ الہی سے حجابات میں پڑا ہوتا ہے اور عارف اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب ہوتا ہے)۔

﴿..... "الْعَالِمُ مِنْ أَهْلِ الْيَمِينِ، وَالْعَارِفُ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ"﴾ (عالم اہل یمین میں ہوتا ہے جو اعلیٰ درجے کے جنتی ہیں، لیکن عارف مقربین میں ہوتا ہے جو اہل یمین سے کئی گنا بڑھے ہوئے ہیں)۔

﴿..... "الْعَالِمُ مِنْ أَهْلِ الْبُرْهَانِ، وَالْعَارِفُ مِنْ أَهْلِ الْبَيَانِ"﴾ (عالم دلیل کی بنیاد پہ بات کرتا ہے اور عارف مشاہدہ کی بنیاد پہ بات کرتا ہے)۔

﴿..... "الْعَالِمُ مِنْ أَهْلِ قَوْلِهِ ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ وَالْعَارِفُ مِنْ أَهْلِ قَوْلِهِ ﴿وَأِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾"﴾ (ایک نعبد میں عالم کا تذکرہ ہے اور ایسا کہ نستمین میں عارف کا تذکرہ ہے)۔

﴿..... "الْعَالِمُ يَذُكُّكَ عَلَى مُحَافَظَةِ الصَّلَوَاتِ، وَالْعَارِفُ يَذُكُّكَ عَلَى ذِكْرِ اللَّهِ مَعَ



الْأَنْفَاسِ وَاللَّخْطَاتِ“ (عالم نماز کی پابندی کے بارے میں آپ کی رہنمائی کرتا ہے، جبکہ عارف ہر ہر سانس میں یادِ الہی کی رہنمائی کرتا ہے)۔

..... ”الْعَالِمُ يَذُكُّكَ عَلَى الْأَسْبَابِ، وَالْعَارِفُ يَذُكُّكَ عَلَى مُسَبِّبِ الْأَسْبَابِ“ (عالم آپ کی اسباب کی طرف رہنمائی کرے گا، جبکہ عارف آپ کی رہنمائی مسبب الاسباب کی طرف کرے گا)۔

..... ”الْعَالِمُ يُحَذِّرُكَ مِنَ الشِّرْكِ الْجَلِيِّ، وَالْعَارِفُ يُخْلِصُكَ مِنَ الشِّرْكِ الْخَفِيِّ“ (عالم آپ کو شرکِ جلی سے ڈرائے گا، اور عارف آپ کو شرکِ خفی سے چھڑائے گا)۔

..... ”الْعَالِمُ يُعَرِّفُكَ بِأَحْكَامِ اللَّهِ، وَالْعَارِفُ يُعَرِّفُكَ بِذَاتِ اللَّهِ“ (عالم آپ کو احکامِ الہی کی پہچان کرائے گا اور عارف آپ کو ذاتِ الہی کی پہچان کرائے گا)۔

### صوفیاء کرام کی وصیتیں: ①

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت لقمان علیہ السلام کی اپنے بیٹے کو کی نصیحتوں میں سے ایک نصیحت یہ بھی ہے: ”جَالِسِ الْعُلَمَاءَ وَ زَاوِجْهُمْ بِرُكْبَتَيْكَ، فَإِنَّ اللَّهَ سُبْحَانَهُ يُخَيِّ الْقُلُوبَ بِنُورِ الْحِكْمَةِ كَمَا يُخَيِّ الْأَرْضَ بِوَابِلِ السَّمَاءِ“ (علماء ربانیین کے پاس بیٹھا کرو، اپنے گھٹنے ان کے گھٹنوں کے برابر رکھو، گویا ادب سے بیٹھو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نورِ حکمت سے دلوں سے زندہ فرماتے ہیں جیسے بارش سے زمین کو زندہ فرماتے ہیں)۔

مزید فرماتے ہیں کہ بعض حکماء کا قول ہے: ”إِذَا مَاتَ الْعَالِمُ بَكَاهُ الْحَوْتُ فِي الْمَاءِ وَ الطَّيْرُ فِي الْهَوَاءِ وَ يَفْقُدُ وَجْهَهُ وَ لَا يَنْسَى ذِكْرَهُ“ (جب ایک عالم فوت ہوتا ہے تو مچھلیاں اور پرندے رو پڑتے ہیں اور اس کے چہرے کو گم پاتے ہیں، لیکن اس کا تذکرہ نہیں بھولتے)۔

عالم باللہ کون ہوتا ہے؟ (۱)

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”الْعَالَمُ بِاللّٰهِ هُوَ مَنْ يُّكُونُ ذَاكِرًا خَائِفًا مُّسْتَحْيًا... أَمَّا الذِّكْرُ، فَذِكْرُ الْقَلْبِ لَا ذِكْرُ اللِّسَانِ، وَأَمَّا الْخَوْفُ فَخَوْفُ الزِّيَاءِ لَا خَوْفُ الْمَعْصِيَةِ، وَأَمَّا الْحَيَاءُ فَحَيَاءُ مَا يَخْطُرُ عَلَى الْقَلْبِ لَا حَيَاءُ الظَّاهِرِ“ (عالم باللہ وہ ہوتا ہے جو ذکر کرنے والا ہو، ڈرنے والا ہو، حیا کرنے والا ہو۔ ذکر سے مراد ذکر قلبی ہے، خوف سے مراد ریاکاری کا خوف ہے، نہ کہ معصیت کا خوف۔ اور حیا سے مراد قلب پر آنے والے خیالات سے حیا مراد ہے، نہ کہ فقط ظاہری حیا)۔

عالم ربانی کسے کہتے ہیں؟ (۲)

شیخ ابوطالب مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عالم ربانی وہ ہوتا ہے: ”هُوَ الَّذِي يَعْلَمُ وَ يَعْمَلُ وَ يَعْلَمُ النَّاسَ الْخَيْرَ“ (جو علم حاصل کرنے کے بعد اس پر عمل کرتا ہے اور لوگوں کو بھلائی کی باتیں سکھاتا ہے)۔

شیخ محمد ابوالموہب شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عالم ربانی وہ ہوتا ہے: ”مَنْ أَحَقَّ الْأَصَاغِرَ بِالْأَكْبَرِ“ (جو چھوٹوں پر محنت کر کے انہیں اکابر کا جانشین بنادیتا ہے)۔

[موسوعة الكسز ان: تحت مادة: علم م]

﴿قَالَ لَدَا مُوسَىٰ هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَيَّ أَنْ تُعَلِّمَنِي مِمَّا عَلَّمْتَ رُشْدًا ۖ﴾ (۱۶)

موسیٰ نے ان سے کہا: کیا میں آپ کے ساتھ اس غرض سے رہ سکتا ہوں کہ آپ کو بھلائی کا جو علم عطا ہوا ہے، اس کا کچھ حصہ مجھے بھی سکھادیں؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مطالبہ استغفار: (۱)

قَالَ لِمُوسَىٰ هَلْ أَتَّبَعَكَ عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَ مِنَّا عَلِيمًا ۖ رُشْدًا ۝

کہا اس کو موسیٰ نے: کہے تو میرے ساتھ رہوں اس بات پر کہ مجھ کو سکھلا دے کچھ جو تجھ کو سکھائی ہے بھلی راہ

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ ملاقات ہوئی اور سلام دعا ہو گئی تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے آگے کا مدعا بیان کیا کہ کیا میں اس شرط کے ساتھ آپ کے ساتھ ہو جاؤں کہ آپ کو جو علم مفید عطا کیا گیا ہے وہ آپ مجھے بھی سکھا دیں۔ گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے وہ علم سیکھنے کے لیے اجازت مانگی۔

اتباع کی تعریف: (۱)

اتباع کہتے ہیں کہ بندہ اپنے آپ کو مکمل طور پر شیخ کامل کے سپرد کر دے، اعتراض سے بچے۔ جیسے خضر علیہ السلام نے فرمایا: ﴿فَإِنْ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ أُخْبِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا﴾ (اچھا! اگر آپ میرے ساتھ چلتے ہیں تو جب تک میں خود ہی آپ سے کسی بات کا تذکرہ شروع نہ کروں، آپ مجھ سے کسی بھی چیز کے بارے میں سوال نہ کریں)۔

اپنے شیخ کی ظاہراً اتباع کرے اور باطناً بھی۔ ظاہراً اتباع یہ ہے کہ ان کی حرکات و سکنات، اخلاق و صفات کو اپنائے۔ اور باطناً اتباع یہ ہے کہ شیخ سے رابطہ قلبی رکھے۔ اس کی برکت سے باطنی دولت سے مالا مال ہو جائے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بات قرآن مجید میں نقل فرمائی گئی ہے: ﴿فَمَنْ تَبِعْنِي فَإِنَّهُ مِنِّي﴾ [ابراہیم: ۳۶] (لہذا جو کوئی میری راہ پر چلے، وہ تو میرا ہے)۔

## اتباع کی اقسام مع ثمرات :

شیخ اسماعیل حقی بروسوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اتباع سات قسم کی ہوتی ہے، جس سے سات چیزیں پیدا ہوتی ہیں:

۱)..... نفس کی اتباع: اس سے ندامت پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہابیل کے قتل کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ [المائدہ: ۳۰] (آخر کار اس کے نفس نے اس کو اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر لیا، چنانچہ اس نے اپنے بھائی کو قتل کر ڈالا، اور نامرادوں میں شامل ہو گیا)۔

۲)..... خواہشات کی اتباع: اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے دوری پیدا ہو جاتی ہے۔ جیسے بلعم بن باعوراء کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ﴾ [الاعراف: ۱۷۶] (اور اپنی خواہشات کے پیچھے پڑا رہا، اس لیے اس کی مثال کتے کی سی ہو گئی)۔

۳)..... شہوات کی اتباع: اس سے کفر پیدا ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَاتَّبِعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غِيًّا﴾ [مریم: ۵۹] (اور اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے چلے۔ چنانچہ ان کی گمراہی بہت جلد ان کے سامنے آ جائے گی)۔

۴)..... اتباع فرعون: جس سے دنیا میں غرق ہونا پیدا ہوا اور آخرت میں جلنا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَفُلَاہِہٖ فَاتَّبَعُوْا اٰمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكَآ اٰمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ﴾ [یوسف: ۵۰] (فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا تو انہوں نے فرعون ہی کی بات مانی۔ حالانکہ فرعون کی بات کوئی ٹھکانے کی بات نہیں تھی۔ وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا اور ان

سب کو دوزخ میں لا اُتارے گا۔

۵۔ گمراہ رہنماؤں کی اتباع: اس سے حسد پیدا ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوْا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ﴾ [البقرة: ۱۶۶، ۱۶۷] ﴿وَقَالِ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةٌ فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا كَذَلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ﴾ [البقرة: ۱۶۷، ۱۶۸] (جب وہ پیشوا جن کے پیچھے یہ لوگ چلتے رہے ہیں، اپنے پیروکاروں سے مکمل بے تعلقی کا اعلان کریں گے اور یہ سب لوگ عذاب کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ لیں گے اور ان کے تمام باہمی رشتے کٹ کر رہ جائیں گے۔ اور جنہوں نے ان پیشواؤں کی پیروی کی تھی وہ کہیں گے کہ کاش! ہمیں ایک مرتبہ پھر دنیا میں لوٹنے کا موقع دے دیا جائے تو ہم بھی ان پیشواؤں سے اسی طرح بے تعلقی کا اعلان کریں جیسے انہوں نے ہم سے بے تعلقی کا اعلان کیا ہے۔ اس طرح اللہ انہیں دکھا دے گا کہ ان کے اعمال آج ان کے لیے حسرت ہی حسرت بن چکے ہیں اور اب وہ کسی صورت دوزخ سے نکلنے والے نہیں ہیں)۔

۶۔..... نبی علیہ السلام کی اتباع: اس سے اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوبیت پیدا ہوتی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾ [آل عمران: ۳۱] (اے پیغمبر! لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا)۔

۷۔..... شیطان کی اتباع: اس سے بندہ جہنم میں چلا جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِينَ﴾ [الزمر: ۲۲، ۲۳] (یقین رکھو کہ جو میرے بندے ہیں، ان جہنم لے کر آئے ہیں)

پر تیرا کوئی زور نہیں چلے گا، سوائے ان گمراہ لوگوں کے جو تیرے پیچھے چلیں گے۔ اور جہنم ایسے تمام لوگوں کا طے شدہ ٹھکانا ہے۔

سچی پیروی کی برکت: (۱)

شیخ ابن عطاء اللہ اسکندری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر مرید، اپنے شیخ کی ظاہر اور باطنی پیروی کرے تو مرید اور شیخ ایک جان دو قلب ہو جاتے ہیں، چاہے نسباً طور پر ایک دوسرے سے اجنبی ہوں، جیسے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اہل فارس میں سے تھے، لیکن انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی پیروی کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”سَلْمَانٌ مِنَّا أَهْلُ الْبَيْتِ“ [مسند رک الحاکم، رقم: ۶۵۴۱] (سلمان ہم میں سے یعنی اہل بیت میں سے ہے)۔

ملنے والوں سے راہ پیدا کر: (۱)

مشائخ فرماتے ہیں کہ جسے اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ معلوم نہ ہو، اسے چاہیے کہ وہ صالحین کے نقش قدم پر چلتا رہے، ان کی پیروی کی برکت سے اس کو بھی وصل نصیب ہو جائے گا۔ اس لیے کہ صالحین کی اتباع کی برکت نے اصحاب کہف کے کتے کو اتنا نفع دیا کہ اس کا تذکرہ اللہ نے قرآن مجید میں فرما دیا۔

فوائد السلوک: (۱)

..... آیت بتا رہی ہے کہ بعض چیزوں میں مفضول کو فاضل پر برتری حاصل ہو سکتی ہے اگر مفضول کے اندر کوئی کمال ایسا ہو جو فاضل میں نہ ہو تو اعلیٰ کے لیے مناسب ہے کہ اپنے سے کم درجہ والے سے وہ کمال حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اس کو اپنے لیے کسر شان نہ سمجھے۔ آیت کی تفسیر میں اوپر حدیث نقل کر دی گئی ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوال کیا: سب سے بڑا عالم کون ہے؟ تو اللہ نے فرمایا: وہ شخص

سب سے بڑا عالم ہے جو دوسروں کا علم لے کر اپنے علم میں اضافہ کر لے۔ ممکن ہے کہ اس کو کوئی ایسی بات معلوم ہو جائے جو تباہی سے بچالے یا سیدھا راستہ دکھا دے۔

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”الْكَلِمَةُ الْحَكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ، فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا“ [جامع ترمذی، رقم: ۲۶۸۷] (حکمتی بات مومن کی گم شدہ امانت ہے، جہاں ملے)

مومن اس کا سب سے بڑا مستحق ہے، اسے چاہیے کہ فوراً لے لے۔

بعض احادیث میں آیا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے ساتھ رہنے کی درخواست کی تو خضر علیہ السلام نے کہا: علم کے لیے توراۃ کافی ہے اور عمل کے لحاظ سے بنی اسرائیل کی ہدایت کا مشغلہ کافی ہے، مزید علم و عمل کی آپ کو ضرورت نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اللہ نے مجھے اس کا حکم دیا ہے کہ آپ کے ساتھ رہ کر علم میں اضافہ کروں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اس کلام میں ادب و تہذیب کو ملحوظ رکھا اور بطور انکسار اپنے آپ کو بے علم قرار دیا اور خضر علیہ السلام سے درخواست کی کہ مجھے اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دیجیے اور جو علم اللہ نے آپ کو عطا کیا ہے اس کا کچھ حصہ مجھے بھی بتائیے۔

[تفسیر مظہری]

﴿قَالَ لَهُ مُوسَى هَلْ﴾ اسلوب کلام میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کلام میں خضر علیہ السلام کے ساتھ کس قدر تواضع و ادب اور لطف کی رعایت فرمائی ہے۔ چنانچہ اس سے شاگرد اور مرید کو سبق حاصل کرنا چاہیے۔

اصل کلام اس طرح ہونا چاہیے کہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ”میں آپ کے پاس آپ کے ساتھ رہنے کے لیے آیا ہوں، تاکہ ساتھ رہ کر آپ سے کچھ علم حاصل کروں۔“ لیکن ادب و تہذیب کو پیش نظر رکھ کر طلب اجازت کے طور پر کلام کا رنگ بدلا اور سوالیہ طرز اختیار کیا۔ [تفسیر مظہری]

ایک لوہار صاحب نے حاضر سہر کی محفل میں حضرت اقدس تھانوی سے  
سفر کی درخواست کی۔ حضرت تھانوی نے فرمایا کہ: سفر کے متعلق ایک تمہید  
سہر فرمانے لگے:

حضرت! کے پاس جانے کا وہی ہے، کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ جا کر علوم سیکھو۔ آپ  
حضرت! کے پاس تشریف لے گئے۔ انہوں نے پوچھا: کون؟ فرمایا: موسیٰ۔ پوچھا:  
کون موسیٰ؟ فرمایا: بنی اسرائیل کا موسیٰ۔ پوچھا: کیسے آئے؟ فرمایا: اهل البيت علیہم السلام  
نعمرہ غلبت رشتہ دار، یعنی میں علوم سیکھنے کے لیے تمہارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔  
اتنے بڑے نبی اولوالعزم اور حضرت بیٹا سے فرماتے ہیں کہ میں تمہارے ساتھ ہوں،  
مجھے کچھ علوم سکھا دیجیے۔ یقینی بات ہے کہ موسیٰ بیٹا کے علوم کے سامنے حضرت بیٹا کے علوم  
کیا چیز تھے، مگر خیر جو کچھ بھی تھے، ان کے سیکھنے کی درخواست کی۔

اب اس میں دیکھنا یہ ہے کہ کتنی عجیب بات ہے کہ اس گفتگو میں یہ نہیں فرمایا کہ میں  
خدا کا بھیجا ہوا ہوں، یہ فرماتے تو اعلیٰ درجہ کی سفارش ہوتی۔ اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ  
آج کل جو سفارش لکھوا کر لے جاتے ہیں یا جا کر کسی کا نام لے دیتے ہیں بعض اوقات  
اس سے دوسرے پر بوجھ ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام حقیقی علوم کے  
حامل ہیں۔

دیکھیے! یہ نہیں ظاہر فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے آیا ہوں، اگر ایسے کہتے تو پھر  
احتمال تھا کہ حضرت علیہم السلام اس پر کسی قسم کی چوں چراں نہ کریں گے، یعنی ان کی آزادی نہ  
رہے گی۔ چنانچہ حضرت علیہم السلام نے نہایت آزادی سے شرطیں لگا دیں۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بغیر اجازت کے کسی کی صحبت سے استفادہ نہیں کرنا



چاہیے۔

نیز دوسرے کے پاس جا کر یہ نہ کہے کہ میں فلاں شخص کا بھیجا ہوا ہوں۔ حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر دفعۃً کوئی آجائے تو اور بات ہے۔ اور جب ایک مرتبہ اجازت لینے کا سلسلہ شروع ہو جائے تو پھر بغیر اجازت کسی کو بھی نہیں آنا چاہیے۔ ویسے تو اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ دفعۃً بھی نہ آئے، اس لیے کہ اس میں جانبین کو لطف رہتا ہے اور یہ قرآن سے ثابت ہے۔ دیکھیے! حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا ذی مرتبہ کون ہوگا! اور پھر اللہ تعالیٰ کی اجازت، بلکہ حکم ہے، پھر بھی حضرت خضر علیہ السلام کے پاس جا کر کہتے ہیں: کیا اب مجھے ساتھ رہنے کی اجازت ہے؟ دیکھیے: حضرت موسیٰ علیہ السلام اتنے بڑے اولوالعزم نبی اور خضر علیہ السلام جن کی نبوت میں بھی کلام ہے، ان سے اجازت لیتے ہیں۔ یہ شیخ کا کتنا ادب ہے!

اور جب وہ شیخ ہے تو اس کی اتباع کرنی چاہیے۔ دیکھیے: انہوں نے شرط کیا لگائی کہ جو کچھ میں کروں، بولنا مت۔ کسی بھی نبی کے لیے یہ سب سے بڑی شرط ہے، مگر مان گئے۔ اور پھر جب غلطی ہوئی تو یہ بھی نہیں کہ ایسے ہی ہونا چاہیے، بلکہ کہنے لگے کہ میں بھول گیا، مجھ سے غلطی ہو گئی۔ یہاں تک تیسری بار تو کہہ دیا کہ اگر پھر ہوا تو ساتھ نہیں رہوں گا۔ کیا کیا ادب ہے شیخ کا!!!

دیکھیے: اگر کوئی علامہ ہے، فلسفی بھی ہے، ہر فن کے اندر کمال رکھتا ہے اور ایک بڑھئی کے پاس بخاری سیکھنے گیا تو اس وقت گردن جھکا ہی دے گا، کیونکہ اس فن میں تو وہ شیخ ہے۔ امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ قراءت میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ ہیں۔ جب وہ بوڑھے ہو گئے تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جاتے تھے اور کہتے تھے: ”یا ابا حنیفۃ! قد جئنا صغیرًا و قد جئتک کبیرًا“ اور بڑے ادب سے بیٹھتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاگرد کا

بھی اتنا ہی ادب کرنا چاہیے جتنا شیخ کا ادب کیا جاتا ہے، کیونکہ اس فن میں وہ شیخ ہیں۔ حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک صاحب سے فارسی پڑھتا تھا اور وہ مجھ سے عربی پڑھتے تھے۔ جب میں فارسی پڑھتا تھا تو ان کا ادب کرتا تھا اور جب وہ عربی پڑھتے تھے تو وہ میرا ادب کرتے تھے۔

... اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان جو کمالات حاصل کرتا ہے ان میں علم سے بڑھ کر کوئی کمال نہیں۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اولوا العزم انبیاء کرام میں سے ہیں، حق تعالیٰ سے شرف ہم کلامی انہیں حاصل ہے، تورات جیسی عظیم کتاب ساتھ ہے، بنی اسرائیل جیسی قوم کی سیادت و قیادت ہاتھ میں ہے جو اس وقت روئے زمین پر علمی لحاظ سے سب سے ممتاز قوم تھی۔ ان تمام فضائل و کمالات کے باوجود اس واقعہ میں علم کے طالب دکھائی دیتے ہیں۔

... صرف علم ہی نہیں، بلکہ علم میں اضافہ بھی کا ملین کا مطلوب رہا ہے، جیسا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے کردار سے ظاہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تاجدارِ ختم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا: ﴿وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا﴾ [طہ: ۱۱۴]... اور حدیث شریف میں آتا ہے: ”مَنْهُوْمَانِ لَا يَشْبَعَانِ مَنْهُوْمٌ فِي عِلْمٍ لَا يَشْبَعُ وَ مَنْهُوْمٌ فِي دُنْيَا لَا يَشْبَعُ“ [مستدرک الحاکم، رقم: ۳۱۲] (دو بندے سیر نہیں ہوتے: علم کا شیدائی علم سے سیر نہیں ہوتا اور دوسرا دنیا کا پجاری، دنیا سے سیر نہیں ہوتا)۔

... صرف وہی علم حاصل کرنا چاہیے جو انسان کے رشد و ہدایت کا ذریعہ بنے، یعنی علوم دین و آخرت۔ فرمایا: ﴿وَعَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا﴾ [الکہف: ۶۷] (اس غرض سے کہ آپ کو بھلائی کا جو علم عطا ہوا ہے، اس کا کچھ حصہ مجھے بھی سکھا دیں؟)۔ علومِ ضارہ کی تحصیل و طلب محمود نہیں۔ فرمایا: ﴿وَيَتَعَلَّمُونَ فَايَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ﴾ [البقرة: ۱۰۲] (وہ ایسی باتیں

سیکھتے تھے جو ان کے لیے نقصان دہ تھیں اور فائدہ مند نہ تھیں)۔

... اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی علوم کو سیکھنے کے لیے شہروں کا رخ کرنا پڑتا ہے، جبکہ علم الحقائق کے حصول کے لیے جنگلوں، بیابانوں اور سواحل کی فضا زیادہ مناسب ہے اور اس کے لیے تخلیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت خضر علیہ السلام کی اقامت گاہوں سے یہ بات بالکل واضح ہے۔ انبیاء علیہم السلام عموماً شہری معاشرے میں مبعوث ہوئے ہیں، جبکہ صحراء نشینوں کے بارے میں فرمایا: ﴿وَأَجْدَرُ أَلَّا يَعْلَمُوا حُدُودَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ﴾ [التوبہ: ۹۷] (اور اسی لائق ہیں کہ نہ سیکھیں وہ قاعدے جو نازل کیے اللہ نے اپنے رسول پر)۔

... بچپن میں علم کا حصول زیادہ مفید ہوتا ہے، لیکن اگر عمر زیادہ ہو جائے تو اس وقت بھی تعلیم حاصل کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام چالیس سال عمر ہو جانے کے بھی کافی بعد حضرت خضر علیہ السلام کے پاس علم کے حصول کے لیے تشریف لے گئے... بخاری شریف میں آتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”تَفَقَّهُوا قَبْلَ أَنْ تُسَوِّدُوا“ (علم سیکھو، سردار بننے سے پہلے)، ساتھ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: ”وَبَعْدَ أَنْ تُسَوِّدُوا“ (اور سردار بننے کے بعد بھی)، پھر امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: ”وَقَدْ تَعَلَّمَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي كِبَرٍ سِنِهِمْ“ (کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بڑی عمر کے باوجود علم حاصل کیا)۔ [باب الاعتباط فی العلم والحکمة]

... تعلّم (سیکھنا) کو تعلیم (سکھانا) پر ترجیح دینی چاہیے، اگر دونوں پر بیک وقت عمل ممکن نہ ہو، جیسے موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے سیکھنے کو ترجیح دی بہ نسبت اس کے کہ بنی اسرائیل کو سکھائیں۔ چونکہ دونوں پر بیک وقت عمل کرنا ممکن نہیں تھا، اس لیے سیکھنے کو

ترجمہ دی۔

بہتر یہ ہے کہ تعلیم کے ساتھ تعلیم کا سلسلہ بھی ٹکنا نہ رکھا جائے رہے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یوشع علیہ السلام کے ساتھ معاملہ فرمایا کہ ان کو سکھا بھی رہے تھے اور ساتھ خود بھی حضرت خضر علیہ السلام سے سیکھنے کی کوشش فرما رہے تھے۔

علم دین بلا معاوضہ سکھایا جائے، جیسے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿أَنْ تُعَلِّمَ مِثْلًا غُلَّتْ رُشْدًا﴾ (آپ کو بھلائی کا جو علم عطا ہوا ہے، اس کا کچھ حصہ مجھے بھی سکھا دیں)۔ اس میں کسی قسم کی اجرت کی بات نہیں ہے۔

طالب علم کو چاہیے کہ متواضع ہو، استاذ کے سامنے سراپا احتیاج بنے، جیسے موسیٰ علیہ السلام نے بڑی عاجزانہ درخواست کی: ﴿هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَيَّ أَنْ تُعَلِّمَ مِثْلًا غُلَّتْ رُشْدًا﴾ (کیا میں آپ کے ساتھ اس غرض سے رہ سکتا ہوں کہ آپ کو بھلائی کا جو علم عطا ہوا ہے، اس کا کچھ حصہ مجھے بھی سکھا دیں)؟

اور چاہیے کہ ادب شناس ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی درخواست استفہام کے ہیرایہ میں پیش کی، پھر درخواست میں اپنے تابع بننے کا ذکر سب سے پہلے فرمایا اور پھر حضرت خضر علیہ السلام کو عالم و معلم ظاہر فرمایا۔ پھر ﴿مِثْلًا غُلَّتْ رُشْدًا﴾ کے ضمن میں ان کے سرمایہ علم میں سے کچھ عطا فرمانے کی اپیل کی، جیسا کہ فقیر کسی تو انگریز سے اس کے کچھ مال کا سوال کرتا ہے۔

اپنے شیخ اور استاد سے علمی استفادہ کے علاوہ اور کسی فائدے کی خواہش نہ رکھے، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَيَّ أَنْ تُعَلِّمَ مِثْلًا غُلَّتْ رُشْدًا﴾ (۱۸۱)

شیخ اور استاذ کے دین دار ہونے کا یقین ہو تو غیر مشروط طور پر اسے اپنی اطاعت اور خدمت کی پیشکش کرے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: کیا میں آپ کے ساتھ اس غرض سے رہ سکتا ہوں کہ آپ کو بھلائی کا جو علم عطا ہوا ہے، اس کا کچھ حصہ مجھے بھی سکھا دیں؟ ﴿فَلْأَتِيَنَّكَ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ مرید اپنے شیخ کی کامل اتباع کرے، حتیٰ کہ اقرار، اقوال، اعمال میں اس کا عکس میل و مظہر انم بننے کی کوشش کرے۔

﴿فَلْأَتِيَنَّكَ عَلٰی اَنْ تُعَلِّمَنِيْ مِمَّا عَلَّمْتَ رُسُلًا﴾ (کیا میں آپ کے ساتھ اس غرض سے رہ سکتا ہوں کہ آپ کو بھلائی کا جو علم عطا ہوا ہے، اس کا کچھ حصہ مجھے بھی سکھا دیں؟) سے معلوم ہوتا ہے کہ درخواست ایسی جامع ہونی چاہیے کہ مرید اور شاگرد کی ہر طلب و ترپ ظاہر کرے، شیخ کا ادب ظاہر کرے، درخواست کا مقصد واضح کرے اور قابل قبول ہونے کی وجہ اس سے ظاہر ہو اور اس جامعیت کے ساتھ پھر مختصر بھی ہو۔

طلبہ کے لیے علمی نکتہ: (۱)

۱۔ علم جو بھی ہو اس کی تحصیل بتدریج ہونی چاہیے، کیونکہ ﴿تُعَلِّمَنِيْ﴾ باب تفعیل سے ہے، اور باب تفعیل کی ایک خاصیت تدریج بھی ہے۔

۲۔ ایسے لب و لہجہ سے احتراز کیا جائے جس سے تکبر و تعلیٰ تو درکنار، استاذ کے ساتھ برابری کی بو آتی ہو، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿وَعَلٰی اَنْ تُعَلِّمَنِيْ مِمَّا عَلَّمْتَ رُسُلًا﴾ اس آیت مبارکہ میں ”مِمَّا“ میں ”مِنْ“ تبغیضیہ ہے تو مطلب یہ بنے گا کہ حضرت شیخ! آپ اپنے علوم میں سے کچھ مجھے بھی سکھا دیجیے۔

﴿قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾

انہوں نے کہا: مجھے یقین ہے کہ آپ میرے ساتھ رہنے پر صبر نہیں کریں گے۔  
حضرت خضر علیہ السلام کی پہلی پیشگی معذرت: (

قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا

بولا: تو نہ ٹھہر سکے گا میرے ساتھ

حضرت خضر علیہ السلام نے یہ کیوں کہا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کریں گے؟ یہ اس لیے کہا کہ ان کو پتا تھا کہ جو کام اللہ کے حکم سے ہوتے ہیں، ان کی حقیقت ہے، وہ مجھے تو پتہ ہے، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علم تشریحی دیا گیا ہے، ان افعال کا علم نہیں دیا گیا، اس لیے جب ان کے سامنے ایسی بات ہوگی جس کا علم نہیں دیا گیا تو یہ خاموش نہیں رہیں گے، فوراً بولیں گے، پوچھیں گے اور یہ صبر نہیں کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ آپ میرے ساتھ رہیں تو سہی، لیکن آپ صبر نہیں کریں گے۔

حضرت خضر علیہ السلام نے استطاعت صبر کی نفی سخت تاکید کی طور پر کی (اِنْ اَوَّلٰی وَغٰیرہ نفی میں زور پیدا کر رہے ہیں) اس کے آگے خود ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معذور ہونے کی تصویر کشی بھی کر دی، تاکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان میں سوء ادب اور گستاخی کا تصور بھی نہ ہو سکے۔ [دیکھیے: تفسیر مظہری: تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کی تحقیق اینق: (

یہاں طبعی طور پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ خضر علیہ السلام کی تصریح کے مطابق ان کو جو علم عطا ہوا تھا، اس کی نوعیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علم سے مختلف تھی، مگر جبکہ یہ دونوں علم اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے عطا ہوئے تھے تو ان دونوں کے احکام میں تضاد و اختلاف کیوں ہوا؟

اس کی تحقیق تفسیر مظہری میں حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے جو لکھی ہے، وہ اقرب الی الصواب اور دل کو لگنے والی ہے۔ ان کی تقریر کا مطلب جو میں سمجھا ہوں، اس کا خلاصہ یہ ہے:

اللہ تعالیٰ جن حضرات کو اپنی وحی اور نبوت سے سرفراز فرماتے ہیں ان میں عموماً تو وہی حضرات ہوتے ہیں جن کے سپرد اصلاح خلق کی خدمت ہوتی ہے، ان پر کتاب اور شریعت نازل کی جاتی ہے، جن میں خلق خدا کی ہدایت اور اصلاح کے اصول و قواعد ہوتے ہیں۔ جتنے انبیاء علیہم السلام کا ذکر قرآن کریم میں بتصریح نبوت و رسالت آیا ہے وہ سب کے سب ایسے ہی تھے جن کے سپرد تشریعی اور اصلاحی خدمات تھیں، ان پر جو وحی آتی تھی وہ بھی سب اسی سے متعلق تھی، مگر دوسری طرف کچھ تکوینی خدمات بھی ہیں جن کے لیے عام طور پر اللہ کے فرشتے مقرر ہیں، البتہ زمرہ انبیاء علیہم السلام میں سے بھی اللہ تعالیٰ نے بعض حضرات کو اسی قسم کی تکوینی خدمات کے لیے مخصوص کر لیا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام اسی زمرہ میں سے ہیں۔ تکوینی خدمات واقعات جزئیہ سے متعلق ہوتی ہیں کہ فلاں ڈوبنے والے شخص کو بچا لیا جائے یا فلاں کو ہلاک کر دیا جائے، فلاں کو ترقی دے دی جائے، فلاں کو زیر کیا جائے۔ ان معاملات کا نہ عام لوگوں سے کوئی تعلق ہوتا ہے اور نہ ہی ان کے احکام عوام سے متعلق ہوتے ہیں۔ ایسے واقعات جزئیہ میں بعض وہ صورتیں بھی پیش آتی ہیں کہ ایک شخص کو ہلاک کرنا تشریعی قانون کے خلاف ہے، مگر تکوینی قانون میں اس خاص واقعہ کو عام تشریعی قانون سے مستثنیٰ کر کے اس شخص کے لیے جائز کر دیا گیا۔ جس کو اس تکوینی خدمت پر مامور فرمایا گیا ہے ایسے حالات میں شرعی قوانین کے علماء اس استثنائی حکم سے واقف نہیں ہوتے اور وہ اس کو حرام کہنے پر مجبور ہوتے ہیں اور

جو شخص تکوینی طور پر اس قانون سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے، وہ اپنی جگہ حق پر ہوتا ہے۔  
خلاصہ یہ ہے کہ جہاں یہ تضاد نظر آتا ہے وہ درحقیقت تضاد نہیں ہوتا۔ بعض واقعات  
جزیہ کا عام قانون شریعت سے استثناء ہوتا ہے۔ ابو حیان نے ”بحر محیط“ میں فرمایا:  
”الْجَاهُورُ عَلَى أَنَّ الْخَضِرَ نَبِيٌّ وَ كَانَ عِلْمُهُ مَعْرِفَةً بِوَاطِنٍ قَدْ أُوحِيَتْ إِلَيْهِ وَ عِلْمُ  
مُوسَى الْأَحْكَامُ وَ الْفُتْيَا بِالْظَاهِرِ“ [بحر محیط: ۶/۱۳۷، بحوالہ معارف القرآن] اس لیے یہ بھی  
ضروری ہے کہ یہ استثناء بذریعہ وحی نبوت ہو، کسی ولی کا کشف والہام ایسا استثناء کرنے  
کے لیے ہرگز کافی نہیں۔

اسی لیے حضرت خضر علیہ السلام کا لڑکے کو بظاہر ناحق قتل کرنا ظاہر شریعت میں حرام تھا،  
لیکن حضرت خضر علیہ السلام تکوینی طور پر اس قانون سے مستثنیٰ کر کے مامور کیے گئے تھے،  
ان پر کسی غیر نبی کے کشف والہام کو قیاس کر کے کسی حرام کو حلال سمجھنا جیسے بعض جاہل  
صوفیوں میں مشہور ہے، بالکل بے دینی اور اسلام سے بغاوت ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ نجدہ  
حروری (خارجی) نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو خط لکھا کہ خضر علیہ السلام نے نابالغ لڑکے کو کیسے قتل  
کر دیا؟ جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نابالغ کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ حضرت ابن  
عباس رضی اللہ عنہما نے جواب میں لکھا کہ اگر کسی بچے کے متعلق تمہیں وہ علم حاصل ہو جائے جو  
موسیٰ علیہ السلام کے عالم (خضر علیہ السلام) کو حاصل ہوا تھا تو تمہارے لیے بھی نابالغ کا قتل جائز  
ہو جائے گا۔

مطلب یہ تھا کہ خضر علیہ السلام کو تو بذریعہ وحی نبوت اس کا علم ہوا تھا، وہ اب کسی کو نہیں  
سکتا، کیونکہ نبوت ختم ہو چکی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا جس کو بذریعہ وحی



اس قسم کے واقعات کے متعلق کسی حکم خداوندی سے کسی خاص شخص و مشعل سے ہر  
ہو سکتے۔

اس واقعہ سے بھی یہ حقیقت واضح ہوئی کہ کسی شخص و کسی حکم خداوندی سے مشعل قرار دینے  
کو نبی صاحب وحی کے سوا کسی کو حق نہیں۔

(معارف القرآن مضمون: تفسیر سورۃ صافات)

### فوائد السلوک:

جرح و تعدیل میں دامن احتیاط ہاتھ سے نہ چھوئے، ﴿وَإِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعَ  
صَبْرًا سِدَنًا مَوْیًیٰ﴾ سے مطلق صبر کی نفی نہیں فرمائی کہ آپ بڑے بے صبر سے بندے  
ہو سکتے ہیں، بلکہ "معی" کی قید لگا دی کہ آپ میرے ساتھ رہ کر بے صبر ہو جاؤ گے، کیونکہ  
آپ شریعت کے ظاہر کو دیکھتے ہوں گے اور میں شریعت کے باطن سے باخبر ہوں۔

﴿وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰی مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا﴾

اور جن باتوں کی آپ کو پوری پوری واقفیت نہیں ہے، ان پر آپ صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں؟

حضرت خضر علیہ السلام کی دوسری پیشگی معذرت: (۱)

﴿وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰی مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا﴾

اور کیسے صبر کرے گا دیکھ کر ایسی چیز کو کہ تیرے قابو میں نہیں اس کا سمجھنا  
خضر علیہ السلام کو معلوم تھا کہ ایسے واقعات سامنے آئیں گے جو بظاہر ممنوع اور بُرے  
ہوں گے اور انبیاء امور ممنوعہ پر اس وقت تک خاموش نہیں رہتے جب تک ان کے جواز

کی کوئی وجہ ان پر ظاہر نہ ہو جائے۔

اصلاح عام اور ذاتی اصلاح کی تعلیمات :

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ انبیاء اور رسل جن کو اصلاح عام کے لیے بھیجا جاتا ہے، ان کی شریعتوں کے احکام ایسے اصول اور ضوابط پر مبنی ہوتے ہیں جن کی اصلاحات کا تعلق عوام سے ہوتا ہے، اس لیے ان کی حکمت و مصلحت عوام کے ذہنوں پر منکشف ہو جاتی ہے اور ہونا چاہیے بھی، لیکن جو انبیاء کسی امت کی اصلاح کے لیے مبعوث نہیں ہوتے، ان کے پاس وحی کے ذریعہ سے آنے والے احکام کا مقصد صرف انبیاء کے نفوس کی اصلاح یا اللہ کے ساتھ انبیاء کے معاملات کی براہ راست درستی ہوتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام دعوت تھے، ان کے انکار اور خضر علیہ السلام کے فعل پر اعتراض کی وجہ یہی تھی کہ خضر علیہ السلام کا عمل شریعت موسوی کے خلاف تھا، دونوں کا مسلک جدا جدا تھا، اتحاد مسلک اور ترک اعتراض استفادہ کے لیے ضروری ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو اتنی لیے خضر علیہ السلام بھی سمجھ گئے کہ ان سے برداشت نہ ہو سکے گی، یہ خاموش نہیں رہیں گے کیونکہ میری مصاحبت ان کو سودمند نہ ہوگی۔

[تفسیر مظہری: تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

نوائد السلوک :

صوفیاء فرماتے ہیں کہ اگر مرید کو یقین ہو کہ پیر عارف کامل ہے تو اس کے کسی فعل پر اعتراض نہ کرے۔ خواہ اس کا فعل بظاہر شریعت کے خلاف ہو اور اگر اختلاف مسلک کی وجہ سے مرید اعتراض کیے بغیر نہیں رہ سکتا تو پیر کی صحبت ترک کر دے۔ یعنی مرید پر اگر ظاہر شریعت کا غلبہ ہو اور خلاف شرع بات دیکھ کر وہ روکنے ٹوکنے سے باز نہ رہ سکتا ہو تو



پیر کو کامل العرفان سمجھنے کے باوجود اس کو پیر کی صحبت سے ہٹ جانا چاہیے۔ [مظہری]

..... اولیاء اللہ (جیسے شیخ ابن عربی، ابن سبعین اور ابن فارض وغیرہ) کے بعض مقالات مشاہدہ اور کشف پر مبنی ہیں اور شریعت کے خلاف نظر آتے ہیں۔ مناسب ہے کہ ان کی کوئی صحیح تاویل کی جائے اور شریعت کے موافق بنانے کی کوشش کی جائے اور بدگمانی کو راہ نہ دی جائے۔ اللہ نے فرمایا ہے: ﴿لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا﴾ [النور: ۱۲] اگر صحیح تاویل ممکن ہی نہ ہو تو ان مقالات کو حالتِ سکر پر محمول کیا جائے۔ فقہاء کا فتویٰ ہے کہ مباح چیز سے اگر سکر پیدا ہو جائے اور اس سکر کی حالت میں طلاق دے دے تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ تو اولیاء اللہ جو اللہ کی محبت میں ڈوبے رہتے ہیں، ان کے اس غلبہ حال کے مقالات کیسے قابلِ گرفت ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پڑھنے اور سننے والے ان کے مقالات کا مرادی مطلب ہی نہ سمجھے ہوں، ان کی اصلی مراد کچھ اور ہو اور سننے پڑھنے والے کچھ اور سمجھ جائیں۔ [مظہری]

..... ”غیر ضروری علوم“ کی تحصیل سے ”ضروری“ کی تدریس و تعلیم زیادہ بہتر ہے۔ چنانچہ تفسیر ”معالم التنزیل“ میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنا مدعی رکھا تو حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: ”كَفَى بِالْتَّوْرَةِ عِلْمًا وَبِبَنِي إِسْرَائِيلَ شُغْلًا“ [معالم التنزیل، تحت الآیہ ۶۸ من سورۃ الکہف] (تورات کا علم اور بنی اسرائیل کی تربیت میں آپ کا لگے رہنا کافی ہے)۔

..... انکار خشک نہیں ہونا چاہیے، بلکہ معقول عذر اور دلیل کے ساتھ ہو، جیسے حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ ۶۷ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰی مَا لَمْ تُحِطْ بِهَا خُبْرًا ۶۸﴾ (مجھے یقین ہے کہ آپ میرے ساتھ رہنے پر صبر نہیں کر سکیں گے۔ اور جن

باتوں کی آپ کو پوری پوری واقفیت نہیں ہے، ان پر آپ صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں؟  
 اپنی فراست یا اور کسی ذریعہ سے مرید میں مانع استفادہ کوئی بات معلوم ہوتو اسے  
 صاف صاف بتا دیا جائے، جیسے حضرت خضر علیہ السلام نے صاف صاف بات بتا دی تھی کہ  
 آپ میرے ساتھ رہنے پر صبر نہیں کر سکیں گے۔ اور جن باتوں کی آپ کو پوری پوری  
 واقفیت نہیں ہے، ان پر آپ صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں؟

استاذ مفید سمجھے تو طلبہ پر مناسب سختی کر سکتا ہے، جیسے حضرت خضر علیہ السلام نے  
 موسیٰ علیہ السلام کی طرف دو چیزوں کی نسبت سختی کی: قلت صبر اور علم کمونی سے بے خبری۔  
 فصیح اور مرید میں مزاجی ہم آہنگی نہ ہو تو افادہ اور استفادہ بہت مشکل ہے۔

﴿قَالَ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا﴾

موسیٰ نے کہا: ان شاء اللہ! آپ مجھے صابر پائیں گے، اور میں آپ کے کسی حکم کی  
 خلاف ورزی نہیں کروں گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وعدے کا بیان: (۱)

﴿قَالَ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا﴾

کہا: تُو پائے گا اگر اللہ نے چاہا مجھ کو صبر کرنے والا اور نہ نالوں کا تیرا کوئی حکم  
 حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے صابر رہنے کا چونکہ قطعی اعتماد نہ تھا، اس لیے اللہ کی مشیت  
 کے ساتھ اپنے صابر رہنے کو مشروط کر کے جواب دیا۔  
 حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صابر رہنے کا وعدہ کیا، کیونکہ صحبت خضر علیہ السلام اسی وقت نتیجہ خیز

ہو سکتی تھی، جب موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام کے فعل پر اعتراض نہ کرتے۔ اور خضر علیہ السلام کے ساتھ رہنے کا حکم اللہ سے مل چکا تھا، لیکن ان کو اپنے صابر رہنے میں شک تھا، اس لیے کہ حضرت خضر علیہ السلام کے مسلک سے آپ کا مسلک جدا تھا اور اختلاف مسلک صابر نہ رہنے اور اعتراض کر بیٹھنے کا موجب تھا۔ [دیکھیے: تفسیر مظہری: تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

### معصیت کیا ہے؟ (۱)

معصیت کا لغوی معنی ہے: ”مُخَالَفَةُ الْأَمْرِ وَالْخُرُوجُ عَنِ الطَّاعَةِ“ (حکم کی مخالفت کرنا اور فرمانبرداری کے دائرہ سے باہر نکل جانا)۔

شیخ احمد زروق فرماتے ہیں: ”الْمَعْصِيَةُ هِيَ مُخَالَفَةُ أَمْرِ اللَّهِ الْوَاجِبِ“ (اللہ تعالیٰ کے واجب کردہ احکام کی خلاف ورزی کرنے کا نام معصیت ہے)۔

شیخ محمود ابوالشامات یشرطی فرماتے ہیں: ”الْمَعْصِيَةُ هِيَ الْغَفْلَةُ عَنِ اللَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى“ (اللہ تعالیٰ کی ذات سے غافل ہو جانے کا نام معصیت ہے)۔

### فوائد السلوک: (۱)

استاذ کی نشان دہی کے بعد اپنی کمزوری کو رفع کرنے کی کوشش اور عزم کرے، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا﴾ (ان شاء! اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کروں گا)۔

استاذ کی سختی خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتا رہے، جیسے حضرت خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا: مجھے یقین ہے کہ آپ میرے ساتھ رہنے پر صبر نہیں کر سکیں گے۔ اور جن باتوں کی آپ کو پوری پوری واقفیت نہیں ہے، ان پر آپ صبر کر بھی کیسے

کتنے ہیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ان شاء اللہ! آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کروں گا۔

خود اعتمادی کے بجائے خدا اعتمادی کا اظہار کرے، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ان شاء اللہ! آپ مجھے صابر پائیں گے۔

﴿سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ مرید کی کامیابی کے دو بڑے سبب ہیں: اول مستقل مزاجی، دوم فرمانبرداری۔ اس لیے کسی شیخ کی صحبت اختیار کرتے وقت ان دونوں چیزوں کو بجالانے کا پختہ عزم کرے، ورنہ محرومی کا باعث ہوگا۔

بھول چوک سے بندہ گنہگار نہیں ہوتا، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا﴾ (اور میں آپ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کروں گا)۔... اور دوسری جگہ فرمایا: ﴿لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ﴾ (مجھ سے جو بھول ہو گئی، اس پر میری گرفت نہ کیجیے) یعنی بھول چوک پر میری پکڑ نہ فرمائیے، کیونکہ یہ کوئی گناہ تو نہیں ہوتا۔ اور حدیث پاک سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے: ”إِنَّ اللَّهَ وَضَعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَا وَالنِّسْيَانَ وَمَا اسْتَكْرَهُوا عَلَيْهِ“ [سنن ابن ماجہ، رقم: ۲۰۴۵] (اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا، نسیان اور جس پر کسی کو مجبور کیا جائے، معاف کر دیا ہے)۔

﴿قَالَ فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا﴾

انہوں نے کہا: اچھا! اگر آپ میرے ساتھ چلتے ہیں تو جب تک میں خود ہی آپ سے کسی بات کا تذکرہ شروع نہ کروں، آپ مجھ سے کسی بھی چیز کے بارے میں سوال نہ کریں۔

## شرط استفادہ کا بیان :

قَالَ فَإِنْ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ أُخْبِرَكَ مِنْكَ ذِكْرًا ۝

بولا: پھر اگر میرے ساتھ رہنا ہے تو مت پوچھو مجھ سے کوئی چیز جب تک میں شروع نہ

کروں تیرے آگے اس کا ذکر

یعنی اگر میں کوئی ایسا کام کروں جو آپ کو ناپسند ہو تو جب تک میں خود ہی ابتداء اپنی طرف سے اس کا ذکر آپ سے نہ کروں، آپ مجھ سے کوئی سوال نہ کریں۔ کیونکہ سوال کرنے سے اعتراض کرنے کا گمان ہوتا ہے اور اعتراض کرنے سے استفادہ ناممکن ہو جاتا ہے۔

## فوائد السلوک :

﴿فَإِنْ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کو مرید سے مناسب شرطیں لگانے کا حق ہے۔

متعلم کو چاہیے کہ طلب میں صادق ہو، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام شیخ کے انکار کے باوجود ان کے ساتھ رہنے پر اصرار کر رہے تھے، حالانکہ شیخ انہیں کہہ بھی رہے تھے کہ یہ آپ کے بس کی بات نہیں۔

شیخ جب تعلیم میں مصروف ہو تو سوال وغیرہ کر کے دخل اندازی نہ کرے، جیسا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہلے ہی تنبیہ فرمادیا تھا: ﴿فَإِنْ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ أُخْبِرَكَ مِنْكَ ذِكْرًا﴾ (اگر آپ میرے ساتھ چلتے ہیں تو جب تک میں خود ہی آپ سے کسی بات کا تذکرہ شروع نہ کروں، آپ مجھ سے کسی بھی چیز

کے بارے میں سوال نہ کریں۔

۱۰۔ «حَقِّيْ أَخْدَاتُ لَكَ مِنْهُ دُخَانٌ» سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ شہید، ظلمیان ہوتے ہیں لیکن طرف سے جواب و ازالہ کے نتیجہ میں رہے۔

۱۱۔ طوقِ اراک میں شمولیت کے بعد شیخ محقق کی تعلیم ضروری ہے، ورنہ محرومی ہوگی، جیسے حضرت عطاء اللہ نے حضرت موسیٰ بن جعفر سے کہا: «فَاِنْ شِئْتَنِيْ فَلَا تَسْتَفِمْ عَنِّيْ» معنی: «حَقِّيْ أَخْدَاتُ لَكَ مِنْهُ دُخَانٌ» (اگر آپ میرے ساتھ چلتے ہیں تو جب تک میں غواہی آپ سے کسی بات کا تذکرہ و شروٹ نہ کروں، آپ مجھ سے کسی بھی چیز کے بارے میں سوال نہ کریں)۔

۱۲۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شیخ اور اساتذ کو حق ہے کہ طلبہ کو ضابطہ تعلیم اور لائحہ عمل کا پابند بنائے اور داخلہ کو مشروط رکھے۔

۱۳۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اساتذ اور شیخ، طلبہ اور مریدین کو بعض جائز اور مباح امور سے روک سکتا ہے، جو استفادہ میں خلل کا باعث ہوں۔

۱۴۔ شیخ کو چاہیے کہ اپنے کسی مشتبہ قول و عمل کی مناسب موقع پر وضاحت اور توجیہ کرے، جیسے حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: «حَقِّيْ أَخْدَاتُ لَكَ مِنْهُ دُخَانٌ» ... ایک اور جگہ فرمایا: «طَسَأُ نَبِيَّتُكَ بِتَلْوِينِهَا فَلَا تَسْتَطِيعُ عَلَيَّ صَبْرًا» (اب میں آپ کو ان باتوں کا مقصد بتائے دیتا ہوں جن پر آپ سے صبر نہیں ہو سکا)۔

مفتی محمد حسن رحمہ اللہ کی بیعت کا واقعہ: (۱)

جامعہ اشرفیہ لاہور کے بانی حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری رحمہ اللہ، حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے اجل خلفاء میں سے تھے۔ جب دارالعلوم دیوبند سے پڑھ کر





فارغ ہوئے تو وہیں پڑھانے بھی لگ گئے، حتیٰ کہ کچھ ہی عرصے میں ان کو حدیث کے اسباق مل گئے۔ اب جو استاد دارالعلوم دیوبند میں استاذ الحدیث ہوں، ان کا علمی مقام کیا ہوگا؟

ان کے دل میں بڑی چاہت تھی کہ میں حضرت تھانوی سے بیعت ہو جاؤں۔ چنانچہ اس سلسلے میں انہوں نے کئی مرتبہ خطوط بھی لکھے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ جواب میں فرماتے کہ مفتی صاحب! بیعت میں اصل مقصد تو محبت اور عقیدت ہے، وہ آپ کو پہلے ہی حاصل ہے تو بیعت کرنا کوئی ضروری تو نہیں ہے، یہ کہہ کر ٹال دیتے۔ پھر خط لکھتے پھر ٹال دیتے۔ ادھر سے ادھر سے انکار۔ مفتی صاحب کے دل میں پھر یہی ولولہ اٹھتا۔ اگر کبھی اظہار کرتے تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جواب میں یہی بات فرما دیتے۔

مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں تھانہ بھون چلا گیا اور عزم کیا کہ اب میں نے حضرت سے بیعت ہوئے بغیر واپس نہیں جانا۔ میری چاہت تھی کہ روزِ قیامت حضرت کے خدام اور غلاموں کی فہرست میں میرا نام بھی شامل ہو۔ یہ سوچ کر میں وہاں پہنچا اور حضرت کی خدمت میں پیش ہو کر عرض کیا: حضرت! آپ مجھے بیعت فرمائیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے وہی پرانا جواب دیا کہ مفتی صاحب! بیعت کوئی ضروری تو نہیں ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: حضرت! آج تو ضروری ہے، میں بھی دل میں تہیہ کر کے آیا ہوں کہ بیعت ہو کر جاؤں گا۔ جب حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی دیکھا کہ مفتی صاحب ڈٹ گئے ہیں تو فرمانے لگے: مفتی صاحب! بیعت ہونے کے لیے تین شرائط ہیں، آپ کو وہ پوری کرنی ہوں گی۔ مفتی صاحب نے عرض کیا: حضرت! میں پوری کرنے کے لیے تیار ہوں۔

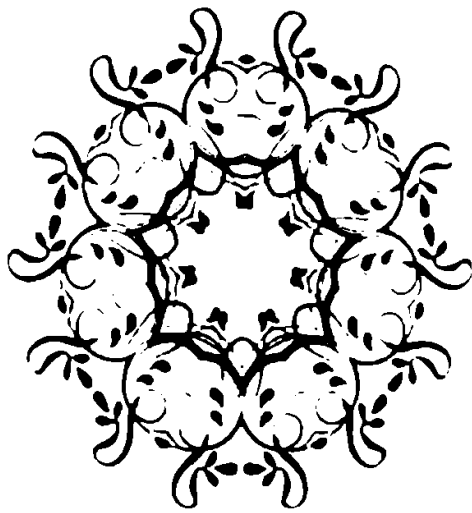
آج کے دور میں اگر کسی مرید سے یہ کہا جائے کہ بیعت ہونے کے لیے یہ شرط ہیں تو وہ کہے گا: جی! یہ تو بڑے متکبر پیر ہیں، بیعت ہی نہیں کرتے۔ ایلھم جی! ہم تم سے بیعت ہونے کے لیے چل کر آئے ہیں اور پیر صاحب نے آ کے بیعت ہی نہ لیا۔ یہ بھی نہیں سوچیں گے کہ ہمیں تعبہ ہوگی، ہمارا علاج ہوگا، ہمارے نفس کو دوا پلائی جائے گی۔ نہیں! بلکہ آج تو یہ حالت ہے کہ اول تو پیروں کے پاس آتے ہی نہیں اور جب بھی آتے ہیں تو پہلے آ کر اپنے حالات بتاتے ہیں اور پھر ان کے جوابات کا مشورہ بھی دیتے ہیں، گویا یوں کہہ رہے ہوں کہ حضرت! میں آپ کو یہ مشورہ دیتا ہوں کہ آپ مجھے یہ مشورہ دیں۔ خیر! یہ تو ایک ضمنی بات درمیان میں آگئی۔

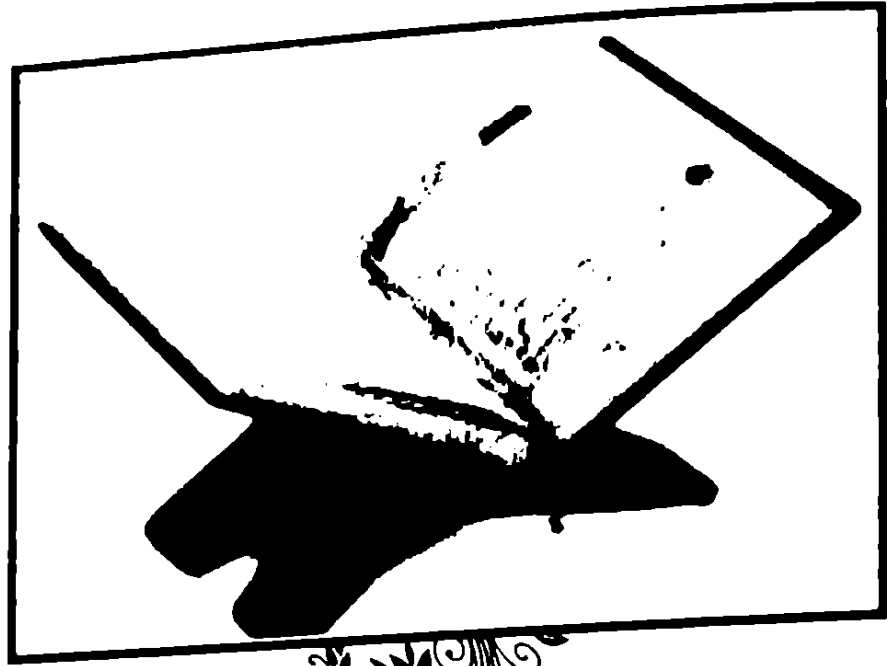
حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا: پہلی شرط تو یہ ہے کہ آپ چونکہ پنجابی زبان بولتے ہیں، عام طور پر اس زبان کے بولنے سے حروف کے مخارج بگڑ جاتے ہیں، جب تک سیکھے نہ جائیں، لہذا آپ کسی اچھے قاری سے تجوید و قراءت کا فن سیکھیں، حتیٰ کہ مسنون قراءت کے ساتھ آپ پانچوں نمازیں پڑھا سکیں۔ میں نے عرض کیا: حضرت! میں حاضر ہوں۔ دوسری شرط کی تفصیل بتاتے ہوئے فرمایا کہ مفتی صاحب! آپ نے فلاں فلاں کتابیں ایک غیر مقلد عالم سے پڑھی ہیں اور غیر مقلدیت کے جراثیم آسانی کے ساتھ ذہن سے نہیں نکلتے۔ اب آپ یہ کتابیں دارالعلوم میں طلبہ کے ساتھ بیٹھ کر اساتذہ سے پڑھیں..... اب دیکھیں! شرط کیا لگائی!! یہ بھی تو کہہ سکتے تھے کہ آپ تنہائی میں کسی سے پڑھ لیں، مگر نہیں! بلکہ فرمایا کہ جس دارالعلوم میں آپ استاذ الحدیث ہیں، اسی دارالعلوم کے طلبہ کے ہمراہ کلاس میں بیٹھ کر استاد سے اسی طرح پڑھیں، جس طرح طلبہ پڑھتے ہیں، تاکہ صحیح العقیدہ اساتذہ سے پڑھنے کی وجہ سے غیر مقلدیت کے اثرات زائل ہو جائیں..... میں نے عرض کیا: حضرت! مجھے یہ بھی منظور ہے۔

پھر فرمایا کہ تیسری شرط یہ ہے کہ مجھے اجازت دیں کہ میں پردے میں آپ کی اہلیہ کو قسم دے کر آپ کی نجی زندگی کے بارے میں کچھ باتیں پوچھ سکوں۔ میں نے عرض کیا: حضرت! مجھے یہ بھی منظور ہے۔

مفتی صاحب نے جب یہ بات نقل کی تو فرمانے لگے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تو تین شرطیں لگائی تھیں، اگر چوتھی شرط یہ بھی لگا دیتے کہ روزانہ دوپہر تک تم نے بیت الخلاء کی بدبودار اور گندی جگہ پر بیٹھنا ہے تو میں اس شرط کو بھی قبول کر لیتا، کیونکہ میں اپنے اندر کی بدبو سے چھٹکارا پانا چاہتا تھا۔

اور جب مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ نے تمام شرائط پوری کر کے دکھا دیں تو اللہ رب العزت نے ان کے لیے نسبت کے راستے کو ہموار فرمادیا۔





دسواں رکوع

(آیات 71 تا 82)

## رکوع کا خلاصہ



اس رکوع میں:

حضرت موسیٰ و حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ کے 8 مناظر میں سے بقیہ 4 منظر بیان کیے گئے ہیں:

پانچواں منظر..... حضرت خضر علیہ السلام کا کشتی کو پھاڑنے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اور اس پر

موسیٰ علیہ السلام کا اعتراض بھی نقل کیا گیا ہے۔ [آیت: ۷۱ تا ۷۳]

چھٹا منظر..... حضرت خضر علیہ السلام کا لڑکے کو قتل کرنے کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے اور پھر

موسیٰ علیہ السلام کا اعتراض بھی نقل کیا گیا ہے۔ [آیت: ۷۴ تا ۷۶]

ساتواں منظر..... دونوں حضرات کا ایک یہودی بستی میں آنے کو بیان فرمایا گیا ہے کہ

دونوں حضرات نے ان سے کھانا مانگا تھا، لیکن یہود نے اپنی کنجوسی کی وجہ سے انکار

کر دیا۔ [آیت: ۷۷]

آٹھواں منظر..... حضرت خضر علیہ السلام کا بلا اجرت ٹیڑھی دیوار کی مرمت کرنے کا واقعہ

بیان کیا گیا ہے اور پھر موسیٰ علیہ السلام کا اعتراض بھی نقل کیا گیا ہے۔ [آیت: ۷۸]

پھر حضرت خضر علیہ السلام کا گزشتہ واقعات کی حقیقت اشائی کو بیان کیا گیا ہے۔

آیت: ۷۸ تا ۸۲

﴿فَانْطَلَقَا﴾ كَتَبْنِي إِذَا رَكِبْنَا فِي السَّفِينَةِ خَرَقَهَا ۖ قَالَ أَخَرَقْتُهَا لَتُفَرِّقَ أَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتُ شَيْئًا إِفْرًا (۷۸)

پنانچہ دونوں روانہ ہو گئے، یہاں تک کہ جب دونوں ایک کشتی میں سوار ہوئے تو ان صاحب نے کشتی میں چھید کر دیا۔ موسیٰ بولے: ارے! کیا آپ نے اس میں تہید کر دیا، تاکہ سارے کشتی والوں کو ڈبو ڈالیں؟ یہ تو آپ نے بڑا خوفناک کام کیا۔

پانچواں منظر..... حضرت خضر علیہ السلام کا کشتی کو پھاڑنا: (۱)

فَانْطَلَقَا كَتَبْنِي إِذَا رَكِبْنَا فِي السَّفِينَةِ خَرَقَهَا

پھر دونوں چلے، یہاں تک کہ جب چڑھے کشتی میں اس کو پھاڑ ڈالا یعنی ساحل پر کشتی پر سوار ہونے کے ارادے سے کشتی کی تلاش میں چل دیے۔ وہاں ایک کشتی مل گئی اور دونوں اس میں سوار ہو گئے۔ امام بغوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جو لوگ کشتی میں سوار تھے، انہوں نے کہا: ”هُؤُلَاءِ لَصُوصُ“ (یہ دونوں چور ہیں ان کو کشتی سے نکال دو)، کشتی کے مالک نے کہا: ”مَا هُمْ بِلُصُوصٍ وَ لَكِنِّي أَرَىٰ وُجُوهَ الْأَنْبِيَاءِ“ (یہ لوگ چور نہیں ہیں، مجھے ان کے چہرے انبیاء کے چہرے دکھائی دے رہے ہیں)۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: ”فَمَرَّتْ سَفِينَةٌ فَكَلَّمُوهُمْ أَنْ يَخْمِلُوهُمْ، فَعَرَفُوا الْخَضِرَ لَحْمَلُوهُمْ بِغَيْرِ تَوَلٍّ“ [صحیح بخاری، رقم: ۴۷۲۵]

(ایک کشتی ان کی طرف سے گزری، موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام نے کشتی والوں سے سوار کر لینے کی درخواست کی۔ کشتی والوں نے خضر علیہ السلام کو پہچان لیا اور بلا کر ایہ دونوں کو سوار کر لیا)۔

### فوائد السلوک :

﴿فَانْطَلَقَا﴾ سے معلوم ہو رہا ہے کہ تعلیم و تعلم کا سلسلہ چلنے پھرنے سے بھی جاری رکھا جاسکتا ہے، ایک جگہ ٹھہرنا ضروری نہیں۔

طالب علم چاہے جتنا بھی بڑا آدمی ہو، چاہے دنیا کے اعتبار سے ہو یا دین کے اعتبار سے، مخدوم بننے کی کوشش نہ کرے، بلکہ اپنے خادموں کو اپنے آپ سے الگ کر دے کہ یہ ادب کے خلاف ہے، جیسے بعض روایات سے ثابت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت یوشع علیہ السلام کو رخصت کر دیا تھا، چنانچہ قرآن مجید کا اسلوب بھی یہی بتا رہا ہے:

﴿فَانْطَلَقَا حَتَّىٰ إِذَا رَكِبَا فِي السَّفِينَةِ﴾ (چنانچہ دونوں روانہ ہو گئے، یہاں تک کہ جب دونوں ایک کشتی میں سوار ہوئے)۔... ﴿فَانْطَلَقَا حَتَّىٰ إِذَا لَقِيَا غُلَامًا فَقَتَلَهُ﴾ (وہ دونوں پھر روانہ ہو گئے، یہاں تک کہ ان کی ملاقات ایک لڑکے سے ہوئی تو ان صاحب نے اسے قتل کر ڈالا)۔... ﴿فَانْطَلَقَا حَتَّىٰ إِذَا آتَيَا أَهْلَ قَرْيَةٍ اسْتَطْعَمَا أَهْلُهَا فَأَبَوْا أَنْ يُصَيِّفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا﴾ (چنانچہ وہ دونوں پھر روانہ ہو گئے، یہاں تک کہ جب ایک بستی والوں کے پاس پہنچے تو اس کے باشندوں سے کھانا مانگا تو ان لوگوں نے ان کی مہمانی کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر انہیں وہاں ایک دیوار ملی)۔... آگے قرآن مجید پڑھتے جائیے تو انداز سے پتہ چلے گا کہ دونوں حضرات کے ساتھ تیسرا کوئی نہیں تھا۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ایک دفعہ کسی حدیث سے متعلقہ اشکال کے لیے اپنے

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خادم کو بندہ کسی منزل پر پہنچ کر رخصت کر سکتا ہے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت یوشع علیہ السلام کو واپس بھیج دیا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پہلا اعتراض: (

403



امام بغوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ”أَنَّ الْخَضِرَ أَخَذَ قَذْحًا مِنَ الزَّجَاجِ وَرَقَعَ بِهِ خَرَقَ السَّفِينَةِ“ (خضر علیہ السلام نے ایک بڑا شیشے کا پیالہ لے کر کشتی کے سوراخ پر ڈھانک دیا، پیالہ سوراخ میں اڑ گیا اور پانی اندر نہ آ سکا۔ جلال الدین محلی رحمہ اللہ نے لکھا ہے، روایت میں آیا ہے: ”أَنَّ الْمَاءَ لَمْ يَدْخُلْهَا“ (کشتی کے اندر پانی نہیں آیا) چنانچہ یہ خضر علیہ السلام کا معجزہ تھا۔

### فوائد السلوک:

﴿خَرَقَهَا قَالِ أَخَرَقْتُهَا﴾ سے ثابت ہوا کہ بعض ایسے افعال جن کا ظاہر خلافِ شریعت ہو اور واقع میں یہ خلافِ شریعت نہیں ہوتے، اکابر سے صادر ہو سکتے ہیں۔

... اللہ تعالیٰ اس کائنات کا اکیلا خالق و مالک ہے اور اکیلا ہی بغیر اسباب کے اس کا نظام چلانے پر قدرت رکھتا ہے۔ تاہم اس کے باوجود اس نظام کو چلانے کے لیے اسباب کے تحت ایک ترتیب بنائی۔ اس ترتیب کے تحت اللہ تعالیٰ نے کچھ فرشتوں کو تکوینی کاموں پر مامور فرمایا ہے۔ مثلاً بارش برسانا، بادل چلانا، ہوا چلانا، دریاؤں کی روانی قائم رکھنا وغیرہ۔ اسی طرح اپنے مقربین اولیاء میں سے بھی بعض حضرات کو اللہ تعالیٰ کچھ تکوینی کاموں پر مامور فرماتے ہیں۔ ان کو ”اصحاب التکوین“ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح ان کو ”اصحاب الحذمت“ بھی کہا جاتا ہے۔ ”اصحاب التکوین“ کی سب سے واضح مثال حضرت خضر علیہ السلام کی ہے جن کا واقعہ قرآن پاک میں مذکور ہے جس میں وہ تکوینی امور سرانجام دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اصحاب الحذمت کے بارے میں ایک واقعہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

..... [تفسیر معالم التنزیل: تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

..... [تفسیر جلالین: تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

صابر نے مکی بخاری کی شرح میں: "فرمایا ہے کہ ہمارے ہاں آرام باغ میں ایک مہذب تھا جو یوگلی کی حالت میں رہتا تھا۔ ایک مرتبہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۱ء فجر کے وقت میرے بھائی مسکھ میں گئے تو مسکھ سلطان خمی، دیکھا کہ وہ پر جوش انداز میں آقا پر گز رہا ہے اور ہاقت علی خان پر طعنے ہو رہا ہے کہ تو نے جو کہا وہ کیا اب میری طرف سے تم سے سب کام سب کر لے گئے۔ اسی دن اس کو راولپنڈی میں گولی مار دی گئی اور وہ شہید ہو گئے۔

یہ اسی طرح اورنگزیب عالمگیر کے حالات زندگی میں معقول ہے کہ جب ان کے اپنے بھائی دارا کے ساتھ سلطنت کے بارے میں اختلافات چل رہے تھے تو دارا کو کسی نے بتایا کہ وہاں ایک بزرگ ہیں، ان سے دعا کروائیں تو سلطنت آپ کو مل جائے گی۔ دارا اس بزرگ سے ملنے کے لیے گیا۔ بزرگ نے ملاقات کے بعد ان کو اپنے مسند پر بیٹھنے کی فرمائش کی، لیکن دارا نے ازراہ ادب معذرت کر لی۔ بزرگ نے پھر فرمایا، لیکن دارا نے انکار کیا۔ تھوڑی دیر بعد دارا نے کہا کہ حضرت! دعا فرمائیں کہ ہندوستان کا تخت مجھے مل جائے۔ تب بزرگ نے فرمایا کہ تخت تو میں آپ کو پیش کر رہا تھا، لیکن آپ نے قبول نہیں کیا۔ دارا محروم چلا گیا۔ ایک دو دن کے بعد اورنگزیب عالمگیر دعا کروانے کے لیے بزرگ کی خدمت میں پہنچے، ملاقات کے بعد بزرگ نے عالمگیر کو اپنے مسند پر بیٹھنے کا فرمایا۔ اورنگزیب عالمگیر فوراً بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد اورنگزیب نے تخت کے حصول کے لیے دعا کی درخواست کی تو انہوں نے فرمایا کہ تخت تو میں نے آپ کو دے دیا۔ اورنگزیب نے کمال ذہانت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ تخت بغیر تاج کے بیکار ہے، تاج بھی دلواد دیجیے۔ انہوں نے فرمایا کہ تاج اس بندے کے پاس ہے جو آپ کا خادم ہے اور وضو کرواتا ہے۔ اورنگزیب فوراً وہاں سے گیا، اپنے خادم سے کہا کہ مجھے وضو کرواؤ۔ وضو سے پہلے اورنگزیب عالمگیر نے اپنی پگڑی اتار کے رکھ دی۔ وضو کے بعد



خادم سے کہا کہ یہ پگڑی میرے سر پر رکھ دو۔ خادم نے معذرت کر لی کہ آپ کی پگڑی کو ہاتھ لگانا ادب کے خلاف ہے، لیکن اور نگزیب کا اصرار تھا۔ تب وہ سمجھ گیا اور کہنے لگا کہ لگتا ہے آپ کو فلاں بزرگ نے سمجھایا ہے، پھر پگڑی اس کے سر پر رکھ دی۔ جس کے نتیجے میں ان کو تخت مل گیا اور تاج بھی۔

اگر شیخ کا کوئی ظاہری عمل شریعت کے خلاف ہو تو محقق عالم پورے ادب کے ساتھ اپنے فہم کے لیے عرض کر سکتا ہے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کشتی سے تختہ الگ کرنے کا منظر دیکھا تو کہہ دیا: ﴿لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِفْرًا﴾ ﴿۴۱﴾ یہ تو آپ نے بظاہر بڑا نامناسب کام کیا ہے... اور جب بچے کا سر دھڑ سے الگ کرنے کا منظر دیکھا تو یوں فرمایا: ﴿لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُكْرًا﴾ ﴿۴۲﴾ کہ آپ نے بظاہر بڑا نامعقول کام کیا ہے۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ شہید بالا کوٹ حضرت سید احمد بریلوی رحمہ اللہ نے اپنے ایک خلیفہ سے فرمایا کہ بھئی! اگر مجھے کوئی خلاف شریعت کام کرتے دیکھو تو بتا دینا۔ انہوں نے جواب میں عرض کیا کہ حضرت! جس وقت آپ خلاف شریعت کام کرو گے تو یہ خلیفہ اس وقت آپ کے ساتھ ہوگا بھی نہیں، کب کا جا چکا ہوگا۔

یہ... کالمین کو ہمیشہ اپنی ذات کی نسبت دوسروں کے نفع و نقصان کی فکر زیادہ دامن گیر رہتی ہے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿أَخْرَقْتُهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا﴾ (ارے! کیا آپ نے اس میں چھید کر دیا، تاکہ سارے کشتی والوں کو ڈبو ڈالیں؟) اپنے غرق ہونے کا ذکر صراحتاً نہ فرمایا۔

﴿قَالَ أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ ﴿۴۳﴾

انہوں نے کہا: کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکیں گے؟

پیشگی معذرت کی پہلی یاد دہانی : (۱)

قَالَ الْمَاقُلُ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝

بولا: میں نے نہ کہا تھا تو نہ ٹھہر سکے گا میرے ساتھ

حضرت خضر علیہ السلام کہنے لگے کہ اے موسیٰ! میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ چل نہیں سکتے۔ کیونکہ آپ شریعت کے ظاہر کو دیکھتے ہیں اور میں باطن کو دیکھتا ہوں۔ اور یہ بات میں نے آپ سے پہلے کہی تھی۔

فوائد السلوک: (۱)

۱۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر شیخ نے کوئی پیشگوئی کی ہو تو شیخ اس کے پورا ہونے پر یاد دہانی کر سکتا ہے۔

۲۔ کوتاہی پر شیخ تنبیہ کر سکتا ہے، جیسے حضرت خضر علیہ السلام نے پہلی تنبیہ کی: ﴿الْمَاقُلُ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ (۱) (کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکیں گے؟) ... دوسری تنبیہ کی: ﴿الْمَاقُلُ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ (۲) (کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ رہنے پر صبر نہیں کر سکیں گے؟)

﴿قَالَ لَا تَأْخُذْ بَمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عَسَىٰ أَرَاكَ﴾

موسیٰ نے کہا: مجھ سے جو بھول ہو گئی، اس پر میری گرفت نہ کیجیے، اور میرے کام کو زیادہ مشکل نہ بنائیے۔



حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پہلی معذرت : (۱)

قَالَ لَا تَأْخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُزْهِقْنِي مِنْ أَهْرِي عُسْرًا ۝۴۱

کہا: مجھ کو نہ پکڑ میری بھول پر اور مت ڈال مجھ پر میرا کام مشکل بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ نسیان سے مراد یہ ہے کہ میں نے آپ کی پہلی نصیحت پر جو عمل نہیں کیا، اس پر آپ میرا مواخذہ نہ کریں۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”فَكَانَتِ الْأُولَى مِنْ مُوسَى نِسْيَانًا، وَالْوُسْطَى شَرْطًا، وَالثَّالِثَةُ عَمْدًا“ [مسند الصحابة فی الكتب الستة، مسند الزبير بن العوام] (موسیٰ علیہ السلام کی پہلی حرکت از روئے نسیان تھی، دوسری حرکت بطور شرط اور تیسری حرکت قصداً)۔ اور میرے اس معاملہ میں مجھ پر زیادہ تنگی نہ ڈالئے، یعنی تنگی اور مواخذہ کر کے مجھ پر مشقت اور دشواری نہ ڈالئے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کے اس سلوک سے میرے لیے آپ کے ساتھ رہنا دشوار ہو جائے گا۔ بعض نے آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ آپ میرے ساتھ سختی کا برتاؤ نہ کیجیے، آسانی کا سلوک کیجیے۔

[دیکھیے: تفسیر مظہری: تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

عجیب و غریب ہرن : (۱)

”قوت القلوب“ والے کہتے ہیں کہ اس دوران موسیٰ علیہ السلام کے دل میں خیال آیا کہ اس لق و دق صحرا میں ہمارے کھانے پینے کا کیا انتظام ہوگا؟ اتنے میں انہوں نے دیکھا کہ ایک ہرن دوڑتا ہوا ان کی طرف آرہا ہے، آپ نے دل میں خیال کیا کہ اگر یہ ہرن شکار ہو جائے تو ہماری خوراک بن سکتا ہے، جب وہ ہرن قریب آیا تو موسیٰ علیہ السلام یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ہرن ذبح شدہ ہے اور اس کا گوشت دو حصوں میں منقسم ہے، ایک حصہ

کھا ہے جبکہ دوسرا درست شدہ ہے۔ حضرت موسیٰ نے کہا ہوا گوشت اپنے سامنے کر دیا اور کہے کے متعلق موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ تم خود اسے بھون کر خوراک بناؤ۔ مطلب یہ کہ تمہیں اس سفر میں کھانے سے متعلق طرح طرح کے خیالات آرہے تھے، جبکہ یہی یہ حالت نہ ہوئی، مجھے تو اللہ نے بھونا ہوا گوشت بھیج دیا ہے اور تم خود اسے کھانے کے قابل بناؤ۔  
 (تفسیر معالم العرفان: تحت هذه الآية من سورة البقرة)

### فوائد السلوک: (۱)

بظاہر خلاف شرع کام شیخ سے دیکھنے میں آئے تو حتی الامکان تاویل سے کام لے لے اور جائز محال پر حمل کرے، سو وطن سے بچے۔ اگر تاویل سمجھ میں نہ آئے تو مستکر و مستکری سمجھ جائے اور شیخ پر نقد و جرح سے احتراز کیا جائے، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کے کشتی توڑنے کے فعل پر، جو بظاہر خلاف شرع تھا، اشکال کیا، لیکن پھر بھی عذر پیش کر کے ان کے ساتھ رہے اور صرف ایک بات کی وجہ سے الگ نہیں ہوئے۔

﴿لَا تَأْخُذْ بِلِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا﴾ (مجھ سے جو بھول ہو گئی، اس پر میری گرفت نہ کیجیے، اور میرے کام کو زیادہ مشکل نہ بنائیے) سے معلوم ہوا ہے کہ فیض سے تسامح فرمانے کی درخواست کی جائے۔

﴿لَا تَأْخُذْ بِلِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا﴾ (اور میرے کام کو زیادہ مشکل نہ بنائیے) سے معلوم ہوتا ہے کہ بھول چوک پر گرفت کرنا سخت گیری اور تشدد کے دائرے میں آتا ہے۔

﴿فَانْطَلَقَا حَتَّىٰ إِذَا الْفَيَآءُ غُلِمَا فَقَتَلَهُ ۖ قَالَ أَقْتَلْتَنِي سَآزِكَةً بِغَيْرِ نَفْسٍ ۚ لَقَدْ جِئْتَنِي شَيْئًا نُّكْرًا﴾

... دونوں بھر رہا نہ ہو گئے، یہاں تک کہ ان کی ملاقات ایک لڑکے سے ہوئی تو ان صاحب نے اسے قتل کر ڈالا۔ وہی بول اٹھے: ارے! کیا آپ نے ایک پالیزہ جان، ہمارے لڑکے، یا، جبکہ اس نے کسی کی جان نہیں لی تھی، جس کا بدلہ اس سے لیا جائے؟ یہ تو آپ نے بہت ہی برا کام کیا۔

پہنڈہ منظر لڑکے کا قتل:

وَنُطْلَقُ حَتَّىٰ إِذَا الْقِيَاغُثَا فَنَقْتَلُهُ

پھر دونوں چلے، یہاں تک کہ جب ملے ایک لڑکے سے تو اس کو مار ڈالا آگے راستے میں کچھ بچے کھیل رہے تھے۔ ان میں سے ایک لڑکے کو حضرت خضر علیہ السلام نے قتل کر دیا۔ یہ پھر ایسا کام ہو گیا کہ جس کو دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام پھر حیران ہو گئے کہ یہ کیا کیا؟ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو ہر کام کو شرعی نظر سے دیکھ رہے تھے۔ شریعت تو ایسے کام کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ اس لیے ان کا ایسے کاموں پر چونک پڑنا اور حیران ہو جانا ایک فطری چیز تھی۔

فَوَائِدُ السُّلُوكِ :

”الْبَقِيْنُ لَا يَرْوُلُ إِلَّا بِالْبَقِيْنِ“ (یقین، یقین ہی سے زائل ہوتا ہے)۔ یہ ایک شرعی قانون ہے، چنانچہ حضرت خضر علیہ السلام کو تکوینی طور پر یقین علم ہو چکا تھا کہ یہ بچہ یقیناً فسادی ہوگا، اس لیے قتل کر دیا۔ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر فساد کا یقین ہو تو کافر بوزھا ہو، بچہ ہو یا عورت ہو تو انہیں قتل کیا جاسکتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دوسرا اعتراض: ((

قَالَ أَقْتُلْتُ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتُ شَيْئًا تُكْرَهُ

موسیٰ بولا: کیا تو نے مار ڈالی ایک جان ستھری بغیر عوض کسی جان کے۔ بے شک تو نے کی ایک چیز نامعقول

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فوراً بول پڑے: جی! آپ نے اس لڑکے کیوں مار دیا؟ یہ ابھی چھوٹا بچہ تھا، بالغ بھی نہیں ہوا تھا، شریعت کے اعتبار سے ابھی مکلف بھی نہیں تھا، بے گناہ بچہ تھا۔ آپ نے اسے جان سے مار کر نامناسب کام کیا ہے۔

تزکیہ نفس کا طریقہ: ((

تزکیہ نفس سے ہی انسان دنیا میں اوصاف حمیدہ کا مستحق ہوتا ہے اور آخرت میں اجر و ثواب بھی اسی کی بدولت حاصل ہوگا۔ اور تزکیہ نفس کا طریقہ یہ ہے کہ انسان ان باتوں کی کوشش میں لگ جائے جن سے طہارت نفس حاصل ہوتی ہے۔

تزکیہ کی نسبت: ((

فعل تزکیہ کی نسبت تو انسان کی طرف کی جاتی ہے کیونکہ وہ اس کا اکتساب کرتا ہے جیسے فرمایا: ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّهَا﴾ [الشمس: ۹] (فلاح اسے ملے گی جو اس نفس کو پاکیزہ بنائے)۔

اور کبھی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتا ہے کیونکہ فی الحقیقت وہی اس کا فاعل ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿يَزِيحُ اللَّهُ الْكِبَاسَ﴾ [النساء: ۴۹] (حالانکہ پاکیزگی تو اللہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے)۔

اور کبھی اس کی نسبت نبی کی طرف ہوتی ہے کیونکہ وہ لوگوں کو ان باتوں کی تعلیم دیتا ہے



جن سے تزکیہ حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے: ﴿تُطَهَّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهِ﴾<sup>۱</sup> (اس سے تم ان کو ظاہر میں بھی پاک اور باطن میں بھی پاکیزہ کرتے ہو)۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ﴾<sup>۲</sup> [البقرہ: ۱۵۱] (وہ پیغمبر تمہیں ہماری آیات پڑھ کر سناتا ہے اور بذریعہ تعلیم اخلاقِ رفیعہ سے پاک کرتا ہے)۔

اور کبھی اس کی نسبت عبادت کی طرف ہوتی ہے کیونکہ عبادتِ تزکیہ کے حاصل کرنے میں بمنزلہ آلہ کے ہے۔ چنانچہ یحییٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا: ﴿وَحَنَانًا مِّنَ لَّدُنَّا وَزَكَاةً﴾<sup>۳</sup> [مریم: ۱۳] (اور اپنی جناب سے رحمہ لی اور پاکیزگی دی تھی)، دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿لَا هَبَ لَكَ غُلَامًا زَكِيًّا﴾<sup>۴</sup> [مریم: ۱۹] (تاکہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا بخشوں)۔ یعنی وہ فطرتاً پاکیزہ ہوگا اور فطرتی پاکیزگی بطریق اجتباء حاصل ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو عالم اور پاکیزہ اخلاق والا بنادیتا ہے اور یہ پاکیزگی تعلیم و ممارست سے نہیں، بلکہ محض توفیقِ الہی سے حاصل ہوتی ہے جیسا کہ اکثر انبیاء اور رسل کے ساتھ ہوا ہے۔ اور آیت کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ وہ لڑکا آئندہ چل کر پاکیزہ اخلاق والا ہوگا، لہذا ”زکّیّا“ کا تعلق زمانہ حال کے ساتھ نہیں، بلکہ استقبال کے ساتھ ہے۔

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی  
سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندِ

تزکیہ نفس کی دو صورتیں: (۱)

① ایک تزکیہ بالفعل یعنی اچھے اعمال کے ذریعہ اپنے نفس کی اصلاح کرنا، یہ طریقہ محمود ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ: ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا﴾<sup>۵</sup> [النفس: ۹] اور آیت: ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى﴾<sup>۶</sup> [الاعلیٰ: ۱۳] میں تزکیہ سے یہی مراد ہیں۔

② دوسرے تزکیہ بالقول ہے، جیسا کہ ایک ثقہ شخص دوسرے کے اچھے ہونے کی شہادت دیتا ہے۔ اگر انسان خود اپنے اچھا ہونے کا دعویٰ کرے اور خود ستائی سے کام لے تو یہ مذموم ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے تزکیہ سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: ﴿فَلَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ﴾ [النجم: ۳۲] (لہذا تم اپنے آپ کو پاکیزہ نہ ٹھہراؤ)۔ اور یہ نئی تادیبی ہے کیونکہ انسان کا اپنے منہ میاں مٹھو بننا، نہ تو عقلاً درست ہے اور نہ ہی شرعاً۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایک دانشمند سے پوچھا گیا کہ وہ کون سی بات ہے جو باوجود حق ہونے کے زیب نہیں دیتی؟ تو اس نے جواب دیا: ”مَذْحُ الْاِنْسَانِ نَفْسَهُ“ کہ خود ستائی کرنا۔ [مفردات القرآن للامام الراغب: تحت هذه الآية]

### تزکیہ نفس، تصفیہ قلب: ①

بعض صوفیاء مشائخ فرماتے ہیں کہ تصفیہ قلب کی برکت سے تزکیہ نفس حاصل ہو جاتا ہے۔ تزکیہ نفس پر ایک عمر طویل صرف ہو جاتی ہے اور تصفیہ قلب پر کچھ عرصہ صرف ہو جاتا ہے۔ اور نبی ﷺ نے بھی فرمایا:

”أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً، إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ“ [صحیح بخاری، رقم: ۵۲]

”انسان کے جسم میں گوشت کا لوتھڑا ہے، وہ ٹھیک ہو جاتا ہے تو پورا جسم ٹھیک ہو جاتا ہے، اور جب وہ خراب ہو جائے تو پورا جسم خراب ہو جاتا ہے۔ خبردار! وہ دل ہے۔“

اس حدیث پاک سے معلوم ہو گیا کہ نفس دل کے تابع ہے۔ چنانچہ ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی بنیاد ہی یہی حدیث ہے کہ اگر دل پر ”اللہ، اللہ، اللہ“ کی ضربیں لگائیں اور اسے ذکر کے نور سے مالا مال کر دیا جائے تو نفس پر طویل مجاہدات سے چھٹکارا مل

جاتا ہے اور نفس کی اصلاح ہو جاتی ہے۔

فوائد السلوک: (۱)

... از روئے شریعت نابالغ گناہوں سے پاک ہیں، جیسے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿أَقْتَلْتُ نَفْسًا زَكِيَّةً﴾ (ارے! کیا آپ نے ایک پاکیزہ جان کو ہلاک کر دیا)۔ چنانچہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نابالغ کا قتل ناجائز ہے۔

طلبہ کے لیے علمی نکتہ: (۱)

... ”نکر“ سے مراد وہ امر ہے جو شرعاً ناجائز ہو..... امام قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”نکر“ کی بُرائی ”اِمر“ سے زیادہ ہوتی ہے، اسی لیے پہلی مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ”اِمرًا“ فرمایا، کیونکہ کشتی کو توڑنے سے صرف لوگوں کے ڈوبنے کا خطرہ تھا اور دوسری مرتبہ ”نُکْرًا“ فرمایا، کیونکہ حقیقت میں قتل کا صدور ہو چکا تھا..... بعض نے کہا کہ ”اِمر“ کا درجہ ”نکر“ سے بڑھ کر ہے، کشتی توڑنے سے ایک جماعت کے ڈوبنے کا خطرہ تھا، اس لیے وہاں ”اِمرًا“ کہا اور دوسری بار صرف ایک شخص کا قتل تھا، اس لیے ”نُکْرًا“ کہا۔

﴿قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَّكَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ ۴۵

انہوں نے کہا: کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ رہنے پر صبر نہیں کر سکیں گے؟

پیشگی معذرت کی دوسری یاد دہانی: (۱)

قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَّكَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۴۵

۱۱: میں نے تجھ کو نہ کہا تھا کہ تو نہ ظہر علیے کا میرے ساتھ جس کا ذکر تھا، وہی ہو گیا۔ حضرت خضر علیہ السلام کہنے لگے کہ اے موی! میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ چل نہیں سکتے۔ کیونکہ آپ شریعت سے ظاہر دیکھتے ہیں اور میں باطن کو دیکھتا ہوں۔ اور یہ بات میں نے آپ سے پہلے کہی تھی۔  
فائدہ السلوک: (۱)

۱۲: ﴿قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ لگائی گئی شرطوں کا پورا کرنا ضروری ہے، کیونکہ حضرت خضر علیہ السلام نے شرط پوری نہ کرنے پر حضرت موی علیہ السلام کو تنبیہ کی۔  
طلبہ کے لیے علمی نکتہ: (۱)

دیکھیں! پہلے جو کہا تھا، اس وقت نرمی سے بات کی تھی۔ کہا تھا: ﴿اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ یعنی دو لفظ کہے تھے۔ زور تو دیا تھا، ان کو تنبیہ تو کی تھی، لیکن تنبیہ میں نرمی تھی۔ لیکن اب جب دوبارہ انہوں نے سوال پوچھا اور حضرت خضر علیہ السلام نے اب جو جواب دیا تو ذرا زیادہ تنبیہ کی۔ فرمایا: ﴿اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ﴾ یہاں ”لَکَ“ کا لفظ ساتھ بڑھا دیا۔ یعنی ان کو مخاطب کر کے کہا کہ میں نے آپ کو نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے۔ اس مرتبہ خضر علیہ السلام نے اپنے کلام میں ”لَکَ“ بڑھا دیا، تاکہ خطاب سے ترک معاہدہ پر عتاب کا اظہار پُر زور طریقے سے ہو جائے۔

﴿قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَ هَا فَلَا تُصَحِّبْنِي﴾ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَدُنِّي عُذْرًا ﴿۱۳﴾﴾  
موی بولے: اگر اب میں آپ سے کوئی بات پوچھوں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھے۔  
یقیناً آپ میری طرف سے عذر کی حد کو پہنچ گئے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دوسری معذرت: (۱)

قَالَ إِنْ سَأَلْتِكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَ هَذَا فَلَا تُصَحِّبْنِي ۖ قَدْ بَلَغْتَ مِنَ لَدُنِّي عُذْرًا ﴿١٨﴾

کہا: اگر تجھ سے پوچھوں کوئی چیز اس کے بعد تو مجھ کو ساتھ نہ رکھو۔ تو اتار چکا میری طرف سے الزام

حضرت موسیٰ علیہ السلام سمجھ گئے کہ معاملہ اب مشکل ہو گیا ہے اس لیے انہوں نے جواب دیا: اچھا! اگر اب میں آپ سے سوال پوچھوں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا۔ ایک آخری چانس اور دے دیں۔ جیسے بندہ دوسرے سے کہتا ہے: جی! آپ ایک چانس اور دے دیں۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی یہی کہا: جی! آپ Last chance (آخری موقع) اور دے دیں۔ ہمارے ہاں محمد سرمد صبح سوتا ہے۔ اس کو سکول بھیجنے کے لیے جب اس کی ماں اس کو اٹھاتی ہے تو یہ جاگ کر کہتا ہے: امی! لاسٹ ٹائم، وَنْ ٹائم وَنْ ٹائم۔ یعنی پانچ منٹ مجھے اور سونے دیں۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی کہہ دیا: جی! مجھے آپ ایک موقع اور دے دیں، اب اگر میں نے سوال کیا تو آپ مجھے اپنے سے الگ کر دینا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ کی رحمت ہو: (۱)

حدیث پاک میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْنَا وَعَلَى مُوسَى، لَوْلَا أَنَّهُ عَجَلَ لَرَأَى الْعَجَبَ، وَلَكِنَّهُ أَخَذَتْهُ مِنْ صَاحِبِهِ ذِمَامَةً.“ [صحیح مسلم، رقم: ۲۳۸۰]

”ہم پر اور موسیٰ علیہ السلام پر اللہ کی رحمت ہو، اگر وہ عجلت سے کام نہ لیتے تو عجیب (واقعات) دیکھتے، لیکن ان کو اپنے ساتھی (خضر علیہ السلام) سے شرم آئی۔“

اور انہوں نے ﴿إِنْ سَأَلْتِكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَ هَذَا فَلَا تُصَحِّبْنِي﴾ قَدْ بَلَغْتَ مِنَ لَدُنِّي

عُذْرًا ﴿٤٦﴾ فرمایا۔“

”عذر“ کی تعریف و اقسام: (۱)

حضرات نے عذر کی تعریف یوں کی ہے:

”الْعُذْرُ تَحْرِی الْإِنْسَانِ مَا يَمْنَحُو بِهِ ذُنُوبَهُ.“

”عذر“ سے مراد ایسی کوشش ہے جس سے انسان اپنے گناہوں کو مٹا دینا چاہے۔“

عذر کی تین صورتیں ہیں:

①..... ”أَنْ يَقُولَ لَمْ أَفْعَلْ“ (پہلی صورت یہ ہے کہ کسی جرم کے ارتکاب سے قطعاً انکار کر دے)۔

②..... ”أَنْ يَقُولَ فَعَلْتُ لِأَجْلِ كَذَا“ (دوم یہ کہ ارتکاب جرم کی ایسی وجہ بیان کرے جس سے اس کی براءت ثابت ہوتی ہو)۔

③..... ”أَنْ يَقُولَ فَعَلْتُ وَلَا أَعُودُ“ (سوم یہ کہ اقرار جرم کے بعد آئندہ اس جرم کا ارتکاب نہ کرنے کا وعدہ کر لے)۔

عذر کی اس تیسری صورت کا نام ”توبہ“ ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ توبہ عذر کی ایک قسم ہے، لہذا ہر توبہ کو عذر کہہ سکتے ہیں، مگر ہر عذر کو توبہ نہیں کہہ سکتے۔

[مفردات القرآن للامام الراغب: تحت هذه الآية]

فوائد السلوک: (۱)

﴿فَلَا تُصِجِبْنِي﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ اور استاد پر ”مُصَاحِب“، مرید اور

شاگرد پر ”صَاحِب“ کا اطلاق کیا جائے، جیسے اللہ تعالیٰ نے بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

کے لیے ”صَاحِب“ کا لفظ استعمال کیا، چنانچہ فرمایا: ﴿إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ﴾ [التوبہ: ۴۰]

عذر کے لیے تین مرتبہ ہونا کافی ہے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تیسری مرتبہ کہا تھا: ﴿إِنْ سَأَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصَحِّبْنِي ۖ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَدُنِّي عُذْرًا﴾ (اگر اب میں آپ سے کوئی بات پوچھوں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیے۔ یقیناً آپ میری طرف سے عذر کی حد کو پہنچ گئے ہیں)۔

﴿فَانْطَلَقَا سَحَتَيَّ إِذَا آتَيْنَا أَهْلَ قَرْيَةٍ اسْتَطْعَمَا أَهْلَهَا فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقَضَ فَأَقَامَا ۖ قَالَ لَوْ شِئْتُ لَتَّخَذْتُ عَلَيْهِمْ أَجْرًا ۝﴾  
چنانچہ وہ دونوں پھر روانہ ہو گئے، یہاں تک کہ جب ایک بستی والوں کے پاس پہنچے تو اس کے باشندوں سے کھانا مانگا تو ان لوگوں نے ان کی مہمانی کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر انہیں وہاں ایک دیوار ملی جو گرا ہی چاہتی تھی، ان صاحب نے اسے کھڑا کر دیا۔ موسیٰ نے کہا: اگر آپ چاہتے تو اس کام پر کچھ اجرت لے لیتے۔

ساتواں منظر..... ایک بستی میں ورود:

﴿فَانْطَلَقَا سَحَتَيَّ إِذَا آتَيْنَا أَهْلَ قَرْيَةٍ اسْتَطْعَمَا أَهْلَهَا فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوهُمَا﴾  
چنانچہ وہ دونوں پھر روانہ ہو گئے، یہاں تک کہ جب ایک بستی والوں کے پاس پہنچے تو اس کے باشندوں سے کھانا مانگا تو ان لوگوں نے ان کی مہمانی کرنے سے انکار کر دیا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام ایک بستی والوں کے پاس سے گزرے تو اس وقت دونوں کو بھوک لگی ہوئی تھی تو انہوں نے بستی والوں سے بات کی کہ بھئی! اگر کھانے کی کوئی چیز ہے تو ہمیں دے دو۔ مگر بستی والے لوگوں نے جواب دے دیا کہ ہمارے پاس تو کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو ہم آپ کو دے سکیں۔ چنانچہ انہوں نے ان کی

مہمان نوازی کرنے سے انکار کر دیا۔ اب اس زمانے کے اعتبار سے یہ عجیب بات تھی کہ لوگ مہمان نوازی نہ کریں۔ اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام حیران تھے کہ انہوں نے ہماری مہمان نوازی سے انکار کر دیا۔  
بستی اور بستی والے: (۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ بستی ”انطاکیہ“ تھی۔ ابن سیرین رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ”ایکہ“ تھی۔ کسی نے اس کا نام ”برقہ“ لکھا ہے۔ امام بغوی رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے کہ اندلس میں ایک شہر تھا، وہی مراد ہے۔

[دیکھیے: تفسیر مظہری: تحت هذه الآية من سورة الكهف]

امام بغوی رحمہ اللہ نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ بستی والے کنجوس تھے، دونوں حضرات ان کے پاس پہنچے، ان کی مجلسوں میں گشت کیا اور کھانا طلب کیا، لیکن انہوں نے نہیں دیا، حق مہمانی طلب کی تو کسی نے مہمان بھی نہ بنایا۔ امام قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”شَرُّ الْقُرَى الَّتِي لَا تُضَيِّفُ الضَّيْفَ“ وہ بدترین بستی ہے جو مہمان کی میزبانی نہ کرے۔ امام بغوی رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے کہ دونوں بزرگوں نے بستی کے مردوں سے کھانا طلب کیا، لیکن کسی نے نہیں دیا۔ آخر عورتوں سے مانگا تو ایک عورت نے دے دیا، اس پر دونوں نے وہاں کے مردوں پر لعنت (بددعا) کی۔ یہ عورت بربر والوں میں سے تھی۔ [حوالہ بالا]

### حجاج بن یوسف کی غیرت ایمانی: (۱)

حجاج بن یوسف تاریخ کا ایک ظالم اور سفاک گورنر گزرا ہے۔ جیسا کیسا بھی تھا، مگر اس میں غیرت ایمانی تھی۔ حدیث پاک میں آتا ہے: ”إِنَّ اللَّهَ لَيُؤَيِّدُ هَذَا الدِّينَ





بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ“ [صحیح بخاری، رقم: ۳۰۶۲] (اللہ تعالیٰ کبھی کبھی فاسق و فاجر شخص سے بھی دین کا کام لے لیتا ہے)۔ چنانچہ ایک مرتبہ حجاج بن یوسف کے پاس یہودیوں کا ایک وفد آیا، وہ اس کو اسلام کا دشمن سمجھ رہے تھے، اس سے کہا کہ آپ ہمارا چھوٹا سا کام کر دیں تو پوری یہودی امت پہ آپ کا بہت بڑا احسان ہوگا، اور آپ وہ کام کر سکتے ہیں۔ حجاج بن یوسف نے کہا: بتائیے۔ وہ کہنے لگے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ یہودی کی ایک بستی والوں (جنہوں نے حضرت موسیٰ و حضرت خضر علیہما السلام کو کھانا نہیں دیا تھا) کے بارے میں فرمایا: ﴿فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوهُمَا﴾ (یہودی کی بستی والوں نے دو انبیاء کی مہمان نوازی سے انکار کیا)، آپ مہربانی فرمائیے کہ ”فَأَبَوْ“ میں ”باء“ کے نیچے والا نقطہ اوپر لے جائیں اور صرف ایک نقطہ اور بڑھادیں تو ہو جائے گا: ”فَاتَوَّ أَنْ يُضَيِّفُوهُمَا“ کہ یہودی کی بستی والوں نے انبیاء کی مہمان نوازی کی۔ اس نے کہا کہ میں ابھی تمہارا کام کر دیتا ہوں۔ چنانچہ وہ گھر چلا گیا، تلوار لے آیا، سب کو قطار میں کھڑا کر دیا اور کہنے لگا کہ تم مجھے اتنا گرا ہوا خیال کرتے ہو کہ مجھے خدا کے مقابلے میں لے آتے ہو!! اور مجھ سے یہ آخری سہارا بھی چھیننا چاہتے ہو۔ اور سب کے سر قلم کر دیے۔

### فوائد السلوک: (۱)

﴿اِسْتَطْعَمًا اَهْلَهَا﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ فوری ضرورت کے لیے سوال کرنا جائز ہے، خاص طور پر بندہ اگر مسافر ہو۔

﴿اَتِيَا اَهْلَ قَرْيَةٍ اِسْتَطْعَمًا اَهْلَهَا﴾ (یہاں تک کہ جب ایک بستی والوں کے پاس پہنچے تو اس کے باشندوں سے کھانا مانگا)۔ کنجوس یہودیوں کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اس بستی کو ”قریہ“ کہا اور عربی کلام میں ”قریہ“ کے لفظ میں کوئی عظمت نہیں ہے، جبکہ آگے فرمایا:

«وَأَوَّ الْجِدَارِ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا» (یہ دیوار، تو وہ اس شہر میں رہنے والے دو یتیم لڑکوں کی تھی، اور اس کے نیچے ان کا ایک خزانہ گڑا ہوا تھا، اور ان دونوں کا باپ ایک نیک آدمی تھا)۔ نیک بندے کی نسبت اسی بستی کو "مدینہ" کہا، کیونکہ "مدینہ" کے لفظ میں عظمت ہے۔

مکان کو مکین سے ہے شرف اسد  
مجنون مر گیا جنگل اداس ہے

﴿أَتَيْنَا أَهْلَ قَرْيَةٍ﴾... ﴿الْغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ "شہر" پر "قریہ" کا اطلاق ہو سکتا ہے۔

انفرادی غیبت کی طرح اجتماعی غیبت سے بھی گریز کیا جائے، یعنی کسی شخص کی غیبت کی طرح کسی متعین گروہ کی غیبت بھی مذموم ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے بھی ﴿أَهْلَ قَرْيَةٍ﴾ کا لفظ استعمال کیا اور ان مخصوص کنجوس لوگوں کو مخفی رکھا۔

شہر میں آمد محض برائے تفریح نہ ہو، بلکہ کوئی خاص مقصد ہونا چاہیے، اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے ﴿أَتَيْنَا أَهْلَ قَرْيَةٍ﴾ کہ بستی والوں کے پاس دونوں حضرات آئے... ﴿أَتَيْنَا قَرْيَةً﴾ نہیں فرمایا کہ بستی میں آئے۔

﴿إِسْتَطْعْنَا أَهْلَهَا﴾ (بستی کے باشندوں سے کھانا مانگا) سے معلوم ہوتا ہے کہ مہمان، مہمان نوازی کا مطالبہ کر سکتا ہے، یہ سوال کے دائرے میں نہیں آتا۔

﴿فَأَبَوَا أَنْ يُضَيَّفُوهُمَا﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ مہمان کا اکرام کرنا حکم شرعی ہے اور اخلاقی فریضہ بھی... حدیث پاک میں آتا ہے: "مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ" [صحیح بخاری، رقم: ۶۰۱۸] (جو شخص اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ مہمان کا اکرام کرے)۔



آنحواں منظر ٹیڑھی دیوار کی مرمت کا واقعہ: (۱)

فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدَانِ أَنْ يُنْقِضَ فَأَقَامَا

پھر پائی وہاں ایک دیوار جو گرنا چاہتی تھی، اس کو سیدھا کر دیا وہاں پر ایک دیوار تھی جو بالکل گرنے کے قریب تھی۔ یعنی وہ ٹیڑھی ہو چکی تھی۔ اگر اس کو سیدھا نہ کیا جاتا تو وہ دیوار گر جاتی۔ وہ دیوار دو یتیم لڑکوں کی تھی۔ ان کا والد بڑا نیک بندہ تھا اور اس نے اس دیوار کے نیچے ان کے لیے خزانہ رکھا ہوا تھا۔ اگر دیوار گر جاتی تو وہ خزانہ ظاہر ہو جاتا۔ چونکہ وہ بچے چھوٹے تھے۔ اس لیے باقی لوگ اس پر قبضہ کر لیتے اور وہ بچے اس سے محروم ہو جاتے۔ اب وہ دیوار جو گرنے کے قریب تھی اس دیوار کو حضرت خضر علیہ السلام نے سیدھا کر دیا۔

دیوار کی مرمت کا طریقہ کار: (۱)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قَالَ الْخَضِرُ بِيَدِهِ فَأَقَامَهُ“ [صحیح بخاری، رقم: ۱۲۲] (خضر علیہ السلام نے ہاتھ کے اشارے سے دیوار کو سیدھا کر دیا)۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”مَسَحَ الْجِدَارَ بِيَدِهِ فَاسْتَقَامَ“ (دیوار کو ہاتھ لگا دیا تو وہ فوراً سیدھی ہو گئی)۔

ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول آیا ہے: ”هَدَمَهُ ثُمَّ قَعَدَ يَبْنِيهِ“ (خضر علیہ السلام نے اس دیوار کو گرا کر دو بارہ بنا دیا)۔

سہی نے کہا: ”بَلْ طِينًا وَ جَعَلَ يَبْنِي الْحَائِطَ“ (گارا بنایا اور پھر دیوار کو بنانا شروع کیا)۔ [دیکھیے: تفسیر مظہری: تحت هذه الآية من سورة الكهف]

طلبہ کے لیے علمی نکتہ: (۱)

۱۔ اَلْاِنْفِصَالُ مِنَ الْاَلَمِی "نیزد ان انفصل" (دیوار گرنا چاہ رہی تھی) میں "چاہنے" کو، دیوار کی طرف کیوں منسوب کیا گیا؟ حالانکہ چاہنا، ارادہ کرنا تو ذی روح کا فعل ہے نہ کہ بماد کا۔

جواب: دیوار کی طرف ارادے کی نسبت مجازاً ہے، جبکہ بالکل آخری حالت میں دیکھا گیا آپ کر رہی ہے تو کو یادہ کرنا چاہتی ہے۔ اہل عرب عقلاء کے افعال کو مالا بھٹل کی طرف بطور مجاز منسوب کیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ کسی شاعر کا شعر ہے:

یُرِیْدُ الرُّیْحُ صَدْرَ اَبِی رَءِ

و یَعْدِلُ عَنْ دِمَاءِ بَنِی عَقِیْلٍ

"نیزہ ابوراء کے سینے میں لگنا چاہتا ہے اور بنو عقیل کے خون سے اعراض کرتا ہے۔"

[مسائل الرازی، صفحہ ۲۴۷]

فوائد السلوک: (۱)

۱۔ ﴿فَاقَامَ﴾ (تو اس کو سیدھا کر دیا)۔۔۔ بخاری شریف میں ہے: سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے یوں دیوار کو سیدھا کیا۔ چنانچہ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے شاگرد حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "حَسِبْتُ أَنَّ سَعِيدًا قَالَ: فَمَسَحَهُ بِيَدِهِ فَاسْتَقَامَ" [صحیح بخاری، تحت حدیث: ۴۷۶۱] (میرا خیال یہ ہے کہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے دیوار پہ ہاتھ پھیرا تو وہ سیدھی ہو گئی)۔ اس سے معجزات کا ثبوت حاصل ہو رہا ہے، اور جن حضرات کے نزدیک حضرت خضر علیہ السلام ولی ہیں، ان کے نزدیک کرامات کا ثبوت ہوگا۔

﴿فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقَضَ فَأَقَامَا﴾ (پھر انہیں وہاں ایک دیوار ملی جو گرنا ہی چاہتی تھی، ان صاحب نے اسے کھڑا کر دیا) سے معلوم ہوتا ہے کہ مصیبت آنے سے پہلے مصیبت کا تدارک ہونا چاہیے، یہی کالمین کی شان ہے۔  
 ◆ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عمارت اگر گرنے کے قریب ہو تو فوراً اس کی درستی کر دی جائے۔

◆ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حسب ضرورت مکان کی تعمیر مستحسن ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تیسرا اعتراض: (۱)

قَالَ لَوْ شِئْتُ لَتَّخَذْتُ عَلَيْهِ اجْرًا ۝۶

بولا موسیٰ: اگر تو چاہتا تو لے لیتا اس پر مزدوری

جب دیوار کو سیدھا کر دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پھر یہ بات عجیب لگی کہ ان بستی والوں کا رویہ ہمارے ساتھ یہ تھا کہ انہوں نے مہمان نوازی بھی نہ کی، ہمیں کھانے کو بھی کچھ نہ دیا اور ہم الٹا ان کی Faver (فیور) کر رہے ہیں، ان کی دیوار کو سیدھا کر رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر سوال پوچھ لیا۔ اگر آپ چاہتے تو آپ ان سے اس دیوار کی مزدوری بھی مانگ سکتے تھے۔ یعنی انہوں نے تو مہمان نوازی نہیں کی، مگر ہم نے تو ان کی دیوار سیدھی کی ہے، تو دیوار سیدھی کرنے پر ہم ان سے اجرت بھی مانگ سکتے تھے، اس لیے ہم ان سے اجرت ہی مانگ لیتے۔

فوائد السلوک: (۱)

◆ ﴿لَا تَتَّخِذْ عَلَيْهِ اجْرًا﴾ سے معلوم ہوا کہ اکتسابِ معیشت اور اس کے اسباب کا اختیار کرنا کمال کے منافی نہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے کہا: ﴿لَوْ شِئْتُ لَتَّخَذْتُ عَلَيْهِمْ أَجْرًا﴾ (اگر آپ چاہتے تو اس کام پر کچھ اجرت لے لیتے)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ناقدروں کے ساتھ حد سے زیادہ بھلائی کرنا پسندیدہ نہیں ہے، جیسے بستی والوں نے دونوں انبیاء حضرات کو کھانا تک نہیں کھلایا۔ اس وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہنا پڑا کہ آپ نے خواہ مخواہ ان کی ٹیڑھی دیوار سیدھی کی۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بظاہر یہی سمجھ رہے تھے کہ یہ دیوار اور گھر بھی کسی کنجوس، بخیل اور ناقدرے یہودی کا گھر ہوگا۔ وہ اپنی بات میں سچے تھے، جبکہ حضرت خضر علیہ السلام کو حقیقت حال معلوم تھی کہ یہ تو یتیم بچوں کی دیوار ہے جن کے والد صاحب نیک آدمی تھے۔ تو وہ بھی اجرت نہ لینے میں حق بجانب تھے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ محنت و مزدوری کرنا انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے، نیز اپنی محنت کی اجرت لینا، نبوت و ولایت کے منافی نہیں۔

حضرت خضر علیہ السلام کا اجرت نہ لینا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ کمزوروں، غریبوں کا کام بلا اجرت کرنا اچھی بات ہے۔

﴿قَالَ هَذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ ۚ سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا﴾ ﴿۱۹﴾

انہوں نے کہا: لیجیے! میرے اور آپ کے درمیان جدائی کا وقت آ گیا۔ اب میں آپ کو ان باتوں کا مقصد بتائے دیتا ہوں جن پر آپ سے صبر نہیں ہو سکا۔

وقت جدائی: ((

قَالَ هَذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ

کہا: اب جدائی ہے میرے اور تیرے بیچ

یعنی اب میرے اور تمہارے درمیان جدائی ہے، لہذا حسب وعدہ اب مجھ سے علیحدہ ہو جائیے، آپ کا نباہ میرے ساتھ نہیں ہو سکتا۔

نہ تو نے بے وفائی کی، نہ میں نے بے وفائی کی  
آنسو کیوں بہاتے ہو، مقدر میں جدائی تھی

قرآن میں لفظ ”فراق“ کا ۸ مقامات پر استعمال: (۱)

قرآن میں لفظ ”فراق“ ۸ مختلف معانی کے لیے استعمال ہوا ہے:

①..... طلاق کے ذریعے مرد و عورت کی جدائی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿أَوْ

فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ﴾ [الطلاق: ۲]

②..... کفار کا دین کو ٹکڑے کر دینا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا

دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا لَسْتُ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ﴾ [الانعام: ۱۵۹]

③..... حضرت خضر اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان جدائی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے

ہیں: ﴿هَذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ﴾ [الکہف: ۷۸]

④..... موت کے ذریعے کسی کا دنیا کو چھوڑنا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَوَظَنَ أَنَّ

الْفِرَاقُ﴾ [القیامہ: ۲۸]

⑤..... حق کی باطل سے جدائی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَالْفُرْقَتِ فَرَقًا﴾

[المرسلات: ۴]

⑥..... طالب علم کی وطن سے جدائی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ

فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ﴾ [التوبة: ۱۲۲]

⑦..... موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے بارگاہ الہی میں درخواست کے ذریعے جدائی۔ اللہ تعالیٰ

ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ﴾ (۲۵) [المائدہ: ۲۵]

۸)..... مومنین اور کفار کے درمیان جدائی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَازًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ [التوبة: ۱۰۷]

[بصار ذوی التعمیر: ۴/ ۱۸۹، ۱۸۸]

فوائد السلوک: (۱)

۱)..... ﴿قَالَ هَذَا فِرَاقٌ﴾ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جب مرید سے خلاف و نزاع بار بار ظاہر ہونے لگے اور مرشد کو اس سے مناسبت و موافقت کی امید باقی نہ رہے تو اسے جدا کر دینا درست ہے۔

۲)..... حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس وقت حضرت علیہ السلام نے فرمایا: ”هَذَا فِرَاقٌ بَيْنِي وَبَيْنِكَ“ ایسے اولوالعزم پیغمبر یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کسی معصیت کا ارتکاب نہیں کیا تھا، محض عدم مناسبت کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علیحدہ کر دیا۔

۳)..... ﴿هَذَا فِرَاقٌ بَيْنِي وَبَيْنِكَ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ پر تنقید، علم یا اس کی برکت سے محرومی کا سبب بن سکتا ہے، جب موسیٰ علیہ السلام نے بار بار اشکالات اٹھائے تو حضرت خضر علیہ السلام کو کہنا پڑا کہ میری اور آپ کی جدائی کا وقت آچکا ہے۔ بخاری شریف میں ہے، نبی علیہ السلام نے فرمایا: ”يَرْحَمُ اللَّهُ مُوسَى، لَوِ دِدْنَا لَوْ صَبَرَ حَتَّى يَقْصَّ عَلَيْنَا مِنْ أَمْرِهِمَا“ [صحیح بخاری، رقم: ۱۲۲] (اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے، ہم تو چاہتے ہیں کہ اگر وہ ضبط سے کام لے لیتے تو ہم پر دونوں کی بہت ساری میں کھل جاتیں)۔... مسلم شریف میں بھی ہے: ”لَوْ صَبَرَ لَرَأَى الْعَجَبَ“ [صحیح مسلم، رقم: ۲۳۸۰] (اگر موسیٰ علیہ السلام ایسے موقع پہ ضبط سے کام لے لیتے تو بڑے عجائبات کا مشاہدہ کر لیتے)۔



گزشتہ واقعات کی حقیقت کشائی کا بیان : ( )

سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ۝۹۱

اب بتائے دیتا ہوں تجھ کو پھر ان باتوں کا جس پر تو صبر نہ کر سکا  
اب میں آپ کو ان چیزوں کی حقیقت بتاؤں گا جن پر تم صبر نہ کر سکے، کیونکہ بظاہر وہ  
خلاف شریعت نظر آتی تھیں حالانکہ واقعہ میں مال اور انجام کے لحاظ سے وہ بُری اور غلط  
نہ تھیں۔

بعض تفاسیر میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کا دامن پکڑ لیا اور  
کہا: ”أَخْبِرْنِي بِمَعْنَى مَا عَمِلْتَ قَبْلَ أَنْ تُفَارِقَنِي“ ( ) (ان واقعات کا جو علم اللہ نے  
آپ کو دیا ہے، جدا ہونے سے پہلے مجھے بھی بتائیے)، اس پر حضرت خضر علیہ السلام نے ان کو  
تفصیل بتانا شروع کی۔

حضرت خضر علیہ السلام کی نصیحتیں : ( )

حضرت خضر علیہ السلام نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جدا ہونے کا ارادہ کیا تو ان سے  
فرمایا: ”يَا مُوسَى! تَعَلَّمِ الْعِلْمَ لِتَعْمَلَ بِهِ، وَلَا تَعْلَمْنَهُ لِتُحَدِّثَ بِهِ“ (اے موسیٰ! علم  
حاصل کرو، اس پر عمل کرنے کے لیے اور لوگوں سے بحث کرنے کے لیے علم حاصل نہ  
کرو)۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے فرمایا: ”أُدْعُ لِي“ (میرے لیے دعا کیجیے)۔  
خضر علیہ السلام نے فرمایا: ”يَسِّرَ اللَّهُ عَلَيْكَ طَاعَتَهُ“ (اللہ تعالیٰ تجھ پر اپنی اطاعت آسان  
فرمادیں)۔ [درمنثور]

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام

فرمایا: "يَا مُوسَى! انْزِعْ عَنِ اللَّجَاجَةِ وَلَا تَمْسُ فِي غَيْرِ حَاجَةٍ وَلَا تَضْحَكْ مِنْ غَيْرِ عَجَبٍ وَالزَّمْ بَيْنَكَ وَابْنِكَ عَلَى خَطِيئَتِكَ" (اے موسیٰ! لجابت سے دور رہو اور بغیر ضرورت کے نہ چلو اور بغیر عجب کے نہ ہنسو اور اپنے گھر کو لازم پکڑو اور اپنے گناہوں پر رویا کرو)۔

موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے جدائی کا ارادہ کیا تو موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ مجھے کوئی وصیت فرمائیے۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا: "كُنْ نَفَّاعًا وَلَا تَكُنْ ضَرَّارًا، كُنْ بَشَاشًا وَلَا تَكُنْ غَضْبَانًا، اِزْجِعْ عَنِ اللَّجَاجَةِ وَلَا تَمْسُ فِي غَيْرِ حَاجَةٍ وَلَا تُعَيِّرْ أَمْرًا بِخَطِيئَتِهِ وَابْنِكَ عَلَى خَطِيئَتِكَ يَا ابْنَ عِمْرَانَ!" (نفع بخش بن جا، تکلیف دینے والا نہ بن۔ خوش رہو اور غصہ مت کرو۔ لجابت سے پھر جاؤ اور بغیر ضرورت کے مت چلو، کسی شخص کو اس کی غلطی پر عار نہ دلاؤ اور اپنے گناہوں پر رویا کرو اے عمران کے بیٹے!)۔

خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: "يَا مُوسَى! إِنَّ النَّاسَ يُعَذِّبُونَ فِي الدُّنْيَا عَلَى قَدَرِ هُمُومِهِمْ بِهَا" (اے موسیٰ! لوگوں کو دنیا میں اپنے ارادوں کے مطابق عذاب دیے جاتے ہیں)۔

ابن ابی حاتم نے بقیہ رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ حضرت ابوسعید رحمہ اللہ نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے سنا کہ آخری کلمہ جس کے ذریعہ خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو جدا ہوتے وقت وصیت فرمائی، وہ یہ تھا: "إِيَّاكَ أَنْ تُعَيِّرَ مُسِيئًا بِإِسَاءَتِهِ فَتَبْتَلِيَ" (کسی گنہگار کو اس کے گناہوں کے ساتھ عار دلانے سے بچو، ورنہ آپ خود ان گناہوں میں مبتلا ہو جائیں گے)۔ [درمنثور]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات: (۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں طواف کر رہا تھا، اچانک ایک آدمی کعبے کے



پروے سے لپٹ کر یہ کہہ رہا تھا:

”يَا مَنْ لَا يَشْغُلُهُ سَمْعٌ عَنْ سَمْعٍ، وَ يَا مَنْ لَا تُغْلِطُهُ الْمَسَائِلُ، وَ يَا مَنْ لَا يَتَبَرَّمُ بِالْحَاجِّ الْمُلْحِنِ، أَذِقْنِي بَرْدَ عَفْوِكَ وَ حَلَاوَةَ رَحْمَتِكَ“  
 ”اے وہ ذات جس کو کوئی آواز دوسری آواز سے مشغول نہیں کرتی، اے وہ ذات کہ حاجت مندوں کی حاجات جس کو مغالطہ میں نہیں ڈالتیں، اے وہ ذات جو بار بار مانگنے والوں کے مانگنے سے تنگ نہیں ہوتی، مجھے اپنے عفو کی ٹھنڈک اور اپنی رحمت کی مٹھاس چکھا دے۔“

میں نے کہا:

”يَا عَبْدَ اللَّهِ! أَعِدِ الْكَلَامَ“ ”اے اللہ کے بندے! یہی بات دوبارہ کہو۔“

اس نے کہا:

”وَ سَمِعْتَهُ؟“ ”کیا تو نے سن لیا؟“

میں نے کہا:

”نَعَمْ“ جی ہاں! میں نے سن لیا ہے۔

اس نے کہا:

”وَالَّذِي نَفْسُ الْخَضِرِ بِيَدِهِ - وَكَانَ هُوَ الْخَضِرُ - لَا يَقُولُهُنَّ عَبْدٌ دُبُرَ الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ إِلَّا غُفِرَتْ ذُنُوبُهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ رَمْلِ عَاجٍ وَعَدَدِ الْمَطَرِ وَوَرَقِ الشَّجَرِ.“ [درمنثور: تحت هذه الآية من سورة الكهف]

”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں خضر کی جان ہے (اور وہ خضر علیہ السلام تھے) کوئی بندہ فرض نماز کے بعد ان کلمات کو کہے گا تو اس کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں، اگرچہ

”ناہ جانج مہدان کی ریت کی طرح ہوں اور بارش کے قطرہاں ملی تھوڑا اور ریت کے  
پتوں کی تھوڑا کے برابر ہوں۔“

﴿فَعَبَّأْنَا كِي سَخَات كَا اَقْع﴾

حضرت ابو اسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ سے  
فرمایا: کیا میں تم کو حضرت علی ؓ کے بارے میں نہ بتاؤں؟ صحابہ نے عرض کیا: نہ ورتا ہے  
یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا:

”بَيْنَا هُوَ ذَات يَوْمٍ يَمْشِي فِي سُوقِ بَنِي إِسْرَائِيلَ، أَتَصَدَّقُ رَاحِلَ مَكَاتٍ  
فَقَالَ: تَصَدَّقْ عَلَيَّ بَارَكَ اللَّهُ فِيكَ“

”ایک دن وہ بنی اسرائیل کے بازار میں چل رہے تھے کہ ایک مسکین مکاتب آدمی نے  
ان کو دیکھ لیا اور کہا کہ مجھ پر صدقہ کیجیے، اللہ تعالیٰ تمھیں برکت دے۔“  
حضرت علی ؓ نے فرمایا:

”أَمَنْتُ بِاللَّهِ مَا شَاءَ اللَّهُ مِنْ أَمْرٍ يَكُونُ مَا عِنْدِي شَيْءٌ أُعْطِيكَ“

”میں اللہ پر ایمان لایا جو امر اللہ چاہتا ہے ہو جاتا ہے میرے پاس کوئی چیز نہیں کہ میں  
تمھ کو دے دوں۔“

مسکین نے کہا:

”أَسْأَلُكَ بِوَجْهِ اللَّهِ لِمَ تَصَدَّقْتَ عَلَيَّ؟ فَإِنِّي نَظَرْتُ السَّيْمَاءَ فِي وَجْهِكَ  
وَرَجَوْتُ الْبَرَكَهَ عِنْدَكَ“

”میں تمھ سے اللہ کے واسطے کے ساتھ سوال کرتا ہوں کہ آپ مجھ پر صدقہ کریں کیونکہ  
فیاضی اور سخاوت کو میں تیرے چہرے پر دیکھ رہا ہوں اور میں نے تیرے پاس برکت

کو پایا ہے۔“

حضرت علیہ السلام نے فرمایا:

”آمَنْتُ بِاللّٰهِ مَا عِنْدِي شَيْءٌ أُعْطِيكَهُ إِلَّا أَنْ تَأْخُذَنِي فَتَبِيعَنِي“  
 ”میں اللہ پر ایمان لایا میرے پاس کوئی چیز نہیں جو میں تجھ کو دوں مگر یہ کہ مجھے لے جا کر بیچ دے۔“

مسکین نے کہا:

”وَهَلْ يَسْتَقِيمُ هَذَا؟“  
 ”کیا اس کی قیمت لگائی جائے گی؟“

فرمایا:

”نَعَمْ الْحَقُّ أَقُولُ، نَعَمْ الْحَقُّ أَقُولُ، لَقَدْ سَأَلْتَنِي بِأَمْرِ عَظِيمٍ، أَمَّا إِنِّي لَا أُخَيِّبُكَ بِوَجْهِ رَبِّي، بَعْنِي“

”ہاں! میں سچ کہتا ہوں اور تو نے مجھ سے ایک بڑے کام کا سوال کیا ہے میں تجھ کو اپنے رب تعالیٰ کی رضامندی کے لیے ناامید نہیں کروں گا۔“

وہ ان کو بازار کی طرف لے گیا اور چار سو درہم میں بیچ دیا اور خریدار کے پاس رہے ایک زمانے تک اور وہ ان سے کوئی کام نہ لیتا تھا۔

حضرت علیہ السلام نے اس سے فرمایا:

”إِنَّكَ إِنَّمَا ابْتِغَيْتَنِي التِّمَاسَ خَيْرٍ عِنْدِي، فَأَوْصِنِي بِعَمَلٍ“  
 ”تو نے مجھے خیر کو تلاش کرتے ہوئے خریدا ہے، مجھے کسی کام کا حکم کر۔“  
 اس نے کہا:

مَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا

”میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ میں تجھ پر مشقت ڈالوں تو بڑی عمر کا ضعیف آدمی ہے۔“

خضرؑ نے فرمایا:

”لَسْتُ بِشَيْءٍ عَلَىَّ“ مجھ پر کوئی مشقت نہیں۔“

اس نے کہا:

فَقَدْ هَدَانَا اللَّهُ إِلَى الْخَيْرِ

”خضرؑ ہو جائے اور یہ پتھر منتقل کیجیے۔“

وہ پتھر اتنے زیادہ تھے کہ اس کو ایک دن میں چھ آدمی بھی منتقل نہیں کر سکتے تھے۔ وہ آدمی اپنی کسی ضرورت سے باہر نکلا پھر وہ لوٹ آیا تو وہ تمام پتھر منتقل ہو چکے تھے۔ اس نے کہا:

”أَحْسَنْتَ وَأَجَلْتَنِي، وَأَطَقْتَ مَا لَمْ أَرَكَ تُطِيقُهُ“

”تو نے بہت اچھا کام کیا، تو بہت طاقتور ہے، میں تجھے ایسا طاقتور نہ سمجھتا تھا۔“

پھر اس آدمی کو ایک سفر پیش آگیا تو اس نے کہا کہ میں تجھے اپنے اہل و عیال کے بارے میں امانتدار خیال کرتا ہوں، میرے بعد تو میرا خلیفہ ہے، ان کے ساتھ اچھائی کرنا۔ خضرؑ نے فرمایا: مجھے کسی کام کا حکم کر۔ اس نے کہا: میں تجھ کو تکلیف دینا پسند نہیں کرتا۔ خضرؑ نے فرمایا: مجھ پر کوئی مشقت نہیں۔ اس نے کہا:

”فَاضْرِبْ مِنَ اللَّيْلِ لِيَبْقِيَ حَتَّى أَقْدِمَ عَلَيْكَ“

”میری عمارت کے لیے اینٹیں بناتا رہ، یہاں تک کہ میں تیرے پاس واپس آ جاؤں۔“

آدمی اپنے سفر کے لیے روانہ ہو گیا، جب لوٹا تو آپ تعمیر مکمل کر چکے تھے۔ اس شخص نے کہا:

”أَسْأَلُكَ بِوَجْهِ اللَّهِ مَا سَبِيلُكَ، وَمَا أَمْرُكَ؟“

”میں تجھ سے اللہ کے واسطے سے سوال کرتا ہوں، تیرا راستہ کیا ہے؟ تیرا معاملہ کیا ہے؟“  
خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ تُو نے مجھ سے اللہ کا واسطہ دے کر سوال کیا ہے اور اسی خدا کے واسطے نے مجھے غلامی میں ڈالا تھا۔ میں خضر ہوں جس کے متعلق تُو نے سنا ہے، مجھ سے ایک مسکین نے صدقے کا سوال کیا تھا اور میرے پاس کوئی چیز نہیں تھی جو میں اس کو دیتا، اس نے مجھے خدا کا واسطہ دیا، میں نے اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دیا تو اسی نے مجھے بچ دیا، میں تجھے بتاتا ہوں:

”مَنْ سَأَلَ بِوَجْهِ اللَّهِ، فَرَدَّ سَائِلُهُ وَهُوَ يَقْدِرُ وَقَفَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ جِلْدُهُ وَلَا لَحْمَ لَهُ وَلَا عَظْمَ يَتَقَعَّقُ“

”جس سے خدا کے واسطے سے مانگا گیا اور اس نے سائل کو رد کر دیا، حالانکہ وہ دینے پر قادر تھا تو وہ قیامت کے دن اس حال میں کھڑا ہوگا کہ اس کی نہ کھال ہوگی، نہ گوشت ہوگا اور نہ ہڈی ہوگی، تاکہ وہ وہاں ٹھہرا رہے۔“

اس آدمی نے کہا: میں اللہ پر ایمان لایا۔ اے اللہ کے نبی! میں نے آپ پر مشقت ڈالی اور میں نہیں جانتا تھا۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا:

”لَا بَأْسَ، أَحْسَنْتَ وَأَبْقَيْتَ“

”کچھ حرج نہیں، تُو نے بہت اچھا سلوک کیا اور تُو نے فرمانبرداری کی۔“

آدمی نے کہا: اے اللہ کے نبی! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ حکم کیجیے

میرے اہل و عیال اور میرے مال کے بارے میں۔ اس کے سبب جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دکھایا ہے میں آپ کو اختیار دیتا ہوں، پس تمہارا راستہ کھلا چھوڑ دیتا ہوں۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ میرا راستہ چھوڑ دے کہ میں اپنے رب کی عبادت کروں۔ اس نے ان کا راستہ چھوڑ دیا یعنی ان کو آزاد کر دیا۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا:

”الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَوْقَعَنِي فِي الْعُبُودِيَّةِ ثُمَّ نَجَّانِي مِنْهَا“ [معجم الطبرانی، رقم: ۷۴۰۶]

”سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں کہ جس نے مجھے غلامی میں ڈالا پھر اس سے نجات عطا فرمائی۔“

حضرت خضر علیہ السلام کا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر: (۱)

روایات میں آتا ہے کہ دو آدمی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے گھر آپس میں خرید و فروخت کرتے تھے، ان میں ایک کثرت سے قسمیں کھا رہا تھا، وہ اسی سودے میں مصروف تھے کہ اچانک ان پر ایک آدمی گزرا اور ان پر کھڑا ہو گیا اور اس آدمی سے کہا جو کثرت سے قسمیں کھاتا تھا:

”يَا عَبْدَ اللَّهِ! اتَّقِ اللَّهَ وَ لَا تُكْثِرِ الْحَلْفَ، فَإِنَّهُ لَا يَزِيدُ فِي رِزْقِكَ إِلَّا حَلَفْتَ  
وَ لَا يَنْقُصُ مِنْ رِزْقِكَ إِلَّا لَمْ تَحْلِفْ“

”اے اللہ کے بندے! ٹھہر جا، اللہ سے ڈر اور کثرت سے قسمیں مت کھا، اس لیے کہ تیرے قسم کھانے سے وہ تیرے رزق میں زیادتی نہیں کرے گا اور قسم نہ کھانے سے اس میں کمی نہیں کرے گا۔“

سودا کرنے والے نے کہا:

”إِمْضِ لِمَا يَعْينُكَ“



”تو اپنے کام سے کام رکھ۔“

اس نے کہا:

”إِنَّ ذَا مِمَّا يَعْزِيبُ“

”یہی تو میرا کام ہے۔“

اس نے تین مرتبہ اپنی بات کو دہرایا، مگر سودا کرنے والا شخص اس کی بات کو رد کرتا

رہا۔ جب وہ واپس جانے لگا تو اس نے کہا:

”إِعْلَمْ أَنَّ مِنْ آيَةِ الْإِيمَانِ أَنْ تُؤَثِّرَ الصِّدْقُ حَيْثُ يَضُرُّكَ عَلَى الْكِذْبِ حَيْثُ

يَنْفَعُكَ وَ لَا يَكُنْ فِي قَوْلِكَ فَضْلٌ عَلَى فِعْلِكَ“

”تو جان لے کہ ایمان کی نشانی میں ہے کہ تو سچائی کو اس وقت جھوٹ پر ترجیح دے،

جبکہ سچائی تیرے لیے نقصان کا باعث ہو اور جھوٹ تیرے لیے نفع مند ہو اور تیرے

قول کو تیری ذات پر فضیلت نہ ہو۔“

وہ شخص جانے لگا تو عبد اللہ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے ملو اور یہ کلمات لکھوا لو۔ اس

نے کہا:

”يَا عَبْدَ اللَّهِ! أَكُتِبَنِي هَذِهِ الْكَلِمَاتِ يَرْحَمُكَ اللَّهُ!“

”اے اللہ کے بندے! مجھے یہ کلمات لکھوا دے، اللہ تجھ پر رحم کرے گا۔“

اس آدمی نے کہا:

”مَا يَقْدِرُ اللَّهُ تَعَالَى مِنْ أَمْرٍ يَكُنْ“

”اللہ تعالیٰ جب کسی کام کا فیصلہ فرماتے ہیں تو وہ ہو کر رہتا ہے۔“

وہ شخص اس کے سامنے ان کلمات کو دہراتا رہا، یہاں تک کہ اس نے ان کو یاد کر لیا۔

پھر اس شخص نے دیکھا کہ اس نے اپنا ایک پاؤں مسجد میں رکھا۔ میں نہیں جانتا کہ زمین نے اس کو نگل لیا یا آسمان نے اٹھا لیا۔ فرمایا:

”کانوا یردنا الخضر أو إلياس عليهما السلام“ [شعب الایمان، رقم: ۴۸۵۶]  
 ”وہ ان کو خضر یا الیاس علیہما السلام سمجھتے تھے۔“

حضرت خضر و الیاس علیہما السلام کے معمولات: (۱)

۱۔ ابن ابی رواد رحمہ اللہ سے روایت ہے: ”إلياس والخضر يصومان شهر رمضان في بيت المقدس ويحجان في كل سنة ويشربان من زمزم شربة تكفيهما إلى مثلها من قابل“ (الیاس اور خضر علیہما السلام بیت المقدس میں روزے رکھتے ہیں اور ہر سال حج کرتے ہیں اور زمزم میں سے اتنا پانی پی لیتے ہیں تو ایک سال کے لیے کافی ہو جاتا ہے)۔

۲۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”يَلْتَقِي الْخَضِرُ وَالْيَاسُ كُلَّ عَامٍ فِي الْمَوْسَمِ فَيَخْلُقُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا رَأْسَ صَاحِبِهِ وَيَتَفَرَّقَانِ عَنْ هَؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ“ (خضر اور الیاس علیہما السلام ہر سال موسم حج میں ملتے ہیں، ہر ایک ان میں سے ایک دوسرے کا حلق کرتا ہے اور یہ کلمات کہہ کر ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں)۔ کلمات یہ ہیں:

”بِسْمِ اللَّهِ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا يَسُوقُ الْخَيْرَ إِلَّا اللَّهُ، مَا شَاءَ اللَّهُ لَا يَصْرِفُ السُّوءَ إِلَّا اللَّهُ، مَا شَاءَ اللَّهُ مَا كَانَ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنْ اللَّهِ، مَا شَاءَ اللَّهُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ.“

”اللہ کے نام کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ چاہیں، اس کے بغیر کوئی بھلائی نہیں لاسکتا جو اللہ

تعالیٰ چاہیں، تکلیف کو اس کے سوا کوئی دور نہیں کر سکتا جو اللہ تعالیٰ چاہیں، جو بھی نعمت ہو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو اللہ تعالیٰ چاہیں، اللہ کی توفیق کے بغیر نہ کوئی بُرائی سے بچنے کی طاقت ہے، نہ نیکی کے کرنے کی طاقت۔“

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص ان کلمات کو تین مرتبہ صبح اور تین مرتبہ شام کے وقت کہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو غرق ہونے سے، جلنے سے، چوری سے، شیاطین سے، بادشاہ سے، سانپ اور بچھو سے امن دیں گے۔

[دیکھیے: تفسیر درمنثور: تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

### فوائد السلوک:

یہاں سے ایک مسئلہ بھی نکلا کہ اگر استاد اور شیخ کوئی ایسی بات کرے جو شاگرد اور مرید کو سمجھ میں نہ آئے اور استاد و شیخ یا شاگرد و مرید کے الگ ہونے کا وقت آجائے تو سمجھا ضرور دے کہ اس کی وجہ کیا تھی، اس میں راز کیا تھا۔ جیسے حضرت خضر علیہ السلام نے بتا دیا تھا۔

﴿هَذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ﴾ سَأُنَبِّئُكَ سے معلوم ہوتا ہے کہ رخصت کرتے وقت طلبہ کے ساتھ شفقت اور حسن سلوک سے کام لیا جائے۔

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سائل کے اضطراب کو رفع کرنا انبیاء علیہم السلام کے مکارم اخلاق میں سے ہے۔

﴿إِنَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسْكِينٍ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَأَرْدْتُ أَنْ أُعِيبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا﴾

جہاں تک کشتی کا تعلق ہے وہ کچھ غریب آدمیوں کی تھی جو دریا میں مزدوری کرتے تھے، میں نے چاہا کہ اس میں کوئی عیب پیدا کر دوں، (کیونکہ) ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر (اچھی) کشتی کو زبردستی چھین کر رکھ لیا کرتا تھا۔

### پہلے واقعہ کی حکمت کا بیان: (۱)

أَقَّا السَّفِينَتُ فَكَانَتْ لِمْسَكِينَ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَأَرَدْتُ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ﴿٤٩﴾

وہ جو کشتی تھی سو چند محتاجوں کی جو محنت کرتے تھے دریا میں۔ سو میں نے چاہا کہ اس میں عیب ڈال دوں اور ان کے پرے تھا ایک بادشاہ جو لے لیتا تھا ہر کشتی کو چھین کر حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ بتایا کہ کشتی میں شگاف کرنے کی اصل وجہ کیا تھی کہ جب ہم کشتی میں سوار ہوئے تھے اور کشتی آگے دوسرے کنارے کی طرف جارہی تھی، وہاں پر جو وقت کا بادشاہ تھا اس نے بندوں کو کھڑا کیا ہوا تھا اور وہ کشتیوں کو اپنے قبضے میں لے رہے تھے، جو کشتی نظر آتی تھی اس کو وہ اپنے قبضے میں لے لیتے تھے۔ اس کشتی والے غریب مسکین لوگ تھے، اگر ان سے وہ لوگ کشتی لے لیتے تو یہ آمدنی سے محروم ہو جاتے۔ اس لیے میں نے اس کشتی کے ایک پھٹے کو اٹھا کر اس کو عیب دار بنا دیا تاکہ وہ لوگ اس کشتی کو نہ لیں۔ میں نے ان کشتی والوں کی Faver (فیور) کی تھی، ان کے ساتھ بُرا نہیں کیا تھا۔

### مسکین کی تعریف: (۱)

بعض لوگوں نے مسکین کی تعریف یہ کی ہے کہ جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ مگر اس آیت

سے معلوم ہوا کہ مسکین کی صحیح تعریف یہ ہے کہ جس کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ اس کی حاجاتِ اصلیہ ضرور یہ سے زائد بقدرِ نصاب ہو جائے، اس سے کم مال ہو تو وہ بھی مسکین کی تعریف میں داخل ہے، اس لیے کہ جن لوگوں کو اس آیت میں ”مساکین“ کہا گیا ہے، ان کے پاس کم از کم ایک کشتی تو تھی جس کی قیمت مقدارِ نصاب سے کم نہیں ہوتی، مگر چونکہ وہ حاجاتِ اصلیہ ضرور یہ میں مشغول تھی، اس لیے ان کو ”مساکین“ ہی کہا گیا۔  
[دیکھیے: تفسیر مظہری: تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

### اسلام اور جدید عصری تقاضے: (۱)

مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے زمانے میں ذہین و فطین عالم گزرے ہیں، آپ صوبہ ”بہار“ کے ایک گاؤں ”گیلان“ کے رہنے والے تھے اور بیس پچیس سال قبل ہی فوت ہوئے، آپ حیدر آباد دکن میں اسلامیہ یونیورسٹی کے شعبہ دینیات کے صدر تھے، آپ دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل تھے، آپ نے کشتی کے واقعہ کے تناظر میں یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ جس طرح کشتی کی عیب ناکی ہی اس کی سلامتی کی ضمانت بنی، اسی طرح متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کی جدید تعلیم سے بے بہرگی ہی دین کے حق میں مفید ثابت ہوئی۔

### مدارس دین کے قلعے ہیں: (۱)

حضرت صوفی عبدالحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس طرح خضر علیہ السلام نے کشتی کو عیب دار بنا کر اللہ کے حکم سے اس پر کام کرنے والے مزدوروں کی معیشت کی حفاظت کی، اسی طرح ہمارے بزرگوں نے دینی مدارس کو عصری تقاضوں سے الگ رکھ کر دین کی ایسی عملی خدمت کی جس کا بدل آج تک نہیں مل سکا، پاکستان کی تاریخ میں یہاں کی کوئی

حکومت بھی ان مدارس کا بدل پیدا نہیں کر سکی۔ ان مدارس کے تربیت یافتہ لوگ سادہ زندگی بسر کرتے ہیں، مصائب کو برداشت کرتے ہیں، مگر مسلمانوں کی دینی ضروریات کو پورا کر رہے ہیں، یونیورسٹیوں میں جدید تعلیم حاصل کرنے والوں پر فوراً جدت طاری ہو جاتی ہے اور وہ اس قابل نہیں ہوتے کہ دین کے معاملہ میں ان پر انحصار کیا جاسکے، وہ خود خلاف سنت کام کرتے ہیں، لہذا ان کے پیچھے تو نماز بھی ادا نہیں کی جاسکتی۔ بہر حال ان مدارس کے تربیت یافتہ لوگوں نے ہی دین کا علمی نمونہ پیش کیا ہے اور جدید عصری تقاضوں سے دور رہنا ہی دین کی حفاظت کا سبب بنا ہے۔

اس وقت پاکستان میں اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور واحد یونیورسٹی ہے جس کے متعلق یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اس کی بنیاد دینی تعلیم پر رکھی گئی ہے، مگر گزشتہ بیس سال کے دوران اس یونیورسٹی نے بھی دین کا کوئی عملی نمونہ پیش نہیں کیا، اس یونیورسٹی اور ملک کی باقی یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ لوگوں میں کوئی فرق نہیں، وہاں بھی جدید علوم کے ساتھ ساتھ مخلوط تعلیم کا انتظام ہے، لہذا ایسے ادارے سے دین کی خدمت کی توقع عبث ہے، دین کے عملی نمونے کے لیے دارالعلوم دیوبند یا مظاہر العلوم سہارنپور کی طرز کے مدارس کی طرف ہی نظریں اٹھتی ہیں جو حکومت کی سرپرستی کے بغیر دین کی ترویج پر کمر بستہ ہیں۔ جس طرح واقعہ خضر میں کشتی کی عیب نا کی اس کی ہزار درنگی سے بہتر تھی، اسی طرح دینی مدارس کی جدید عصری تقاضوں سے علیحدگی کی عیب نا کی دین کے حق میں ہزار درجے بہتر ہے۔

[دیکھیے: تفسیر معالم العرفان: تحت ہذہ الآیۃ]

## فوائد السلوک: (۱)

﴿أَنَا السَّفِينَةُ فَكَأَنَّهُ لَمَسْكِينٌ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ پیشہ کے لیے استعمال

ہونے والے آلات حاجتِ اصلیہ میں داخل ہیں، اس سے بندہ مالدار شمار نہیں ہوتا۔  
 ﴿لَتَسْكُنَنَّ﴾ سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ کشتی کئی بندوں کے درمیان مشترک تھی۔  
 اس سے شرکت کا جواز معلوم ہو رہا ہے۔

﴿يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ﴾ اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے پیشے اختیار کرنا  
 عند الضرورت جائز ہے جس میں جان کا خطرہ ہو، جیسے ملاجی وغیرہ۔  
 گزشتہ آیت مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسکینوں پر ترس کھانا چاہیے۔ خاص  
 طور پر جب کوئی ان کا نقصان کرے۔

﴿فَارَدْتُ أَنْ أَعِيبَهَا﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ ستم رسیدہ شخص کی مدد فی الفور کرنی  
 چاہیے۔ بندہ اپنی کوشش کرے، باقی اصل رزلت اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دے۔

﴿فَارَدْتُ أَنْ أَعِيبَهَا﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ شر اور ارادہ شر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی  
 طرف کرنا بے ادبی ہے۔ اسی لیے تو حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے اسے عیب  
 دار کرنے کا ارادہ کیا، ورنہ ہر خیر اور شر اللہ کے ارادے کا محتاج ہے، البتہ خیر میں اللہ کی  
 رضا بھی شامل ہوتی ہے، جبکہ شر میں اللہ کا ارادہ شامل ہوتا ہے، مگر رضامندی نہیں۔

﴿يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ رعایا کے اموال کو ضبط کرنا اور  
 بلا رضامندی استعمال میں لانا ظلم اور غصب ہے۔

طلبہ کے لیے علمی نکتہ: (۱)

﴿وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ مامور (جس کو حکم دیا گیا ہو)  
 کا فعل آمر (حکم دینے والے) کا فعل تصور کیا جائے گا۔ کیونکہ بادشاہ خود تو کشتیاں لینے  
 نہیں آتا تھا، وہ تو صرف بندے بھیجتا تھا۔ اس لیے آیت مبارکہ میں مامور کے فعل کی

نسبت آمر کی طرف کی جارہی تھی۔

”کُلُّ“ وغیرہ میں استغراق کا حقیقی ہونا ضروری نہیں، جیسا کہ ﴿كُلُّ سَفِينَةٍ﴾ ظاہر ہے کہ دنیا بھر کے سفینوں کو شامل نہیں۔

جب کوئی لفظ مطلق بولا جائے تو اس سے فردِ کامل مراد ہوتا ہے، جیسے ”مِنَّة“ (کشتی) کا لفظ مطلق ہے، اس سے ہر ایسی کشتی مراد ہے جو صحیح سالم ہو، اس میں کسی قسم کا عیب نہ ہو۔

﴿وَإِنَّا الْغُلَامُ فَكَانَ أَبُوهُ مُؤْمِنًا فَخَشِينَا أَنْ يُرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۝۱۰﴾

اور لڑکے کا معاملہ یہ تھا کہ اس کے ماں باپ مومن تھے، اور ہمیں اس بات کا اندیشہ تھا کہ یہ لڑکا ان دونوں کو سرکشی اور کفر میں نہ پھنسا دے۔

دوسرے واقعہ کی حکمت کا بیان: ۱۰

﴿وَإِنَّا الْغُلَامُ فَكَانَ أَبُوهُ مُؤْمِنًا فَخَشِينَا أَنْ يُرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۝۸﴾

اور جو لڑکا تھا سو اس کے ماں باپ تھے ایمان والے، پھر ہم کو اندیشہ ہوا کہ ان کو عاجز کر دے زبردستی اور کفر کر کے

اس لڑکے کے ماں باپ ایمان والے تھے۔ ہمیں یہ اندیشہ ہوا کہ جب یہ لڑکا بڑا بنے گا تو یہ بڑا غالب آنے والا ہوگا، اس وقت یہ کہیں اپنے ماں باپ کو کفر اور سرکشی میں نہ لے جائے۔ کیونکہ جب بچے جوان ہو جاتے ہیں تو وہ ضد کر کے ماں باپ سے زبردستی باتیں منواتے ہیں۔



حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں: ”الغلام الَّذِي قَتَلَهُ الْخَضِرُ طَبَعَ يَوْمَ طَبَعَ كَافِرًا“ [جامع ترمذی، رقم: ۳۱۵۰] (جس لڑکے کو خضر علیہ السلام نے قتل کیا تھا، وہ کافر پیدا ہوا تھا)۔

### فوائد السلوک:

یہ انسان کی فطرت کے متعلق صاحب تفسیر مظہری اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ انسان کے اندر اس کا ظہور اللہ تعالیٰ کے کسی اسم اور صفت کے نتیجے میں ہوتا ہے، بعض لوگوں میں اللہ تعالیٰ کی صفت علم غالب ہوتی ہے اور وہ شخص عالم فاضل ظاہر ہوتے ہیں، اسی طرح جس شخص میں صفت رحم کا غلبہ ہوتا ہے وہ بڑا رحمدل واقع ہوتا ہے گویا ایسے اشخاص کا مبدأ تعین اللہ کی کوئی نہ کوئی صفت ہوتا ہے، اس مقتول بچے کا مبدأ تعین اللہ کی صفت مصل تھا، لہذا اس سے بڑا ہو کر اسی صفت کا ظہور متوقع تھا، یہ بچہ جوان ہو کر یقیناً کفر و گمراہی میں مبتلا ہوتا اور چونکہ والدین کو اس کے ساتھ بڑی محبت تھی، اس لیے وہ بھی اس کے پیچھے لگ کر کفر و ضلالت کا شکار ہو جاتے، لہذا اس کے قتل میں اللہ کی یہی حکمت کار فرما تھی کہ بچہ اور والدین دونوں سزا سے بچ گئے اور اس صفت مصل والے بچے کی بجائے اللہ تعالیٰ نے انہیں مومن بچہ عطا کر دیا۔ [تفسیر معالم العرفان]

یہ کسی پوشیدہ بات کا یقینی علم ہو تو اس کی شہادت دی جاسکتی ہے، جیسے خضر علیہ السلام نے فرمایا: ﴿وَأَقَا الْعُلَمُ فَكَانَ أَبَوُهُ مُؤْمِنَيْنِ﴾ (اور لڑکے کا معاملہ یہ تھا کہ اس کے ماں باپ مومن تھے)۔ چنانچہ ایمان ایک پوشیدہ چیز ہے، لیکن حضرت خضر علیہ السلام کو چونکہ یقینی علم تھا، اس لیے ان کے ایمان کی گواہی دی۔

یہ طغیان (سرکشی) کی راہ اختیار کر کے مومن، اپنے ایمان سے محروم ہو سکتا ہے، جیسے

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: ﴿فَخَشِينَا أَنْ يُزْهَقَهُمَا طُغْيَانًا وَكُفْرًا﴾ (اور ہمیں اس بات کا اندیشہ تھا کہ یہ لڑکا ان دونوں کو سرکشی اور کفر میں نہ پھنسا دے)۔  
 آیت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سوء خاتمہ کا اندیشہ رہنا چاہیے۔  
 یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اولاد اپنے والدین کی گمراہی کا سبب بن سکتی ہے۔  
 ابتداء میں اولاد کی گمراہی سے تغافل خطرناک امر ہے۔  
 ایمان صادق کی برکت سے اللہ تعالیٰ غیب سے ایمان کی حفاظت فرما دیتے ہیں۔  
 ﴿فَخَشِينَا﴾ (اور ہمیں اس بات کا اندیشہ تھا) سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے لیے جمع کا لفظ استعمال کیا جاسکتا ہے۔

### کچھ طغیان کے بارے میں: ①

شیخ ابو عثمان حیری نیشاپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”الطُّغْيَانُ هُوَ الْإِعْرَاضُ عَنِ الْآخِرَةِ وَالْإِقْبَالُ عَلَى الدُّنْيَا“ (طغیان کا معنی ہے آخرت سے منہ موڑنا اور دنیا سے دل لگالینا)۔

شیخ ابوبکر واسطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ طغیان کئی طرح کا ہوتا ہے۔ چنانچہ:  
 علمی طغیان کے بارے میں فرماتے ہیں: ”طُغْيَانُ الْعِلْمِ هُوَ التَّفَاخُرُ بِهِ“ (علم کا طغیان یہ ہوتا ہے کہ اس پر فخر کیا جائے)۔

عمل اور عبادت کے طغیان کے متعلق فرماتے ہیں: ”طُغْيَانُ الْعَمَلِ وَالْعِبَادَةِ وَهُوَ الزِّيَّاءُ وَالسُّمْعَةُ“ (عمل اور عبادت کا طغیان اسے کہتے ہیں کہ اس میں ریاکاری اور دکھلاوا مقصود ہو)۔

مال کے طغیان کے متعلق ان کا فرمان ہے: ”طُغْيَانُ الْمَالِ هُوَ الْبُخْلُ بِهِ“

(مال کا طغیان یہ ہے کہ اس کو خرچ کرنے میں بخل سے کام لیا جائے)۔

نفس کے طغیان کے سلسلے میں فرماتے ہیں: ”طُغْيَانُ النَّفْسِ وَهُوَ اتِّبَاعُ هَوَاهَا وَشَهَوَاتِهَا“ (نفس کا طغیان یہ ہے کہ اس کی خواہشات اور شہوات کی پیروی کی جائے)۔  
قرآن میں لفظ ”طغیان“ کا 3 طرح استعمال: (۱)

قرآن میں ”طغیان“ کا لفظ 3 طرح استعمال ہوا ہے:

① سرکشی کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿كَذَّابَتْ تَثْوِيَّتُهَا بِطُغْيَانٍ﴾ [النفس: ۱۱]

② سیلاب کی طغیانی کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿إِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَاءُ حَمَلْنَاكُمْ فِي الْجَارِيَةِ﴾ [الحاقہ: ۱۱]

③ خوفناک چنچ کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَاقَا تَثْوِيَّتُهَا فَاهْلِكُوا بِالطَّاغِيَةِ﴾ [الحاقہ: ۵]

﴿فَارْزُقْنَا أَنْ يُبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِمَّا زَكُوهُ وَأَقْرَبَ رُحْمًا﴾ ۸۱

چنانچہ ہم نے یہ چاہا کہ ان کا پروردگار انہیں اس لڑکے کے بدلے ایسی اولاد دے جو پاکیزگی میں بھی اس سے بہتر ہو، اور حسن سلوک میں بھی اس سے بڑھی ہوئی ہو۔

بچے کا نعم البدل: (۱)

﴿فَارْزُقْنَا أَنْ يُبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِمَّا زَكُوهُ وَأَقْرَبَ رُحْمًا﴾ ۸۱

پھر ہم نے چاہا کہ بدلہ دے ان کو ان کا رب بہتر اس سے پاکیزگی میں اور نزدیک تر

شفقت میں

یعنی لڑکے کے مارے جانے سے اس کے والدین کا ایمان محفوظ ہو گیا اور جو صدمہ ان کو پہنچا، اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کی تلافی ایسی اولاد سے کر دے جو اخلاق کی پاکیزگی میں مقتول لڑکے سے بہتر ہو، ماں باپ اس پر شفقت کریں۔ وہ ماں باپ کے ساتھ محبت و تعظیم اور حسن سلوک سے پیش آئے۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں نیک لڑکی دی جو ایک نبی سے منسوب ہوئی اور ایک نبی اس سے پیدا ہوئے، جس سے ایک اُمت چلی۔

### فوائد السلوک: ①

بعض تفسیروں میں لکھا ہے کہ جب وہ لڑکا پیدا ہوا تھا تو اس کے ماں باپ خوش ہوئے تھے، پھر جب وہ قتل ہو گیا تو والدین کو غم ہوا۔ اگر وہ زندہ رہتا تو ماں باپ کی تباہی یقینی تھی۔ آدمی کو چاہیے کہ اللہ کے حکم پر راضی رہے، اللہ مومن کے لیے اگر ناگوار فیصلہ بھی کرتا ہے تب بھی مومن کے لیے اس بات سے بہتر ہوتا ہے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

مومن پر لازم ہے کہ وہ اپنی پسند اور ناپسند دونوں میں اللہ کی مخفی تدبیر سے ڈرتا رہے، اس کی رحمت کا امیدوار رہے اور اسی سے پناہ کا طلب گار رہے۔ اللہ کے حکم پر اعتراض نہ کرے، ہر حال میں اس کے فیصلہ پر راضی رہے۔

ساری نعمتیں اللہ کی طرف سے بندوں پر احسان ہیں، خصوصاً اولاد کی نعمت عطا فرمانا اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے، چنانچہ اولاد کی نسبت صرف اللہ ہی کی طرف ہونی چاہیے، نہ کہ غیر اللہ کی طرف، جیسے حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: ﴿فَارْذَنَّا أَنْ يُبْدِيَ لَهُمَا رِجْهَمَا خَيْرًا﴾

مِنْهُمْ زَكَاةً ۖ (چنانچہ ہم نے یہ چاہا کہ ان کا پروردگار انہیں اس لڑکے کے بدلے اس سے بہتر اولاد دے دے)۔

﴿فَارْزُقْنَاهُ أَنْ يُبَدِّلَهُمَا خَيْرًا مِّنْهُمْ زَكَاةً وَأَقْرَبَ رُحْمًا﴾ (۸۱) چنانچہ ہم نے یہ چاہا کہ ان کا پروردگار انہیں اس لڑکے کے بدلے ایسی اولاد دے جو پاکیزگی میں بھی اس سے بہتر ہو، اور حسن سلوک میں بھی اس سے بڑھی ہوئی ہو)۔ اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی بہتری و فضیلت کا مدار عقیدہ اور کردار کی پاکیزگی پر ہے۔

﴿وَأَقَامَ الْجِدَارَ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزُ لَهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَبِّكَ ۖ وَقَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَهْرِي ۖ ذَٰلِكَ تَأْوِيلُ قَالَهُ تَسْطِيعُ عَلَيَّ صَبْرًا﴾ (۸۲)

یعنی یہ دیوار، تو وہ اس شہر میں رہنے والے دو یتیم لڑکوں کی تھی، اور اس کے نیچے ان کا ایک خزانہ گڑا ہوا تھا، اور ان دونوں کا باپ ایک نیک آدمی تھا۔ اس لیے آپ کے پروردگار نے یہ چاہا کہ یہ دونوں لڑکے اپنی جوانی کی عمر کو پہنچیں، اور اپنا خزانہ نکال لیں۔ یہ سب کچھ آپ کے رب کی رحمت کی بنا پر ہوا ہے، اور میں نے کوئی کام اپنی رائے سے نہیں کیا۔ یہ تھا مقصد ان باتوں کا جن پر آپ سے صبر نہیں ہو سکا۔

### تیسرے واقعہ کی حکمت کا بیان: (۱)

وَأَقَامَ الْجِدَارَ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ

اور وہ جو دیوار تھی سو دو یتیم لڑکوں کی تھی اس شہر میں

اب رہی دیوار کی بات تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ بچوں کی دیوار تھی، یہ بچے یتیم

تھے اور دیوار کے نیچے خزانہ تھا، اگر دیوار گر پڑتی تو شہر والے ان کا خزانہ لے اڑتے اور وہ دونوں اپنے باپ کی میراث سے محروم ہو جاتے اور تنگدستی کا شکار ہو جاتے۔ اول تو یہ کہ بچے یتیم تھے، دوسری نیک آدمی کی اولاد تھے تو یوں بھی ان کے ساتھ حسن سلوک کی ضرورت تھی، لہذا ہم نے دیوار کو کھڑا کر دیا، تاکہ بالغ ہو جائیں تو اپنا خزانہ نکال لیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں یتیموں پر رحم فرمایا اور گرنے والی دیوار کو سیدھا کھڑا کر دیا۔ اگر شہر کے بالغ لوگوں نے ہمیں کھانے کے لیے کچھ نہ دیا تو اس کا بدلہ ان یتیموں سے تو نہیں لینا چاہیے تھا، ان کا کام تو اجرت لیے بغیر ہی کرنا تھا۔

لڑکوں کے نام:

تفسیر مظہری میں امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھا ہوا ہے کہ ان دونوں لڑکوں کے نام ”اصرم“ اور ”صریم“ تھے۔

فوائد السلوک:

﴿وَأَقَامُوا الْجِدَارَ فَنَكَانَ الْغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ﴾ (رہی یہ دیوار، تو وہ دو یتیم لڑکوں کی تھی) سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین اور تعمیرات میں شرکت جائز ہے۔

دیوار کے نیچے دبے خزانے کا بیان:

وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَهُمَا

اور اس کے نیچے مال گڑا تھا ان کا

حضرت ابو برداء رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت ”وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَهُمَا“ کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ جو دیوار حضرت خضر علیہ السلام نے صحیح کی تھی، اس کے نیچے ان دونوں کا

خزانہ تھا، نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ خزانے سے مراد ”سونا اور چاندی“ ہے<sup>۵</sup>۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ سونے کی ایک تختی تھی جس میں تحریر تھا:

”عَجَبًا لِمَنْ يُوقِنُ بِالمَوْتِ كَيْفَ يَفْرَحُ!“

”تعجب ہے کہ جس کا موت پر یقین ہو، وہ خوش کیسے ہوتا ہے!“

”عَجَبًا لِمَنْ أَيْقَنَ بِالقَدَرِ كَيْفَ يَنْصَبُ!“

”تعجب ہے کہ جس کا تقدیر پر یقین ہو، وہ رنجیدہ کیونکر ہوتا ہے!“

”عَجَبًا لِمَنْ أَيْقَنَ بِالرِّزْقِ كَيْفَ يَتَعَبُ!“

”تعجب ہے کہ جس کو رزق (مقدر) ملنے کا یقین ہو وہ تلاشِ رزق میں تھکتا کیوں ہے!“

”عَجَبًا لِمَنْ أَيْقَنَ بِالحِسَابِ كَيْفَ يَغْفُلُ!“

”تعجب ہے کہ جس کو آخرت کے حساب پر یقین ہے، وہ غافل کیسے رہتا ہے!“

”عَجَبًا لِمَنْ أَيْقَنَ بِزَوَالِ الدُّنْيَا كَيْفَ يَطْمَئِنُّ إِلَيْهَا!“

”تعجب ہے کہ جو زوالِ دنیا کا یقین رکھتا ہے وہ حاصل شدہ دنیا پر مطمئن ہو کر کیسے بیٹھ

جاتا ہے!“

”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ“

تختی کے دوسری طرف لکھا ہوا تھا:

”أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا وَحْدِي لَا شَرِيكَ لِي خَلَقْتُ الْخَيْرَ وَالشَّرَّ فَطُوبَى لِمَنْ

خَلَقْتُهُ لِلْخَيْرِ وَأَجْرِيَّتُهُ عَلَى يَدَيْهِ وَوَيْلٌ لِمَنْ خَلَقْتُهُ لِلشَّرِّ وَأَجْرِيَّتُهُ عَلَى

يَدَيْهِ. “ [دیکھیے: تفسیر مظہری: تحت ہذہ الآیۃ]

”میں ہی اللہ ہوں، میں اکیلا ہوں، میرا کوئی سا جھی نہیں، میں نے خیر و شر کو پیدا کیا،

خوشی ہے اس شخص کے لیے جس کو میں نے خیر کے واسطے پیدا کیا اور اس کے ہاتھوں سے خیر کو جاری کرایا اور ہلاکت ہے اس شخص کے لیے جس کو میں نے شر کے لیے پیدا کیا اور شر کو اس کے ہاتھوں سے جاری کیا۔“

یتیم کسے کہتے ہیں؟ (۱)

یتیم کہتے ہیں، وہ بچہ جس کا والد فوت ہو چکا ہو، لیکن جانوروں میں یتیم اس بچے کو کہتے ہیں، جس کی ماں مر گئی ہو۔

فوائد السلوک: (۱)

علم ایک خزانہ ہے، اور علمی مسائل بمنزلہ جواہر ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَهُمَا﴾ (اور اس کے نیچے ان کا ایک خزانہ گڑا ہوا تھا)۔ چنانچہ ”کنز“ کا معنی ہے: خزانہ۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ اس آیت مبارکہ میں ”کنز“ سے مراد علم کا خزانہ ہے۔ اور امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”صُحُفٌ فِيهَا عِلْمٌ“... اس آیت مبارکہ میں ”کنز“، ان صحیفوں کا نام ہے جن میں علمی مسائل تھے۔ [زاد المسیر تحت هذه الآية]

﴿وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَهُمَا﴾ (اور اس کے نیچے ان کا ایک خزانہ گڑا ہوا تھا) سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی زمین میں اپنا مال بغرض حفاظت دفن کرنا جائز ہے۔

﴿كَانَ لَهُمَا﴾ (ان دونوں کا خزانہ) سے معلوم ہوتا ہے کہ دینیہ بندے کی ملکیت ہوتی ہے اور اگر مالک فوت ہو جائے تو پھر ملکیت ورثاء میں منتقل ہو جاتی ہے۔

والدین کی نیکی کا بیان: (۱)

وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا



### اور ان کا باپ تھانیک

مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ جو دو یتیم بچے تھے اور ان کا باپ فوت ہو گیا تھا، ان کا اپنا باپ بہت زیادہ نیک نہیں تھا۔ وہ ایک عام نیک بندہ تھا۔ البتہ ان کے اوپر جو باپ دادا گزرے تھے، اس اوپر کی نسل میں ساتویں پشت میں کوئی اللہ کا ولی گزرا تھا، یہ اس کی نسل کے بچے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے ولی کی ساتویں پشت کے بچوں کے مال کی حفاظت فرمادی تھی تو اللہ تعالیٰ اپنے ولی کی اولاد کے ایمان کی کتنی حفاظت فرمائیں گے!! بعض اہل علم نے اس شخص کا نام ”شح“ بیان کیا ہے۔

### نیکی اور بدی کے اثرات: ①

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا: ”إِنِّي إِذَا أَطَعْتُ رَضِيتُ وَإِذَا رَضِيتُ بَارَكْتُ وَلَيْسَ لِبَرْكَتِي نَاهِيَةٌ وَإِذَا عُصِيتُ غَضِبْتُ وَ لَعَنْتُ وَلَعْنَتِي تَبْلُغُ السَّابِعَ مِنَ الْوَلَدِ“ (جب تو اطاعت میری کرے گا تو میں راضی ہوں گا اور جب میں راضی ہوں گا برکت دوں گا اور میری برکت کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ جب تو نافرمانی کرے گا تو میں ناراض ہوں گا اور لعنت کروں گا اور میری لعنت اولاد میں ساتویں پشت تک جائے گی)۔ [درمنثور]

### فوائد السلوك: ②

..... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ باپ کی نیکی کی وجہ سے اللہ کی طرف سے دونوں یتیموں کی حفاظت کی گئی، یعنی باپ کی نیکی کی وجہ سے یتیموں کی حفاظت کے لیے اللہ نے دیوار درست کر دینے کا حکم خضر علیہ السلام کو دیا۔

..... محمد بن منکدر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”إِنَّ اللَّهَ يَحْفَظُ بِصَلَاحِ الْعَبْدِ وَلَدَهُ وَوَلَدَ وَلَدِهِ“

وَعِزَّتُهُ وَعَشِيرَتُهُ وَأَهْلَ دُورَاتِ حَوْلِهِ فِي حِفْظِ اللَّهِ مَا دَامَ فِيهِمْ“ (بندہ کے نیک ہونے کے سبب اللہ اس کی اولاد، اولاد کی اولاد، کنبہ، خاندان اور ہمسایوں کی بھی حفاظت فرماتا ہے)۔

﴿﴾... سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”إِنِّي أَصَلِّي فَأَذْكُرُ وَلَدِي فَأَزِيدُ فِي صَلَاتِي“ (میں نماز پڑھتا ہوں اور اولاد کا خیال آجاتا ہے تو نماز اور بڑھادیتا ہوں، تاکہ میری نماز کی وجہ سے اولاد کی حفاظت رہے)۔ [مظہری]

﴿﴾... تورات میں لکھا ہوا ہے: ”إِنَّ اللَّهَ لَيَحْفَظُ الْقَرْنَ إِلَى الْقَرْنِ إِلَى سَبْعَةِ قُرُونٍ وَإِنَّ اللَّهَ يَهْلِكُ الْقَرْنَ إِلَى الْقَرْنِ إِلَى سَبْعَةِ قُرُونٍ“ (اللہ کسی نیک کی نیکی کی وجہ سے سات صدیوں تک اس کی نسل اور قوم کی حفاظت کرتا ہے اور کسی کی بدکرداری کی وجہ سے سات صدیوں تک تباہی قائم رکھتا ہے)۔ [مظہری]

﴿﴾... آیت دلالت کر رہی ہے کہ صلحاء کی اولاد کی رعایت اور ان کے فائدے کے لیے امکانی کوشش مسلمانوں پر لازم ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ کافر اور اللہ سے سرکش نہ ہوں۔ اگر کافر یا سرکش ہوں تو وہ زیادہ سزا کے مستحق ہیں۔ دوسرے لوگوں کی سرکش اولاد سے صلحاء کی طاغی اولاد پر زیادہ سختی کی جائے۔ حضرت خضر علیہ السلام کا اس لڑکے کو قتل کر دینا جس کے آئندہ کافر ہونے اور ماں باپ پر وبال پڑنے کا اندیشہ تھا، اس قول کی تائید کر رہا ہے۔ [مظہری]

﴿﴾... ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کسی آدمی کی نیکی کی وجہ سے اس کی اولاد اور اس کی اولاد کی اولاد کی اصلاح فرماتے ہیں اور اس کی اولاد اور ارد گرد دوسرے گھروں کی بھی حفاظت فرماتے ہیں اور وہ برابر اللہ کی طرف

سے پردے اور عافیت میں رہتے ہیں۔ [درمنثور]

حضرت شبلی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: ”أَنَا أَمَانُ هَذَا الْجَانِبِ؛ فَلَمَّا مَاتَ وَدُفِنَ عَبَّرَ الدَّيْلَمُ دَجَلَةَ ذَلِكَ الْيَوْمِ، وَاسْتَوَلُوا عَلَى بَغْدَادَ، وَيَقُولُ النَّاسُ: مُصِيبَتَانِ مَوْتُ الشِّبْلِيِّ وَعُبُورُ الدَّيْلَمِ“ (میں اس شہر اور پورے علاقہ کے لیے امان ہوں۔ چنانچہ جب ان کی وفات ہو گئی تو ان کے دفن ہوتے ہی کفارِ دیلم نے دریائے دجلہ کو عبور کر کے بغداد پر قبضہ کر لیا۔ اس وقت لوگوں کی زبان پر یہ تھا کہ ہم پر دوہری مصیبت ہے، یعنی شبلی کی وفات اور دیلم کا قبضہ)۔ [تفسیر قرطبی: ۱۱/۲۹]

یہ درج بالا آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زائد از حاجت حلال مال کمانا اور اپنے پاس نیک مقاصد کے لیے رکھنا، خصوصاً اولاد کی کفالت کی نیت سے جائز ہے۔ بخاری شریف کی روایت ہے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس نبی علیہ السلام عیادت کرنے کے لیے تشریف لائے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں بیمار ہو گیا ہوں اور میرے پاس مال بھی ہے اور میری ایک بیٹی بھی ہے، ”أَفَأَتَصَدَّقُ بِثُلُثِي مَالِي؟“ (کیا میں اپنے مال کا دو تہائی حصہ صدقہ کرنے کی وصیت کر سکتا ہوں؟) تو نبی علیہ السلام نے فرمایا: نہیں۔ پھر انہوں نے عرض کیا: ”بِالشَّطْرِ؟“ (آدھا حصہ صدقہ کرنے کی وصیت کر سکتا ہوں؟) نبی علیہ السلام نے فرمایا: نہیں۔ پھر نبی علیہ السلام نے سمجھایا: وصیت کرنی ہی ہے تو اپنے مال کا تیسرا حصہ صدقہ کرنے کی وصیت کر لو۔ اور فرمایا: ”إِنَّكَ أَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ، خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ، وَإِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ اللَّهِ إِلَّا أُجِرْتَ بِهَا، حَتَّى مَا تَجْعَلَ فِي فِي امْرَأَتِكَ“ (اپنے ورثاء کو آپ مالدار چھوڑ دیں، یہ بہتر ہے اس سے کہ آپ ان کو غریب چھوڑ دیں،

لوگوں سے بھیک مانگتے پھریں... آپ جو بھی اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرتے ہیں، اس پر آپ کو اجر ملتا ہے، حتیٰ کہ آپ اپنی بیوی کے منہ میں جو لقمہ ڈالتے ہیں اس پر بھی آپ کو اجر ملتا ہے)۔ [صحیح بخاری، رقم: ۱۲۹۵]

بارگاہِ الہی کی رعایتِ ادب کی ایک مثال: (۱)

فَإِذَا دَرَبْتُكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشَدَّ هُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ

پھر چاہا تیرے رب نے کہ وہ پہنچ جائیں اپنی جوانی کو اور نکالیں اپنا مال گڑا ہوا۔  
مہربانی سے تیرے رب کی

حضرت خضر علیہ السلام نے یہ کیوں کہہ دیا کہ تیرے رب نے ارادہ کیا؟ اس لیے کہ وہ رب کے ارادے سے آگے کام کرتے تھے، اپنی مرضی سے کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ وہ تو ایک سرکاری ملازم کی حیثیت سے تھے۔ جیسے سرکاری ملازم سرکار کے حکم پر عمل کرتا ہے اسی طرح حضرت خضر علیہ السلام بھی اللہ کے الہام پر عمل کرتے تھے۔ اس لیے انہوں نے کہہ دیا: ﴿فَإِذَا دَرَبْتُكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشَدَّ هُمَا﴾ [الکہف: ۸۲]

یہاں پر ایک خاص نکتہ یہ بھی یاد رکھیے کہ پہلے دو کام کیے تھے جن کے اندر ذرا کمی کوتاہی تھی۔ کشتی میں عیب ڈال دیا، یا غلام یعنی بچے کو قتل کر دیا۔ وہاں پر انہوں نے رب کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ کہا: ﴿فَإِذَا دَرَبْتُ أَنْ أَعْيِبَهُمَا﴾ (میں نے کشتی میں عیب ڈالنے کا ارادہ کر لیا)۔ تو حضرت خضر علیہ السلام نے عیب اور کمزوری والے کاموں کی نسبت اپنی طرف کی اور یہاں پر چونکہ دیوار کو سیدھا کرنا ایک اچھا کام تھا اس لیے یہاں انہوں نے نسبت اللہ کی طرف کی اور کہا: ﴿فَإِذَا دَرَبْتُكَ﴾ [الکہف: ۸۲]

تو اس میں یہ خاص نکتہ سمجھیں کہ کبھی بھی انسان اچھائی کو اپنی طرف منسوب نہ

کرے، ہمیشہ اللہ کی طرف منسوب کرے۔ اللہ تعالیٰ اس بات کے حق دار ہیں کہ جو بھی اچھا کام ہو وہ اسی کی طرف منسوب کیا جائے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے فہم قرآن کا کمال: (۱)

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر علیہ السلام کے پاس بغرض تکمیل علم کے سفر کرنا مذکور ہے، اس میں حضرت خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے پہلے ہی یہ وعدہ لے لیا تھا کہ وہ ان کے کسی کام پر ٹوکیں گے نہیں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وعدہ پر کیوں قائم نہ رہے کہ بار بار ان کے کاموں پر ٹوکا؟

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اصل بات یہ ہے کہ وعدہ کا پورا کرنا اس صورت میں واجب ہے جب اس میں کوئی بات خلاف شرع نہ ہو۔ خلاف شرع تو وعدہ توڑنا لازم ہو جاتا ہے، اسی طرح ایسا وعدہ جس کے خلاف کرنے پر دوسرے فریق کا کوئی ضرر اور نقصان نہ ہو تو اس کا ایفاء بھی واجب نہیں ہوتا۔

تین واقعے جن پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کو ٹوکا، ان میں ایک واقعہ تو ظاہر شرع کے بالکل خلاف تھا کہ لڑکے کو قتل کر دیا اور دو واقعے (کشتی توڑنے کا اور دیوار سیدھا کرنے کا) گو خلاف شرع اور ناجائز نہ تھے، مگر جب دوسری مرتبہ بچے کے قتل کا معاملہ سامنے آیا جو ظاہر شریعت کی رو سے بالکل حرام تھا، اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر شدت سے ٹوکا اور حضرت خضر علیہ السلام نے پھر پچھلا قول و قرار یاد دلایا تو اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کسی نسیان وغیرہ کا عذر بھی نہیں کیا اور آئندہ کے لیے اس وعدہ پر قائم رہنے کا فیصلہ بھی نہیں کیا، بلکہ یہ فرمایا کہ اگر میں آئندہ آپ سے کوئی سوال کروں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں۔

وجہ یہ تھی کہ ایک اللہ کا نبی اپنے منصبی فریضہ کی بناء پر کھلے ہوئے خلاف شرع پر خاموش نہیں رہ سکتا اور نہ اس کا وعدہ کر سکتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے تو شریعت کے آداب کی پابندی اس طرح واضح ہو گئی اور دوسری طرف حضرت خضر علیہ السلام نے بھی ظاہر شریعت کی پابندی کی، مگر حالات کے تابع خلاف استحباب و مروت تھے۔ پیغمبران چیزوں پر صبر نہیں کر سکتے اور نہ کرنا چاہیے، اس لیے مجبور ہو کر ٹوکا۔ خصوصاً یہ بھی معلوم تھا کہ ان چیزوں پر ٹوکنے میں حضرت خضر علیہ السلام کا کوئی ضرر اور نقصان نہیں۔

یہاں دو یا تین ادب شریعت کے متعلق اور قابل نظر ہیں:

اول تو یہ کہ شروع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ تو معلوم نہیں تھا کہ واقعات ایسے پیش آئیں گے جو شریعت کے خلاف ہوں، اس لیے یہ وعدہ کر لیا: ﴿سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا ۖ﴾ یعنی انشاء اللہ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کے کسی حکم کے خلاف نہ کروں گا۔

پھر جب کشتی توڑنے کا واقعہ پیش آیا تو اس کو مروت و اخلاق کے خلاف سمجھتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام بول اٹھے: ﴿لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِهْرًا ۖ﴾ یعنی یہ کام تو آپ نے بہت عجیب کیا کہ اپنے احسان کرنے والے کشتی باتوں کو نقصان پہنچا دیا۔ اس وقت حضرت خضر علیہ السلام نے وعدہ یاد دلایا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نسیان کا عذر کر کے آئندہ وعدہ کی پابندی کا اقرار کیا۔ دوسری طرف حضرت خضر علیہ السلام نے بھی احترام کو ملحوظ رکھا کہ لڑکے کا قتل، جو شریعت کی رو سے حرام تھا، اس واقعہ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جدا نہیں کیا، بلکہ تیسرے واقعہ میں جو دیوار کے سیدھا کرنے کا معاملہ تھا، وہ کسی طرح بھی خلاف شرع نہیں تھا، خلاف مصلحت کہا جاسکتا تھا، اس پر بھی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ٹوکا تو اس وقت فرمایا: ﴿هَذَا



فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ) (اب ہمارے اور تمہارے درمیان جدائی کا موقع آ گیا)۔  
 رہا یہ معاملہ کہ اس واقعہ میں حضرت خضر علیہ السلام نے خلاف شرع کام کو کیسے اختیار کر لیا  
 جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اعتراض کرنا پڑا؟ اس کا سبب یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام  
 بھی اللہ کے نبی اور صاحب وحی تھے، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی پا کر اس پر عمل  
 کر رہے تھے۔ اور شریعت کے مقررہ قانون میں خود وحی الہی کے ذریعہ تبدیلی اور  
 استثنائی صورتیں ہونا کوئی امر مستبعد نہیں، مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس وحی کی خبر نہ تھی جس  
 نے حضرت خضر علیہ السلام کے لیے شریعت کے عام قاعدہ سے اس واقعہ کو مستثنیٰ کر دیا تھا، اس  
 لیے انہوں نے ضابطہ شریعت کے مطابق اس پر اعتراض کرنا ضروری سمجھا۔

[اشرف التفاسیر: تحت هذه الآية من سورة الكهف]

### فوائد السلوک:

اس پورے واقعہ میں شریعت کے احترام کا دونوں طرف سے کس طرح اہتمام کیا  
 گیا ہے!!! اب جاہل مدعیان تصوف نے اس واقعہ کا یہ نتیجہ نکال رکھا ہے کہ شریعت اور  
 چیز ہے، طریقت اور چیز ہے۔ جو چیزیں شریعت میں حرام ہیں وہ طریقت میں جائز  
 ہو سکتی ہیں۔ (معاذ اللہ) یہ کھلا ہوا انکار شریعت ہے۔ طریقت کی حقیقت شریعت پر عمل  
 کرنے سے زیادہ کچھ نہیں، جو طریقت، شریعت کے خلاف ہو، وہ الحاد و زندقہ ہے۔  
 بظاہر خلاف شریعت پر عمل اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ ایسا کرنے والا نبی اور صاحب  
 وحی ہو۔ کوئی ولی صاحب کشف والہام ایسا ہرگز نہیں کر سکتا، کیونکہ کشف والہام کوئی  
 حجت شرعی نہیں، اس کے ذریعہ شریعت کے کسی قاعدہ میں ترمیم یا استثناء نہیں ہو سکتا۔  
 جاہل صوفیوں نے جو اس واقعہ کو خلاف شرع امور کے ارتکاب کے لیے وجہ جواز بنا لیا  
 ہے، وہ سراسر گمراہی ہے، اب نہ کوئی نبی آ سکتا ہے نہ کسی پر وحی آ سکتی ہے، نہ شریعت

کے حکم کے خلاف کوئی استثناء ہو سکتا ہے۔

﴿فَإِذَا دَرَبْتَكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا﴾ (اس لیے آپ کے پروردگار نے یہ چاہا کہ یہ دونوں لڑکے اپنی جوانی کی عمر کو پہنچیں) سے معلوم ہوتا ہے کہ بچہ جب تک بالغ اور سمجھدار نہ ہو تو ولی کو چاہیے کہ اس کا مال اس کے حوالے نہ کرے۔

﴿وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا﴾ (اور اپنا خزانہ نکال لیں) اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ انسان اپنی معاش کے لیے خود محنت کرے، اچھی طرح ہاتھ پاؤں مارے۔ باقی اللہ کی مرضی کہ اس کو رزق کیسے دیتے ہیں، کتنا دیتے ہیں اور کہاں سے دیتے ہیں۔

﴿أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا﴾ (یہ دونوں لڑکے اپنی جوانی کی عمر کو پہنچیں اور اپنا خزانہ نکال لیں) سے معلوم ہوتا ہے کہ والدین کی نیکی کی برکت سے اولاد کے رزق اور عمر میں بھی برکت ظاہر ہو جاتی ہے۔ خاص طور پر جب اولاد خود بھی نیک ہو۔

﴿وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ حلال مال کا حصول، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک رحمت ہے اور اس کی شانِ ربوبیت کا مظہر ہے۔

### موسیٰ علیہ السلام کا تعجب بھی عجیب تھا: ①

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے اس واقعہ کے چند نکات بھی سن لیجیے: پہلی بات تو یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو یہ واقعات دیکھے، وہ ان کو تو عجیب لگے، مگر اسی طرح کے واقعات ان کی اپنی زندگی میں بھی گزر چکے تھے۔ عجیب بات یہ ہے کہ ادھر اپنی طرف دھیان نہیں گیا۔

①..... ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جا رہے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ان کی قوم کا



ایک بندہ مخالف قوم کے ایک بندے کے ساتھ جھگڑ رہا ہے۔ یعنی وہ آپس میں جھگڑا کر رہے تھے۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے بندے کی مدد کرنے کے لیے مخالف بندے کو ایک مگامارا تو وہ بندہ مر گیا تھا۔ یعنی ان کی اپنی زندگی میں بھی ایسا واقعہ آیا تھا کہ جس میں ان کا ارادہ نہیں تھا اس کو قتل کرنے کا، لیکن بندہ تو بہر حال مر ہی گیا تھا۔ مگر اس کے مرنے پر ان کو اتنا تعجب نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ ان کا اپنا ارادہ خیر کا تھا اور وہ اپنے ساتھی کی مدد کر رہے تھے۔ لیکن یہاں چونکہ بلا وجہ ایک بچے کو مارا گیا اس لیے اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام حیران ہو گئے اور فوراً کہنے لگے: ﴿أَقْتُلْتُ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ﴾ آپ نے جو اس بچے کو قتل کر دیا یہ تو اچھا کام نہیں ہے۔

دوسری طرف جب موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کی مخالف قوم کا بندہ مر گیا ہے تو اس وقت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿هَذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ﴾ [القصص: ۱۵] (یہ تو شیطان کا عمل ہے)۔ یعنی میں تو اس کو جان سے مارنا نہیں چاہتا تھا، لیکن شیطان نے ایسا کروا دیا۔

دیکھیں! ادھر یہ لفظ استعمال ہوا کہ شیطان کا عمل تھا اور یہاں پر موسیٰ علیہ السلام نے یہ الفاظ استعمال کیے: ﴿لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُكْرًا﴾ یہ بھی گویا ناپسندیدہ کام کے لیے ہی لفظ استعمال ہوئے ہیں۔ گویا ایک واقعہ ان کی اپنی زندگی میں بھی پیش آیا تھا۔ یہاں بھی ایسا ہی واقعہ ایک بچے کو مارنے کا پیش آیا، مگر یہ واقعہ دیکھ کر ان کو حیرت ہوئی اور انہوں نے سوال پوچھ لیا۔

②..... جب حضرت خضر علیہ السلام نے ان دو بچوں کی دیوار کو ٹھیک کیا اور ان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پوچھنے لگے کہ آپ اس پر ان سے اجرت کیوں نہیں لیتے؟ ہمیں بھوک لگی ہے، ہم ان سے اجرت لیتے اور ہمیں کھانا مل جاتا۔ مگر اسی

طرح کا ایک کام حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی کیا تھا..... وہ کیسے کیا تھا؟..... جب حضرت موسیٰ علیہ السلام دین کی طرف گئے تھے تو وہاں پر انہوں نے ایک کنواں دیکھا۔ اس کنویں پر لوگ آرہے تھے اور اپنی بکریوں کو پانی پلا رہے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ دو لڑکیاں ہیں اور وہ اپنی بکریوں کو سنبھال کے کھڑی ہیں۔ یعنی ایک جگہ روک کر کھڑی ہیں۔ وہ ان کو پانی نہیں پلا رہی تھیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ بستی والوں کی طرف سے ان کو اجازت نہیں تھی۔ وہ ان کے دشمن تھے اور کہتے تھے کہ تم بکریوں کو پانی نہیں پلا سکتیں۔ اس لیے وہ بچیاں بکریوں کو لے کر پہنچ تو گئی تھیں، مگر انہوں نے اپنی بکریوں کو روکا ہوا تھا۔

جب بستی والے پانی پلا کے فارغ ہو گئے تو انہوں نے کنویں کے اوپر ایک بڑا سا پتھر رکھ دیا تاکہ یہ بچیاں بعد میں پانی کا ڈول نہ نکال سکیں۔ اب جب وہ چلے گئے تو جو بعد میں بچا کھچا پانی تھا، وہ بچیاں اپنی بکریوں کو وہ پانی پلانے لگیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ ماجرا دیکھا تو وہ بڑے حیران ہوئے کہ ان بچیوں کو بھی پانی پلانے کی اجازت ہونی چاہیے۔ چنانچہ وہ خود آئے اور انہوں نے آکر ان سے پوچھا: تمہارے ساتھ یہ معاملہ کیوں ہے؟ انہوں نے کہا: ہمارا والد ایک نیک آدمی ہے اور قوم نے ان کے ساتھ ایک طرح کا بائیکاٹ کیا ہوا ہے، اس لیے ہم ان کی طرح بکریوں کو پانی نہیں پلا سکتیں، جب یہ پلا کر چلے جاتے ہیں تو پھر بچا کھچا پانی ہم اپنی بکریوں کو پلاتی ہیں۔ ہم کمزور لڑکیاں ہیں اور یہ وزنی پتھر نہیں ہٹا سکتیں۔

یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوچا کہ چلو میں ان بچیوں کی مدد کر دیتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے اکیلے اس پتھر کو اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا۔ پھر اس سے پانی کے ڈول نکالے اور ان کی بکریوں کو پانی پلا دیا۔ جب انہوں نے ان کی بکریوں کو پانی پلایا تو وہ بچیاں

خوش ہو گئیں۔ اس کے بعد جب وہ گھر گئیں تو انہوں نے اپنے والد حضرت شعیب علیہ السلام کو یہ بات بتائی۔ یہ سن کر حضرت شعیب علیہ السلام بہت خوش ہوئے۔  
حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی ایک بچی کو بھیجا اور کہا کہ اس نوجوان کو بلا کر لاؤ۔ وہ بچی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی..... وہ بچی بڑی باحیاء تھی، قرآن مجید نے اس کے حیا کے ساتھ چلنے کا تذکرہ کیا: ﴿تَمَشِي عَلَى اسْتِحْيَاءٍ﴾ [القصص: ۲۵] (وہ بڑی حیا کے ساتھ چلتی ہوئی آرہی تھی)۔

وہ کتنی پاک دامن اور نیک بچی تھی کہ جس کی گواہی رب کا قرآن دے رہا ہے۔ اللہ ایسی بیٹی ہر ایک کو عطا فرمائے۔

اس بچی نے آکر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: ﴿إِنَّ أَبِي يَدْعُوكَ﴾ [القصص: ۲۵] (میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں)..... ﴿لِيَجْزِيَكَ أَجْرًا فَقَاتِلْنَا﴾ [القصص: ۲۵] (کہ آپ نے جو ہماری بکریوں کو پانی پلایا ہے، اس پر آپ کو کچھ اجرت دے دی جائے)۔

اب ذرا دونوں قسم کے واقعات میں مشابہت دیکھیے!

•..... ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو واقعہ دیکھا اس میں دو بچے تھے، چھوٹے اور کمزور تھے اور خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں جو واقعہ پیش آیا، اس میں بھی دو بچیاں تھیں جو کمزور صنف ہوتی ہیں۔ وہ اپنی بکریوں کو پانی پلانا چاہتی تھیں۔

•..... یہاں حضرت خضر علیہ السلام نے ان کی دیوار کو بغیر اجرت کے ٹھیک کر دیا تھا اور وہاں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بغیر کسی مطالبے کے ان کی بکریوں کو پانی پلادیا تھا۔

•..... اس واقعہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام سفر کر کے اس بستی میں تھکے ہوئے پہنچے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے مدین

پہنچے تھے اور وہ بھی سفر کر کے ٹھکے ہوئے وہاں پہنچے تھے۔ اسی لیے انہوں نے درخت کے نیچے بیٹھ کر دعا کی تھی:

﴿رَبِّ إِنِّي لَمَّا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ﴾ [قصص: ۲۴]  
 ”اے اللہ! تو مجھے جو بھی عطا فرمائے میں اس کا محتاج ہوں۔“

دیکھیے! ان واقعات میں کتنی مشابہت اور مماثلت ہے۔ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں پہلے بھی پیش آیا تھا، لیکن ان کا ذہن اس طرف نہیں گیا کہ میں نے بھی تو بغیر اجرت کے ان کے ساتھ بھلائی کا کام کر دیا تھا، یہاں پر انہوں نے کر دیا تو کون سی بات ہو گئی۔ لیکن چونکہ یہ ایک نیا کام تھا اور اچانک ہوا تھا اس لیے ان کے ذہن میں بات آئی کہ بھئی! آپ ان سے اجرت کیوں نہیں مانگ لیتے؟ وہ یہ سوال کر بیٹھے۔

موسیٰ علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام کے احوال میں مشابہت:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں اور حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی میں بہت زیادہ مشابہت ہے..... وہ کیسے؟

①..... بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک کنویں میں ڈال دیا تھا۔ قتل کیوں نہ کیا؟ اس لیے کہ بھائی نے کہا تھا ﴿لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ﴾ [یوسف: ۱۰] (اس کو قتل نہ کرو)، ہم اس کو کسی کنویں کے اندر ڈال دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک کنویں کے اندر ڈال دیا گیا..... ادھر دوسری طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی والدہ نے دریا کے اندر ڈال دیا تھا۔ ادھر بھی پانی ادھر بھی پانی۔ ادھر ماں نے ڈالا تھا، ادھر بھائیوں نے ڈالا تھا۔

②..... حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک مسافر قافلے کے ایک بندے نے کنویں سے نکالا تھا۔

اس کے بارے میں قرآن مجید میں یوں تذکرہ کیا گیا: ﴿يَلْتَقِطُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ﴾ [یوسف: ۱۰]..... اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پانی میں بہہ رہے تھے تو اس کے متعلق قرآن مجید میں آیا ہے: ﴿فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ﴾ [القصص: ۸] (ان کو فرعون کے لوگوں نے نکالا تھا)۔

③..... جب حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں پہنچے تو قافلے والوں نے تو ان کو بیچ دیا تھا۔ بالکل اونے پونے بیچا تھا، مگر ان کو عزیز مصر نے خریدا تھا۔ جب عزیز مصر ان کو خرید کر گھر لے گیا تو اس نے اپنی بیوی سے کہا: ﴿اَكْرِمِي مَثْوِيَّ عَسَىٰ اَنْ يَنْفَعَنَا اَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا﴾ [یوسف: ۲۱] (اس کا اکرام کرنا، یہ ہمیں نفع پہنچائے گا، اس کو ہم اپنا بیٹا بنائیں گے)۔ یہ عزیز مصر کے الفاظ تھے۔

ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معاملہ کیا ہوا؟..... جب ان کے بکسے کو کھولا گیا اور فرعون کی بیوی نے دیکھا کہ اس میں ایک بچہ ہے، بڑا پیارا اور خوبصورت بچہ ہے تو اس نے کہا تھا: ﴿لَا تَقْتُلُوهُ عَسَىٰ اَنْ يَنْفَعَنَا اَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا﴾ [القصص: ۹] (اس کو قتل نہ کرو، یہ ہمیں نفع پہنچائے گا، اس کو ہم اپنا بیٹا بنائیں گے)۔ وہاں فرعون کی بیوی کے یہ الفاظ تھے اور یہاں عزیز مصر کے الفاظ تھے۔

اب ذرا دونوں باتوں میں غور کیجیے..... نکتہ بڑا عجیب ہے..... یہاں چونکہ عزیز مصر نے کہا تھا کہ ہم اسے بیٹا بنائیں گے اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام واقعی ان کے لیے بیٹے کی طرح بن کر رہے۔ انہوں نے ان کی عزت کی بھی حفاظت کی اور جب جوان ہو گئے تو ان کے ملک کو بھی سنبھالا۔ جیسے بیٹا اپنے باپ کے کام کو سنبھالتا ہے۔ تو یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کے ملک کو سنبھالا اور بڑی امانت و دیانت کے ساتھ اس کو چلایا۔ واقعی انہوں نے بیٹا بننے کا حق ادا کر دیا تھا۔

وہاں جب موسیٰ علیہ السلام کو اٹھایا گیا تو فرعون کی بیوی نے کہا تھا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ ہمیں

نفع پہنچائے، ہم اسے اپنا بیٹا بنا لیتے ہیں۔ واقعی ایسا ہی ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے گھر میں پلے اور ان کی وجہ سے ہی اس عورت کو فائدہ ہوا کہ وہ ایمان لے آئی اور اس کا وہ بیٹا ایمان پر لانے کا سبب بن گیا۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ وہاں پر فرعون کی بیوی نے کہا تھا کہ ہم اس کو بیٹا بنائیں گے، اس لیے فرعون کی نظر اس کے بارے میں نہیں بدلی، کیونکہ بیٹے پر ماں کی نظر اور ہوتی ہے۔ فرعون کی بیوی بھی خوبصورت تھی، وہ بادشاہ کی بیوی تھی۔ لیکن اس نے موسیٰ علیہ السلام کو ایسی ویسی نظر سے نہیں دیکھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہیں اس کے گھر میں پرورش پائی اور وہ اس کے لیے ایمان لانے کا سبب بن گئے اور اس کو موسیٰ علیہ السلام سے خیر مل گئی۔

یہاں پر عزیز مصر نے کہا تھا کہ ہم اس کو بیٹا بنائیں گے۔ اگر اس کی بیوی بھی جواب میں کچھ کہہ دیتی کہ ہاں ہم بیٹا بنائیں گے تو اس کی نظر بھی پاک ہو جاتی اور اللہ تعالیٰ زلیخا کو بھی حضرت یوسف علیہ السلام سے ایمان کی نعمت عطا فرما دیتے۔ مگر وہ چونکہ خاموش رہی اس لیے اس کا اپنا ارادہ ایسا نہیں تھا۔ چنانچہ جب حضرت یوسف علیہ السلام جوان ہوئے تو اس وقت زلیخا کی نظر ان پر اور طرح کی پڑ گئی اور وہ ان سے اپنی خواہش پوری کرنے کے چکر میں لگ گئی۔

④..... جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بکریوں کو پانی پلایا تھا تو ان کے بارے میں بچی نے اپنے والد سے جا کر کہا تھا کہ آپ کو ایک ایسا بندہ کام کرنے کے لیے چاہیے جو بڑا قوی ہو اور امین بھی ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت صحت مند بھی تھے اور امین بھی تھے۔ امین اس لیے کہا کہ انہوں نے ان لڑکیوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ جس کی وجہ سے بچی نے پہچان لیا کہ یہ بڑے باحیا انسان ہیں اور یہ دوسرے کی امانت کے اندر خیانت کرنے والے نہیں ہے۔ اس لڑکی نے کہا کہ یہ بندہ قوی بھی ہے اور امین بھی ہے:

﴿إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ﴾ [قصص: ۲۶] یہاں ”قوی“ اور ”امین“ کا لفظ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے استعمال ہوا۔

اُدھر جب حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل سے نکالا گیا تھا تو انہوں نے کہا تھا: ﴿إِنِّي حَفِيزٌ عَلِيمٌ﴾ [یوسف: ۵۵] (میں محافظ بھی ہوں، علم والا بھی ہوں)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام قوی اور امین کہلائے اور حضرت یوسف علیہ السلام حفیظ اور علیم کہلائے۔ دیکھیے! ان دونوں کی شخصیتوں میں کس قدر مشابہت ہے!!!

۵..... حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائی نے بچایا تھا، اس نے کہا تھا: ﴿لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ﴾ [یوسف: ۱۰] (یوسف کو قتل نہ کرو)، بلکہ اس کو کنویں کے اندر ڈال دو..... اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی بیوی نے بچایا تھا، اس نے بھی کہا تھا: ﴿لَا تَقْتُلُوهُ﴾ [قصص: ۹] (اس کو قتل نہ کرو)۔

فرعون اپنی بیوی کی بات مان گیا کہ چلو ہم اس کو قتل نہیں کرتے۔ اس لیے میں کہا کرتا ہوں کہ قرآن پاک سے ثابت ہو رہا ہے کہ بڑے بڑے فرعون بھی بیویوں کی بات مانا کرتے تھے۔ عورتیں جو یہ کہتی ہیں کہ خاوند سنتے ہی نہیں اور بات ہی نہیں مانتے، وہ غلط بات کہتی ہیں۔ بڑے بڑے فرعون اپنی بیویوں کی بات مانتے تھے۔ ہزاروں بچوں کو اس نے قتل کروایا تھا، لیکن جب اس کی بیوی نے کہ اس کو قتل نہیں کروانا تو اس نے فوراً ارادہ کر لیا کہ میں اس کو قتل نہیں کرواتا۔ وہ اس وقت یہ بات بھول گیا کہ یہی بچہ میرے تخت و تاج کو واپس لینے کا سبب بن سکتا ہے۔

۶..... حضرت یوسف علیہ السلام کی وجہ سے بنی یعقوب مصر کے اندر داخل ہوئے تھے۔ وہ مصر کے رہنے والے نہیں تھے۔ ان کو تو قافلے والے وہاں لے کر گئے تھے۔ اور حضرت

موسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے بنی اسرائیل مصر سے باہر نکلے تھے۔ تو ایک کی وجہ سے داخل ہونے کا موقع ملا اور دوسرے کی وجہ سے مصر سے باہر نکلنے کا ان کو موقع مل گیا تھا۔

### تفسیری نکات: (۱)

اس واقعہ میں دیگر بہت ساری باتوں کے ساتھ ساتھ اُستاد اور شاگرد کے آداب بھی سکھائے گئے ہیں؟ یہ آداب کئی تفاسیر میں لکھے گئے ہیں۔ حضرت مولانا مفتی عاشق الہی بلند شہری رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر ”انوار البیان“ میں تقریباً 40 نکات لکھے ہیں، جن میں سے کچھ یہاں درج کیے جاتے ہیں:

①..... حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو سائل کے جواب میں فرمادیا کہ مجھ سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں، حالانکہ اس اعتبار سے ان کا یہ فرمانا صحیح بھی تھا کہ وہ صاحب شریعت تھے، ایک بڑی قوم کے نبی تھے اور ان پر ”تورات“ نازل ہوئی تھی، لیکن چونکہ الفاظ میں ایک قسم کا دعویٰ تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا۔

اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص کتنا ہی بڑا عالم ہو اور حالات ظاہرہ کے مطابق اس سے بڑا کوئی دوسرا جاننے والا نہ بھی ہو، تب بھی اسے یہ نہیں کہنا چاہیے کہ میں سب سے بڑا عالم ہوں۔ اس میں دعویٰ ہے جو کالمین کی شان کے خلاف ہے۔ عام بندہ تو ایسی بات کر سکتا ہے لیکن بڑوں کی پکڑ چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی ہو جاتی ہے۔ ”حَسَنَاتُ الْأَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِينَ“ مقرب اگر وہی بات کر لیتے ہیں تو وہ ان کے لیے گناہ بن جاتا ہے اور عام بندے کر لیتے ہیں تو ان کے لیے حسنات ہوتی ہیں۔

ہمارے اکابر ہمیشہ اس بات کو ذہن میں رکھتے تھے۔ چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ سے اگر کوئی بندہ ایسا مسئلہ پوچھ لیتا جس کا جواب اُن کے پاس نہیں ہوتا تھا تو بلا تامل کہہ دیتے



تھے: ”لَا أُذْرِی“ (میں نہیں جانتا)۔ اور وہ ”لَا أُذْرِی“ کہنے سے خوش ہوا کرتے تھے۔ آج ہماری حالت یہ ہے کہ ہم جانتے بھی کچھ نہیں ہوتے اور جاننے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ میں تو سب جانتا ہوں۔ یہ ہماری جہالت کی دلیل ہوتی ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ وقت کے چیف جسٹس تھے۔ یہ ایک بڑا عہدہ تھا جو اللہ نے ان کو عطا کیا تھا۔ مگر ان کی عادت تھی کہ جب کوئی بندہ ان سے کوئی بات پوچھتا اور وہ نہیں جانتے تھے تو وہ کہہ دیتے تھے: ”لَا أُذْرِی“ (مجھے نہیں پتہ)۔

ایک نوجوان نے امام صاحب سے کوئی مسئلہ پوچھا تو امام صاحب نے کہہ دیا: ”لَا أُذْرِی“ (مجھے نہیں پتہ)۔ یہ سن کر وہ نوجوان غصے میں آ گیا اور کہنے لگا: یہ کیا بات ہے؟ آپ کی تنخواہ آدھے بیت المال کے برابر ہے اور جب آپ سے مسئلہ پوچھتے ہیں تو آپ کہتے ہیں: ”لَا أُذْرِی“ (مجھے نہیں پتہ)۔ امام صاحب تحمل مزاج تھے، وہ اس بات پر غصے نہیں ہوئے، بلکہ جواب میں فرمایا: اے بھائی! یہ جو آدھے بیت المال کے برابر تنخواہ ہے، یہ مجھے میرے علم کی وجہ سے ملتی ہے، اگر یہ مجھے میری جہالت کی بنیاد پہ ملتی تو میری تنخواہ پورے بیت المال سے بھی زیادہ ہوتی۔ یہ سن کر وہ نوجوان ہنس پڑا اور اس کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔

بھئی! ہمارے اکابر ہمیشہ یہ بات کہا کرتے تھے کہ ہمارے علم سے ہماری جہالت زیادہ ہے۔ یعنی جتنا ہم جانتے ہیں، یہ کم ہے اور جتنا ہم نہیں جانتے وہ زیادہ ہے۔ ایسا کہنے سے انسان کے اندر عاجزی آتی ہے، وہ کبھی بڑا بول نہیں بولتا اور اس میں تکبر بھی پیدا نہیں ہوتا۔

②..... حضرت موسیٰ علیہ السلام یوشع بن نون کو ساتھ لے کر چلے جو ان کے خادم تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اپنے کسی چھوٹے کو اپنی خدمت کے لیے ساتھ لے لینا اور اس کے

ذمے خدمت کو سپرد کرنا درست ہے۔ یوں بھی تنہا سفر کرنے کی ممانعت آتی ہے۔ تنہا سفر کرنا اچھا نہیں ہے، اگر کوئی ساتھ ہو تو بہتر ہوتا ہے۔

سر پرانزدہ پہنے کا برا انجام: (۱)

ایک صاحب امریکہ میں رہتے تھے۔ ان کے ذہن میں خیال آیا کہ میں اپنے ماں باپ کے پاس پاکستان واپس جاؤں..... وہاں کے لوگوں میں سر پرانزدہ دینا بہت زیادہ پایا جاتا ہے، یعنی کسی بندے کو اچانک ملنا تا کہ وہ حیران ہو جائے..... اس نوجوان نے بھی سوچا کہ میں ماں باپ کو سر پرانزدہ دیتا ہوں۔ چنانچہ اس نے کسی کو کچھ نہ بتایا۔ نہ اپنے دوستوں کو اور نہ ہی اپنے گھر والوں کو۔ خاموشی سے ٹکٹ بنوایا اور دفتر سے پندرہ دن کی چھٹی لے کر اس نے امریکہ سے سفر کرنا شروع کر لیا۔ بالآخر وہ فیصل آباد پہنچ گیا۔ جب وہ فیصل آباد پہنچا تو اس کے پاس سامان کے دو تین بڑے بڑے سوٹ کیس تھے اور رات کا وقت ہو چکا تھا۔ اس نے وہاں سے ایک ٹیکسی لی۔ وہ ٹیکسی لے کر اپنے گاؤں جانا چاہتا تھا۔ چونکہ وہ اکیلا تھا اس لیے ٹیکسی والے کی نیت خراب ہو گئی۔ اس نے سمجھا کہ یہ مسافر ہے اور اس کے پاس کافی قیمتی سامان نظر آ رہا ہے۔ چنانچہ اس نے راستے میں اس اکیلے نوجوان کو قتل کر دیا اور اس کے سامان پر قبضہ کر لیا۔ اس واقعہ کا کسی کو پتا ہی نہیں تھا۔

اب ایک دن گزرا، دوسرا دن گزرا، جب پندرہ دن گزر گئے اور وہ نوجوان دفتر واپس نہ لوٹا تو دفتر والوں نے اس کے دوستوں سے رابطہ کیا کہ وہ بندہ پندرہ دن کی چھٹی گزار کر واپس کیوں نہیں آیا؟ تو دوستوں نے کہا کہ ہمیں تو پتا نہیں کہ وہ کہاں پہ ہے؟ اب جب انہوں نے پوچھ گچھ شروع کی تو انہوں نے گھر فون کیا کہ جی! وہ بندہ تو گھر چلا

گیا تھا۔ گھر والوں نے کہا کہ ہمیں تو اطلاع ہی نہیں تھی کہ وہ آیا ہے یا نہیں۔ ہمیں تو بالکل پتا نہیں ہے۔

اب نہ بھیجنے والوں کو پتا اور نہ گھر والوں کو پتا اور راستے میں یہ بندہ قتل بھی ہو گیا، اتنا بڑا واقعہ پیش آ گیا، مگر کسی کو پتا ہی نہیں تھا..... شریعت جو کہتی ہے کہ انسان اکیلا سفر نہ کرے، کوئی نہ کوئی اس کا ساتھی ہونا چاہیے، اس میں بڑی حکمت ہے، اس میں بندے کے لیے بڑی خیر ہے..... اس بندے کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ چونکہ اس نے نبی علیہ السلام کی سنت کی خلاف ورزی کی، جس کی وجہ سے اس کا یہ انجام ہوا۔

سنت یہ ہے کہ انسان سفر کرے تو جن کے ہاں جانا ہے ان کو پہلے سے بتا دے کہ بھی! میں آ رہا ہوں، تاکہ وہ مہمان کو Receive (وصول) کرنے کی تیاری کر لیں، یہ سنت ہے۔ اس نے سنت کو چھوڑا اور نقصان اٹھایا۔

③..... اس واقعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اگر شاگرد کو پتہ چلے کہ فلاں جگہ پر فلاں استاد ہیں جن سے میں پڑھ سکتا ہوں تو وہ خود اس استاد کے پاس چل کر جائے۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ”کِتَابُ الْعِلْمِ“ میں ”بَابُ الْخُرُوجِ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ“ کے ذیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ لکھا ہے۔

آج کے دور میں چونکہ لوگوں کے پاس مال پیسہ زیادہ ہے، اس لیے طالب علم کوشش کرتا ہے کہ وہ اپنے والد سے کہے کہ آپ فلاں استاد سے بات کریں، وہ مجھے گھر آ کر پڑھا دیا کریں۔ یعنی آج کا طالب علم یہ چاہتا ہے کہ استاد چل کر آئے اور گھر میں آ کر مجھے پڑھائے، خود چل کے جانا پسند نہیں کرتا۔ حالانکہ شاگرد کا استاد کی طرف چل کر جانا زیادہ بہتر ہوتا ہے۔

④..... یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ طلب علم کے لیے کوئی عمر مخصوص نہیں، گو بچپن اور جوانی میں علم اچھی طرح حاصل ہوتا ہے، لیکن بڑھاپے میں بھی اس سے بے نیاز نہیں ہونا چاہیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جو بھی عمر تھی، آپ نے اس عمر میں علم کے لیے سفر فرمایا۔ علم جہاں ملے، جب ملے اور جس سے ملے، اس کو حاصل کرنا چاہیے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے بڑی عمریں ہو جانے کے بعد بھی علم حاصل کیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی عمر ساٹھ سال ہو چکی تھی جب وہ ایمان لے آئے تھے۔ اب انہوں نے جتنی حدیثیں سنیں وہ ساٹھ سال کی عمر کے بعد سنیں۔ یعنی انہوں نے جو علم حاصل کیا وہ ساٹھ سال کی عمر کے بعد حاصل کیا۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ ایک جگہ لکھتے ہیں: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مولوی قسم کے صحابی تھے۔“

یعنی وہ ہر وقت علم کی طلب میں لگے رہتے تھے۔ چنانچہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ حدیثوں کی روایت کرنے والے صحابی ہیں۔ یعنی جو سب سے بڑے محدث بنے انہوں نے ساٹھ سال کی عمر کے بعد پڑھنا شروع کیا تھا۔ ساٹھ سال کے بعد کی عمر تو بڑھاپے کی عمر ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے پنگھوڑے سے لے کر اپنی قبر میں جانے تک اپنے آپ کو طالب علم بنا کر ہی زندگی گزارے۔

⑤..... اگر کسی کو کسی بھی اعتبار سے کوئی فضیلت حاصل ہو اور اسے اپنے سے کم فضیلت والے کے پاس علم کی کوئی بات ملتی ہو تو اس کے حاصل کرنے میں عار نہیں ہونی چاہیے، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام درجے میں حضرت خضر علیہ السلام سے بڑے تھے۔ خضر علیہ السلام اللہ کے ولی تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی تھے، اور صاحب کتاب نبی تھے،



اولوالعزم نبی تھے، مگر جب ان کو علم حاصل کرنا تھا تو وہ شوق کے ساتھ حضرت ﷺ کے پاس گئے اور انہوں نے ان کے پاس جانے میں کوئی خفت محسوس نہیں کی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ کبھی کبھی اکابر بھی اصغر سے علمی فائدہ اٹھا لیتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ پڑھا رہے تھے۔ پڑھاتے پڑھاتے ایک ایسا پوائنٹ آیا کہ جو حل نہیں ہو رہا تھا..... کوئی ہمارے جیسا ہوتا تو وہ ویسے ہی بات گول کر جاتا، پتہ ہی نہ چلنے دیتا کہ یہ بھی کوئی حل طلب نکتہ ہے یا نہیں۔ طلبہ کو کیا پتہ؟ وہ تو پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ یہ تو استاد کا کام ہے کہ بتائے یا نہ بتائے، مگر وہ حضرات امین تھے۔ یہ علمی خیانت ہوتی ہے کہ استاد کے ذہن میں خود اشکال وارد ہو، جواب بھی سمجھ میں نہ آئے اور طلبہ کو بتایا بھی نہ جائے۔ ان حضرات سے تو وہ خیانت ہوتی نہیں تھی..... حضرت نے شاگردوں کو برملا بتا دیا کہ بھئی! دیکھو، اس مقام پر یہ اشکال وارد ہو رہا ہے، اگر آپ میں سے کوئی جانتا ہو تو وہ مجھے بتادے..... آج کوئی استاد ایسا ہے جو شاگردوں کے سامنے یہ بات کرے؟..... ان کی بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے شاگردوں کو صاف بتا دیا، شاگردوں نے بھی عرض کیا: حضرت! ہمیں بھی معلوم نہیں ہے۔ اسی جامعہ کے ایک اور استاد تھے جو حضرت کے شاگرد تھے۔ وہ بڑے قابل تھے۔ حضرت نے اپنے اس شاگرد کا نام لیا اور کہا: اچھا! اگر آپ کے ذہن میں بھی اس اشکال کا جواب نہیں آ رہا تو میں ان سے پوچھ کر آتا ہوں..... دیکھیں! استاد اپنے شاگرد کی طرف چل کے جا رہا ہے..... چنانچہ انہوں نے بخاری شریف اٹھائی اور اپنے اس شاگرد کی طرف جانے کے لیے چل پڑے۔

کسی طالب علم نے آگے بڑھ کر ان کو بتا دیا کہ حضرت آپ کے پاس یہ مسئلہ پوچھنے کے لیے آ رہے ہیں۔ وہ فوراً باہر آ گئے۔ چنانچہ برآمدے میں حضرت کی ان سے

ملاقات ہو گئی۔ جب ملاقات ہوئی تو حضرت نے ان سے کہا: مولانا! یہاں ایک اشکال وارد ہوتا ہے، آپ کا علم تازہ ہے، آپ نے تھوڑا ہی عرصہ پہلے بخاری شریف پڑھی ہے، ہو سکتا ہے کہ آپ کو اس کا جواب یاد ہو، اس لیے آپ مجھے بتا دیجیے۔

وہ بھی حضرت کے ایک قابل شاگرد تھے، انہوں نے بخاری شریف کا جب وہ پوائنٹ دیکھا تو واقعی ان کو وہ پوائنٹ یاد تھا۔ اب انہوں نے ان کو یہ پوائنٹ بتانا تھا، مگر ان میں بھی تواضع تھی۔ انہوں نے یہ نہیں کہا: جی استاد صاحب! میرے خیال میں تو یہ ہے، میرے دل میں تو اس کا جواب یہ آرہا ہے، ایسا نہیں کیا، بلکہ انہوں نے کتاب ہاتھ میں لے کر بات یوں شروع کی۔ ”حضرت! جب میں آپ کے پاس پڑھتا تھا اور آپ اس مقام پر پہنچے تھے تو اس وقت آپ نے اس اشکال کا جواب یوں دیا تھا۔“ اور اس کے بعد انہوں نے استاد کو اس مشکل مقام کا حل تفصیل سے بتا دیا۔

اس جواب کو انہوں نے اپنی طرف منسوب نہیں کیا تھا کہ میں بتا رہا ہوں، بلکہ کہا کہ جب میں آپ کے پاس پڑھتا تھا اور اس وقت آپ اس جگہ پر پہنچے تھے تو آپ نے اس کا یہ جواب دیا تھا۔ یعنی اس علم کو استاد کی طرف منسوب کیا، اپنی طرف منسوب نہیں کیا۔ یہ اصل علمیت ہوتی ہے۔

⑥..... طلب علم کے لیے سفر کرنے میں سستی اور کوتاہی اختیار نہ کی جائے، جتنا بھی بڑا سفر ہو برداشت کیا جائے اور اس پر جو تکلیف پہنچے اسے بھی برداشت کیا جائے۔ جب انسان علم کی طلب میں مشقت اٹھاتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ بہت زیادہ اجر عطا فرماتے ہیں۔ آیت کریمہ میں جو الفاظ ہیں، أَوْ أَمَضَى حَقْبًا، اس کے بارے میں صاحب روح المعانی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ یہ لفظ اسی سال کی مدت کے لیے بولا جاتا ہے۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا کہ اگر مجھے یہ سفر اسی سال تک جاری رکھنا پڑا تو

میں اس کو جاری رکھوں گا اور اس بندے سے ملوں گا جس سے مجھے علم حاصل ہوگا۔  
 ⑦..... صحیح مسلم میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کے سوال کے جواب میں یوں فرمادیا کہ میں اپنے سے بڑھ کر کسی عالم کو نہیں جانتا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا: ”بَلِّغْنَا الْخَضِرَ“ [صحیح مسلم، رقم: ۲۳۸۰] (بلکہ، ہمارا ایک بندہ خضر ہے جو علم میں تجھ سے زیادہ ہے)۔ اس سے پتا چلا کہ اللہ تعالیٰ نے خضر علیہ السلام کو اس بندے کا نام پہلے سے بتا دیا تھا۔

⑧..... لفظ ”خضر“ کا معنی ہے سبز۔ ان کا یہ نام کیوں مشہور ہوا؟ اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”إِنَّمَا سُمِّيَ الْخَضِرَ لِأَنَّهُ جَلَسَ عَلَى فَرْوَةٍ بَيْضَاءَ فَاهْتَزَّتْ تَحْتَهُ خَضِرَاءُ“ [جامع ترمذی، رقم: ۳۱۵۱] (حضرت خضر علیہ السلام کا یہ نام اس لیے رکھا گیا کہ وہ ایک جگہ بنجر زمین پر بیٹھے تو وہ نیچے سے ہری بھری ہو گئی)۔ گھاس چونکہ سبز ہوتی ہے اس لیے ان کا نام ”خضر“ پڑ گیا۔

⑨..... اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ ہمارا یہ بندہ ”مجمع البحرين“ میں ملے گا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ جگہ دو دریاؤں یا دو سمندروں کے ملنے کی جگہ ہے۔ بعض مفسرین نے بحر فارس اور بحر روم کے ملنے کی جگہ بتائی ہے۔

⑩..... چونکہ اللہ تعالیٰ چاہتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام علم کے لیے مشقت اٹھائیں، اس لیے جب مچھلی پانی میں چلی گئی تو یوشع بن نون نے سوچا کہ جب اٹھیں گے تو میں ان کو بتا دوں گا لیکن بعد میں شیطان نے بھلا دیا۔ اس طرح وہ اپنی منزل سے آگے چلے گئے اور پھر ان کو لوٹ کر واپس آنا پڑا۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے علم کا ایک مقام رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ میرے بندے علم حاصل کرنے کے لیے مشقتیں اٹھائیں اور میں ان کو علم کے نور سے نوازوں۔

⑪..... جب حضرت خضر علیہ السلام سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات ہوگئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا کہ آپ مجھے اپنے ساتھ رکھیں، تاکہ اللہ نے آپ کو جو علم دیا ہے اس علم سے آپ مجھے بھی کچھ سکھائیں۔ اسی طرح شاگرد کو چاہیے کہ جب وہ استاد کے پاس جائے تو اپنے آنے کا مدعا بیان کر دے۔

⑫..... شاگرد کو اپنے ساتھ رکھنے کے لیے اگر استاد کوئی شرط لگانا چاہے تو اس کو شرط لگانے کی اجازت ہے۔ یا شیخ اپنے مرید کو ساتھ رکھنے کے لیے کوئی شرط لگانا چاہے تو اس کو بھی اس کی اجازت ہے۔ کیونکہ حضرت خضر علیہ السلام نے ایک شرط لگائی تھی کہ جب تک میں تمہیں خود نہ بتاؤں، آپ مجھ سے کوئی سوال نہیں پوچھ سکتے۔

⑬..... حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو یہ فرمایا کہ اگر آپ سے اب میں کوئی بات دریافت کروں تو مجھے ساتھ نہ رکھیے، اس میں بڑی حکمت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سمجھ گئے تھے کہ میرا زیادہ دیر ان کے ساتھ رہنا اور سوال پوچھنا، یہ مشکل نظر آتا ہے تو انہوں نے خود ہی جدائی کی ایک خوبصورت شکل بتادی کہ اب میں اگر آپ سے سوال پوچھوں تو آپ مجھے الگ کر دینا۔

یہاں سے مفسرین نے نکتہ نکالا ہے کہ اگر کبھی استاد اور شاگرد میں کسی بات پر اختلاف ہو جائے تو شاگرد کو جدائی اختیار کرنے کا حق حاصل ہے، مگر جدائی اختیار کرنے کا طریقہ بھی خوبصورت ہونا چاہیے، ہَجْرًا جَمِیلًا (خوبصورت طریقے سے الگ ہو)۔ اسی طرح اگر کبھی کوئی مرید اپنے شیخ سے کسی بات پر اختلاف کر بیٹھے، کوئی ایسی وجہ پیش آجائے اور وہ الگ ہونا چاہے تو مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ الگ ہو، مگر اس کو چاہیے کہ خاموشی اختیار کرے اور اگر کوئی پوچھے کہ آپ کیوں الگ ہو گئے ہو تو اتنا کہہ دے کہ اب مجھے مناسبت نظر نہیں آرہی..... بھی! طبیعت کے اندر کبھی مناسبت ہوتی ہے اور کبھی





نہیں ہوتی۔ اگر طبیعت میں مناسبت نظر نہیں آرہی، کسی بات پر غصہ آگیا ہے یا کسی بات پر رنجش ہوگئی ہے تو انسان اتنی بات کر دے کہ مجھے مناسبت نہیں ہے۔ بعض لوگ الگ ہوتے ہیں تو پتا نہیں کیا کیا غلط باتیں بنا کر اپنے آپ کو سچا ثابت کرنا چاہتے ہیں اور دوسرے بندے کو بالکل ہی بُرا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اس بات کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔ یہ غلط کام ہے۔ ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

⑬..... اگر طالب علم سے کوئی غلطی ہو جائے تو استاد کو اجازت ہے کہ وہ اس کو تنبیہ کرے۔ اور اگر وہ بار بار غلطی کرے تو تنبیہ میں سختی بھی کر سکتا ہے۔ کیونکہ حضرت خضر علیہ السلام نے پہلی مرتبہ کہا تھا: ﴿أَلَمْ أَقُلْ؟﴾ صرف دو لفظ استعمال کیے تھے۔ اور اگر شاگرد دوبارہ غلطی کرے تو استاد اپنی تنبیہ کا Level (درجہ) بڑھا دے، مگر جواب ضرور دے۔ چنانچہ جب دوبارہ غلطی ہوئی تو پھر ایک تیسرا لفظ ساتھ بڑھا دیا اور فرمایا: ﴿أَلَمْ أَقُلْ لَّكَ؟﴾ اب تنبیہ بڑھادی اور پھر آگے فرمایا: ﴿إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ البتہ ایک بات یاد رکھیں! تنبیہ کو تنبیہ ہی رہنا چاہیے، غصہ نہیں کرنا چاہیے۔ شاگرد اگر ہزار مرتبہ بھی کوئی بات پوچھے تو اچھا استاد وہ ہوتا ہے جو اسے ہزار مرتبہ بتائے اور غصہ نہ کرے۔ اس لیے کہ ہر طالب علم کی ذہنی سطح مختلف ہوتی ہے۔ کوئی ایسا شاگرد بھی ہوتا ہے کہ اس کو ایک مرتبہ کہی گئی بات سمجھ نہیں آتی، لہذا اگر اس کو بار بار سمجھانی پڑ رہی ہو تو اس سے دل تنگ نہیں ہونا چاہیے، بلکہ بتاتے رہنا چاہیے۔

باپ کی تحمل مزاجی بھی دیکھیے!

ایک نوجوان تھا۔ اس کا والد نابینا ہو گیا۔ وہ اپنے باپ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ ایک وہ گراؤنڈ میں بیٹھا چائے پی رہا تھا اور اپنے والد کو چائے پلا رہا تھا۔ اتنے میں چڑیا کی آواز آئی۔ باپ نے پوچھا: بیٹا! یہ کیا ہے؟ نوجوان نے کہا: ابو جی! یہ چڑیا ہے۔ پوچھا:

کس رنگ کی ہے؟ اس نے بتا دیا۔ تھوڑی دیر بعد باپ نے پھر پوچھا: یہ کس کی آواز ہے؟ اس نے کہا: چڑیا کی آواز ہے۔ باپ نے پھر پوچھا: اس کا رنگ کیسا ہے؟ بتا دیا کہ ایسا رنگ ہے۔ پھر اس نے تیسری بار پوچھا کہ یہ کس کی آواز ہے؟ اب تیسری مرتبہ پوچھنے پر اس نوجوان کو غصہ آ گیا اور اس نے غصے میں کہا: ابو! آپ کو بات سمجھ میں نہیں آرہی، دو دفعہ میں آپ کو پہلے بتا چکا ہوں۔

جب وہ غصے ہوا تو اس کا والد کہنے لگا: بیٹا! تھوڑی دیر ادھر ہی ٹھہرو، میں آتا ہوں، چنانچہ وہ نابینا باپ اندر گیا..... اس نے الماری میں اپنی ڈائری رکھی ہوئی تھی، وہ جوانی میں اس ڈائری میں اپنی باتیں لکھا کرتا تھا..... وہ اپنی ڈائری اٹھا کر لایا اور اس نے اپنے بیٹے سے کہا: بیٹا! اس کا فلاں صفحہ نکالو اور دیکھو کہ اس میں کیا لکھا ہوا ہے؟ جب اس نے وہ صفحہ نکالا تو اس پر لکھا ہوا تھا کہ جب یہ نوجوان چھوٹا بچہ تھا، اس وقت اس کے باپ نے اس کو ایک گیند لے کر دیا تھا۔ اس وقت اس بچے نے اپنے باپ سے 30 مرتبہ پوچھا تھا کہ ابو! یہ کیا ہے؟ اور باپ نے ہر مرتبہ پیار سے کہا تھا: بیٹا! یہ گیند ہے۔

نوجوان نے جب یہ بات پڑھی تو والد نے کہا: دیکھو! جب تم بچے تھے تو تم نے مجھ سے 30 مرتبہ پوچھا تھا کہ یہ کیا ہے اور میں نے ہر مرتبہ پیار سے تمہیں بتایا تھا کہ یہ گیند ہے، آج میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میں تم سے ایک بات تین مرتبہ پوچھتا ہوں اور تم غصے میں آ کر کہتے ہو کہ آپ کو میری بات کیوں سمجھ نہیں آرہی۔

دیکھیے! باپ نے اپنے بچے کے ساتھ کتنا تحمل والا سلوک کیا ہوا ہوتا ہے، مگر جب وہ بچہ جوان ہو جاتا ہے تو اس بات کو بھول جاتا ہے اور اپنے باپ کے ساتھ بہت ہی بُرا سلوک کرنے لگ جاتا ہے۔

⑤..... جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام بستی میں پہنچے تھے اور ٹھکے ہوئے

تھے اور بھوک بھی لگی ہوئی تھی تو انہوں نے بستی والوں سے کھانا مانگا۔ یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ ایسے وقت میں جب بھوک لگی ہوئی ہو تو انسان اگر کسی سے کھانا مانگ بھی لے تو یہ کوئی بُری چیز نہیں ہے، بلکہ ضرورت کے وقت کھانا طلب کر لینا، یہ ایک شرعی چیز ہے۔

۱۶..... حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو یہ فرمایا کہ آپ چاہتے تو دیوار کے بنانے پر اجرت لے لیتے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اپنے کسی عمل پر اجرت لینا بھی جائز ہے۔ اس لیے مزدور اگر مزدوری کرتے ہیں اور اجرت لیتے ہیں تو ان کے لیے اجرت لینا جائز ہے۔

۱۷..... حضرت خضر علیہ السلام نے بستی والوں کی دیوار کو سیدھا کر دیا تھا۔ اس سے پتہ چلا کہ بُروں کے ساتھ اچھائی کرنا ہمارے بڑوں کا طریقہ رہا ہے۔ وہ صرف اچھوں کے ساتھ اچھائی نہیں کرتے تھے، بلکہ بُروں کے ساتھ بھی اچھائی کر لیا کرتے تھے۔

۱۸..... اس واقعہ سے یہ بھی پتہ چلا کہ وقت کا بادشاہ کشتی کو غصب کر رہا تھا۔ کسی کے مال کو غصب کرنا، یہ حرام ہے۔

۱۹..... یہ بھی پتہ چلا کہ اگر کوئی ظالم کسی سے کوئی چیز غصب کر رہا ہو تو اس کے غصب سے بچنے کے لیے تدبیر کرنے کی بھی اجازت ہے۔ جیسے حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کو عیب دار بنادیا تھا۔

۲۰..... یہ بھی معلوم ہوا کہ نیک آدمی کی اولاد کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا خیال رکھنا چاہیے۔ اسی وجہ سے مشائخ اپنے مشائخ کی اولاد کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کے لیے فکر مند رہتے ہیں، اگرچہ اولاد کے وہ احوال نہیں ہوتے جو اُن کے آباؤ اجداد کے تھے۔

۲۱..... حضرت خضر علیہ السلام نے جس لڑکے کو قتل کیا اس کے بدلے اللہ تعالیٰ نے اس کے والدین کو اولاد عطا فرمائی تھی۔ اس میں دو روایتیں ہیں: ایک روایت میں یہ ہے کہ ان

کو ایک اور بیٹا ملا جو پہلے کی نسبت نیک بنا، ایمان والا بنا اور ماں باپ کا زیادہ فرمانبردار بنا۔ جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک بیٹی عطا فرمائی، وہ بیٹی اتنی نیک بنی کہ اس کی اولاد میں اللہ نے ستر انبیاء کو پیدا فرمادیا۔ گویا کہ یہ ماں باپ کے لیے بڑا نفع کا سودا تھا کہ جن کی بیٹی کی اولاد سے اللہ تعالیٰ نے ستر انبیاء کو پیدا فرمادیا۔

②..... بہت سے جاہل صوفی یہ سمجھتے ہیں کہ طریقت، شریعت کے علاوہ کوئی دوسری چیز ہے اور صاحب طریقت کے لیے شریعت پر چلنا لازم نہیں، یہ گمراہی اور کفر کی بات ہے، طریقت، شریعت کے علاوہ کوئی چیز نہیں، وہ تو شریعت کی خادمہ ہے، نفس کو احکام شریعت پر ڈالنے اور بشاشت کے ساتھ احکام شریعت کو ادا کرنے کی محنت کرنے کا نام ”تصوف“ ہے۔

③..... حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یوشع بن نون جو سفر پر ساتھ گئے، قرآن مجید کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام تک پہنچنے میں تو وہ ان کے ساتھ رہے، اس کے بعد ان کا تذکرہ نہیں آیا۔ بلکہ ان کے کشتی میں سوار ہونے کے متعلق تشنیہ کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام دونوں نے آگے سفر شروع کیا۔ لگتا ہے کہ وہ غلام وہیں رہ گئے، اس سے آگے ساتھ نہیں چلے۔

④..... حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں یہ بھی اختلاف ہے کہ وہ نبی تھے یا ولی تھے۔ لیکن اس پر زیادہ علماء کا اجماع ہے کہ وہ ولی تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو ”علم الافعال“ عطا فرمایا تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس نہیں تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے ان کے پاس یہ علم سکھنے کے لیے بھیجا تھا۔

⑤..... اگر علم حاصل کرنے کا موقع ختم ہو جائے تو اچھا طالب علم وہ ہے کہ جو دل میں



اس بات پر افسوس کرے کہ میں مکمل علم حاصل نہ کر سکا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب نبی ﷺ پر وحی اتری تو آپ ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا: رَحِمَ اللّٰهُ مُوسٰی لَوِ دِدْنَا لَوْ صَبَرَ حَتّٰی یَقْصَّ عَلَیْنَا مِنْ اَمْرِہِمَا [صحیح بخاری، رقم: ۱۲۲] (اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے، اگر وہ کچھ صبر کر لیتے تو ہو سکتا ہے کہ خضر سے ہمیں اور باتوں کا بھی پتہ چل جاتا)۔ گویا کہ نبی علیہ السلام نے اس چاہت کا اظہار فرمایا کہ کاش! ہمیں مزید چیزیں سیکھنے کا موقع مل جاتا۔

دیوار کی اجرت نہ لینے کا عذر: ﴿

### وَفَا فَعَلْتُ عَنْ اَمْرِیْ

اور میں نے یہ نہیں کیا اپنے حکم سے

مطلب یہ ہے کہ میرا یہ بظاہر خلاف شریعت فعل میری ذاتی رائے یا اجتہاد کا نتیجہ نہیں، بلکہ یہ اور پچھلے دونوں افعال سب الہاماتِ الہی ہی کے تابع ہوئے ہیں۔

### فوائد السلوک: ﴿

بعض لوگ کالمین کے لیے خلاف شرع امور جائز سمجھتے ہیں اور وہ حضرت خضر علیہ السلام کے اسی واقعہ سے دلیل پکڑتے ہیں، یہ ان کی کج فہمی ہے۔ کیونکہ حضرت خضر علیہ السلام کے یہ سب افعال بذریعہ وحی تھے، گویا کہ وہ شریعت تھی، بخلاف اولیاء کے ایسے کشف کے جو خلاف شریعت ہو، یہ نور نہیں ہے ظلمت ہے، حق نہیں، باطل ہے۔ واجب العمل نہیں، واجب الترك ہے۔ لیکن چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس وحی کی اطلاع نہیں ہوئی، اس لیے انہوں نے اعتراض کیا۔

ملکوتی صفات کے حامل اہل اللہ کی شان فرشتوں کی طرح ہوتی ہے۔ فرشتوں کے

بارے میں اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ فرمایا: ﴿وَيَفْعَلُونَ قَايُومَهُمْ﴾ (اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے)... اور حضرت خضر علیہ السلام کا مقولہ نقل فرمایا ہے: ﴿وَقَا فَعَلْتُ عَنْ أَهْرِي﴾ (اور میں نے کوئی کام اپنی رائے سے نہیں کیا)۔ وہ فنا فی اللہ کے مقام پر ہوتے ہیں کہ وہ اپنی مرضی سے کوئی کام نہیں کرتے، بلکہ انہوں نے اپنی مرضی اللہ کی مرضی پہ قربان کی ہوتی ہے، اپنی چاہت کو اللہ کی چاہت میں فنا کیا ہوتا ہے۔

..... اہل اللہ کی تعبیرات لطیف اشارات کی حامل ہوتی ہیں، بہتر یہ ہے کہ ان کی تعبیرات بلفظہ نقل کی جائیں، روایت بالمعنی نہ ہو، پہلا کلام بظاہر شر تھا، اور کشتی کو ظالم کے ہاتھ سے محفوظ رکھنا ماتحت الاسباب امور میں سے تھا، اس لیے فرمایا: ﴿فَارَدْتُ أَنْ أَعْيِبَهَا﴾... دوسرے واقعہ میں قتلِ غلام تو شر اور ماتحت الاسباب معاملہ تھا، لیکن اس کے بدلے میں نیک اولاد کا عنایت فرمانا خیر اور مافوق الاسباب امر تھا، تو فرمایا: ﴿فَارَدْنَا أَنْ يُبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا﴾... تیسرا معاملہ خیر محض تھا تو فرمایا: ﴿فَارَادَ رَبُّكَ﴾... ”رَبُّهُمَا“ اور ”رَبُّكَ“ کی تعبیر میں پھر کتنی لطافت ہے، سبحان اللہ! ”قتل ولد“ کا معاملہ بظاہر کتنا ہی مکروہ تھا، مگر والدین کی روحانی تربیت کی یہ ایک لطیف تدبیر تھی، جس طرح کہ یہ سارے آپ کے لیے ناگوار طبع امور آپ کی تربیت و تعلیم کی صورتیں ہیں۔ نیز اہل قریہ سے ترکِ ضیافت پر اتنا ناراض نہیں ہونا چاہیے کہ ان کے ساتھ احسان سے دست کشی اختیار کر لیں، کھلانے پلانے والی ذات تو کوئی اور ہے۔

### طلبہ کے لیے علمی نکتہ: ①

..... نبی علیہ السلام کے اپنے الفاظ اور ذاتی تعبیرات کی اپنی برکات ہیں۔ ہمارے اکابر روایت باللفظ کا بڑا خیال کرتے تھے، ایک ایک لفظ پہ تحقیق کرتے تھے۔ اگرچہ روایت

بالمعنی بھی جائز ہے۔ چنانچہ مسنون دعائیں جن الفاظ کے ساتھ منقول ہوتی ہیں، بعینہ انہی الفاظ کے ساتھ پڑھی جائیں تو زیادہ بہتر ہے۔ اس کے بارے میں علماء اور طلبہ تحقیق کریں کہ اصل الفاظ کیا ہیں، اور یہ تحقیق کرنا بہت بڑی عبادت ہے۔ ایک مثال میں آپ کو بتا دیتا ہوں۔ ہم کھانا کھانے سے پہلے دعا پڑھتے ہیں: ”بِسْمِ اللّٰهِ وَ عَلٰی بَرَکَۃِ اللّٰهِ“ حالانکہ حدیث پاک میں ”عَلٰی“ کا لفظ نہیں ہے، اگرچہ اس طرح پڑھنا جائز ہے، لیکن حدیث پاک میں صرف ”بِسْمِ اللّٰهِ وَ بَرَکَۃِ اللّٰهِ“ ہے۔ چنانچہ اس طرح پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔

روایت باللفظ کی اہمیت کا اندازہ بخاری شریف کی ایک حدیث سے لگا لیجیے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا کہ جب آپ رات کے وقت بستر پر سونے کے لیے آئیں تو ایسے وضو کرو جیسے نماز کے لیے وضو کرتے ہیں، پھر اپنی دائیں کروٹ پر لیٹ جائیں، پھر یہ دعا پڑھ لیا کریں: ”اَللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ اِلَيْكَ، وَ فَوَّضْتُ اَمْرِي اِلَيْكَ، وَ اَلْجَأْتُ ظَهْرِي اِلَيْكَ، رَغْبَةً وَ رَهْبَةً اِلَيْكَ، لَا مَلْجَأَ وَ لَا مُنْجَا مِنْكَ اِلَّا اِلَيْكَ، اَللّٰهُمَّ اَمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي اَنْزَلْتَ، وَ بِنَبِيِّكَ الَّذِي اَرْسَلْتَ“ (اے اللہ! میں نے تجھ سے اُمیدوار اور خائف ہو کر اپنا منہ تیری طرف جھکا دیا اور (اپنا) ہر کام تیرے سپرد کر دیا اور میں نے تجھے اپنا پشت و پناہ بنا لیا اور میں یقین رکھتا ہوں کہ تجھ سے (یعنی تیرے غضب سے) سوا تیرے پاس کے کوئی پناہ کی جگہ نہیں ہے۔ اے اللہ! میں اس کتاب پر ایمان لایا جو تُو نے نازل فرمائی ہے اور تیرے اس نبی پر (بھی) جسے تُو نے (ہدایت خلق کے لئے) بھیجا ہے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر آپ کو اسی رات موت آگئی تو آپ کو فطرت اسلام پہ موت آئے گی۔ اور ساتھ یہ بھی تاکید فرمائی کہ رات کو سوتے ہوئے آپ کے آخری الفاظ یہی

ہونے چاہئیں... حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے یہی دعا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دہرائی، جب دعا پڑھتے پڑھتے میں ان الفاظ ”اللّٰهُمَّ اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي اُنْزِلْتَ“ تک پہنچا تو میں نے ”بِنَبِيِّكَ“ کی جگہ ”بِرَسُولِكَ“ پڑھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً تنبیہ فرمائی کہ نہیں، نہیں! ”بِرَسُولِكَ“ نہ پڑھیے، بلکہ آپ میرے سکھائے ہوئے الفاظ (وَنَبِيِّكَ الَّذِي اُزْسَلْتَ) ہی پڑھیے۔ [صحیح بخاری، رقم: ۲۴۷۰]

اس میں علماء نے کئی نکتے لکھے ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ”نبی“ عام ہے، تمام انبیاء اور رسولوں کو شامل ہے، جبکہ ”رسول“ خاص ہے، مخصوص انبیاء کو شامل ہے۔ کیونکہ بات ایمان رکھنے کی تھی، اس لیے ”نبی“ کے لفظ کا انتخاب فرمایا کہ میں تمام انبیاء (جن میں رسول بھی آجاتے ہیں) پر ایمان رکھتا ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے تنبیہ لطیف کا بیان: (۱)

ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِيعْ عَلٰی صَبْرًا ۝۸۳

یہ ہے پھیران چیزوں کا جن پر ٹو صبر نہ کر سکا

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ یہی تفسیر ہے ان واقعات کی حقیقت کی، جو آپ سے

پوشیدہ رہی۔

فوائد السلوک: (۱)

ہے... علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس قصہ سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ آدمی کو اپنے علم پر غرور نہیں کرنا چاہیے اور جو بات پسند نہ آئے اور صحیح نہ معلوم ہو تو اس کے انکار میں جلدی نہ کرے۔ ممکن ہے اس کی تہ میں ایک ایسی پوشیدہ حقیقت ہو جس سے یہ شخص ناواقف ہو۔ میں کہتا ہوں جس شخص کی بات کو صحیح نہ سمجھا جا رہا ہو، اگر وہ عالم ہو،



دیندار ہو اور متقی ہو تب تو اس کے فعل کا فوری انکار کر دینا اور بھی نامناسب ہے۔ اس سے برابر سیکھنے کی کوشش کرنی چاہیے، معلم کا ادب کیا جائے، گفتگو میں تہذیب رکھی جائے۔ قصور وار کو اس کے قصور پر متنبہ کرنا اور پھر معاف کر دینا چاہیے اور جب اس سے بار بار قصور سرزد ہو تو اس سے جدائی اختیار کر لی جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے اس قصہ سے ان تمام امور کی تعلیم مستفاد ہو رہی ہے۔ [مظہری]

یہ... جس علم و فن سے انسان کو مناسبت ہو اسی کی طلب میں رہے، ورنہ طلب زیادہ نتیجہ خیز نہ ہوگی۔

یہ... اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مرشد کو چاہیے کہ مرید کو اس کی کمزوری کی طرف بار بار توجہ دلاتا رہے۔

### حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال پر حضرت خضر علیہ السلام کا آنا: ۱

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک (اجنبی) شخص آگیا، سفید داڑھی، کھلتا ہوا رنگ، جسامت میں بھاری، آتے ہی لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا آگے بڑھ گیا اور رونے لگا، پھر صحابہ کی طرف رخ کر کے کہا: ہر مصیبت کی تسلی اور ہر فوت شدہ کا عوض اور ہر مرنے والے کا جانشین اللہ ہی کے پاس ہے، اسی کی طرف رجوع کرو، وہ تمہاری اس مصیبت میں تم کو دیکھ رہا ہے، تم انتظار کرو، دکھ ایسے شخص کا ہے جس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد وہ آدمی واپس چلا گیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ [مظہری]

### حضرت خضر علیہ السلام دجال کا مقابلہ کریں گے: ۱

حدیث پاک میں آیا ہے کہ دجال مدینہ کے قریب ایک جگہ تک پہنچے گا تو مدینہ سے

ایک شخص اس کے مقابلہ کے لیے نکلے گا، جو اس زمانے کے سب انسانوں میں بہتر ہوگا یا بہتر لوگوں میں سے ہوگا۔ ابواسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "يَقَالُ إِنَّ هَذَا الرَّجُلَ هُوَ الْخَضِرُ عَلَيْهِ السَّلَامُ" [صحیح مسلم، رقم: ۲۹۳۸] (یہ شخص حضرت خضر علیہ السلام ہوں گے)۔

حیات و موت خضر کا مسئلہ عقیدہ نہیں ہے: ((

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ بعض حضرات نے مسئلہ ختم نبوت کو حیات خضر کے منافی سمجھا ہے، اس کا جواب بھی ظاہر ہے کہ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات ختم نبوت کے منافی نہیں، حضرت خضر علیہ السلام کی حیات بھی ایسی ہی ہو سکتی ہے۔

بعض حضرات نے حیات خضر پر یہ شبہ کیا ہے کہ اگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں موجود ہوتے تو ان پر لازم تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہو کر اسلامی خدمات میں مشغول ہوتے، کیونکہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام آج زندہ ہوتے تو ان کو بھی میرا ہی اتباع کرنا پڑتا۔ لیکن یہ کچھ بعید نہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام کی زندگی اور ان کی نبوت عام انبیاء شریعت سے مختلف ہو، ان کو چونکہ تکوینی خدمات منجانب اللہ سپرد ہیں، وہ ان کے لیے مخلوق سے الگ تھلگ اپنے کام پر مامور ہیں۔ رہا اتباع شریعت محمدیہ تو اس میں کوئی بعد نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بعد سے انہوں نے اپنا عمل شریعت محمدیہ پر شروع کر دیا ہو۔

ابوحیان نے تفسیر بحر محیط میں متعدد بزرگوں کے واقعات حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کے بھی نقل کیے ہیں، مگر ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے: "وَالْجُمْهُورُ عَلَى أَنَّهُ مَاتَ" [تفسیر البحر المحیط: ۲/۱۳۸] (جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ خضر علیہ السلام کی وفات ہو گئی)۔

تفسیر مظہری میں حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ تمام اشکالات کا حل اس میں ہے جو حضرت سید احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکاشفہ سے فرمایا، وہ یہ کہ میں نے خود حضرت خضر علیہ السلام سے اس معاملہ کو عالم کشف میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں اور الیاس علیہ السلام ہم دونوں زندہ نہیں ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ قدرت بخشی ہے کہ ہم زندہ آدمیوں کی شکل میں متشکل ہو کر لوگوں کی امداد مختلف صورتوں میں کرتے ہیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

حضرت خضر علیہ السلام کی موت و حیات سے ہمارا کوئی اعتقادی یا عملی مسئلہ متعلق نہیں، اسی لیے قرآن و سنت میں اس کے متعلق کوئی صراحت و وضاحت نہیں کی گئی، اس لیے اس میں زیادہ بحث و تمحیص کی بھی ضرورت نہیں، نہ کسی ایک جانب کا یقین رکھنا ہمارے لیے ضروری ہے، لیکن چونکہ یہ مسئلہ عوام میں چلا ہوا ہے، اس لیے مذکورہ تفصیلات نقل کر دی گئی ہیں۔

## حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے قصہ میں سبق

### علم کی انتہاء تک پہنچنا ناممکن:

اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم دنیا میں جتنا بھی علم حاصل کر لیں، ہم سے زیادہ علم والا اور بھی کوئی نہ کوئی موجود ہوگا۔ انسان کبھی بھی اشیاء کی حقیقت کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ وقت کے نبی ہیں، اگر وہ بھی اشیاء کی حقیقت کا احاطہ نہ کر سکے تو ہماری کیا بات ہے؟ ہم کس کھیت کی گاجر مولیٰ ہیں؟ ہماری کیا حیثیت ہے؟ اللہ تعالیٰ نے سورۃ کہف میں اس واقعہ کو اس لیے بیان کر دیا کہ سائنسی زمانہ آئے گا اور لوگ نئی نئی دریافتیں

کریں گے اور ان کو اپنے علم پہ بڑا ناز ہوگا کہ ہم یہ بھی جانتے ہیں، ہم یہ بھی جانتے ہیں، ہم سب جانتے ہیں۔ جب وہ یہ سمجھیں گے کہ ہم سب جانتے ہیں تو وہ دجال کے فتنے میں گرفتار ہو جائیں گے، اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کر دیا، تاکہ لوگو! سبق سیکھ لو کہ تم جتنا کچھ سیکھ جاؤ گے، تم سے اوپر بھی علم والا کوئی ہوگا، تم ہمیشہ سب کچھ سیکھنے کے بعد بھی یہ کہنا کہ اللہ ہی حقیقتِ حال کو بہتر جانتا ہے، تب تمہارا ایمان محفوظ رہے گا۔

آج بہت سارے لوگ ایسے ہیں جو سائنسی ترقیات کی وجہ سے اپنے علم کا دعویٰ کرتے ہیں۔ وہ دین کے علم کو چھوٹا سمجھتے ہیں اور دنیا کے علم کو بڑا سمجھنے لگ جاتے ہیں، اس طرح وہ ایمان سے محروم ہو جاتے ہیں۔ یہی دجالی فتنہ ہے۔ اس لیے سورہ کہف انسان کو دجال کے فتنے سے بچانے کے لیے اس کی ذہن سازی کر دیتی ہے، ایسا ذہن بنا دیتی ہے کہ بندے کا ایمان محفوظ ہو جاتا ہے اور وقت کے فتنے اس کے ایمان میں رخنہ نہیں ڈال سکتے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کے پاس جانے کا وقت آئے تو اے اللہ! پہلے ہم سے راضی ہونا اور پھر ہمیں کلمے پہ موت عطا فرما دینا۔

انسان کا علم جتنا بھی بڑھ جائے، وہ چیزوں کے حقائق کا احاطہ کبھی بھی نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ﴾ [یوسف: ۷۶] (ان سب کے اوپر ایک بڑا علم رکھنے والا موجود ہے)۔ اس لیے انسان کبھی بھی اپنے علم پر ناز نہ کرے۔ بلکہ جو علم ملا ہے اس کو اللہ کا احسان مانے۔

مفت سے مفتی !!

ہمارے اکابر کو جب کوئی مسئلہ معلوم نہ ہوتا تو فوراً کہہ دیتے تھے: ”لَا أَذْرِي“

(مجھے نہیں پتہ)۔ اور آج پتہ کچھ بھی نہیں ہوتا اور ہم مفتی بن کے ہر بات میں فتویٰ دے رہے ہوتے ہیں۔ مردوں کی بات تو مردوں تک ہے، گھر کی عورت سے بات پوچھ لو تو وہ بیچاری بھی مفتیہ بنی ہوئی ہوتی ہے، مگر وہ فتویٰ سے مفتیہ نہیں بنتی، وہ مفت سے مفتیہ بنتی ہے۔ پتہ نہیں ہوتا اور فتویٰ دے رہی ہوتی ہے کہ یہ تو ایسے ہے اور یہ تو ایسے ہے، ساتھ یہ بھی کہہ رہے ہوتے ہیں کہ میرے خیال میں ایسے ہے۔ بھئی! شریعت کی بات پوچھ رہے ہیں، تمہارا خیال تو نہیں پوچھ رہے، اپنے خیال کو اپنے پاس رکھو، ہمیں تو شریعت کی بات چاہیے۔

انسان کائنات کے نظام کی حقیقت تک کبھی بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اس کی حقیقت کو اللہ جانتا ہے یا جس کو اللہ وہ علم عطا فرمائے وہ بندہ جانتا ہے۔ اس واقعہ کو اس لیے بیان کیا کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ جب سائنس کا زمانہ ہوگا، نئی نئی دریافتیں ہوں گی اور لوگ نئے نئے کام کریں گے اور یوں محسوس ہوگا کہ ہم یہ کام کر رہے ہیں۔

جینیٹک انجینئرنگ کے کرشمے: (۱)

آج کل سائنس کی ایک شاخ ہے۔ اس کو ”جینیٹک انجینئرنگ“ کہتے ہیں۔ یہ ”جینیٹک انجینئرنگ“ بھی عجیب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس طریقے سے پیدا کیا، ڈی این اے کے اندر وہ فائل ہے۔ اس کے اندر پورا کوڈ لکھا ہوتا ہے۔ انسان آج اس کوڈ کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اسے اُن کوڈ کر رہا ہے۔ انسان نے اس کے تین ہزار سے زیادہ کوڈ کھول لیے ہیں۔ پتہ چل گیا ہے کہ بندے کی

..... آنکھیں کالی کیوں ہوتی ہیں؟

..... نیلی کیوں ہوتی ہیں؟

..... رنگ سفید کیوں ہوتا ہے؟

..... رنگ کالا کیوں ہوتا ہے؟

..... بال سیدھے کیوں ہوتے ہیں؟

..... آنکھیں کرلی (گھٹکھریالے) کیوں ہوتے ہیں؟

اب پتہ چلتا جا رہا ہے تو اگر انسان ڈی این اے کے اندر اپنی مرضی کی تبدیلی کر لے تو جیسی تبدیلی کرے گا، ہونے والا بچہ ویسا ہی پیدا ہوگا۔ گویا آنے والا بچہ انسان کی من مرضی کا پیدا ہوگا۔ اللہ نے انسان کو اتنا علم عطا فرما دیا ہے۔ یعنی ماں کے پیٹ کے اندر کا سمیٹک ورک ہوگا۔ ماں باپ پہلے جا کر ڈاکٹر کو بتائیں گے کہ ہم ایک ایسا بیٹا چاہتے ہیں، جس کی

..... آنکھیں ایسی ہوں،

..... رنگ ایسا ہو،

..... بال ایسے ہوں،

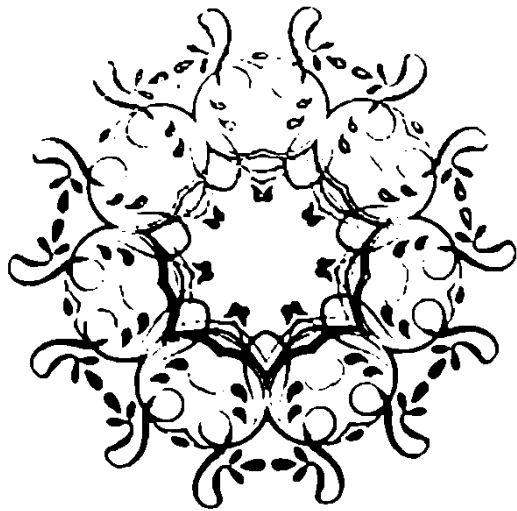
اس طرح ڈاکٹر ان کی Specification دیکھ کر ڈی این اے کے اندر ویسی ہی تبدیلیاں کرے گا اور پھر اس کے ذریعے سے وہ عورت حاملہ ہو جائے گی اور اس کا بیٹا اسی طرح کا ہوگا جیسی اس کی Specification بتائی گئی ہوگی۔ چونکہ آنے والے وقت میں ایسا ہونا تھا جس کی وجہ سے انسانوں کے ایمان اللہ سے ہٹ جانے تھے اور انہوں نے اپنے آپ کو خالق سمجھنا شروع کر دینا تھا، اس لیے اللہ نے ان کے ایمان کو بچانے کے لیے یہ واقعہ بیان فرما دیا کہ لوگو! تم علم جتنا بھی حاصل کر لو، تم کائنات کی حقیقتوں کا پورا علم کبھی بھی حاصل نہیں کر سکتے، تم اپنے آپ میں ہی رہو اور اپنی چادر سے

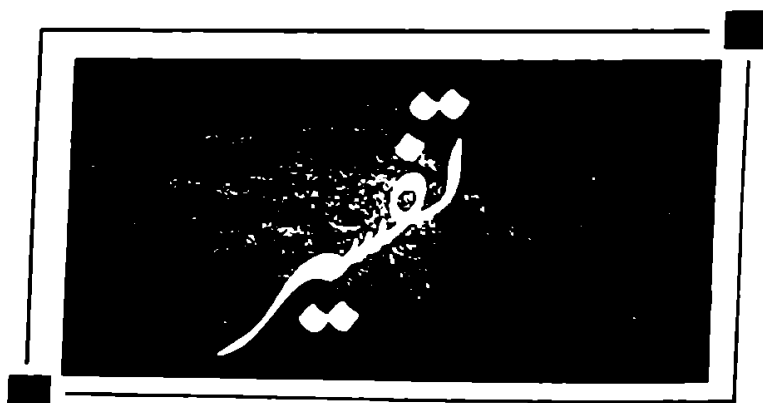
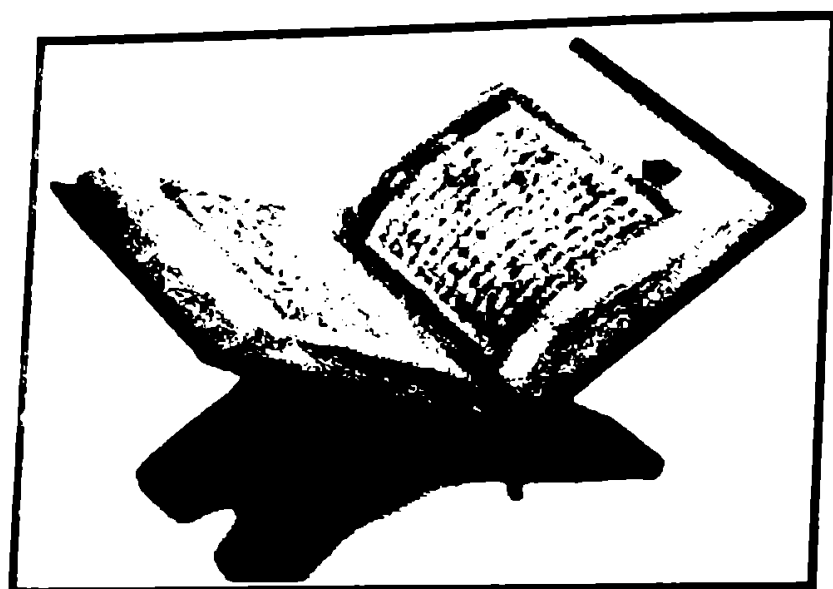
پاؤں باہر نہ نکالو۔ لہذا تم اللہ کو ہی اپنے سے بڑا علم والا سمجھو اور اللہ کے علم کے مطابق اپنی زندگی گزارو۔

یاد رکھیں! سائنس جتنی بھی ترقی کر جائے، یہ کبھی بھی تمام اشیاء کی حقیقتوں تک نہیں پہنچ سکتی۔ لہذا اگر کسی کو علم ہو تو وہ اس کو اللہ کی طرف منسوب کرے اور یہی سمجھے کہ اللہ جو کرتا ہے اس میں خیر ہوتی ہے، اسی میں بہتری ہوتی ہے، ہم پوری طرح نہیں جانتے، اللہ ہی حکمت کو بہتر جانتے ہیں۔

فوائد السلوک: (۱)

..... اس سے معلوم ہوا کہ ایسے مغیبات پر مطلع ہو جانا اور ان کا منکشف ہو جانا مقاصد میں سے نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام سے اکمل تھے، پھر بھی ان واقعات سے محجب رہے۔







## رکوع کا خلاصہ



اس رکوع میں:

ﷺ سے مشرکین کے سوال کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ ذوالقرنین کون تھا؟

[آیت: ۸۳]

ﷺ ذوالقرنین کی مضبوط حکمرانی اور اس کی مادی طاقت کو بیان کیا گیا ہے۔ [آیت: ۸۳]

ﷺ ذوالقرنین کے تین اسفار کا تذکرہ کیا گیا ہے:

پہلا سفر..... مغربی مہم کی فتوحات کو بیان کیا گیا ہے۔ [آیت: ۸۵-۸۸]

دوسرا سفر..... مشرقی مہم کی فتوحات کو بیان کیا گیا ہے۔ [آیت: ۸۹-۹۱]

تیسرا سفر..... غالباً شمالی مہم کی فتوحات کو بیان کیا گیا ہے۔ [آیت: ۹۲-۹۷]

ﷺ عقیدہ آخرت پر یقین سکندری کو بیان کیا گیا ہے کہ میری بنائی ہوئی دیوار صورِ

اسرائیل کے ساتھ ہی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے گی۔ [آیت: ۹۸]

ﷺ مبادی قیامت اور قیامت کو بیان کیا گیا ہے۔ [آیت: ۹۹]

..... کفار کا جہنم کو دیکھنے کا منظر بیان کیا گیا ہے۔ [آیت: ۱۰۰]

..... کفار کی دو علامتیں بیان کی گئی ہیں:

پہلی علامت..... اللہ کی یاد سے ان کی آنکھوں پہ پردہ پڑا ہوا ہے۔

دوسری علامت..... اور وہ سماعِ نافع کی طاقت نہیں رکھتے۔ [آیت: ۱۰۱]

### تین واقعات تین اُصول: (۱)

یہ بات گزشتہ سورت اور اس سورت کے مضامین کے سلسلہ میں بیان ہو چکی ہے کہ مشرکین مکہ نے یہودیوں کے ایماء پر حضور ﷺ سے تین سوال کیے تھے: پہلا سوال روح کے بارے میں تھا، جس کا مختصر جواب اللہ تعالیٰ نے سورۃ بنی اسرائیل میں دیا ہے۔ باقی دو سوالات اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کے متعلق تھے، جن میں سے اصحابِ کہف کی تفصیل اسی سورت کی ابتدا میں بیان ہو چکی ہے اور ذوالقرنین کے متعلق بعض انکشافات اب آرہے ہیں۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سورت میں مذکورہ تین واقعات میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے تین بنیادی قوانین بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ اصحابِ کہف کے واقعہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہمیں استقلال کا قانون سمجھایا ہے، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانے والے اصحابِ کہف اپنے ایمان پر ثابت قدم رہے اور نہایت بے سروسامانی کی حالت میں ایک غار میں پناہ گزیں ہو گئے۔

اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہر ایماندار شخص کو اصحابِ کہف کے واقعہ سے استقلال کی تعلیم حاصل کر کے ایمان کے سلسلہ میں ہمیشہ مستقل مزاج رہنا چاہیے، جس طرح اللہ نے اصحابِ کہف کی حفاظت فرمائی، اسی طرح وہ ہر استقلال اختیار کرنے

والے شخص کی مدد فرمائے گا۔

دوسرا واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کا بیان ہوا ہے، جس میں ہمارے لیے صبر کی تلقین ہے۔ انسان کو چاہیے کہ ناقابل فہم اور ناقابل برداشت امور میں صبر کا دامن تھامے رکھے۔ مذکورہ واقعہ میں موسیٰ علیہ السلام کو بڑی پریشانی اٹھانا پڑی، انہوں نے ہر چند برداشت کرنے کی کوشش کی، مگر وہ خضر علیہ السلام کی رفاقت کو قائم نہ رکھ سکے، خضر علیہ السلام نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ آپ میری معیت میں عجیب و غریب واقعات دیکھ کر صبر نہیں کر سکیں گے۔ چنانچہ ان تین واقعات کے علاوہ موسیٰ علیہ السلام مزید معلومات حاصل نہ کر سکے اور دونوں حضرات میں جدائی واقع ہو گئی۔ گویا اس واقعہ میں ہمارے لیے سبق یہ ہے کہ ہم صبر کا دامن کبھی نہ چھوڑیں۔

اور تیسرا واقعہ ذوالقرنین کا ہے جس میں ہمیں شکر کی تلقین کی گئی ہے۔ جس طرح ذوالقرنین نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات پا کر اس کا شکر ادا کیا، اسی طرح ہمیں بھی ہمیشہ شکر کا التزام کرنا چاہیے۔ [تفسیر معالم العرفان: تحت ہذہ الآیۃ]

## سکندر ذوالقرنین کا واقعہ

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْقَرْنَيْنِ ۖ قُلْ سَأَتْلُو عَلَيْكُمْ مِنْهُ ذِكْرًا ۞﴾

اور یہ لوگ تم سے ذوالقرنین کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ میں ان کا کچھ حال تمہیں پڑھ کر سنا تا ہوں۔

مشرکین مکہ نے نبی ﷺ سے جو تین سوالات پوچھے تھے، ان میں سے تیسرا سوال

یہ پوچھا کہ سکندر ذوالقرنین کون تھا؟

سوالِ مشرکین کا بیان: (۱)

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ﴾

اور تجھ سے پوچھتے ہیں ذوالقرنین کے بارے میں

ذوالقرنین کا نام تھا سکندر۔ بعض مفسرین نے سکندر مقدونی کے بارے میں لکھا کہ شاید وہ سکندر ذوالقرنین تھا۔ مگر بہت سارے مفسرین نے اس کا انکار کیا؛ اس لیے کہ سکندر مقدونی ایک فاسق و فاجر آدمی تھا، جبکہ قرآن مجید میں سکندر ذوالقرنین کے بارے میں ہے کہ وہ ایک نیک آدمی تھا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک مقبول درجہ رکھتا تھا۔ تو یہ ایک دوسرا ذوالقرنین ہے جس کا نام سکندر تھا۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ ایک بڑھیا کا بیٹا تھا اور ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ کوئی بادشاہ نہیں تھا، بلکہ نیکی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو دلوں کی بادشاہی عطا فرمادی تھی؛ اس لیے کہ یہ جہاں بھی ہوتا تھا، لوگوں کے دل اس کی طرف کھینچتے تھے اور یہ گویا ان کا بادشاہ سمجھا جاتا تھا۔ ورنہ یہ کوئی حسب و نسب سے بادشاہ نہیں تھا۔

لفظ ”قرنین“ کی مختلف تفسیریں: (۱)

ان کو ”ذوالقرنین“ کیوں کہتے ہیں۔ ذوالقرنین یعنی دو قرن والا۔ اس کے بارے میں مفسرین کی مختلف آراء ہیں:

①..... عام لوگ سمجھتے ہیں کہ شاید ان کے سر پر دوزخم تھے اور ان کو چھپانے کے لیے وہ عمامہ باندھا کرتے تھے، اس لیے ان کو ذوالقرنین کہا جاتا ہے۔

②..... بعض مفسرین نے کہا: نہیں۔ چونکہ انہوں نے مشرق کا سفر کیا، END (آخر)

تک اور مغرب کا بھی سفر کیا END (آخر) تک۔ ان کو ”قرن“ کہتے ہیں۔ دو قرن کی وجہ سے ان کو ”ذوالقرنین“ کہتے ہیں۔ یعنی وہ بندہ جس کو اللہ تعالیٰ نے زمین کے دونوں سروں تک جانے کی توفیق عطا فرمادی۔

③..... بعض مفسرین نے کہا: نہیں۔ اللہ رب العزت نے ان کو گورے اور کالے، ہر ایک کے اوپر ایک جیسا مقام عطا فرمایا تھا، اس وجہ سے ان کو ”ذوالقرنین“ کہا جاتا ہے۔

④..... بعض مفسرین نے لکھا کہ ان کے بالوں کی دو لٹیں تھیں۔ ان دو لٹوں کی وجہ سے ان کو ”ذوالقرنین“ کہا جاتا ہے۔

بہر حال اس سے تو بحث نہیں ہے کہ بنیادی وجہ کیا تھی، مگر ان کا نام ”ذوالقرنین“ بھی مشہور ہو گیا تھا۔

### ذوالقرنین کی نبوت اور ولایت میں اختلاف:

مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ نبی تھے یا ولی تھے؟ اکثر مفسرین نے کہا کہ نبی نہیں تھے، بلکہ اللہ کے ولی تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ سکندر ذوالقرنین کون تھا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ وہ اللہ کا ایک نیک بندہ تھا اور اس کی نیکی کی وجہ سے اس پر اللہ کی خاص رحمتیں تھیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو اسباب کا علم بھی عطا کیا تھا اور اسباب مہیا بھی کیے تھے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے سفر کرنا بھی آسان کر دیا تھا۔ بعض تفاسیر میں لکھا ہے کہ وہ بادلوں میں سفر کرتے تھے۔ جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت ہوا میں اڑتا تھا، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی ایسا ملکہ دیا تھا کہ وہ بادلوں میں سفر کرتے تھے۔ حقیقت حال کو اللہ بہتر جانتے ہیں، لیکن کوئی ایسا سلسلہ ضرور تھا کہ وہ تیزی کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ تک سفر کرتے تھے۔

## ذوالقرنین کے چار فضائل: (۱)

ابن ابی حاتم نے بکر بن مضر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہشام بن عبد الملک نے ذوالقرنین کے بارے میں ان سے سوال کیا: کیا وہ نبی تھے؟ انہوں نے کہا: نہیں، لیکن ان کو جو کچھ عطا کیا گیا تھا، وہ چار فضائل کی وجہ سے عطا کیا گیا تھا:

①..... ”كَانَ إِذَا قَدَّرَ عَفَا“ (جب وہ کسی کو سزا دینے پر قادر ہوتے تھے تو معاف کر دیتے تھے)۔

②..... ”وَ إِذَا وَعَدَ وَفَى“ (جب وعدہ کرتے تھے تو اسے پورا کرتے تھے)۔

③..... ”وَ إِذَا حَدَّثَ صَدَقَ“ (جب بات کرتے تھے تو سچ بولتے تھے)۔

④..... ”وَ لَا يَجْمَعُ الْيَوْمَ لِعَدٍ“ (اور کل کے لیے جمع نہیں رکھتے تھے)۔

[تفسیر درمنثور: تحت هذه الآية من سورة الكهف]

## ذوالقرنین کی فقیری: (۱)

امام مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ذوالقرنین ساری زمین کا بادشاہ تھا، سوائے مارب والی بلقیس کے۔ اور ذوالقرنین مسکینوں والے کپڑے پہنتا تھا، پھر وہ شہروں میں داخل ہو جاتا تھا اور وہ ان کے عیوب کو دیکھتا تھا، ان کے رہنے والوں کو قتل کرنے سے پہلے بلقیس کو اس بات کی خبر ہوئی تو اس نے اپنا ایک قاصد بھیجا، تاکہ اس کی ایک تصویر بنا لائے، جب وہ اپنے مالک میں بیٹھا ہو اور ایک اس کی تصویر مساکین کے کپڑوں میں بنا لائے، بلقیس نے مساکین کو جمع کرنا اور ان کو کھانا کھلانا شروع کیا، اس کے پاس اس کا قاصد تصویر لے کر آیا، اس نے ایک تصویر اپنے قریب رکھی اور دوسری تصویر باب الاسطوانہ پر رکھی اور وہ ہر دن مساکین کو کھلاتی تھی۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہو گئے تو

اس نے ایک ایک کو دیکھا، وہ باہر نکل رہے تھے، یہاں تک کہ ذوالقرنین مسکینوں کے لباس میں آیا اور اس کے شہر میں داخل ہوا، پھر مساکین کے ساتھ کھانے کے لیے بیٹھا، ان کی طرف کھانا قریب کیا گیا، جب وہ لوگ فارغ ہو گئے تو ان کو ایک ایک کر کے باہر نکالا گیا اور یہ اس کی صورت کی طرف مساکین کے کپڑوں میں دیکھ رہی تھی، یہاں تک کہ ذوالقرنین گزرے تو اس کی صورت کی طرف دیکھ کر کہا: ان کو بٹھا دو اور باقی مساکین کو نکال دو۔ ذوالقرنین نے اس سے کہا: تو نے مجھے کیوں بٹھایا؟ میں بھی تو مسکین ہوں۔ کہنے لگی: نہیں! تو ذوالقرنین ہے، یہ تیری صورت مساکین کے کپڑوں میں بنی ہوئی ہے، اللہ کی قسم! مجھ سے جدا نہیں ہوگا، یہاں تک کہ تو میرے لیے میری بادشاہت کے بارے میں امان لکھ دے یا میں تیری گردن اُتار دوں گی۔ جب ذوالقرنین نے یہ دیکھا تو اس کے لیے امان لکھ دی۔ سوائے بلقیس کے علاقہ کے اور کوئی علاقہ ذوالقرنین کی فتح سے نہیں بچا۔ [تفسیر درمنثور: تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

### عجیب و غریب لوگ:

ذوالقرنین اپنے کسی سفر میں تھے کہ ایک قوم پران کا گزر ہوا، ان کی قبریں ان کے گھروں کے دروازہ پر تھیں اور ان کے کپڑے ایک ہی رنگ کے تھے اور وہ سب کے سب مرد تھے، ان میں کوئی عورت نہیں تھی۔ ان میں سے ایک آدمی سے انہوں نے ملاقات کی اور اس سے کہا: میں نے یہاں ایسی چیز دیکھی ہے جو میں نے اپنے سفروں میں کہیں اور نہیں دیکھی۔ پوچھا: وہ کیا ہے؟ ذوالقرنین نے جو کچھ اس قوم میں دیکھا تھا اس سے بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ ہمارے دروازوں پر قبریں اس لیے ہیں کہ ہم نے ان کو اپنے دلوں کے لیے نصیحت بنایا ہوا ہے، تاکہ کسی کے دل میں دنیا کا خیال نہ آئے۔

پس جب کوئی باہر نکلے تو اپنی قبروں کو دیکھ کر اپنی ذات کی طرف رجوع کرے اور کہے کہ اس ٹھکانے کی طرف مجھے لوٹنا ہے اور اسی جگہ کی طرف مجھ سے پہلے والے لوگ لوٹ گئے ہیں، لیکن ہمارے ایک رنگ کے لباس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی شخص اعلیٰ کپڑے پہن کر اپنے ساتھی پر فضیلت نہ جتائے۔ باقی رہی یہ بات کہ یہاں سب مرد ہیں، ان کے ساتھ کوئی عورت کیوں نہیں؟ میری عمر کی قسم! ہمیں مرد اور عورت سے پیدا کیا گیا ہے، لیکن دل ایسا ہے کہ اگر کسی بھی چیز میں مشغول نہ ہو تو پھر بھی یہ عورت کے ساتھ مشغول ہو جاتا ہے، اس لیے ہم نے اپنی عورتوں اور اپنے بچوں کو قریب ایک بستی میں بسایا ہوا ہے اور جب کوئی آدمی اپنے گھر والی کے ساتھ قرب کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اپنی بیوی کے پاس آتا ہے، ایک رات یا دو راتیں اس کے ساتھ گزارتا ہے، پھر یہاں واپس آ جاتا ہے۔ اور ہم یہاں عبادت کے لیے اکیلے رہتے ہیں۔ میں تم کو کسی ایسی بات سے نصیحت نہیں کر سکتا جو تم نے خود اپنے نفسوں کے بارے میں تجویز کر رکھی ہے، مجھ سے آپ جو چیز مانگیں گے، میں آپ کو دے دوں گا۔ اس نے پوچھا: تو کون ہے؟ کہا: میں ذوالقرنین ہوں۔ اس نے کہا: میں تجھ سے کیا سوال کروں جبکہ تو میرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہے؟ ذوالقرنین نے کہا: کس طرح؟ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر چیز تک پہنچنے کا سامان عطا فرمایا ہے۔ پوچھا: کیا تو اس بات پر قادر ہے کہ جو چیز میری تقدیر میں نہیں لکھی ہوئی، اس کو میرے پاس لائے اور کیا تو مجھ سے وہ چیز دور کر سکتا ہے جو چیز میری تقدیر میں لکھی ہوئی

ہے؟ [تفسیر درمنثور]

تمہید قصہ: ①

قُلْ سَأَتْلُو عَلَيْكُمْ مِنْهُ ذِكْرًا ۝



کہہ! اب پڑھتا ہوں تمہارے آگے اس کا کچھ حال  
مطلب یہ ہے کہ اس کی پوری تفصیل تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور ساری تفصیل بتانے کی  
ضرورت بھی نہیں ہے، اختصار کے ساتھ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مجھے بتلایا ہے وہ میں تمہیں  
پڑھ کر سنا تا ہوں۔

إِنَّا مَكْنَنَآ لَہِیَ الْاَرْضِ وَآتَيْنَا مِنْ کُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا ۝

واقعہ یہ ہے کہ ہم نے ان کو زمین میں اقتدار بخشا تھا، اور انہیں ہر کام کے وسائل عطا  
کیے تھے۔

ذوالقرنین کی حکمرانی کا بیان: ۱۰

إِنَّا مَكْنَنَآ لَہِیَ الْاَرْضِ

ہم نے اس کو جمایا تھا ملک میں

مطلب یہ ہے کہ ہم اس کو ایک مضبوط بادشاہت عطا فرمائی تھی، جس کی مثال تاریخ  
کفر میں نہیں ملتی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بادل کو ذوالقرنین کے حکم کے تابع بنا دیا گیا تھا، ابر پر  
وہ سوار ہوتا تھا، اس کے ذرائع دراز کر دیے گئے تھے، اس کے لیے روشنی پھیلا دی گئی تھی،  
یعنی رات بھی اس کے لیے روشن کر دی گئی تھی، رات دن اس کے لیے برابر تھے، تمکین فی  
الارض کا یہی معنی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ زمین پر رفتار اس کے لیے آسان کر دی گئی اور  
سارے راستے اس کے لیے کھول دیے گئے تھے۔ راستے آسان کرنے کا شاید یہ مقصود ہو  
کہ ہر طرح کی سواری اس کو میسر تھی اور رات دن یا موسم کا اختلاف اس کی رفتار پر اثر

انداز نہ ہوتا تھا۔ [مظہری]

فوائد السلوک: (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ مال و اسباب کا حاصل ہونا اور جاہ و سلطنت کا حصول، کمال کے منافی نہیں۔

ذوالقرنین کی مادی طاقت: (۱)

وَأَتَيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ۝

اور دیا تھا ہم نے اس کو ہر چیز کا سامان

اُسے ہر چیز کا سامان دیا گیا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ مقصد تک پہنچانے والے اسباب ہم نے ذوالقرنین کو دے دیئے تھے۔ چنانچہ:

..... اللہ تعالیٰ نے ان کو زمین کے وسائل کا علم بھی دیا تھا اور جب ان کو ضرورت پڑتی تھی تو ہر چیز ان کے لیے مہیا ہو جاتی تھی اور مخلوق کو جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے ذوالقرنین کو اس کے حصول کے ذرائع ہم نے دے دیئے تھے۔

..... اسی طرح بادشاہوں کو دشمنوں سے لڑنے اور ملک فتح کرنے میں جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب ذوالقرنین کو ہم نے دے دی تھیں۔

..... اور زمین کے کناروں کو ہم نے اس کے لیے قریب کر دیا تھا۔

فوائد السلوک: (۲)

شیخ علی خواص فرماتے ہیں کہ اسباب کو ترک نہیں کرنا چاہیے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایسے لوگوں کی تعریف فرمائی ہے، جنہوں نے اسباب کو اختیار کیا اور اس کے باوجود وہ اللہ کی یاد سے غافل نہ ہوئے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[illegible]

محکم دلائل سے مزین و متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۱۰۔ صحابہ کبر، کافروں کا فروغ، مفرور، روا سے بھاگ کر پہاڑ کی غار میں جا کر چھپے اور ذواتِ قرنین یہ چون۔ چون جیسے ظالموں اور مفسدوں کو پہاڑ کے چھپے دکھیل کر آہنی دیوار کا قہر بہا تھا کہ وہ کافروں کا فرمانروا اور قہر پر دانا ملک میں داخل ہو کر قہر و فساد برپا نہ کر سکے۔

۱۱۔ صحابہ کبر کافروں اور ظالموں سے ڈر کر غار میں جا کر چھپے اور ذواتِ قرنین حیر بادشاہِ مشرق سے لے کر مغرب تک کافروں اور ظالموں کو دھمکا تا ہوا چلا گیا۔

[معارف القرآن کا ذخیرہ: تحت ہذا آیہ]

## حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا اثر:

ذوالقرنین، ابراہیم علیہ السلام کا معصر تھا۔ ان پر ایمان لایا تھا اور ان کے صحابہ میں سے تھا۔ خانہ کعبہ کے سامنے ان سے ملا، مصافحہ کیا اور دعا کی درخواست کی۔ ان کی دعا کی برکت سے مشرق و مغرب کا سفر اس پر آسان ہو گیا اور خارقِ عادت اور محیر العقول فتوحات پر اس کو قدرت حاصل ہوئی اور خضر علیہ السلام اس کے وزیر یا تدبیر یا امیر لشکر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کو بادشاہت کے ساتھ ساتھ علم و حکمت بھی عطا فرمائی اور ہیبت کا لباس پہنایا کہ تمام روئے زمین کے بادشاہ ان کے تابع تھے اور اس سے ڈرتے

تھے۔ | حوالہ بالا |

## سکندر ذوالقرنین کے تین اسفار کا ذکر

﴿فَاتَّبَعَ سَبَبًا﴾ (۸۵)

جس کے نتیجے میں وہ ایک راستے کے پیچھے چل پڑے۔

پہلا سفر..... مغربی مہم کا آغاز: (۱)

﴿فَاتَّبَعَ سَبَبًا﴾ (۸۵)

پھر پیچھے پڑا ایک سامان کے

یہاں سے ذوالقرنین کے پہلے سفر کے آغاز کو بیان کیا جا رہا ہے، جو کہ مغرب کی طرف ہوا تھا۔

﴿وَحَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا قُلْنَا يَذَّالِقُنَّ الْقَرْنَيْنِ إِنَّا أَنْتُعَذِّبُ وَإِنَّا أَنْتَتَّخِذُ فِيهِمْ حُسْنًا﴾ (۸۶)

یہاں تک کہ جب وہ سورج کے ڈوبنے کی جگہ پہنچے تو انہیں دکھائی دیا کہ وہ ایک دلدل جیسے (سیاہ) چشمے میں ڈوب رہا ہے۔ اور وہاں انہیں ایک قوم ملی۔ ہم نے (ان سے) کہا: اے ذوالقرنین! (تمہارے پاس دو راستے ہیں) یا تو ان لوگوں کو سزا دو، یا پھر ان کے معاملے میں اچھا رویہ اختیار کرو۔

ذوالقرنین مغرب میں منتہائے آبادی پر : (۱)

خَتَّىٰ اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ

یہاں تک کہ جب پہنچا سورج ڈوبنے کی جگہ

ذوالقرنین کو شوق ہوا کہ وہ دیکھے کہ دنیا کی آبادی کہاں تک بسی ہے؟ چنانچہ اسی شوق میں وہ مغرب کی طرف اس جگہ پر پہنچا جہاں ایک دلدل تھی، جہاں نہ گزرا آدمی کا نہ شتی کا۔ اللہ کے ملک کی حد نہ پاسکا۔

دنیا کا آخری کنارہ : (۱)

مجھے اپنی زندگی میں ایک ایسی جگہ دیکھنے کا موقع ملا، جس کو End of the World (دنیا کا آخری کنارہ) کہتے ہیں۔ لوگ لاکھوں روپے لگا کر اس کو دیکھنے کے لیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہم عاجز مسکینوں کو دین کی نسبت سے وہاں پہنچا دیا..... وہ ایک ایسی جگہ ہے کہ جہاں پر آگے سمندر ہے..... اس کو دنیا کا آخری کنارہ کیوں کہتے ہیں؟..... اس کی وجہ بھی سمجھ لیجیے۔ وجہ یہ ہے کہ سورج عام طور پر ایک طرف سے طلوع ہوتا ہے اور دوسری طرف غروب ہوتا ہے۔ وہ ایسی جگہ ہے جہاں سال میں ایک دن ایسا آتا ہے کہ سورج غروب ہونے کے لیے آتا ہے اور غروب ہوتے ہوتے پھر طلوع ہونا شروع ہو جاتا ہے، وہاں پہ رات نہیں ہوتی۔ چونکہ اس جگہ پر یہ منظر دیکھا جاسکتا ہے اس لیے دنیا سے لاکھوں بندے اس دن خاص طور پر اس منظر کو دیکھنے کے لیے وہاں پہنچتے ہیں اور اس وجہ سے اس جگہ کو دنیا کا آخری کنارہ کہتے ہیں۔ یعنی یہ وہ کنارہ ہے جہاں سے ہم سورج کو غروب ہوتے ہوئے اور طلوع ہوتے ہوئے آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔

سورج غروب ہونے کا منظر: (۱)

وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ

پایا کہ وہ ڈوبتا ہے ایک دلدل کی ندی میں

یعنی یوں نظر آیا جیسے سمندر میں سفر کرنے والوں کو معلوم ہوتا ہے کہ سورج پانی میں سے نکل رہا ہے اور پانی ہی میں ڈوب رہا ہے... دراصل اگر بندہ سمندر کے کنارے پر کھڑا ہو اور دور سے سورج کو ڈوبتا دیکھ رہا ہو تو یوں نظر آتا ہے کہ سمندر کے اندر سورج ڈوب رہا ہے، حالانکہ وہ سمندر کے اندر نہیں ڈوبتا، وہ تو دور ڈوب رہا ہوتا ہے، لیکن دیکھنے والے کو یوں لگتا ہے کہ سمندر کے اندر ڈوب رہا ہے۔ اس لیے فرمایا کہ جیسے کوئی دلدل والا چشمہ تھا اور اس کے اندر سورج ڈوب رہا تھا۔

ذوالقرنین کی پہلی ملاقات، کافرقوم سے: ﴿۱﴾

وَوَجَدَا عِنْدَهَا قَوْمًا

اور پایا اس کے پاس لوگوں کو

حدیث پاک میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورج کی طرف دیکھا۔ جب وہ غروب ہو رہا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”نَارُ اللَّهِ الْحَامِيَّةُ، لَوْ مَا يَزَعُهَا مِنْ أَمْرِ اللَّهِ لَأُخْرِقَتْ مَا عَلَى الْأَرْضِ“ [تفسیر درمنثور: تحت هذه الآية من سورة الكهف] (اللہ کی گرم کی ہوئی آگ ہے، اگر اللہ نے اسے نہ روکا ہوتا تو یہ زمین پر سب کچھ جلا دیتا)۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے ایک گدھے پر سوار تھا، آپ ﷺ نے سورج کو غروب ہوتے ہوئے دیکھا تو مجھ سے پوچھا: ”أَتَذَرِنِي أَنْ تَغْرُبَ؟“ (کیا تو جانتا ہے یہ کہاں غروب ہوتا ہے؟) میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا

رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ پھر فرمایا: ”فَإِنَّهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَامِيَةٍ، غَيْرَ مَنفُوزَةٍ“  
(وہ ایک گرم چشمے میں غروب ہوتا ہے، یعنی بغیر ہمزہ کے پڑھا)۔ [حوالہ: ۱۱۱]

طلبہ کے لیے علمی نکتہ: (۱)

سوال نمبر ۱: ﴿وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ﴾ (ذوالقرنین کو سورج ایک سیاہ پانی میں ڈوبتا ہوا دکھائی دیا)۔ سورج تو زمین سے بہت بڑا ہے، پھر زمین کے ایک چشمے میں ایسی وسعت کہاں کہ سورج اس میں غروب ہو جائے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَجَدَهَا﴾ (سورج کو پایا) کا مطلب ہے: ”وَجَدَهَا فِي زَعْمِهِ وَظَنِّهِ“ (اپنے گمان و زعم کے مطابق غروب ہوتا ہوا پایا)۔ یعنی درحقیقت سورج اس میں غروب نہیں ہو رہا تھا، بلکہ ذوالقرنین کی نظر میں ایسا لگ رہا تھا۔ جیسا کہ سمندر میں سفر کرنے والا اگر سمندر کے وسط میں چلے گا تو اس پاس کے ساحل نظروں سے اوجھل ہو جائیں تو سورج کو سمندر سے طلوع اور سمندر ہی میں غروب ہوتا دیکھے گا۔ اسی طرح ذوالقرنین چلتے چلتے مغرب تک پہنچ گئے، وہاں ایک عظیم چشمہ پایا اور دیکھا گویا کہ سورج اس میں غروب ہو رہا ہے۔

سوال نمبر ۲: ذوالقرنین علی اختلاف الاقوال، نبی، مردِ صالح یا حکیم ہیں۔ ایسے عظیم آدمی پر سورج کے غروب ہونے کا معاملہ کیسے مشتبہ ہوا؟ حتیٰ کہ عقلاً ایک محال چیز (سورج کا زمین کے چشمے میں غروب ہونے) کا گمان کرنے لگے۔

جواب اول: انبیاء، اولیاء اور دانالوگوں کے گمان بھی کبھی غلط ہوتے ہیں۔ اگرچہ انبیاء کرام علیہم السلام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔ دیکھیے! حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تینوں واقعات میں حضرت خضر علیہ السلام پر نکیر فرمائی۔

جواب ثانی: اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہیں، بڑے سے بڑے جسم کو چھوٹا کر سکتے ہیں اور سورج کے عظیم جسم کو چھوٹا کر کے زمین کو وسعت دینے پر قادر ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ سورج کو سکیڑ کر زمین میں غروب کر دیں اور ہمیں اس کا ادراک نہ ہو۔

[مسائل الرازی، صفحہ ۲۴۸، ۲۴۹]

## فسادی قوم سے سلوک میں اختیار: (۱)

قُلْنَا يٰۤاَلْقُرْآنُ اِنَّا اَنْتُ تُعَذِّبُ وَاِنَّا اَنْتُ تَخِذُ فِيْهِمْ حُسْنًا ﴿۱۱﴾

ہم نے کہا: اے ذوالقرنین! یا تو تو لوگوں کو تکلیف دے اور یا رکھ ان میں خوبی اللہ رب العزت نے الہام فرما کر ذوالقرنین کو یہ چوائس دیا تھا کہ یہ لوگ ایمان پہ نہیں ہیں، اگر آپ چاہیں تو ان کا قتل کر دیں اور اگر چاہیں تو ان پر دین کی دعوت کو پیش کریں، جو دین قبول کر لیں وہ مامون ہو جائیں گے اور جو دین قبول نہیں کریں گے تو اگر آپ چاہیں تو پھر ان کو آپ سزا دے دیں۔

## حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ: (۱)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اجتماعی نظام کے لیے ضروری ہے کہ اچھے لوگوں کے ساتھ نیک سلوک کیا جائے اور بد معاشوں کی سرکوبی کی جائے۔ اگر ایسا نہیں ہوگا تو نظام سلطنت بگڑ جائے گا اور ملک میں بد امنی پیدا ہو جائے گی، البتہ انگریزی قانون میں اس اصول کی پابندی نہیں کی جاتی، وہاں تو مفاد کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ کس طرف ہے، بعض اوقات مفاد کی خاطر غنڈوں کو بھی سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج دنیا میں فتنہ و فساد کا بازار گرم ہے۔



### طلبہ کے لیے علمی نکتہ: (۱)

سوال: ﴿قُلْنَا يٰذَا الْقُرْنَيْنِ اِنَّا اَنْتُ عَذِيبٌ وَّاقَا اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنَآ﴾ (ہم نے کہا: اے ذوالقرنین! یا تو تو لوگوں کو تکلیف دے اور یا رکھ ان میں خوبی)۔ یہ آیت ذوالقرنین کے نبی ہونے پر دلالت کر رہی ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے خطاب کیا۔

جواب: جو لوگ ان کی نبوت کے قائل نہیں ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہ خطاب اس وقت کے نبی کے واسطے سے کیا۔ جیسا کہ فرمان الہی ہے: ﴿يٰبَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ﴾ وغیرہ۔ بنی اسرائیل کو یہ خطاب وقت کے نبی کی وساطت سے ہے۔

[مسائل الرازی، صفحہ ۲۴۹]

﴿قَالَ اَقَامَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُہٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰی رَبِّہٖ فَيُعَذِّبُہٗ عَذَابًا نُّکْرًا﴾ (۸۷)

انہوں نے کہا: ان میں سے جو کوئی ظلم کا راستہ اختیار کرے گا، اسے تو ہم سزا دیں گے، پھر اسے اپنے رب کے پاس پہنچا دیا جائے گا، اور وہ اسے سخت عذاب دے گا۔

### ظالم کا انجام دنیوی: (۱)

قَالَ اَقَامَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُہٗ

بولا: جو کوئی ہوگا بے انصاف سو ہم اس کو سزا دیں گے  
یعنی اللہ کے حکم کی تعمیل میں یا اللہ کی طرف سے اختیار ملنے کے بعد جب اس نے دعوت اسلام دے دی تو کہا کہ میری اس دعوت کے بعد جو کوئی کفر پر جمارہا اور شرک کی

صورت میں اپنے اوپر خود ظلم کرتا رہا تو میں اور میرے ساتھی اس کو قتل کر دیں گے۔  
ظالم کا انجامِ اُخروی: (۱)

ثُمَّ يُرَدُّ إِلَىٰ رَبِّهِ فَيُعَذِّبُهُ عَذَابًا ثَكْرًا ﴿۸۵﴾

پھر لوٹ جائے گا اپنے رب کے پاس وہ عذاب دے گا اس کو برا عذاب  
جو دعوتِ ایمانی کے باوجود کفر و شرک پر ڈٹا رہے گا تو آخرت میں اللہ اس کو ایسا  
عذاب دے گا جو کسی کے علم میں نہیں، وہ اتنا عظیم ترین اور غیر معمولی ہوگا کہ اس دنیا میں  
کسی کے سامنے نہیں آیا۔

﴿وَأَقَامَنَّ أَهْلَ الْأَيْمَانِ وَاعْمَلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ جَزَاءُ الْحُسْنَىٰ ۖ وَسَنَقُولُ لَهُ مِنْ أَمْرِنَا  
لُيْسَ ۙ﴾ ﴿۸۶﴾

البتہ جو کوئی ایمان لائے گا، اور نیک عمل کرے گا تو وہ بدلے کے طور پر اچھے انجام کا  
مستحق ہوگا، اور ہم بھی اس کو اپنا حکم دیتے وقت آسانی کی بات کہیں گے۔

مومن صالح کا انجامِ اُخروی: (۱)

وَأَقَامَنَّ أَهْلَ الْأَيْمَانِ وَاعْمَلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ جَزَاءُ الْحُسْنَىٰ

اور جو کوئی یقین لایا اور کیا اس نے بھلا کام، سو اس کا بدلہ بھلائی ہے  
چنانچہ جو شخص ایمان اور عملِ صالح والا ہوگا تو اس کے لیے پھر اچھا بدلہ ہے، دنیا میں  
بھی اور آخرت میں بھی۔ اور اگر اچھا عمل نہیں کیا تو نقصان کا باعث ہوگا۔ اور اگر ایمان  
ہی نہیں ہے تو پھر بربادی ہی بربادی ہے..... إِنَّ كَانَ خَيْرًا مِّنْ خَيْرٍ وَإِنْ كَانَ شَرًّا فَشَرًّا۔

### فوائد السلوک:

شیخ ابن عطاء ادمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”جَزَاءُ الْحَسَنَى“ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو رضا بالقضاء، مصائب پر صبر اور نعمت پر شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں اور اس کے دل سے دنیا اور نفس و شیطان کے وساوس کی محبت کو نکال دیتے ہیں۔

### مومن صالح کا انعام دنیوی:

وَسَنَقُولُ لَهُ مِنْ أَمْرِنَا يُسْرًا ۝

اور ہم حکم دیں گے اس کو اپنے کام میں آسانی  
یعنی آخرت میں بھلائی ملے گی اور دنیا میں ہم اس پر سختی نہیں کریں گے، بلکہ اپنے کام کے لیے جب کوئی بات اس سے کہیں گے تو سہولت اور نرمی کی کہیں گے۔ فی الحقیقت جو بادشاہ عادل ہو اس کی یہی راہ ہوتی ہے۔ بُروں کو سزا دے اور بھلوں سے نرمی کرے۔ ذوالقرنین نے یہی روش اختیار کی۔

﴿فَاتَّبَعَ سَبَبًا﴾

اس کے بعد وہ ایک اور راستے کے پیچھے چل پڑے۔

### دوسرا سفر..... مشرقی مہم کا آغاز:

ثُمَّ أَتْبَعَ سَبَبًا ۝

پھر لگا ایک سامان کے پیچھے

یعنی پہلے وہ مغرب کی طرف گئے اور جہاں سورج غروب ہوتا تھا وہاں پہنچ گئے۔

وہاں انہوں نے ایک قوم کو پایا اور اس کو دین کی دعوت دی۔ پھر دوبارہ سفر شروع کیا تو اللہ نے ان کو وہاں تک پہنچا دیا جہاں سورج طلوع ہوتا ہے۔

سورج ہمارے اعتبار سے مغرب میں غروب ہوتا ہے اور مشرق سے طلوع ہوتا ہے۔ یہ ہمارے حساب سے ہے، جہاں پہ ہمارا ملک ہے، لیکن ہر جگہ پر ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ دنیا کے ملک تو مختلف جگہوں پہ ہیں۔ اس لیے کئی جگہ پہ ہو سکتا ہے کہ سورج ان کے حساب سے مغرب سے طلوع ہوتا ہو اور مشرق میں غروب ہوتا ہو۔ یہ تو الگ الگ معاملہ ہے۔ کوئی قانون نہیں ہے۔ البتہ ہمارے ملک کے حساب سے مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور مغرب میں غروب ہوتا ہے۔ مشرق میں کہاں سے طلوع ہوتا ہے؟ مشرق کی سائیڈ پہ ملائیشیا، انڈونیشیا ملک ہیں، جزائر ہیں، پھر ان سے آگے جائیں تو آسٹریلیا ہے، پھر آسٹریلیا سے بھی آگے ایک ملک ہے جس کو ”فجی“ کہتے ہیں۔ ”فجی“ کے اندر وہ سمندر ہے جہاں کھڑے ہو کر دیکھیں تو دنیا میں سب سے پہلے سورج طلوع ہوتا ہوا بندے کو نظر آتا ہے۔ تو سورج طلوع ہوتا ہے مشرق میں فجی کے ملک سے اور غروب ہوتا ہے مغرب میں۔

الحمد للہ! اللہ تعالیٰ نے مشرق میں فجی تک بھی جانے کی توفیق عطا فرمائی اور مغرب میں جہاں سورج غروب ہوتا ہے وہاں بھی جانے کی توفیق عطا فرمائی۔

﴿حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰی قَوْمٍ لَّمْ يَجْعَلْ لَهُم مِّنْ دُونِهَا سِتْرًا ۝﴾

یہاں تک کہ جب وہ سورج کے طلوع ہونے کی جگہ پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ ایک ایسی قوم پر طلوع ہو رہا ہے جسے ہم نے اس (کی دھوپ) سے بچنے کے لیے کوئی اوٹ مہیا نہیں کی تھی۔

ذوالقرنین مشرق میں منتہائے آبادی پر: ﴿

حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ

یہاں تک کہ جب پہنچا سورج نکلنے کی جگہ

یہ ذوالقرنین کے دوسرے سفر کا ذکر ہے، اس سفر میں وہ دنیا کی انتہائی مشرقی آبادی تک جا پہنچے تھے۔

ذوالقرنین کی دوسری ملاقات، وحشی قوم سے: ﴿

وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلَىٰ قَوْمٍ

پایا اس کو کہ نکلتا ہے ایک قوم پر

انتہائے مشرق میں ان کی ملاقات ایک ایسی قوم سے ہوئی، جن کو آفتاب کی شعاعیں بے روک ٹوک پہنچتی تھیں، یہ لوگ وحشی جانگلو ہوں گے، گھر بنانے اور چھت ڈالنے کا ان میں دستور نہ ہوگا، جیسے اب بھی بہت سی خانہ بدوش وحشی اقوام میں رواج نہیں ہے۔

حضرت وہب بن منہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ذوالقرنین مطلع الشمس پر پہنچا تو فرشتے نے اسے کہا: اے ذوالقرنین! ”صِفْ لِي النَّاسَ“ (تو میرے لیے لوگوں کی صفات بیان کر)۔ ذوالقرنین نے کہا: ”إِنَّ مُحَادَثَكَ مَنْ لَا يَعْقِلُ بِمَنْزِلَةٍ مَنْ يَضَعُ الْمَوَائِدَ لِأَهْلِ الْقُبُورِ، وَ مُحَادَثَكَ مَنْ يَعْقِلُ بِمَنْزِلَةٍ مَنْ يَبْلُ الصَّخْرَةَ حَتَّىٰ تَبْتَلْ،

أَوْ يَطْبَخُ الْحَدِيدَ يَلْتَمِسُ أَدَمَهُ وَ نَقْلُ الْحِجَارَةِ مِنْ زُؤُوسِ الْجَبَالِ أَيْسَرُ مِنْ مُحَادَثَتِكَ مَنْ لَا يَعْقِلُ“ [تفسیر درمنثور: تحت هذه الآية] (تیرا ایک کم عقل سے بات کرنا اس شخص کی طرح ہے جو قبر والوں کے سامنے کھانا رکھتا ہے اور تیرا عقل مند آدمی سے بات کرنا اس طرح ہے جو چٹان کو پانی سے تر کرتا ہے، تاکہ وہ گیلی ہو جائے یا لوہے کو پکاتا ہے، تاکہ سالن حاصل کرے اور پتھر کو پہاڑوں کی چوٹیوں سے منتقل کرنا زیادہ آسان ہے، بے عقل شخص کے ساتھ گفتگو کرنے سے)۔

### قوم کے طرزِ زندگی کا بیان: ﴿

لَمْ نَجْعَلْ لَهُم مِّنْ ذُرِّيَّتٍ سِتْرًا ۝۹﴾

کہ نہیں بنا دیا ہم نے ان کے لیے آفتاب سے ورے کوئی حجاب  
یعنی اس قوم کے پاس دھوپ سے بچاؤ کے لیے کوئی اوٹ نہیں تھی، بلکہ سورج کی کرنیں ان پر براہِ راست پڑتی تھیں۔  
حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ہم کو ذکر کیا گیا کہ وہ لوگ اپنی زمین میں تھے کہ ان کے لیے کوئی چیز قائم نہیں رہتی تھی، جب سورج طلوع ہوتا تو وہ لوگ سرنگوں میں داخل ہو جاتے، یہاں تک کہ جب سورج غروب ہو جاتا تو اپنی کھیتوں اور اپنے گزر و بسر کے سامان کی طرف چلے جاتے۔  
حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ سرخ رنگ اور چھوٹے قد کے تھے، ان کے ٹھہرنے کی جگہیں غاریں تھیں اور ان کی معیشت کا دار و مدار مچھلی پر تھا۔

﴿كَذَلِكَ ۖ وَقَدْ أَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ۝۱۰﴾

واقعہ اسی طرح ہوا، اور ذوالقرنین کے پاس جو کچھ (ساز و سامان) تھا، ہمیں اس کی پوری پوری خبر تھی۔

### ذوالقرنین کی وسعتِ سلطنت کا بیان: ﴿۱۱﴾

كَذٰلِكَ ۚ وَقَدْ اَحْطٰنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿۱۱﴾

یونہی ہے اور ہمارے قابو میں آچکی ہے اس کے پاس کی خبر  
یعنی ذوالقرنین کے پاس جو کچھ تھا، سامانِ سفر، وسعتِ اقتدار، فوج، مال و اسباب،  
آلاتِ جنگ، علمی ذرائع، غرض اس کی ساری بیرونی اور اندرونی طاقت یا جو صلاحیتیں  
تھیں، ہم اس سے پوری طرح باخبر ہیں، ہمارا علم اس کا احاطہ کیے ہوئے ہے، ہمارے  
سوا کسی کو کیا معلوم۔ مطلب یہ ہے کہ فی الحقیقت واقعہ اتنا ہے جتنا ہم نے بتلادیا، باقی  
تاریخ والے اس کے سوا جو کہتے اور لکھتے ہیں، وہ یقینی نہیں۔

ثُمَّ اتَّبَعَ سَبَبًا ﴿۱۲﴾

اس کے بعد وہ ایک اور راستے کے پیچھے چل پڑے۔

تیسرا سفر..... غالباً شمالی مہم کا ذکر: ﴿۱۲﴾

ثُمَّ اتَّبَعَ سَبَبًا ﴿۱۲﴾

پھر لگا ایک سامان کے پیچھے

یہ اب پھر تیسرا سفر شروع ہوا۔ یعنی ایک سفر تھا غروبِ شمس کی طرف، ایک سفر تھا

طلوع شمس والی جگہ کی طرف اور اب ان کا تیسرا سفر پھر شروع ہوا۔

﴿حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُونِهِمَا قَوْمًا ۖ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ قَوْلًا ۝﴾ (۹۳)

یہاں تک کہ جب وہ دو پہاڑوں کے درمیان پہنچے تو انہیں ان پہاڑوں سے پہلے کچھ لوگ ملے جن کے بارے میں ایسا لگتا تھا کہ وہ کوئی بات نہیں سمجھتے۔

ذوالقرنین کی تیسری ملاقات، یا جوج ماجوج کی ستائی ہوئی قوم سے: (۱)

﴿حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُونِهِمَا قَوْمًا ۖ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ قَوْلًا ۝﴾ (۹۳)

یہاں تک کہ جب پہنچا دو پہاڑوں کے بیچ، پائے ان سے ورے ایسے لوگ، جو لگتے نہیں کہ سمجھیں ایک بات

”سَدَّيْنِ“ سے مراد اس جگہ وہ دو پہاڑ ہیں جن کے درمیان ذوالقرنین نے ایک دیوار بنا دی تھی، تاکہ یا جوج و ماجوج پرے سے دیوار کے ورے نہ آسکیں، بیچ میں دیوار حائل ہو جائے۔

ذوالقرنین جس قوم کے پاس پہنچے اس قوم کے لوگ ان کی بات تو نہیں سمجھ سکتے تھے، لیکن لگتا ہے کہ انہوں نے ذوالقرنین کو جب دیکھا تو اشاروں سے ان کو اپنا مسئلہ بتایا۔ ذوالقرنین ان لوگوں کی بات نہیں سمجھتے تھے اور وہ لوگ ذوالقرنین کی زبان سے واقف تھے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اگلی آیات میں ذوالقرنین اور اس قوم کے درمیان مکالمے کا ذکر فرمایا ہے۔

ترجمان کی ضرورت: (۱)

ظاہر ہے کہ یہ بات چیت کسی ترجمان کی وساطت سے ہوئی ہوگئی۔ مختلف زبانیں



جاننے والوں کے درمیان ترجمانی کا طریقہ قدیم زمانے سے رائج ہے۔ حضور ﷺ نے دعوتِ اسلام کے سلسلے میں ۷ ہجری میں مختلف سلاطین کو خطوط بھیجے تھے، ایک خط قیصر روم کے نام بھی تھا، جو حضرت وحیہ کلبیؓ کے ہاتھ بھیجا گیا۔ وحیہؓ نے حسب ہدایت قیصر روم کے گورنر کے ذریعے وہ خط پہنچایا۔ قیصر اپنی نذر پوری کرنے کے لیے بیت المقدس گیا ہوا تھا، واپسی پر اسے خط پیش کیا گیا اور خط پڑھنے کے لیے ترجمان کی خدمات حاصل کی گئیں۔ خط کے مندرجات سے آگاہی حاصل کرنے سے قبل ہی اس نے حکم دیا کہ اس کے علاقے میں اگر کوئی عرب شخص موجود ہو تو اسے بھی پیش کیا جائے، تاکہ وہ اس سے خط بھیجنے والے کے متعلق کچھ معلومات حاصل کر سکے۔ ان دنوں ابوسفیانؓ (حالتِ کفر میں) ایک تجارتی قافلے کے ساتھ موجود تھے، ان کو بادشاہ کے دربار میں پیش کر دیا گیا۔ بادشاہ نے ابوسفیان کی عزت افزائی کی، ان کو آگے بٹھایا اور ان کے ساتھیوں کو پیچھے جگہ دی، پھر ترجمان کو بلایا گیا جو عربی اور رومی زبانوں سے واقف تھا، اس کے بعد ساری گفتگو اسی کے ذریعے ہوئی۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ذوالقرنین اور اس شمالی قوم کے درمیان گفتگو بھی کسی ترجمان کے ذریعے ہی ہوتی ہوگی؛ کیونکہ دونوں فریق ایک دوسرے کی زبان نہیں سمجھتے تھے۔

﴿قَالُوا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يٰاْجُوْجَ وَفٰاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًاۙ﴾

انہوں نے کہا: اے ذوالقرنین! یا جوج اور ماجوج اس زمین میں فساد پھیلانے والے لوگ ہیں۔ تو کیا ہم آپ کو کچھ مال کی پیش کش کر سکتے ہیں، جس کے بدلے آپ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی دیوار بنادیں؟

یا جوج ماجوج کی ستائی ہوئی قوم کی درخواست: ﴿

قَالُوا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يٰجُوجَ وَاقُوجَ مُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ

بولے: اے ذوالقرنین! یہ یا جوج ماجوج دھوم اٹھاتے ہیں ملک میں

اس قوم کا مسئلہ یہ تھا کہ وہاں پہاڑوں کے پیچھے ایک قوم تھی جس کو یا جوج ماجوج کہتے ہیں۔ وہ ان کے پاس آ جاتے تھے، ان سے قتال کرتے، تنگ کرتے، لوٹتے تھے اور پھر واپس چلے جاتے تھے۔ اس کے بعد پھر کچھ عرصہ کے بعد ان کے ساتھ یہی معاملہ ہوتا تھا۔ یہ لوگ ان کے ساتھ لڑ کر مقابلہ نہیں کر سکتے تھے؛ اس لیے یہ ان سے بہت تنگ تھے اور نجات حاصل کرنا چاہتے تھے۔

”یا جوج ماجوج“ کو ”یا جوج ماجوج“ کیوں کہتے ہیں؟ ﴿

”یا جوج ماجوج“ عجمی الفاظ ہیں، بعض کے نزدیک عربی ہیں۔ یہ دونوں لفظ ”أَجِجُ النَّارُ“ (آگ کا شعلہ، بھڑک، شرارہ) سے ماخوذ ہیں۔ کثرتِ تعداد کی وجہ سے ان کو آگ کے شعلوں اور چنگاریوں سے تشبیہ دی گئی۔ [تفسیر مظہری]

فساد کسے کہتے ہیں؟ ﴿

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”الْفَسَادُ هُوَ إِظْهَارُ مَعْصِيَةِ اللَّهِ تَعَالٰی“ (فساد یہ ہے کہ کھلم کھلا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جائے)۔

اہل فساد کی اقسام: ﴿

حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”أَهْلُ الْفَسَادِ سَبْعَةٌ: الْمُشْرِكُ وَ الْمُنَافِقُ وَ الْمُتَّبِعُ وَ السُّلْطَانُ الْجَائِرُ وَ السُّوْقِيَّ الْغَشُومُ وَ الْعَابِدُ الْمُرَائِي وَ الزَّاهِدُ

الْمُشْكِرُ“ (سات قسم کے لوگ فسادی شمار ہوتے ہیں: مشرک، منافق، بدعتی، ظالم بادشاہ، ایسا ہزاری شخص جو دوسروں کو بے وقوف بنانے والا ہو، ریاکار عبادت گزار اور متکبر زاہد)۔

### دل، نیت اور روح کا فساد: ۱

بعض صوفیاء فرماتے ہیں:

۱۔ ”فَسَادُ الْقُلُوبِ مِنْ حُبِّ الدُّنْيَا“ (دل کا فساد... دنیا کی محبت کی وجہ سے ہوتا ہے)۔

۲۔ ”فَسَادُ النَّيَّةِ مِنَ الْحِرْصِ وَالطَّمَعِ وَاتِّبَاعِ الْهَوَى“ (نیت کا فساد... حرص، لالچ اور خواہشات کی پیروی کی وجہ سے ہوتا ہے)۔

۳۔ ”فَسَادُ الْأَزْوَاحِ مِنْ حُبِّ الْبَقَاءِ وَطُولِ الْأَمَلِ“ (روح کا فساد... ہمیشہ زندہ رہنے اور لمبی اُمیدوں کی محبت کی وجہ سے ہوتا ہے)۔

### دیوار بنانے کی فرمائش: ۱

فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلَيَّ أَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ۖ ﴿٩٣﴾

سو تو کہے تو ہم مقرر کر دیں تیرے واسطے کچھ محصول، اس شرط پر کہ بنادے تو ہم میں اور

اُن میں ایک آڑ

جب انہوں نے سکندر ذوالقرنین کو دیکھا تو آ کر ان کو اپنا مسئلہ بتایا اور کہا کہ ہمیں ان سے بچاؤ کا کوئی راستہ بتادیں، ہم آپس میں پیسے جمع کرتے ہیں، ہم آپ کو وہ پیسے دے دیں گے، چاہے آپ ٹیکس لگا کر ہم سے وصول کر لیں۔

﴿قَالَ فَاْمَكَّنِّي فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرًا عَيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ۝٩٤﴾

ذوالقرنین نے کہا: اللہ نے مجھے جو اقتدار عطا فرمایا ہے، وہی (میرے لیے) بہتر ہے۔ لہذا تم لوگ (ہاتھ پاؤں کی) طاقت سے میری مدد کرو، تو میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنا دوں گا۔

### تعاون سے استغنائے سکندری: (۱)

قَالَ فَاَمَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ

بولا: جو مقدور دیا مجھ کو میرے رب نے، وہ بہتر ہے

ذوالقرنین نے کہا کہ جس مال میں میرے رب نے مجھے اختیار دیا ہے، وہ بہت کچھ ہے، لہذا مال کی تو مجھے ضرورت نہیں۔

اس سے مفسرین کرام یہ بات بھی اخذ کرتے ہیں کہ کسی اچھی حکومت کے مناسب حال نہیں کہ وہ لوگوں سے بلا وجہ ٹیکس وصول کر کے اپنی عیاشی کے کاموں میں خرچ کرے، بلکہ اچھی حکومت وہ ہے جو سکندر ذوالقرنین کی طرح لوگوں کی بے لوث خدمت کرے۔

خدا کے پاک بندوں کو حکومت میں غلامی میں  
اگر کوئی زرہ محفوظ رکھتی ہے تو استغناء

### جانی تعاون کا مطالبہ: (۱)

فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ

سو مدد کرو میری محنت میں

ذوالقرنین نے ان سے کہا کہ مجھے تمہارے مال کی بجائے بندوں کی ضرورت ہے، تم مل کر اس کام میں میری مدد کرو، میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنا

دوں گا۔

وعدہ سکندری کا بیان : (۱)

أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدَقًا ۝

بنادوں تمہارے ان کے بیچ ایک دیوار موٹی

مقصد یہ تھا کہ میں تم سے مالی امداد نہیں چاہتا، بلکہ عملی امداد چاہتا ہوں، تاکہ میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار کھڑی کر دوں، جس سے ان کا راستہ بند ہو جائے اور پھر وہ تمہاری سرزمین میں نہ آسکیں۔

آج کل کے سیاستدانوں کے جھوٹے وعدوں کی طرح معاملہ نہیں کیا کہ وعدے تو کر جاتے ہیں، لیکن بعد میں یا تو مکر جاتے ہیں یا ٹال مٹول کرتے ہیں، لوگوں کو اُتو بناتے ہیں۔ آئے روز کے واقعات ہیں کہ کاغذات میں کئی مرتبہ سکول، ہسپتال، پل وغیرہ بنائے گئے، وہاں کے عملہ کے لیے تنخواہیں ماہانہ دی جاتی رہیں اور مرتیں ہوتی رہیں، لیکن حقیقت میں ان چیزوں کے نام و نشان تک نہیں تھے۔

لوگوں کو اُتو بنانے کا طریقہ بھی ان کو آتا ہے۔ ایک کامیاب سیاستدان کے بارے میں آتا ہے کہ اس کے پاس لوگ آئے کہ ہمارے علاقے میں سوئی گیس کے لیے انتظامات کریں تو وہ کہنے لگا کہ دیکھو بھائی! سوئی گیس لائن بچھانے کے لیے روڈ کو توڑنا پڑتا ہے اور تمہارے پاس تو روڈ ہی نہیں ہے۔ لوگوں نے کہا کہ اب تو لائن بچھانا آسان ہے، کہنے لگا: نہیں جی! یہ تو قانون کے خلاف ہے کہ جب روڈ ہی نہیں ہے تو پائپ لائن کیسے بچھائیں؟ یہ تو مشاہدے کے خلاف ہے۔ لوگوں نے کہا: چلو! پہلے روڈ بنائیں۔ وہ کہنے لگا: کمال کرتے ہو، جب روڈ بنیں گے تو انہیں توڑنا بھی تو پڑے گا، یہ تو نقصان

ہے۔ دیکھو! آپ کے پاس روڈ ہی نہیں ہے، اب لائن تو بچھ نہیں سکتی۔ اور اگر روڈ بنائیں تو اسے توڑنا پڑے گا، یہ بھی نقصان ہے۔ لہذا آپ کے ہاں سوئی گیس لائن نہیں بچھ سکتی۔ اور لوگ بھی یہ منطق تسلیم کر کے وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔

﴿اَتُوْنِيْ زُبْرَ الْحَدِيْدِ ۚ حَتّٰى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ اَنْفُخُوْا ۖ حَتّٰى اِذَا جَعَلْتُ نَارًا ۙ قَالَ اَتُوْنِيْ اُفْرِغْ عَلَيَّ قِطْرًا ۗ﴾ ﴿٩٦﴾

مجھے لوہے کی چادریں لادو، یہاں تک کہ جب انہوں نے (درمیانی خلا کو پاٹ کر) دونوں پہاڑی سروں کو ایک دوسرے سے ملا دیا تو کہا کہ اب آگ دہکاؤ، یہاں تک کہ جب اس (دیوار) کو لال انگار کر دیا تو کہا کہ: پگھلا ہوا تانبالاؤ، اب میں اس پر انڈیلوں گا۔

## آلاتی تعاون کا مطالبہ: ﴿﴾

اَتُوْنِيْ زُبْرَ الْحَدِيْدِ

لادو مجھ کو تختے لوہے کے

مطلب یہ کہ تم لوگ میری جسمانی اور آلاتی مدد کرو۔ لوہے کی چادریں یا ٹکڑے لے آؤ۔

تعمیر کا پہلا مرحلہ: ﴿﴾

حَتّٰى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ اَنْفُخُوْا

یہاں تک کہ جب انہوں نے دونوں پہاڑی سروں کو ایک دوسرے سے ملا دیا تو کہا کہ اب آگ دہکاؤ

انہوں نے ایک سائیڈ پر پتھر کی بھی دیوار بنائی اور اس کے ساتھ لوہے کی چادروں کو بھی کھڑا کرتے گئے۔ پھر جہاں لوہے کی چادروں کو جوڑا تا تھا وہاں پر انہوں نے لکڑی اور کوئلے کو بھی رکھ دیا۔ جب اس طرح پوری دیوار بن گئی تو اس کے بعد انہوں نے کہا کہ اب ان لکڑیوں کو جلاؤ۔ چنانچہ اس لکڑی اور کوئلے کو جلایا گیا۔ اس سے وہ اتنے گرم ہو گئے کہ وہ جو لوہے کی چادریں تھیں، گرم ہو کر بالکل سرخ ہو گئیں۔ جب وہ گرم ہو کر سرخ ہو گئیں تو ذوالقرنین نے کہا کہ اب مجھے پگھلا ہوا تانبا دو۔ چنانچہ انہوں نے پگھلا ہوا تانبا انڈیلا تو جہاں جہاں جوڑ تھے، وہاں تانبا جا کر بیٹھ گیا اور جو چادریں تھیں وہ آپس میں جڑ گئیں اور یوں دو پہاڑوں کے درمیان لوہے کی دیوار بن گئی۔

آج کے زمانے میں جو لوگ جانتے ہیں کہ لوہے کو جوڑنے کے لیے ویلڈنگ کا کام ہوتا ہے، اس میں بھی یہی طریقہ ہے۔ چونکہ گیس موجود ہے۔ گیس کے سلنڈروں کے آگے آگ لگا دیتے ہیں جس سے ایک تیز شعلہ بن جاتا ہے۔ پھر اس شعلے سے لوہے کو گرم کیا جاتا ہے، اس طرح لوہے کی چادر سرخ ہو جاتی ہے۔ ایک ویلڈنگ راڈ ہوتا ہے جو دراصل تانبا ہی ہوتا ہے، اس تانبے کو پگھلاتے ہیں اور وہ لوہے کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیتا ہے۔ یعنی آج کے دور میں جو کچھ سائنسی طور پر کیا جاتا ہے، سکندر ذوالقرنین نے اپنے وقت میں موٹے انداز سے وہی کام کیا تھا کہ آگ جلا کے لوہے کو گرم کیا تھا، پگھلا ہوا تانبا ڈالا تھا اور لوہا آپس میں جڑ کر ایک مضبوط دیوار بن گیا تھا۔

سید سکندری کہاں واقع ہے؟

اس دیوار کو قرآن مجید میں ”سد“ کہا گیا۔ یہ دیوار دنیا میں آج بھی موجود ہے۔

..... بعض مفسرین کہتے ہیں کہ چین کی دیوار ”سد“ ہو سکتی ہے۔ مگر نہیں، چونکہ چین کی

دیوار فقط پتھر کی بنی ہوئی ہے، اس میں لوہا استعمال نہیں ہوا، قرآن مجید میں جس کو ”سد“ کہا گیا، اس میں لوہے کا استعمال یقینی ہے، اس لیے وہ دیوار سد سکندری نہیں ہو سکتی۔  
 ..... ایک دیوار اور بھی ہے۔ وہ ”بخارا“ اور ”ترمذ“ کے درمیان ”در بند“ علاقہ میں ہے۔ وہاں پہ بھی ایسے ہی تھا۔ لوگوں کو ڈاکوؤں سے تنگی تھی اور ایک درہ تھا جہاں سے ڈاکو آجایا کرتے تھے۔ انہوں نے اس در کو بند کر دیا تھا اور اس شہر کا نام ”در بند“ پڑ گیا تھا۔ یہ ”در بند“ کی سد بھی مشہور ہے، مگر یہ بھی فقط پتھروں کی بنی ہوئی ہے، یہ بھی وہ سد سکندری نہیں ہو سکتی۔

..... ایک اور دیوار بھی ہے جو ”قفقاز“ کے علاقہ میں ہے۔ یہ علاقہ ”چیچنیا“ کے قریب ہے۔ وہاں پر دو پہاڑ ہیں اور ان کے درمیان ایک دیوار ہے، اس دیوار کی ایک سائیڈ پر پتھر بھی ہیں اور دوسری سائیڈ پر اس میں لوہا آج بھی نظر آتا ہے۔ چونکہ اس میں لوہا بھی ہے، اس لیے بہت سارے مفسرین کا خیال ہے کہ یہ دیوار وہی سد سکندری تھی جسے سکندر ذوالقرنین نے بنایا تھا، لیکن حقیقت حال اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

### تعمیر کا دوسرا مرحلہ: ﴿۱۰۲﴾

حَتَّىٰ إِذَا جَعَلْنَا نَارًا ۖ قَالَ اتُّنِّي ۖ أَفْرِغْ عَلَيْنَا قِطْرًا ﴿۱۰۲﴾

یہاں تک کہ جب کر دیا اس کو آگ، کہا: لاؤ میرے پاس کہ ڈالوں اس پر پگھلا ہوا تانبا  
 جب لوہا آگ کی طرح سرخ ہو کر تپنے لگا، اس وقت پگھلا ہوا تانبا اوپر سے ڈالا جو  
 لوہے کی درزوں میں بالکل پیوست ہو کر جم گیا اور سب مل کر پہاڑ سا بن گیا۔  
 یہ سب کام اس زمانہ میں بظاہر خارق عادت طریقہ سے انجام پائے ہوں گے، جسے  
 ذوالقرنین کی کرامت سمجھنا چاہیے۔ یا ممکن ہے کہ اس وقت اس قسم کے آلات و اسباب



پائے جاتے ہوں، جن کا ہمیں اب علم نہیں۔

﴿فَمَا اسْطَاعُوا أَنْ يَظْهَرُوهُ وَمَا اسْتَطَاعُوا لَهُ نَقْبًا﴾

چنانچہ (وہ دیوار ایسی بن گئی کہ) یا جوج ماجوج نہ اس پر چڑھنے کی طاقت رکھتے تھے، اور نہ اس میں کوئی سوراخ بنا سکتے تھے۔

پائیدار بنی تعمیر کی گارنٹی کا بیان :

﴿فَمَا اسْطَاعُوا أَنْ يَظْهَرُوهُ وَمَا اسْتَطَاعُوا لَهُ نَقْبًا﴾

پھر نہ چڑھ سکیں اس پر اور نہ کر سکیں اس میں سوراخ

جب یہ دیوار بن گئی تو یا جوج ماجوج کے لیے اس دیوار کو توڑنا مشکل بن گیا۔ اس لیے کہ اگر صرف پتھر کی ہوتی تو توڑ کر شگاف بنا لیتے، لیکن وہ تو آگے سے لوہے کی موٹی چادر تھی۔ اب لوہے کی چادر کو توڑنا تو ان کے بس میں نہیں تھا۔ لہذا وہ جہاں بند تھے وہ وہیں پہاڑوں کے درمیان بند رہ گئے اور وہ ان لوگوں پر آ کر حملہ نہیں کر سکتے تھے۔

﴿قَالَ هَذَا رَحْمَةٌ مِنْ رَبِّي ۖ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ رَبِّي جَعَلَهُ دَكَّاءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّي حَقًّا﴾

ذوالقرنین نے کہا: یہ میرے رب کی رحمت ہے (کہ اس نے ایسی دیوار بنانے کی توفیق دی) پھر میرے رب نے جس وقت کا وعدہ کیا ہے جب وہ وقت آئے گا تو وہ اس (دیوار) کو ڈھا کر زمین کے برابر کر دے گا، اور میرے رب کا وعدہ بالکل سچا ہے۔

## شکرِ سکندری کا بیان: (۱)

قَالَ هَذَا رَحْمَةٌ مِنْ رَبِّي

بولا: یہ ایک مہربانی ہے میرے رب کی

یہ عظیم کام سرانجام دینے کے باوجود سکندر ذوالقرنین نے اسے اپنا کمال نہیں جتلیا، بلکہ کہا کہ یہ تو میرے پروردگار کی مہربانی کا نتیجہ ہے، میں نے یہ کام اس کی توفیق سے پورا کیا ہے۔

## عقیدہ آخرت پر یقین سکندری: (۱)

فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ رَبِّي جَعَلَنِي دَكَّاءَ

پھر جب آئے وعدہ میرے رب کا گرا دے اس کو ڈھا کر

یعنی محض خدا کی مہربانی سے یہ روک قائم ہو گئی اور میعاد معین تک قائم رہے گی۔ اور جب اللہ تعالیٰ کا امر آجائے گا تو اس لوہے کی دیوار کے بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں گے۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی نیند سے اس حال میں بیدار ہوئے کہ آپ کا چہرہ مبارک سرخ تھا اور آپ فرما رہے تھے: ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَيْلٌ لِلْعَرَبِ مِنْ شَرِّ قَدْ اقْتَرَبَ، فَتَحَ الْيَوْمَ مِنْ رَذَمٍ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مِثْلُ هَذِهِ“ (لا الہ الا اللہ، ہلاکت ہے عرب کے لوگوں کے لیے اس شر سے جو قریب آچکا، آج یا جوج ماجوج کی دیوار اتنی کھل گئی ہے) اور آپ ﷺ نے شہادت کی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنایا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ”أَنْهَيْكَ وَفِينَا الصَّالِحُونَ؟“ (کیا ہم ہلاک ہوں گے اور ہمارے درمیان نیک لوگ بھی موجود ہوں؟) آپ ﷺ نے فرمایا: ”نَعَمْ! إِذَا كَثُرَ



الْحَبْتُ“ [صحیح مسلم، رقم: ۷۰۵۹] (ہاں! جب بُرائی بہت ہو جائے گی)۔

ایک صحابی کا سدِّ سکندری دیکھنا: (۱)

تفسیر ابن جریر میں ہے کہ ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے وہ دیوار دیکھی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”إِنْعَتُهُ لِي“ (وہ کیسی ہے؟) انہوں نے کہا: ”كَأَنَّهُ الْبُرْدُ الْمُحَبَّرُ، طَرِيقَةُ سَوْدَاءَ، وَ طَرِيقَةُ حَمْرَاءَ“ (دھاری دار چادر جیسی، جس میں سرخ و سیاہ دھاریاں ہیں)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”قَدْ رَأَيْتُهُ“ (ہاں! واقعی تم نے دیکھی ہے)۔ [تفسیر ابن جریر طبری: تحت آیت من سورۃ الکہف]

وعدہ خداوندی پر یقین سکندری:

وَكَانَ وَعْدُ رَبِّي حَقًّا ۝۹۸

اور ہے وعدہ میرے رب کا سچا

ذوالقرنین نے جو یہ فرمایا کہ میرے رب کا وعدہ بالکل سچا ہے، اس سے مراد قیامت کا وعدہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ تو ابھی معلوم نہیں ہے کہ اس دیوار کے ٹوٹنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے کونسا وقت مقرر فرمایا ہے، لیکن ایک وعدہ واضح طور پر معلوم ہے کہ قیامت آنے والی ہے۔ اور جب وہ آئے گی تو ہر مضبوط سے مضبوط چیز بھی ٹوٹ پھوٹ کر فنا ہو جائے گی۔ ذوالقرنین نے اس پر قیامت کا جو حوالہ دیا، اس کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے آگے قیامت کے کچھ حالات بیان فرمائے ہیں۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی تحقیق: (۱)

”یا جوج ماجوج“ کون ہیں؟ کس ملک میں رہتے ہیں؟ ذوالقرنین کی بنائی ہوئی سد

(آہنی دیوار) کہاں ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کے متعلق مفسرین و مؤرخین کے اقوال مختلف رہے ہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ یا جوج ماجوج کی قوم عام انسانوں اور جنات کے درمیان ایک برزخی مخلوق ہے اور جیسا کہ حضرت کعب احبار فرماتے ہیں اور امام نووی نے فتاویٰ میں جمہور علماء سے نقل کیا ہے، ان کا سلسلہ نسب باپ کی طرف سے آدم علیہ السلام پر منتہی ہوتا ہے، مگر ماں کی طرف سے حواء تک نہیں پہنچتا، گویا وہ عام آدمیوں کے محض باپ شریک بھائی ہوئے۔ کیا عجیب ہے کہ دجال اکبر بھی اسی قوم کا ہو، جسے تمیم داری نے کسی جزیرہ میں مقید دیکھا تھا۔ جب حضرت مسیح علیہ السلام (جو محض ایک آدم زاد خاتون [مریم صدیقہ] کے بطن سے بتوسط نفعہ ملکیہ پیدا ہوئے) نزول من السماء کے بعد دجال کو ہلاک کر دیں گے، اس وقت یہ قوم یا جوج ماجوج دنیا پر خروج کرے گی اور آخر کار حضرت مسیح علیہ السلام کی دعا سے غیر معمولی موت مرے گی۔

اس وقت یہ قوم کہاں ہے؟ اور ذوالقرنین کی دیوار آہنی کس جگہ واقع ہے؟ جو شخص ان سب اوصاف کو پیش نظر رکھے گا جن کا ثبوت اس قوم اور دیوار آہنی کے متعلق قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں ملتا ہے، تو اس کو کہنا پڑے گا کہ جن قوموں، ملکوں اور دیواروں کا لوگوں نے رائے سے پتہ دیا ہے، یہ مجموعہ اوصاف ایک میں بھی پایا نہیں جاتا، لہذا وہ خیالات صحیح معلوم نہیں ہوتے۔ اور احادیث صحیحہ کا انکار یا نصوص کی تاویلات بعیدہ دین کے خلاف ہے۔

رہا مخالفین کا یہ شبہ کہ ہم نے تمام زمین کو چھان ڈالا، مگر کہیں اس کا پتہ نہیں ملا۔ اور اسی شبہ کے جواب کے لیے ہمارے مؤلفین نے پتہ بتلانے کی کوشش کی ہے، اس کا صحیح جواب وہی ہے جو علامہ آلوسی بغدادی رحمہ اللہ نے دیا ہے کہ ہم کو اس کا موقع معلوم نہیں اور

ممکن ہے کہ ہمارے اور اس کے درمیان بڑے بڑے سمندر حائل ہوں اور یہ دعویٰ کرنا کہ ہم تمام خشکی و تری پر محیط ہو چکے ہیں، واجب التسلیم نہیں۔ عقلاً ممکن ہے کہ جس طرح اب سے پانچ سو برس پہلے تک ہم کو چوتھے براعظم (امریکہ) کے وجود کا پتہ نہیں چلا تھا، اب بھی کوئی پانچواں براعظم ایسا موجود ہو جہاں تک ہم رسائی حاصل نہ کر سکے ہوں اور تھوڑے دنوں بعد ہم وہاں تک یا وہ لوگ ہم تک پہنچ سکیں۔ سکندر کی دیوار اعظم جو آسٹریلیا کے شمالی مشرقی ساحل پر واقع ہے، آج کل برطانوی سائنسدان ڈاکٹری، ایم، ینگ کے زیر ہدایات اس کی تحقیقات جاری ہیں، یہ دیوار ہزار میل سے زیادہ لمبی اور بعض بعض مقامات پر بارہ بارہ میل تک چوڑی اور ہزار فٹ اونچی ہے۔ جس پر بے شمار مخلوق بستی ہے۔ جو ہم اس کام کے لیے روانہ ہوئی تھی، حال میں اس نے اپنی یک سالہ تحقیق ختم کی ہے، جس سے سمندر کے عجیب و غریب اسرار منکشف ہوتے ہیں اور انسان کو حیرت و استعجاب کی ایک نئی دنیا معلوم ہو رہی ہے۔ پھر کیسے دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ ہم کو خشکی و تری کی تمام مخلوق کے مکمل انکشافات حاصل ہو چکے ہیں!؟

بہر حال مخبر صادق نے..... جس کا صدق دلائل قطعیہ سے ثابت ہے..... جب اس دیوار کی مع اس کے اوصاف کے خبر دی تو ہم پر واجب ہے کہ تصدیق کریں اور ان واقعات کے منتظر رہیں جو مشککین و منکرین کے علی الرغم پیش آکر رہیں گے۔

سَتُبْدِي لَكَ الْآيَاتِ مَا كُنْتَ جَاهِلًا

وَ يَأْتِيكَ بِالْأَخْبَارِ مَنْ لَمْ تُزَوِّدْ

[تفسیر عثمانی: تحت الآیہ ۹۴ من سورۃ الکہف]

## سکندر ذوالقرنین کے قصہ میں سبق

سکندر ذوالقرنین بادشاہ نہیں تھا۔ وہ اللہ کا ایک نیک بندہ تھا۔ عبد صالح تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کی نعمتیں عطا فرمادی تھیں۔ لوگوں کے دلوں پر ان کو حکومت عطا فرمادی تھی۔ اسباب کا علم بھی دے دیا تھا اور اسباب بھی دے دیے تھے۔ جہاں ان کو اسباب کی ضرورت ہوتی تھی وہ سب اسباب ان کو مہیا ہو جاتے تھے اور وہ ان کو اپنی ضرورت کے مطابق استعمال کر لیتے تھے۔ اسی علم کی وجہ سے انہوں نے دو پہاڑوں کے درمیان لوہے اور پتھر کو ملا کر ایک دیوار بنائی۔ سکندر ذوالقرنین کے اس واقعہ سے ہمیں دو سبق ملتے ہیں:

### ①..... اللہ کی رضا کا حصول :

ایک سبق تو یہ ملتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ دنیا میں تمہیں ایسی حیثیت دے کہ تم مخلوق کے کام آسکتے ہو تو اللہ کے بندوں کو اللہ کے لیے فائدہ پہنچاؤ۔ ﴿وَإِنَّمَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمُوتُ فِي الْأَرْضِ﴾ [الرعد: ۱۷] (لیکن وہ چیز جو لوگوں کے لیے فائدہ مند ہوتی ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے)۔ چنانچہ سکندر ذوالقرنین جہاں گئے تھے وہاں ان کے رشتہ دار نہیں تھے، وہ ان کے دوست نہیں تھے، وہ تو ان کو جانتے بھی نہیں تھے، حتیٰ کہ ان کی زبان سے بھی واقف نہیں تھے:

﴿لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ قَوْلًا﴾ [الکہف: ۹۳]

”جن کے بارے میں ایسا لگتا تھا کہ وہ کوئی بات نہیں سمجھتے۔“

مگر ان لوگوں نے ان سے فریاد کی کہ آپ ہمیں ان ظالموں سے بچائیے، ہم آپ کو

پیسہ دیتے ہیں، خراج دیتے ہیں۔ انہوں نے کہا: مجھے خراج کی ضرورت نہیں ہے، تم میری ہیلپ کر دو، میں تمہیں دیوار بنا دیتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سکندر ذوالقرنین اللہ کے بندوں کو اللہ کی رضا کے لیے نفع پہنچاتے تھے، وہ ان سے پیسہ نہیں مانگتے تھے۔

### نیک لوگوں کا شیوہ:

اچھا! دیکھو کہ جو بھی نیک لوگ ہوتے ہیں وہ اللہ کے لیے کام کرتے ہیں۔ مثلاً:  
 ..... حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو لڑکیوں کی بکریوں کو پانی پلایا تھا۔ کیا انہوں نے اس پر ان سے پیسے مانگے تھے؟ نہیں، بغیر پیسوں کے اللہ کی رضا کے لیے پانی پلایا تھا۔  
 ..... حضرت خضر علیہ السلام نے دو یتیم بچوں کی دیوار بنائی تھی۔ کیا اس پر انہوں نے ان سے پیسہ مانگا؟ نہیں مانگا۔ کیوں بنائی؟ اللہ کی رضا کے لیے بنائی تھی۔

..... سکندر ذوالقرنین نے دو پہاڑوں کے درمیان دیوار بنائی تھی۔ یہ کوئی چھوٹا کام نہیں تھا، بلکہ بڑا کام تھا۔ یہ کام انہوں نے کس لیے کیا؟ کیا پیسے لینے کے لیے کیا تھا؟ نہیں، فقط اللہ کی رضا کے لیے کیا تھا۔ حالانکہ قوم تو یہ کہتی تھی کہ ہم آپس میں پیسے جمع کر کے آپ کو دے دیں گے، لیکن انہوں نے پیسے لینے سے انکار کر دیا کہ مجھے پیسہ نہیں چاہیے، مجھے اللہ کی رضا چاہیے۔

### خدمت خلق کا جذبہ بیدار کریں:

اس سبق کو ہم نے زندگی کا مقصد بنانا ہے کہ اللہ کے بندوں کی خدمت اللہ کی رضا کے لیے کرنی ہے، اللہ کے بندوں سے تکلیف ہٹانی ہے اللہ کی رضا کے لیے، شہرت کے

لیے نہیں، بڑا بننے کے لیے اور ووٹ مانگنے کے لیے نہیں، بلکہ اللہ کی رضا کے لیے۔  
نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَنْفَعُ النَّاسَ.“ [کنز العمال، رقم: ۴۴۱۵۴]

”سب سے بہتر انسان وہ ہوتا ہے جو اللہ کے بندوں کو نفع پہنچائے۔“

آج تمام حضرات اس بات کا عہد کریں کہ ہم آئندہ ایسی زندگی گزاریں گے کہ ہم  
اپنے گھر والوں کو،

..... محلے والوں کو،

..... شہر والوں کو،

..... پورے وطن والوں کو،

..... ایمان والوں کو،

..... بلکہ اللہ کی ساری مخلوق کو اللہ کی رضا کے لیے نفع پہنچائیں گے۔ حدیث قدسی

ہے، اللہ کے حبیب ﷺ نے فرمایا:

”إِرْحَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمَكُمُ مَنْ فِي السَّمَاءِ.“ [جامع ترمذی، رقم: ۱۹۲۴]

”جو زمین میں ہیں تم ان پہ رحم کھاؤ، جو آسمان میں ہے وہ تم پر رحم کرے گا۔“

بقول شاعر:

سے کرو مہربانی تم اہل زمیں پر

خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

②..... اللہ کی زمین پر اللہ کا حکم لاگو کرنا: ①

اس واقعہ سے دوسرا سبق یہ ملتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم میں سے کسی کو یہ حیثیت دے تو



وہ اللہ کی زمین پر اللہ کے حکم کو جاری کرے۔ چنانچہ سکندر ذوالقمرین کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا تھا کہ تم چاہو تو ان لوگوں کو قتل کر دو، یا چاہو تو ان کو دین کی دعوت دو۔ انہوں نے کہا تھا: میں ان کو دین کی دعوت دوں گا۔ جو نیک بنے گا اس کو دنیا میں بھی اجر ملے گا اور آخرت میں بھی اجر ملے گا۔ گویا انہوں نے اللہ کی زمین پر اللہ کے قانون کو نافذ کرنے کو پسند فرمایا تھا۔ اور یہ بات یاد رکھیں کہ جو بندہ اللہ کی زمین پر اللہ کا قانون لاگو کرتا ہے، وہ اللہ کا بڑا پسندیدہ ہوتا ہے۔

### مختلف نظامہائے زندگی: ﴿١٩﴾

آج دنیا میں زندگی گزارنے کے مختلف نظام رائج ہیں، کہیں پر کمیونزم ہے، کہیں پر سوشلزم ہے اور کہیں جمہوریت ہے۔ ہمارے ملک میں بھی جمہوری نظام رائج ہے۔ چونکہ یہ ہمارے ملک کا نظام ہے، اس لیے ہم بھی اس کی تائید کرتے ہیں، ہم مخالف نہیں ہیں..... بات سمجھ گئے نا..... ہم اس نظام کے مخالف نہیں ہیں، کیونکہ یہ ہمارا ملکی نظام ہے اور اسی کی بنیاد پر ہماری حکومت چل رہی ہے، ہم چونکہ ملک میں امن چاہتے ہیں، لہذا ہم بھی جمہوری نظام کے تحت زندگی گزار رہے ہیں۔

### نفاذ شریعت..... ہمارا دردِ دل: ﴿٢٠﴾

لیکن اگر کوئی ہم سے دل کی خواہش پوچھے تو وہ یہ ہے کہ ہمارے پیارے ملک پاکستان میں اللہ کی شریعت کو نافذ کر دیا جائے۔ یہ اللہ کی عطا کردہ سرزمین ہے، اس پر اللہ کا حکم نافذ ہونا چاہیے۔

سے طرزِ جمہوری نہ شانِ کجکلا ہی چاہیے  
جس کے بندے ہیں اسی کی بادشاہی چاہیے

ہم اللہ کے بندے ہیں اور ہمیں اس زمین پر اللہ کی بادشاہی چاہیے۔ ہم تو دعائیں مانگتے ہیں: ”اے اللہ! آپ نے ہمیں اتنا خوبصورت ملک دیا ہے، ایک نعمت دی ہے، اب اس ملک کو دین کا قلعہ بنا دیجیے، تاکہ ہم آپ کے احکام کے مطابق یہاں زندگی گزار سکیں۔“ ہم تو بھی اس دن کو دیکھنے کے لیے ترستے ہیں جب اس ملک میں شریعت نافذ ہوگی۔

کئے کی بنیاد یہ حاصل کیا جانے والا ملک: ((

آپ غور کریں کہ پوری دنیا میں کوئی ایسا ملک نہیں جو دین کے نام پر بنا ہو۔ یہ ہمارا ملک ہی ایسا ملک ہے جو دین کے نام پر بنا تھا۔

پاکستان کا مطلب کیا؟..... لا الہ الا اللہ

پاکستان کا مطلب کیا؟..... لا الہ الا اللہ

پاکستان کا مطلب کیا؟..... لا الہ الا اللہ

ہمارے باپ دادا نے یہ ملک بنایا ہی اسی لیے تھا۔ انہوں نے اس کو ”لا الہ الا اللہ“ کے نام پر حاصل کیا تھا۔ ہمارا یہ ملک ایک عظیم نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کی ہے۔ ہمیں اپنی آزادی کی قدر کرنی چاہیے۔ دین کی جتنی آزادی اس ملک میں ہے، پوری دنیا میں اتنی آزادی کہیں نظر نہیں آتی۔ یہاں دین کے مدارس جتنی آزادی کے ساتھ دین کا کام کر رہے ہیں، باقی پوری دنیا میں اتنی آزادی کے ساتھ کام نہیں کر سکتے۔ ہمارے ہاں خطیب، اپنی مرضی سے جمعہ کا خطبہ دے سکتا ہے، یہ کتنی بڑی نعمت ہے جو اللہ نے اس ملک میں عطا فرمائی ہے۔ ورنہ دنیا بھر کے تمام ممالک میں حکومت کی طرف سے لکھا ہوا خطبہ ملتا ہے اور خطیب اس کو صرف پڑھ کے سنا دیتا ہے۔

جو لوگ پاکستانی ہونے کے باوجود اس ملک (پاکستان) کے خلاف باتیں کرتے ہیں، وہ دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ ہمیں ان کے ساتھ اختلاف ہے۔ ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ ملک ہمارا ہے، یہ اللہ کی دی ہوئی نعمت ہے، ہم اس کی قدر کریں اور اس کو دین کے لیے استعمال کریں۔

### احسان کا بدلہ احسان: ﴿١٨﴾

بھئی! ہم پر اس ملک کے بے شمار احسانات ہیں۔ ہم یہاں پیدا ہوئے، اس میں کھایا پیا، پلے بڑھے، علم حاصل کیا۔ ہمیں چاہیے کہ اس میں رہتے ہوئے اپنی طرف سے جو اچھائی واپس لوٹا سکتے ہیں وہ لوٹانے کی کوشش کریں اور یہاں کے لوگوں کے لیے خیر کا سبب بنیں۔ ہمیں اس ملک کے ساتھ محبت رکھنا اپنے ایمان کا حصہ سمجھنا چاہیے۔

### توہین رسالت پر سراپا احتجاج: ﴿١٩﴾

آپ دیکھیں! پوری دنیا میں اگر کہیں بھی دین کے معاملے میں کوئی اونچ نیچ ہوتی ہے تو سب سے پہلے جس ملک سے آواز اُٹھتی ہے، وہ ہمارا ملک ”پاکستان“ ہے۔ ایک بد بخت نے نبی ﷺ کے کارٹون بنائے تو سب سے پہلے اس ملک (پاکستان) سے آواز اُٹھی۔ اسی طرح ایک ملک نے نبی ﷺ کے بارے میں فلم بنائی تھی تو اس کے خلاف سب سے پہلی آواز بھی پاکستان سے اُٹھی تھی۔

یہ ہمارا کتنا پیارا ملک ہے جس میں ہم خود دین پر قائم رہ سکتے ہیں، ہمیں فسق و فجور میں جانے کے لیے کوئی بھی مجبور نہیں کرتا۔ یہاں پر ہم اپنا دین سیکھ بھی سکتے ہیں اور سکھا بھی سکتے ہیں۔ ہمیں اس نعمت کی قدر کرنی چاہیے۔ ورنہ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جب

کوئی نعمت ہاتھ سے نکل جاتی ہے تب اس کی قدر آتی ہے، مگر اس وقت افسوس کے سوا کچھ بھی ہاتھ نہیں آتا۔

دل کی آواز:

آج بھی ہماری یہ تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں وہ دن دکھائے جب پارلیمنٹ میں شریعت بل منظور ہو اور یہ شریعت لاگو ہو اور ہم اللہ کے بندے اللہ کی زمین پر اللہ کے حکم کے مطابق زندگی گزارنے والے بن جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کے حکمرانوں اور ملک کی جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت پر مامور افواج (جو ہمارے ملک کی بھی حفاظت کر رہے ہیں اور ہماری بھی حفاظت کر رہے ہیں) کو بھی توفیق عطا فرمائے کہ وہ اس ملک میں شریعت کا قانون لاگو کریں اور اللہ و رسول ﷺ کو خوش کر کے دنیا و آخرت کی کامیا بیاں سمیٹیں۔

شکر غزا اور لشکر دعا:

جو دوست پارلیمنٹ کے ذریعے اس ملک میں نفاذِ شریعت کے لیے کوششیں کر رہے ہیں، وہ ایک عظیم کام میں لگے ہوئے ہیں، ان کے لیے دعا کرنا ہم اپنے لیے واجب اور فرض سمجھیں، ہماری کوئی دعا اس کی دعا سے خالی نہیں ہونی چاہیے، ان کا ہر ممکن تعاون کریں اور ان کے ساتھ اپنی ہمدردیاں رکھیں، تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو اس نیک مقصد میں کامیاب فرمائے۔ وہ ”لشکر غزا“ ہیں اور ہم ”لشکر دعا“ ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے فرمایا:

”ایک ہوتا ہے غازیوں کا لشکر جو آگے جا کر لڑ رہا ہوتا ہے، وہ اپنے آپ کو شہادت کے

لیے پیش کر رہے ہوتے ہیں، اور ایک لشکر دعا ہوتا ہے جو اپنے گھر میں بیٹھے ہوتے ہیں،

مگر ان کی سر بلندی کے لیے دعائیں کر رہے ہوتے ہیں۔“

وہ اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں:

”لشکر دعا لشکر غزا پر فضیلت رکھتا ہے۔“

ہم گھروں میں بیٹھ کر ان کے لیے دعا کریں گے تو اللہ کے ہاں ہمارا درجہ زیادہ ہوگا، اس لیے کہ ہم شریعت کی ترویج کے لیے دعائیں کر رہے ہوں گے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ہر نماز کے بعد، تہجد کے بعد ان لوگوں کے لیے دعائیں کیا کریں جو شریعتِ بل کے نفاذ کے لیے اخلاص کے ساتھ کوششیں کر رہے ہیں، اللہ ان کی کوششوں کو بار آور فرمائے اور ہمارے اس ملک کو دین اسلام کا قلعہ بنائے۔

فتنہ دجال سے بچاؤ کیسے؟

سورۃ کہف دجال کے فتنے سے کس طرح بچاتی ہے؟ یہ نہ سمجھیے گا کہ ہم صرف اس کی تلاوت کر لینے سے دجال کے فتنے سے بچ جائیں گے۔ بھئی! تلاوت کر لینا بہت بابرکت کام ہے، یقیناً اس پر بہت بڑا اجر ملے گا۔ لیکن فتنہ دجال سے محفوظ رہنے کے لیے ہمیں اس سورت کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا ہوگا۔ یہ سورت ایسی ذہن سازی کرتی ہے، ایسے سبق سکھاتی ہے کہ جن کو سیکھنے کے بعد انسان کے لیے ایمان کو بچانا آسان ہو جاتا ہے۔

﴿وَتَرْكُنَا بِعَضْفِهِمْ يُؤْمِدُ يُؤْجُ فِي بَعْضٍ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا﴾

اور اس دن ہم ان کی یہ حالت کر دیں گے کہ وہ موجوں کی طرح ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہوں گے، اور صور پھونکا جائے گا تو ہم سب کو ایک ساتھ جمع کر لیں گے۔

مبارک قیامت: (۱)

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ

اور چھوڑ دیں گے ہم خلق کو اس دن ایک دوسرے میں گھستے

اس سے مراد یا جوج ماجوج کا وہ ریلا بھی ہو سکتا ہے جو قیامت کے قریب نکلے گا اور مطلب یہ ہے کہ جب وہ قیامت کے قریب نکلیں گے تو ایک غیر منظم بھیڑ کی شکل میں نکلیں گے اور موجوں کی طرح ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہوں گے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ قیامت کے وقت عام لوگوں کی بدحواسی کا بیان ہو کہ قیامت کے ہولناک مناظر دیکھ کر لوگ بدحواسی میں ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہوں گے۔

دجال کا حلیہ، ظہور اور جائے خروج: (۱)

قرب قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ دجال کو ظاہر کریں گے۔ یہ دجال ایک بندہ ہوگا جو ایک آنکھ والا ہوگا۔ یعنی ایک آنکھ سے کانا ہوگا۔ یہ شام اور عراق کے درمیان کے علاقے سے ظاہر ہوگا۔

زمانہ دجال کی طوالت: (۱)

نبی ﷺ نے فرمایا کہ دجال چالیس راتوں میں ساری زمین پھر جائے گا، جس کا ایک دن سال کے برابر، دوسرا مہینے کے برابر، تیسرا ہفتے کے برابر اور باقی ایام تمہارے ہی

ایام کی طرح ہوں گے۔ [مسند احمد بن حنبل، رقم: ۱۴۹۵۴]

### دجال کی شعبدہ بازیاں: ﴿١﴾

دجال کے خروج سے دو سال تک پہلے ہی قحط رہ چکا ہوگا، تیسرے سال عین دورانِ قحط ہی میں اس کا ظہور ہوگا۔ زمین کے مدفون خزانے اس کے حکم سے اس کے ساتھ ہو جائیں گے۔ اس کے پاس سائنسی قوت ہوگی، وہ بادلوں کو حکم دے گا تو اس کے حکم کے مطابق اسی وقت بارش ہوگی۔ وہ زمین کو حکم دے گا کہ کھیتی اُگے، اسی وقت زمین سے کھیتی اُگتی نظر آئے گی۔

### دجال کے متبعین: ﴿٢﴾

عام دنیا دار اور ظاہر پرست لوگ جب اس کی شعبدہ بازیوں کو دیکھیں گے تو اس وجہ سے اس کو خدا مان لیں گے کہ اس کی کہی گئی باتیں تو پوری ہو رہی ہیں، اس کے کہنے پر فصلیں زیادہ ہو جاتی ہیں، جانوروں کا دودھ بڑھ جاتا ہے اور بارش برسنے لگ جاتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح وہ لوگ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ اور یہ سب کچھ علم کی کمی کی وجہ سے ہوگا۔

### عورتوں کو زیادہ متاثر کرے گا: ﴿٣﴾

دجال کے اندر دوسروں کو اپنے خیالات سے متاثر کرنے کی غیر معمولی مہارت بھی ہوگی۔ اور آج ہم دیکھتے ہیں کہ نجومیوں اور شعبدہ بازوں کے چکر میں پھنسنے والی زیادہ تر عورتیں ہی ہوتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اس میں یہ صلاحیت پائی جائے گی تو وہ مردوں سے آگے بڑھ کر عورتوں کو متاثر کرے گا۔ چنانچہ حدیث پاک میں آیا ہے

کہ اس کے پاس نکل نکل کر جانے والوں میں اکثریت خواتین کی ہوگی اور نوبت یہاں تک جا پہنچے گی کہ ایک آدمی اپنے گھر میں اپنی ماں، بیٹی، بہن اور پھوپھی کے پاس آ کر انہیں رسیوں سے باندھ دے گا، اس اندیشے سے کہ کہیں یہ دجال کے پاس نہ چلی جائیں۔ [مسند احمد بن حنبل، رقم: ۵۳۵۳]

### ایمان کا امتحان: (۱)

اللہ تعالیٰ دجال کو بھیج کر اپنے بندوں کو آزمائے گا، اسے بہت سے اختیارات دیئے جائیں گے۔ اہل ایمان سب کچھ کے باوجود اس کے منکر رہیں گے اور صرف ظاہری زندگی سے محبت رکھنے والے لوگ اس کے دام ہمہ رنگ میں پھنستے چلے جائیں گے۔ دجال انہیں اپنے اوپر ایمان لانے کی دعوت دے گا، یعنی کفر کی طرف بلائے گا تو وہ اس پر ایمان لائیں گے اور اس کے حکم کو قبول کر لیں گے۔

### تینوں حرم دجال سے محفوظ: (۱)

دجال پوری دنیا کا سفر کرے گا، وہ ہر جگہ جائے گا، مگر تین جگہوں مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور بیت المقدس میں نہیں جاسکے گا۔ [کنز العمال، رقم: ۳۸۸۱۰] چونکہ یہ تینوں حرم ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کے ذریعے ان مقامات کی حفاظت کروائیں گے۔ ہم لوگوں کے لیے چونکہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ جانا آسان ہے، اس لیے میں نے آپ کو دو کہف بتائے۔ تیسرے کہف میں ہمارے لیے جانا ہی مشکل ہے، اس لیے کہ وہ (بیت المقدس) ہمارے کنٹرول میں نہیں ہے، اگر ہم وہاں جانا بھی چاہیں تو نہیں جاسکتے۔ اس لیے میں نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔



## ایک حق پرست آدمی کی استقامت:

ایک دن دجال کی طرف ایک ایسا آدمی نکلے گا جو لوگوں میں سے سب سے افضل ہوگا، وہ اس سے کہے گا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تُو وہی دجال ہے جس کے بارے میں ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حدیث بیان کی تھی۔ دجال کہے گا: اگر میں اس آدمی کو قتل کر دوں اور پھر اسے زندہ کروں تو تمہاری کیا رائے ہے؟ پھر بھی تم میرے معاملہ میں شک کرو گے؟ وہ کہیں گے: نہیں۔ چنانچہ دجال اسے قتل کرے گا، پھر اسے زندہ کرے گا۔ جب اسے زندہ کیا جائے گا تو وہ آدمی کہے گا: اللہ کی قسم! مجھے تیرے بارے میں اب جتنی بصیرت ہے، اتنی پہلے نہ تھی۔ پھر دجال اسے دوبارہ قتل کرنے کا ارادہ کرے گا، لیکن اس پر قادر نہ ہوگا۔ [صحیح مسلم، رقم: ۲۹۳۸]

اس کے بعد (دجال سے یہ طاقت چھین لی جائے گی اور) کسی مُردہ کو زندہ نہ کر سکے اور یہاں سے ذلیل و رسوا ہو کر) ملک شام کو روانہ ہو جائے گا۔ اس کے دمشق پہنچنے سے پہلے حضرت امام مہدی دمشق پہنچ چکے ہوں گے اور دجال کے فتنے کو مٹانے کے لیے جنگ کی پوری تیاری اور ترتیب طے کر چکے ہوں گے۔

## نزول عیسیٰ علیہ السلام:

امام مہدی جنگ کی تیاری کے لیے فوج کو ہدایات دے رہے ہوں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے آسمان سے دمشق کی جامع مسجد میں مشرقی منارے پر جلوہ افروز ہوں گے۔ ایسا محسوس ہوگا کہ انہوں نے نیا نیا غسل کیا ہے، ان کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہوں گے۔ امام مہدی نماز پڑھائیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے مقتدی بن کر نماز ادا کریں گے۔ اس کے بعد

حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کے خلاف مومنین کو لے کر نکلیں گے۔ [صحیح مسلم، رقم: ۲۹۳۷]  
(دجال کا خاتمہ: )

اسرائیل میں ایک جگہ ہے جس کو ”لُد“ کہتے ہیں۔ اس مقام پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو قتل کر دیں گے۔ [صحیح مسلم، رقم: ۲۹۳۷]

عجیب بات یہ ہے کہ آج کل اسرائیل نے اس جگہ ایئر پورٹ بنایا ہوا ہے اور وہاں ایک دروازہ بنایا ہوا ہے جس پر آج بھی ”باب لُد“ لکھا ہوا ہے۔ یعنی جو بات نبی علیہ السلام نے چودہ سو سال پہلے حدیث پاک میں بیان فرمائی تھی، آج اس کو ہم اپنی آنکھوں سے سچا ثابت ہوتا دیکھ رہے ہیں۔

دجال کو قتل کرنے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی زندگی گزاریں گے۔ اس وقت اہل ایمان ان کا ساتھ دیں گے، امام مہدی بھی ان کے ساتھ ہوں گے۔ امام مہدی کے اعوان (مددگار) وہ لوگ ہوں گے جو اصحاب کہف ہوں گے۔ یعنی وہ اپنے دور میں کہف کے اندر زندگی گزارنے والے لوگ ہوں گے۔

### یا جوج ماجوج اور ان کا فتنہ: ۱

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”يَخْفِرُونَهُ كُلَّ يَوْمٍ، حَتَّىٰ إِذَا كَادُوا يَخْرِقُونَهُ قَالَ الَّذِي عَلَيْهِمْ اَرْجَعُوا فَسَخَّرِقُونَهُ غَدًا“

”یا جوج ماجوج اس دیوار کو روزانہ کھودتے ہیں، جب وہ اس میں سوراخ کرنے ہی والے ہوتے ہیں تو ان کا بڑا کہتا ہے: چلو باقی کل کھود لینا۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے پہلے سے بھی زیادہ مضبوط کر دیتے ہیں۔“

یہاں تک کہ ان کی مدت پوری ہو جائے گی اور اللہ چاہے گا کہ انہیں لوگوں پر مسلط کرے تو ان کا حاکم کہے گا:

”اَزِجِعُوا فَسْتَخْرِقُونَهُ غَدًا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ وَاسْتَشْنٰی“  
 ”چلو باقی کل کھود لینا اور ساتھ ان شاء اللہ بھی کہے گا۔“

اس طرح جب وہ دوسرے دن آئیں گے تو دیوار کو اسی طرح پائیں گے جس طرح انہوں نے چھوڑی تھی اور پھر اس میں سوراخ کر کے لوگوں پر نکل آئیں گے۔ پانی پی کر ختم کر دیں گے اور لوگ ان سے بھاگیں گے، پھر وہ آسمان کی طرف تیر چلائیں گے جو خون میں لت پت ان کے پاس واپس آئے گا۔ اور وہ کہیں گے کہ ہم نے زمین والوں کو بھی دبا لیا اور آسمان والوں پر بھی چڑھائی کر دی۔ ان کا یہ قول ان کے دل کی سختی اور غرور کی وجہ سے ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کی گردنوں میں ایک کیڑا پیدا کر دیں گے جس سے وہ سب مرجائیں گے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

”قَوِّ الَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ اِنَّ دَوَابَّ الْاَرْضِ تَسْمَنُ وَتَبْطَرُ وَتَشْكُرُ شُكْرًا مِنْ حُومِهِمْ“ [جامع ترمذی، رقم: ۳۱۵۳]

”اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ زمین کے جانور ان کا گوشت کھا کر موٹے ہو جائیں گے اور مٹکتے پھریں گے اور ان کا گوشت کھانے پر اللہ تعالیٰ کا خوب شکر ادا کریں گے۔“

پھر ایک ایسا وقت بھی آئے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان ایمان والوں کے ساتھ ہوں گے کہ ادھر وہ دیوار جو سکندر ذوالقرنین نے بنائی تھی، وہ دیوار ٹوٹ جائے گی اور وہاں پر پہاڑوں میں بند یا جوج ماجوج نکل پڑیں گے۔

## یا جوج ماجوج کا محل و مقام: (۱)

یہ یا جوج ماجوج اولادِ آدم میں سے ہی ہوں گے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے تھے۔ ایک کا نام تھا سام، دوسرے کا نام تھا حام اور تیسرے کا نام تھا یافث۔ مغربی ملکوں کے جتنے لوگ نظر آتے ہیں..... جن کو ہم گورے کہتے ہیں..... یہ سب سام کی اولاد میں سے ہیں۔ حام کی اولاد میں سے حبشہ کے لوگ ہیں۔ یعنی افریقہ کے رہنے والے جتنے کالے حبشی ہیں، یہ حام کی اولاد میں سے ہیں اور جو یا جوج ماجوج ہیں، یہ یافث کی اولاد میں سے ہیں۔ ان کی اولاد میں سے ”ترک“ لوگ بھی ہیں۔ ”ترک“ لوگ پورے گورے بھی نہیں ہیں اور پورے کالے بھی نہیں ہیں، بلکہ درمیانی رنگت کے لوگ ہیں۔

## یا جوج ماجوج کی قومیت: (۲)

کتابوں میں لکھا ہے کہ یا جوج ماجوج کے بہت سارے قبیلے تھے، ان میں سے ایک قبیلہ دیوار کے اس طرف رہ گیا تھا، یہی لوگ ”ترک“ ہیں۔ اور باقی جو ہیں وہ دیوار کی دوسری طرف رہ گئے تھے۔ مگر جب دیوار ٹوٹے گی تو وہ سب وہاں سے نکل پڑیں گے اور پوری دنیا کے اندر پھیل جائیں گے۔ چونکہ ان کی تعداد بہت زیادہ ہوگی اس لیے وہ جہاں بھی جائیں گے، چیونٹیوں کی طرح جگہ کو بھر دیں گے، حتیٰ کہ کئی جگہوں پر جا کر یہ دریاؤں کا پانی ہی پی جائیں گے اور ان دریاؤں کا پانی ختم ہو جائے گا۔ ان کا ایک لشکر بحیرہ مردار کی طرف ہوگا اور پیچھے والا ابھی چل رہا ہوگا، یہ اتنے زیادہ ہوں گے۔ جب پیچھے والے وہاں آئیں گے تو اس جگہ پر پہنچ کر کہیں گے: ہاں! اس دریا میں

کبھی تو پانی ہوا کرتا ہوگا۔ حالانکہ وہ پانی اسی لشکر کے پہلے حصے نے ختم کیا ہوگا۔ ان کو جو چیز ملے گی، اسے کھا جائیں گے۔ یعنی وہ سانپ اور بچھو بھی کھا جائیں گے اور دوسرے درندوں کو بھی کھا جائیں گے۔ خیر! آج بھی اگر آپ چائے میں جائیں تو وہاں آپ کو سب کچھ کھانے والے مل جائیں گے۔

چائے کی کہانی..... ایک دوست کی زبانی: (۱)

ہمارے ایک ساتھی پہلی مرتبہ چائے گئے۔ کہنے لگے: مجھے بھوک لگی، میں نے کہا کہ چلو کھانا کھاتے ہیں۔ مجھے ریسٹورنٹ کا راستہ نہیں آتا تھا، حتیٰ کہ مجھے زبان بھی نہیں آتی تھی۔ میں سوچ میں پڑ گیا کہ مجھے تو زبان بھی نہیں آتی، میں ریسٹورنٹ کیسے پہنچوں؟ چنانچہ میں نے ایک چائینز کو بلا کر پیٹ کی طرف اشارہ کیا کہ مجھے بھوک لگی ہوئی ہے۔ وہ مجھے اشارہ کرنے لگا کہ آؤ میرے ساتھ آؤ۔ میں جب اس کے ساتھ گیا تو وہ مجھے بیٹ الخلاء لے کر چلا گیا..... میں کہہ رہا تھا کہ مجھے بھوک لگی ہے اور وہ یہ سمجھا کہ شاید اس کو پیٹ میں تکلیف ہو رہی ہے اور یہ فراغت حاصل کرنا چاہتا ہے..... وہاں جا کر پھر میں نے منہ کی طرف اشارہ کیا کہ بھئی! مجھے کچھ کھانا چاہیے، مجھے ایسی جگہ پر لے کر جاؤ۔ پھر وہ مجھے ریسٹورنٹ پہ لے کر گیا۔

کہنے لگے کہ وہاں ریسٹورنٹ میں میں نے دیکھا کہ چوہے بھی پکے ہوئے ہیں، سانپ بھی پکے ہوئے ہیں۔ ان کا پسندیدہ کھانا بندر کا دماغ ہوتا ہے، ان کے نزدیک بندر کا دماغ بڑی اچھی ڈش کہلاتی ہے۔ وہ یہ بھی کھاتے ہیں۔ پھر میں نے ایک جگہ دیکھا تو مجھے یوں لگا کہ بکرے کا گوشت پڑا ہوا ہے۔ میں نے سوچا کہ اچھا میں یہ کھا لیتا ہوں۔ لہذا میں نے چائینز سے پوچھا: یہ کس کا گوشت ہے؟ میرا خیال تھا کہ یہ بتائے گا

کہ یہ بکرے کا گوشت ہے۔ لیکن جب میں نے اس سے پوچھا تو وہ آگے سے کہنے لگا: **وَوَدَّوَدَ۔** پتہ چلا کہ یہ کتے کا گوشت تھا جو اس نے پکایا ہوا تھا..... ایسے گوشت کھانے والی قومیں تو آج بھی دنیا میں موجود ہیں۔ یا جوج ماجوج تو ہر چیز کو کھا جائیں گے۔

کو دِ طور پر محصور ہونا: (۱)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایمان والوں کے ساتھ ہوں گے اور وہ تھوڑے ہوں گے۔ ان کے لیے یا جوج ماجوج کا مقابلہ کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ اس وقت ان کو الہام ہوگا کہ آپ ایمان والوں کو لے کر کوہ طور پر چلے جائیے۔ چنانچہ وہ سارے ایمان والوں کو لے کر کوہ طور پر چلے جائیں گے اور وہاں پر محصور ہو جائیں گے۔ جیسے بندہ کسی جگہ پر جا کر بند ہو جاتا ہے ایسے بند ہو جائیں گے۔ ارد گرد کی تمام زمین کے اوپر یا جوج ماجوج کی گویا حکومت ہوگی، لیکن وہ ایمان والوں کو نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔

یا جوج ماجوج کی فتوحات: (۲)

اللہ کی شان دیکھیں کہ جب یا جوج ماجوج پوری دنیا کو ایک طرح سے فتح کر لیں گے تو پھر وہ سوچیں گے کہ اب ہم آسمان کی مخلوق کو بھی فتح کرتے ہیں۔ ان کے پاس تیر ہوں گے۔ وہ آسمان کی طرف رخ کر کے تیر چلائیں گے۔

یا جوج ماجوج کی موت: (۳)

مفسرین نے لکھا ہے کہ ان کے تیر خون میں ڈوبے ہوئے واپس کریں گے۔ اس سے ان کو محسوس ہوگا کہ جیسے کسی کو لگے ہیں اور خون آلود ہو کر واپس آئے ہیں۔ مگر وہ جو خون ہوگا وہ ایسا ہوگا کہ اس میں ایک وائرس ہوگا۔ وہ وائرس یا جوج ماجوج کے درمیان

پھیل جائے گا۔ چنانچہ ان کی گردن کے اوپر کچھ گلٹیاں بننا شروع ہو جائیں گی اور اس وائرس کی وجہ سے یا جوج ماجوج ساری کی ساری قوم ایک ہی وقت میں مرجائے گی۔ وہ اتنے زیادہ ہوں گے کہ زمین کے اوپر چند گز کی جگہ بھی خالی نہیں ملے گی، ہر جگہ پر یا جوج ماجوج کی لاشیں پڑی ہوں گی۔ اب ایمان والے ان کی لاشوں کو اٹھا نہیں سکیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ پرندوں کو بھیجیں گے۔ جیسے ایک پرندہ گدھ ہے۔ یہ گدھ مردار کھاتی ہے۔ اسی طرح بڑے بڑے پرندے ہوں گے، اونٹ کی لمبی گردنوں کی طرح ان کی گردنیں اور چونچیں ہوں گی، وہ ان کی لاشوں کو اٹھا کر سمندر میں کسی جگہ پر، جہاں اللہ چاہیں گے، پھینک دیں گے۔

### یا جوج ماجوج کی لاشوں سے زمین کی پاکی:

پھر اللہ تعالیٰ تیز بارش برسائیں گے اور اس بارش کی وجہ سے زمین کے اوپر جو یا جوج ماجوج کا خون ہو گا وہ بہہ جائے گا اور زمین بالکل پاک ہو جائے گی۔

### قحط کا خاتمہ اور برکات کا ظہور:

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایمان والوں کے ساتھ نکلیں گے۔ اس وقت روئے زمین پر سب کے سب نیک لوگ ہوں گے۔ چالیس سال ایسے گزریں گے کہ زمین پر کوئی نافرمانی کرنے والا نہیں ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ برکتوں کے دروازے کھول دیں گے۔ اتنی برکتیں ہوں گی کہ ایک گائے کا دودھ پورے خاندان کے لیے کافی ہو جائے گا..... اس وقت دنیا میں جو زیادہ سے زیادہ دودھ دینے والی گائے ہے وہ 24 گھنٹے میں 105 کلو دودھ دیتی ہے۔ یہ پوری دنیا میں ایک ریکارڈ ہے، مگر اس وقت کی گائے اتنا دودھ دے

گی کہ پورے کے پورے خاندان کے لیے کافی ہو جائے گا..... گندم بہت زیادہ ہوگی، فصلوں میں برکت ہوگی، حتیٰ کہ ایک انار پورے گھر کے افراد مل کر مشکل سے کھا سکیں گے، ایک انار اتنا بڑا ہوگا۔ یہ برکتیں کس لیے ہوں گے؟ اس لیے کہ اس وقت دنیا میں اللہ کی نافرمانی نہیں ہوگی۔

ایسی برکات آج کل کیوں نہیں؟

آج جو برکتیں رُکی ہوئی ہیں وہ ہمارے گناہوں کی وجہ سے رُکی ہوئی ہیں۔ جب زمین پر گناہ ختم ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ برکتوں کے دروازے کھول دیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ﴾

[الاعراف: ۹۶]

”اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو ہم کھول دیتے ان پر نعمتیں آسمان اور زمین سے۔“

برکات کا اختتام:

یہ برکتوں کا چالیس سال تک رہے گا۔ لیکن انسان بھولنے والا ہے اور غفلت میں پڑنے والا ہے چنانچہ ان میں آہستہ آہستہ غفلت آنا شروع ہو جائے گی اور اس غفلت کی وجہ سے فساد میں فسق و فجور آ جائے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چلے جائیں گے اور دنیا میں گناہ بڑھ جائے گا۔

سب مومنوں کی موت:

پھر ایک ایسا وقت آئے گا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہوا چلائیں گے۔ اس ہوا کے لگنے کی وجہ



سے ایمان والوں کو موت آجائے گی۔ اس کے بعد خبیث لوگ رہ جائیں گے۔ شرار الناس رہ جائیں گے، یہ بے دین قسم کے لوگ ہوں گے۔

بے شرمی کی انتہاء: ۱۱

حدیث پاک میں آیا ہے کہ یہ اتنے بے دین ہوں گے کہ ان کے اندر شرم و حیا نہیں ہوگی۔ حتیٰ کہ ایک جگہ پر کچھ لوگوں کا مجمع ہوگا اور ایک عورت اس مجمع کے قریب سے گزرے گی تو مجمع کا ایک بندہ وہیں سب کے سامنے اس عورت کے ساتھ بدکاری کرے گا۔ اس پورے مجمع میں انہیں اتنی بات کہنے والا بھی کوئی نہیں ہوگا کہ تم کہیں اوٹ میں چلے جاؤ۔ [المعجم الکبیر للطبرانی، رقم: ۸۵۸۵] یعنی شرم و حیا نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہ چکی ہوگی۔ وہ لوگ جانوروں کی طرح ہوں گے، جیسے جانور سب کے سامنے ایک دوسرے کے ساتھ ملاپ کر لیتے ہیں، وہ لوگ بھی جانوروں کی مانند ہوں گے اور سب کے سامنے بدکاریاں کرتے رہیں گے اور انہیں کوئی پروا نہیں ہوگی۔

قیامت کن لوگوں پر آئے گی؟ ۱۱

ان بدکاروں پر قیامت قائم ہوگی۔ جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ قیامت، شرار الناس پر قائم ہوگی۔ [صحیح مسلم، رقم: ۲۹۳۷]

تَخْوِيفُ أُخْرٰوٰی..... صور میں پھونک مارنے کا بیان: ۱۱

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ

اور پھونک ماریں گے صور میں

حضرت اسرافیل علیہ السلام صور میں پھونک ماریں گے اور یہ صور ”قَرْنٌ يُنْفَخُ فِيْهِ“

ابن ترمذی، رقم: [۲۴۳۰] (ایک سیٹنگ نمائش ہے، جس میں پھونک ماری جائے گی)۔  
ایک اور جگہ ارشاد ہے: ﴿وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصُيْعَتْ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ﴾  
مَنْ شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ ﴿۵۸﴾ [الزمر: ۶۸] (اور صور  
پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمین میں جتنے ہیں وہ سب بے ہوش ہو جائیں گے،  
سوائے اس کے جسے اللہ چاہے۔ پھر دوسری بار پھونکا جائے تو وہ سب لوگ ہل بھر میں  
کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے)۔

بیانِ حشر: (۱)

فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا ۝۹۹

پھر جمع کر لائیں گے ہم ان سب کو  
صور پھونکے جانے کے بعد سب لوگ خدا کے سامنے میدانِ حشر میں حساب و کتاب  
کے لیے اکٹھے کر دیئے جائیں گے۔

﴿وَعَرَّضْنَاهُمْ جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِلْكَافِرِينَ عَرْضًا ۝۱۰۰﴾

اور اس دن ہم دوزخ کو ان کافروں کے سامنے کھلی آنکھوں لے آئیں گے۔

کافروں کو جہنم کو دیکھنے کا منظر: (۱)

وَعَرَّضْنَاهُمْ جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِلْكَافِرِينَ عَرْضًا ۝۱۰۰

اور دکھلا دیں ہم دوزخ اس دن کافروں کو سامنے  
یعنی دوزخ کافروں کی آنکھوں کے سامنے کر دی جائے گی اور وہ اسے دیکھ

رہے ہوں گے۔ شاید کافروں کی تخصیص اس لیے کی کہ اصل میں دوزخ انہی کے لیے تیار کی گئی ہے اور ان کی آنکھوں پر دنیا میں پردہ پڑا ہوا تھا، اب وہ پردہ اٹھ گیا۔

## علامات کفار کا بیان

﴿الَّذِينَ كَانَتْ أَعْيُنُهُمْ فِي غِطَاءٍ عَنْ ذِكْرِي وَكَانُوا لَا يَسْتَطِيعُونَ سَمْعًا﴾ ١٠١

جن کی آنکھوں پر (دنیا میں) میری نصیحت کی طرف سے پردہ پڑا ہوا تھا، اور جو سننے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔

### پہلی علامت: ١

﴿الَّذِينَ كَانَتْ أَعْيُنُهُمْ فِي غِطَاءٍ عَنْ ذِكْرِي﴾

جن کی آنکھوں پر پردہ پڑا تھا میری یاد سے

یعنی ان کی آنکھوں پر غفلت، ضد اور جہالت کے پردے پڑے ہوئے تھے، ان کو اللہ کی ذات و صفات کی توحید و عظمت دکھائی نہیں دیتی تھی۔

آنکھوں پر پردے پڑنے کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ انسان آج تک یا جوج و ماجوج کی اقوام کو نہیں دیکھ سکے کہ وہ کہاں ہیں، جب اللہ کا حکم ہوگا تو وہ ظاہر ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ بعید نہیں کہ وہ کسی چیز کو انسانوں پر ایک مدت تک مخفی رکھے۔

اس نے حضرت عزیر علیہ السلام کو 100 سال تک لوگوں کی نظروں سے اوجھل رکھا اور اصحاب کہف کو تین سو نو سال تک غار میں سلائے رکھا اور اس عرصہ میں کسی انسان کی نظر

ان پر نہیں پڑی۔

فوائد السلوک: (۱)

ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کی ظاہری آنکھوں پر ایسا پردہ پڑا ہوا ہے جو انہیں عبرت حاصل نہیں کرنے دیتا اور ان کے دلوں کی آنکھوں پر ایسا پردہ پڑا ہوا ہے جو انہیں عالم ملکوت کے مشاہدہ سے روکے ہوئے ہے۔ اگر ان کے دل سے پردے کو ہٹا دیا جائے تو ان کی ظاہری آنکھیں بھی عبرت کی نگاہ سے دیکھنا شروع کر دیں گی۔

دوسری علامت: (۲)

وَكَانُوا لَا يَسْتَطِيعُونَ سَمْعًا ۝۱۱

اور نہ سن سکتے تھے

الوہیت اور ربوبیت کو یاد دلانے والے دلائل اور کلامِ الہی کی ہدایت آفریں بات کو سن بھی نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ اللہ نے ان کے لیے شقاوت لکھ دی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ کے ساتھیوں کی دشمنی اور عناد و ضد کو ان کے دلوں میں ڈال دیا تھا۔

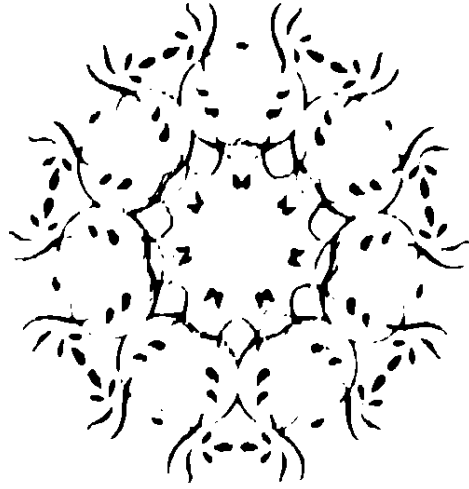
فوائد السلوک: (۲)

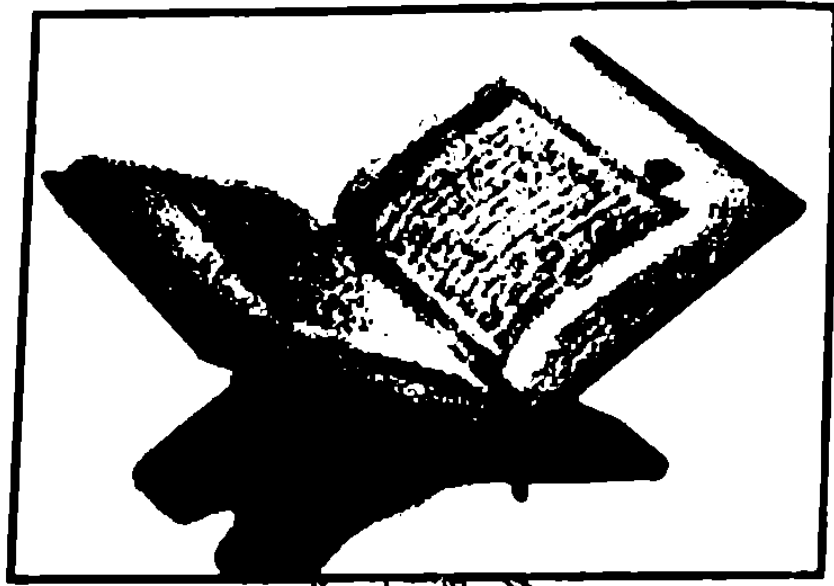
..... ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وہ اس لیے نہیں سن سکتے کہ ان کے کان حق بات سننے سے روک دیے گئے ہیں۔ اور جس کا دل سننے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو وہ باہر کے کانوں سے کیسے کوئی بات سن سکے گا؟! اس لیے کہ باہر کے کانوں کا سننا، دل کے سننے کے تابع ہے۔

..... حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ اللہ کا کلام، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صلحاء کی سیرت کو سننے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ چونکہ انہیں حق بات کو قبول کرنے

والوں میں سے پیدا نہیں کیا گیا، اس لیے حق بات سننے سے بھی روک دیا گیا۔  
مشرکین کی بدبختی: ۱۱

عجیب بات ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مشرکین کو تینوں سوالوں کے صحیح صحیح جواب دے دیے، مگر نہ تو مشرکین مکہ ایمان لائے اور نہ ہی یہودیوں کو ایمان لانے کی توفیق ہوئی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ کچھ لوگوں کا مقصد ہی فقط سوال کرنا ہوتا ہے، بات ماننے کا ارادہ نہیں ہوتا، ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتے۔





بارہواں رکوع  
(آیات 102 تا 110)

## رکوع کا خلاصہ



اس رکوع میں:

..... منکرین کی خام خیالی کو بیان کیا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ مخلوق کو کارساز سمجھتے ہیں۔ [آیت: ۱۰۲]

..... بیان کیا گیا ہے کہ دوزخ میں کافروں کی مہمان نوازی ہوگی۔ [آیت: ۱۰۲]

..... سب سے زیادہ خسارے والوں کی دو علامات بیان کی گئی ہیں:

پہلی علامت..... ان کی محنتیں دنیا میں ضائع چلی جاتی ہیں۔

دوسری علامت..... وہ اپنے کیے ہوئے اعمال کو باعثِ نجات سمجھتے ہیں۔ [آیت: ۱۰۳، ۱۰۴]

..... کافروں کے اعمال ضائع ہونے کے دو اسباب بیان کیے گئے ہیں:

پہلا سبب..... آیاتِ الہی سے انکار۔

دوسرا سبب..... لقاءِ الہی سے انکار۔ [آیت: ۱۰۵]

..... کفر کے دو نتائج بیان کیے گئے ہیں:

پہلا باب ..... اعمال کا مبالغہ ہونا۔

دوسرا باب ..... اعمال کا بے وزن ہونا۔ [آیت: ۱۰۵]

کفر کی حد اور اس کے دو سبب بیان کیے گئے ہیں۔ [آیت: ۱۰۶]

پہلا باب ..... کفر۔

دوسرا باب ..... آیت و انبیاء علیہ السلام کا استہزاء۔ [آیت: ۱۰۷]

ایمان و عمل صالح اور اس کا انعام جنت الفردوس بیان کیا گیا ہے۔

[آیت: ۱۰۸، ۱۰۹]

عظمت الہی کو بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کی تعریفیں بے حساب ہیں۔ [آیت: ۱۰۹]

حضرت محمد ﷺ کو پُر زور انداز سے ”بشر“ کہا گیا ہے۔ [آیت: ۱۱۰]

عقیدۂ توحید کو علی الاعلان بیان کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ [آیت: ۱۱۰]

آخر میں اٹھائے الہی اور دیدار الہی کا شوق دایا گیا ہے اور اس کے حصول کے لیے

دو اصول بیان کیے گئے ہیں:

پہلا اصول ..... عمل صالح۔

دوسرا اصول ..... شرک سے پرہیز۔ [آیت: ۱۱۰]

موجودہ اور سابقہ دور میں مماثلت: (۱)

صحابہ کرام علیہم السلام کا زمانہ مشرکین مکہ کا زمانہ تھا، بت پرستی کا زمانہ تھا، اس زمانے کے لوگ بتوں سے اپنی حاجات کو مانگا کرتے تھے، لہذا وہ کافر دین کے دشمن تھے۔ آج کا زمانہ نفس پرستی کا زمانہ ہے، ہر بندہ اپنے نفس کی پوجا کرنے میں لگا ہوا ہے، نفس کی خواہشات پوری ہو جائیں، چاہے شریعت کے مطابق ہوں یا شریعت سے ہٹ کے ہوں۔ اس کا مقصد اپنے نفس کی خواہشات کو پورا کرنا ہے۔



مشرکین مکہ شرک جلی کا ارتکاب کرتے تھے یعنی واضح شرک کرتے تھے اور ہم جو نفس پرست لوگ ہیں، ہم شرک خفی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ آپ یوں سمجھیں کہ اُس زمانے میں بھی ایک ٹولہ تھا جو مشرکین کا تھا اور آج کے دور میں بھی ایک جماعت ہے جو مشرکین کی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے نفس کو شریک کرتے ہیں۔

ہم آج کہتے ہیں کہ ہم نے کرنا تو وہ ہے جو ہماری مرضی ہو۔ بھئی! کلمہ پڑھنے کے بعد ہماری مرضی کہاں چلتی ہے؟ اب تو اللہ کی مرضی چلے گی نا۔ ہم یہ نہیں کہتے ہیں کہ جو اللہ کی مرضی ہوگی ہم وہ کریں گے، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ ہم وہ کریں گے جو ہماری مرضی ہوگی۔ اس گھر میں وہ ہوگا جو میں چاہوں گا۔ بھئی! ”میں چاہوں“ کی بات نہیں ہے، جو اللہ چاہے وہ ہونا چاہیے اس گھر میں۔ ہم اپنے نفس کی خواہشات کو پورا کرنے میں لگے ہوئے ہیں اور یہ شرک خفی ہے۔ اس سے بھی منع کیا گیا ہے۔

نبی ﷺ جانتے تھے کہ قربِ قیامت کا زمانہ نفس پرستوں کا زمانہ ہوگا۔ نفس پرستی، خواہش پرستی، زر پرستی اور زن پرستی، یہ سب کی سب بُت پرستی ہی کی اقسام ہیں، خدا پرستی کوئی اور چیز ہوتی ہے۔ اس لیے نبی ﷺ نے بتلادیا کہ ایسے زمانے میں سورہ کہف کا پڑھنا فائدہ مند ہوتا ہے۔ کیونکہ سورہ کہف میں انسان کو نفس کی پوجا کے بجائے اللہ رب العزت کی عبادت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے اور دنیا کے ساتھ دل لگانے کے بجائے آخرت سے دل لگانے کی ترغیب دی گئی ہے۔

رحمتِ الہی کا ذکر: (۱)

اس سورت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء ﷺ اور اولیاء کا ذکر فرما کر ان کے ایک مشترکہ نظریے کو بیان کیا ہے کہ وہ سب اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار تھے اور

نبیوں نے اپنی ہر کارگزاری کو رحمتِ خداوندی پر محمول کیا۔

آگے اللہ نے توحید کی بات سمجھائی ہے کہ جب اللہ کے مقربین انبیاء اور اولیاء، اللہ کی رحمت کے طلبگار ہیں تو ان کافروں نے اللہ کو چھوڑ کر غیروں کو اپنا دوست اور کارساز کیسے بتایا ہے؟ اس سورت میں مذکورہ انبیاء، پیغمبر اور اولیاء کا حال دیکھ لو، وہ تو کئی کئی وجوہات اور مشکل مشکل کشائی نہیں کرتے تھے، مگر مشرک لوگ انہی انبیاء، پیغمبر اور اولیاء کو دنیا میں اپنا کارساز سمجھتے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کی صفات میں شریک سمجھتے ہیں۔

الْحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِنْ دُونِي أَوْلِيَاءَ ۚ إِنَّا أَعْتَدْنَا  
جَهَنَّمَ لِّلْكَافِرِينَ نَزِيقًا ۖ

جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، کیا وہ پھر بھی یہ سمجھتے ہیں کہ مجھے چھوڑ کر میرے ہی بندوں کو اپنا رکھوالا بنائیں گے؟ یقین رکھو کہ ہم نے ایسے کافروں کی مہمانی کے لیے جہنم تیار کر رکھی ہے۔

مفسرین کی خام خیالی کا بیان :

الْحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِنْ دُونِي أَوْلِيَاءَ ۚ

اب کیا سمجھتے ہیں منکر کہ ٹھہرائیں میرے بندوں کو اپنا رکھوالا

”عبادِی“ سے مراد فرشتے، سچے بندے اور عزیز ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ شیطان مراد ہیں جن کی اطاعت اللہ تعالیٰ کے احکامات کے خلاف ہے۔ امام مقاتل نے یہاں کے نزدیک بت مراد ہیں۔

یعنی کافر جیسا خیال کرتے ہیں واقعہ ایسا نہیں ہے، ان کے معبودان کے دشمن ہیں، قیامت کے دن ان سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔ نیک بندے تو کافروں کے دشمن ہی ہیں، اس میں کوئی شبہ ہی نہیں ہے۔ رہے شیاطین اور بت تو یہ بھی قیامت کے دن باہم تکفیر کریں گے، ایک دوسرے پر لعنت بھیجے گا اور اپنے پرستاروں سے سب اظہارِ نفرت و براءت کریں گے۔

کافروں کی مہمانی کا بیان: ﴿١٨﴾

إِنَّا آَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ نُزُلًا ﴿١٨﴾

ہم نے تیار کیا ہے دوزخ کو کافروں کی مہمانی جو لوگ میرے بندوں میں سے میرے سوا کسی کو اپنا کارساز بنائیں گے، بے شک ہم نے ایسے کافروں کے لیے جہنم کی آگ بطور مہمانی تیار کر رکھی ہے، ان کو وہاں پر کوئی راحت نہیں ہوگی، بلکہ طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ آیت میں کافروں کے لیے استہزاء کے طور پر جہنم کو ”طعامِ ضیافت“ قرار دیا گیا ہے۔

﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا﴾ ﴿١٩﴾

کہہ دو کہ کیا ہم تمہیں بتائیں کہ کون لوگ ہیں جو اپنے اعمال کے لحاظ سے سب سے زیادہ

خسارے میں ہیں؟

سب سے زیادہ خسارے والوں کا بیان: ﴿٢٠﴾

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ﴿٢٠﴾

تو کہہ! ہم بتائیں تم کو کن کا کیا ہوا گیا بہت اکارت؟

یہ آیت مبارکہ پوری سورہ کہف کے واقعات کا نچوڑ ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ ایک خطیب بیان کرتا ہے، وہ اپنے موضوع کے اعتبار سے مختلف آیات، مختلف احادیث اور مختلف واقعات بیان کرتا ہے، لیکن جب بات کو مکمل کرنے لگتا ہے تو پھر وہ اپنی بات کو سمیٹتا ہے اور آخر میں وہ باتیں کرتا ہے جو پوری تقریر کا لب لباب اور نچوڑ ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح اللہ رب العزت نے سورہ کہف کے اندر پانچ واقعات بیان فرمائے اور سکندر ذوالقرنین کا آخری واقعہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان تمام واقعات کا نچوڑ نکالا۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا داروں کی مذمت کی کہ جو لوگ دنیا سے دل لگا لیتے ہیں اور سب کچھ دنیا کو ہی بنا لیتے ہیں، ان کے بارے میں بتایا کہ یہ لوگ بہت نقصان اٹھانے والے ہیں۔ اور ایسے لوگ کفار ہو سکتے ہیں جو قیامت قائم ہونے اور دوسرے دنیا کی زندگی پانے کے منکر تھے اور دنیوی فائدہ ہی ان کا مقصود زندگی تھا، اس زندگی میں جن طریقوں سے وابستہ ان کو نظر آتے تھے، انہی راستوں پر چلتے تھے اور ان کو جانتے تھے کہ اس دنیا کے سوا کوئی اور زندگی نہیں۔ جیسے عیسائی، یہودی، مسلمان، ماناوا، نشین اور گمراہ راہب وغیرہ۔

فوائد السلوک:

..... ابو بکر و راقیؓ فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ نیک انسان وہ ہے جو اپنی نیکی احسان جتلانے اور شکر یہ کی طلب سے باز رہے اور اپنی نیکیاں ریاد نمود کے ذریعے برباد کرتے ہیں۔



## سب سے زیادہ گھائے والوں کی دو علامات

الَّذِينَ ضَلَّ سَبِيلُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يُخْسِنُونَ اِنَّهُمْ لَخَسِرَانٌ  
ضُنْعَانٌ

یہ وہ لوگ ہیں کہ دنیوی زندگی میں ان کی ساری دوڑ دھوپ سیدھے راستے سے بھٹکی  
رہی، اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔

پہلی علامت: (۱)

الَّذِينَ ضَلَّ سَبِيلُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

وہ لوگ جن کی کوشش بھٹکتی رہی دنیا کی زندگی میں

ان کو صبح سے لے کر شام تک دنیا کے کام کا غم ہوتا ہے، دنیا ہی کی پریشانیاں اور دنیا  
ہی کے معاملات، وہ دنیا ہی کو بنانے میں لگے ہوتے ہیں، اس میں آخرت کا کوئی نشان  
ہی نظر نہیں آتا۔ وہ اپنا پروگرام بناتے ہیں تو یہ کہ آج میں نے بزنس میں اتنا مارگٹ پورا  
کرنا ہے، آج میں نے یہ عمارت مکمل کروانی ہے اور آج میں نے یہ فیکٹری مکمل کروانی  
ہے، یعنی ان کے جتنے مارگٹ بھی ہوتے ہیں وہ دنیا ہی سے متعلق ہوتے ہیں۔ کوئی ایسا  
مارگٹ نہیں ہوتا کہ آج میں نے اتنی تلاوت کرنی ہے، اتنے نفل پڑھنے ہیں، اتنا  
استغفار کرنا ہے اور اتنا درود شریف پڑھنا ہے۔ یہ ان کے لکھنے میں ہی نہیں آتا۔ یعنی  
ان کی زندگی کو دیکھو تو صبح سے لے کر شام تک ان کا ایک ہی کام ہوتا ہے کہ دنیا کی زندگی  
سنور جائے۔ دنیا کی زندگی سنوارنا ان کا مقصد زندگی بن چکا ہوتا ہے۔ اور جس کی دنیا

کی زندگی سنور جاتی ہے اور اس کے پاس مال پیسہ ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو بڑا خوش نصیب سمجھتا ہے۔

### حالاتِ حاضرہ: (۱)

روسی تو ویسے ہی خدا کے منکر ہیں اور وہ عقیدہ خدا کو 'افیون' سے تعبیر کرتے ہیں، ان کے نزدیک یہ مادی دنیا ہی اوّل و آخر ہے۔ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول، اس کی کتابیں، وقوعِ قیامت اور جزا و سزا سب بناوٹی باتیں ہیں اور لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے وضع کی گئی ہیں۔

سرمایہ دارانہ نظام میں بھی عام لوگوں کو پھنسا یا جاتا ہے اور امیر لوگ غریبوں کا خون چوس چوس کر سرمایہ اکٹھا کرنے اور دنیا میں عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے کے لیے جائز و ناجائز ذرائع اختیار کرتے ہیں۔ آخرت کا تصور ان کے ہاں بھی برائے نام ہی ہے، ان میں سے کسی کا منتہائے مقصود آخرت اور رضائے الہی نہیں، بلکہ ان کی ساری بھاگ دوڑ... علم و ہنر، سائنس اور ٹیکنالوجی محض دنیا کی خاطر ہے۔ وہ ہمیشہ معیاری خوراک، معیاری لباس، معیاری رہائش اور معیاری سواری کے چکر میں پڑے رہتے ہیں، ان کے تمام منصوبے، تمام کارخانے اور تمام کمپنیاں دنیا کے آرام و راحت کے سامان مہیا کرنے پر کام کر رہے ہیں۔ ان کے علم کی انتہا دنیا تک محدود ہے، نہ وہ کسی برزخ کے قائل ہیں، نہ آخرت کے، نہ کسی نبی کو مانتے ہیں اور نہ کسی آسمانی کتاب کو۔ چین اور روس کے اکثر لوگ تو سرے سے خدا کے منکر ہیں، باقیوں میں سے بھی اکثر ملحد ہیں، خاص طور پر امریکہ تو ملحدین کا گڑھ ہے، کمیونسٹ تو کارل مارکس کی کتاب کو ہی صحیفہ آسمانی سمجھتے ہیں، جس میں صرف معاشی بہتری کے اصول بتلائے گئے ہیں اور اس

آ کے پلٹ نہیں، "میں تو مضمون الانوار لے رہا تھا صلی ہے"

"اللہم لا تجعل الدنيا أكبر هموم ولا مبلغ علمي" "اللہ رب العالمین، رقم ۱۹۳۴

"اے اللہ! ہمارا دنیا کے ملامت اور مبلغ علم صرف دیا تو ہی نہ بنا۔"

قرآن مجید نے کفار و مشرکین اور ہر یوں کی یہی صلیت بیان کی ہے: "(انّ هؤلاء لکفّور، العاجلہ ویدزون وراءہذ یوقاٹفہلہ) (۱۲) (اللہ صراۓ ۱۲) (یہ لوگ تو دنیا کی فوری بیزوں سے صلیت کرتے ہیں اور اپنے آگے جو ہماری دن آئے والا، اسے نظر انداز کیے ہوئے ہیں)۔ فرمایا کہ یہ لوگ اعمال کے لحاظ سے صلیت ہمارے میں ہیں؛ کیونکہ جس مادی دنیا کے پیچھے لگے ہوئے ہیں وہ تو جلد ہی مستم ہو جائے گی اور پھر سوائے اللہ تعالیٰ کی گرفت کے ان کے لیے پلٹ نہیں ہوگا۔

فوائد السلوک: (۱)

شیخ ابو عبد الرحمن سلمیٰ فرماتے ہیں: "السّغی فی الدّنیَا بالانْہَانِ، والسّغی الی الآخرۃ بالقلوب، والسّغی الی اللّٰہ تعالیٰ بالہم" (دنیا میں بھاگ دوڑ جسم کے ذریعے کی جاتی ہے، آخرت کے لیے بھاگ دوڑ دل کے ذریعے کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگ دوڑ ہمتوں کے ذریعے کی جاتی ہے)۔

دوسری علامت: (۱)

وہمہ یحسنون انھم یحسنون صنعا (۱)

اور وہ سمجھتے رہے کہ خوب بناتے ہیں کام

آج کے دور میں جو بچہ زیادہ پیسے گھر میں لے کر آتا ہے، ہاپ اس سے خوش ہوتا ہے، کھلے وہ نماز ایک بھی نہ پڑھتا ہو۔ اور اسی کا ایک بچہ متلی ہے، پرہیزگار ہے، مہادت

گزار ہے، لیکن کمائی نہیں کرتا تو باپ اس کو اپنے لیے بوجھ سمجھتا ہے کہ یہ پتہ نہیں ہمارے گھر میں کہاں سے آگیا۔ گویا آخرت کی تیاری کے بارے میں ہمیں پرواہی نہیں ہے، اگر پرواہ ہے تو فقط اس دنیا کے بارے میں ہے۔

طلبہ کے لیے علمی نکتہ: (۱)

سوال: فرمان الہی ہے: ﴿وَهُمْ يَخْسِبُونَ أَنَّهُمْ يُخْسِنُونَ صُنْعًا﴾ (اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں)۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنے اعمال کو نیک اور اچھا سمجھتا ہے، جبکہ بعض دیگر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنی ناشکری پر گواہ ہے اور سمجھتا ہے کہ میں ناشکرا ہوں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ﴾ وَإِنَّمَا عَلٰی ذٰلِكَ لَشَهِيدٌ ﴿۱﴾ [العادیات: ۷، ۸] (کہ انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے۔ اور وہ خود اس بات کا گواہ ہے)۔

پہلا جواب: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ انسان کی گواہی اپنی ناشکری پر بزبانِ حال ہے، اگرچہ زبان سے اقرار نہیں کرتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَاكَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْبُرُوا مَسْجِدَ اللَّهِ شَهِدَيْنِ عَلٰی أَنفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ﴾ [التوبہ: ۱۷] (مشرکین کے اہل نہیں ہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں، حالانکہ وہ خود اپنے کفر کا شہید بنے ہوئے ہیں)۔

دوسرا جواب: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ انسان کی یہ گواہی قیام میں ہوگی، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَشَهِدُوا عَلٰی أَنفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ﴾ [النعام: ۱۳۰] (اور اب انہوں نے خود اپنے خلاف گواہی دے دی کہ وہ کفر سے تائب نہیں ہوئے)۔ ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاعْتَبِرُوا يٰٓأَهْلَ الْكِتَابِ﴾



سورہ کہف کے فوائد (جلد دوم) ﴿١٨﴾

الشَّعِيزِ ﴿١٨﴾ [الک: ١١] (اس طرح وہ اپنے گناہ کا خود اعتراف کر لیں گے۔ فرض پہنکار ہے دوزخ والوں پر)۔

چنانچہ معلوم ہوا کہ انسان کی یہ ناشکری کی گواہی قیامت کے دن ہوگی اور خود کو دنیا میں نیک اور اچھا سمجھ رہا ہے۔

[تطبیق الآیات، صفحہ ۴۷۱، ۴۷۲]

## ضیاع اعمال کے دو اسباب

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِمْ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا تُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَزْنًا﴾ ﴿١٨﴾

یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے مالک کی آیتوں کا اور اس کے سامنے پیش ہونے کا انکار کیا، اس لیے ان کا سارا کیا دھرا غارت ہو گیا۔ چنانچہ قیامت کے دن ہم ان کا کوئی وزن شمار نہیں کریں گے۔

پہلا سبب..... آیاتِ الہی سے انکار: (۱)

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ

وہی ہیں جو منکر ہوئے اپنے رب کی نشانیوں سے

”آیات“ سے اللہ تعالیٰ کے تمام احکام، کتب، معجزات، انبیاء اور بعث بعد الموت

وغیرہ مراد ہیں۔ ان لوگوں نے کسی حقیقت کو تسلیم نہ کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے تمام نیک اعمال ضائع ہو گئے۔

دوسرا سبب..... لقاء الہی سے انکار: (۱)

ولقاءہ

اور اس کے ملنے سے

اعمال کے ضائع ہونے کا دوسرا سبب ملاقات الہی سے انکار ہے۔ چونکہ لغار اللہ کی ملاقات اور دیدار کے منکر ہیں، یہی وجہ ہے کہ انہیں آخرت میں دیدار الہی سے محروم ہوگی۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَخْجُونُونَ﴾ [الطہ: ۱۵] (ہرگز نہیں! حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اس دن اپنے پروردگار کے دیدار سے محروم ہوں گے)۔

## کفر کے دو نتیجے

پہلا نتیجہ: (۱)

فَحَبِطَتِ أَعْمَالُهُمْ

سو برباد گیا ان کا کیا ہوا

یعنی وہ کام جو دنیا کمانے کے لیے انہوں نے کیے تھے یا وہ اعمال جو اخروی ثواب کی خاطر انہوں نے کیے تھے، سب کے ثواب سے محروم رہیں گے، کیونکہ نیک اعمال قبول ہونے کی بنیادی شرط ایمان ہے اور وہ کافر تھے۔

حبط عمل کی تین صورتیں: (۱)

حبط عمل کی تین صورتیں ہیں:

① اول یہ کہ وہ اعمال دنیوی ہوں گے، اس لیے قیامت کے دن کچھ کام نہیں آئیں گے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: (وَقَدْ مَنَّآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَاءً مَّنْثُوْرًا) ﴿٢٣﴾ الفرقان: ۲۳ (اور انہوں نے دنیا میں جو عمل کیے ہیں، ہم ان کا فیصلہ کرنے پر آئیں گے تو انہیں فضا میں بکھرے ہوئے گرد و غبار کی طرح بے قیمت بنا دیں گے)۔

② اعمال تو اخروی ہوں، لیکن انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے نہ کیا گیا ہو، جیسا کہ روایات میں آیا ہے کہ قیامت کے دن ایک آدمی کو لایا جائے گا اور اس سے پوچھا جائے گا کہ تُو کس قسم کے عمل کرتا رہا؟ وہ جواب دے گا کہ میں قرآن پاک پڑھتا رہا۔ اس سے کہا جائے گا کہ تُو نے قرآن اس لیے پڑھا تھا کہ تجھے قاری کہا جائے، سو لوگ تجھے قاری کہتے رہے، حکم ہوگا کہ اس دوزخ میں لے جاؤ۔

③ تیسری صورت یہ ہے کہ اعمالِ صالحہ کیے ہوں گے، لیکن ان کے بالمقابل گناہ کا بار اس قدر ہوگا کہ اعمالِ صالحہ بے اثر ہو کر رہ جائیں گے اور گناہوں کا پلہ بھاری رہے گا۔  
[مفردات القرآن للامام الراغب: تحت ہذہ الآیۃ]

دوسرا نتیجہ: ))

فَلَا تُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَزْنًا ﴿١٥﴾

پھر نہ کھڑی کریں گے ہم ان کے واسطے قیامت کے دن تول وزن قائم نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے ہاں ان کی کوئی قدر نہ ہوگی، اللہ ان کے ان اعمال کا اعتبار نہیں کرے گا..... وزن کرنے کی ضرورت تو تب پیش آئے گی جب برائیوں کے ساتھ نیک اعمال بھی ہوں گے، اور اگر نیک اعمال ان کے کفر و شرک کی وجہ سے پہلے ہی ضائع ہو چکے ہیں تو اب ترازو لگانے کا کیا مطلب؟ ان کے لیے جہنم

کا حکم ہو جائے گا..... آیت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اعمال تو لے جائیں گے، مگر وہ بالکل بے وزن ہوں گے اور ان کا کوئی اچھا نتیجہ مرتب نہیں ہوگا۔  
دنیا کا وزنی، آخرت کا بے وزن: ﴿۱﴾

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: "إِنَّهُ لِيَأْتِيَ الرَّجُلَ الْعَظِيمُ السَّمِينُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، لَا يَزُنُّهُ اللَّهُ جَنَاحَ بُعُوضَةٍ" (قیامت کے دن ایک بڑا موٹا تازہ آدمی آئے گا، مگر وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر سے بھی زیادہ حقیر ہوگا)۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس آیت "لَنُقِيمَنَّ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا" کا مطلب یہی ہے، یعنی ہم قیامت کے دن ان کے لیے وزن قائم نہ کریں گے۔ [صحیح بخاری، رقم: ۴۷۲۹]  
طلبہ کے لیے علمی نکتہ: ﴿۱﴾

سوال: کفار کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا﴾ (قیامت کے دن ہم ان کے لیے ترازو مقرر نہیں کریں گے) یعنی ہم کفار کے اعمال کو تولنے کے لیے ترازو مقرر نہیں کریں گے، اس لیے کہ ترازو اعمال کا وزن کرنے کے لیے ہوتا ہے اور کافروں کے افعال کا کوئی وزن نہیں ہوگا، مگر دوسری آیت میں فرماتے ہیں: ﴿وَأَقَامَنَّ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ﴾ ۸ ﴿فَأَقْدُهَا وَبَيَّتْ﴾ ۹ ﴿[القارعة: ۸، ۹]﴾ (اور وہ جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے تو اس کا ٹھکانا ایک گہرا گڑھا ہوگا)۔

اس آیت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ کفار کے اعمال کا وزن کیا جائے گا۔  
آیتوں میں بظاہر تعارض واقع ہوا۔ تطبیق کیسے ہوگی؟

جواب: پہلی آیت کفار کے متعلق ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اعمال کے لیے ترازو قائم نہیں کی جائے گی، جبکہ دوسری آیت ان مومنین کے متعلق ہے جن کے اعمال کا وزن کیا جائے گا۔

(برائیاں) ان کی حسنت (نیکیوں) سے زیادہ ہوں گی۔ ان سیئات کی پاداش میں وہ جہنم میں داخل ہوں گے، مگر ہمیشہ اس میں نہیں رہیں گے، بلکہ سزا بھگتنے کے بعد اس سے خلاصی پا کر جنت میں داخل ہوں گے۔ لہذا کچھ تعارض نہ رہا۔

[مسائل الرازی، صفحہ ۲۴۹]

﴿ذَلِكَ جَزَاءُ هُمُ جَهَنَّمَ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا﴾

یہ ہے جہنم کی شکل میں ان کی سزا، کیونکہ انہوں نے کفر کی روش اختیار کی تھی، اور میری آیتوں اور میرے پیغمبروں کا مذاق بنایا تھا۔

کفر کی سزا کا بیان: (۱)

ذَلِكَ جَزَاءُ هُمُ جَهَنَّمَ

یہ بدلہ ان کا ہے دوزخ

چنانچہ کفار کو آخرت میں دوزخ کی سزا ملے گی اور انہیں ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر کہا جائے گا کہ یہ وہی دوزخ ہے جسے تم جھوٹ کہتے تھے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَوْمَ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا﴾ ۱۳ ﴿هَذِهِ النَّارُ الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ﴾ ۱۴ [الطور: ۱۳، ۱۴] (اس دن جب انہیں دھکے دے دے کر جہنم کی آگ کی طرف دھکیلا جائے گا۔ کہ یہ ہے وہ آگ جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے)۔

سزا کا پہلا سبب: (۱)

بِمَا كَفَرُوا

اس پر کہ منکر ہوئے

چنانچہ اللہ تعالیٰ کفار کی سزا کا پہلا سبب بیان فرما رہے ہیں کہ چونکہ وہ دنیا میں کفر کی تاریکی میں پھنسے رہے اور انکار پر ڈٹے رہے۔ لہذا اب ان کو آخرت میں یہ سزا دی جارہی ہے۔

سزا کا دوسرا سبب: ﴿۱۰۳﴾

وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا ﴿۱۰۳﴾

اور ٹھہرایا میری باتوں اور میرے رسولوں کو ٹھٹھا

پھر یہاں پر سزا کا دوسرا سبب بیان فرمایا ہے کہ کفار کو دوزخ میں اس لیے جلایا جائے گا کہ انہوں نے آیاتِ الہیہ اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ انبیاء اور اولوالعزم رسولوں کا مذاق بنایا، ان کی تعلیمات کا استہزاء اڑایا۔

﴿۱۰۴﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿۱۰۴﴾

(دوسری طرف) جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں، ان کی مہمانی کے لیے بے شک فردوس کے باغ ہوں گے۔

ایمان و عمل صالح کا بیان: ﴿۱۰۵﴾

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک عمل کیے ہیں

یہاں سے اللہ تعالیٰ ایمان اور عمل صالح کے بارے میں ارشاد فرما رہے ہیں کہ ان

دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے، اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ایمان اور عمل صالح کا اکٹھے تذکرہ کیا گیا ہے، چنانچہ جس طرح چابی کے لیے دندانے ضروری ہوتے ہیں۔ ان کے بغیر تالا نہیں کھلتا، اسی طرح ایمان کی چابی کے لیے عمل صالح کے دندانے بھی ضروری ہیں۔

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: ”ألنيس مفتاح الجنة لا إله إلا الله؟“ (کیا کلمہ لا الہ الا اللہ جنت کی کنجی نہیں ہے؟) انہوں نے فرمایا: ”بلی، واللہ لنیس من مفتاح إلا و لہ أسنان، من أتى الباب بأسنانه ففتح له، و من لم يأت الباب بأسنانه لم يفتح له“ (مکھوۃ المصابیح، رقم: ۴۳) (کیوں نہیں، لیکن ہر چابی کے دندانے ہوتے ہیں، چنانچہ جو شخص جنت کے دروازے پر داندانوں والی چابی لے کر آئے گا تو اس کے لیے دروازہ کھل جائے گا اور جو بغیر داندانوں والی چابی لے کر آئے گا تو اس کے لیے دروازہ نہیں کھولا جائے گا)۔

تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے: (۱)

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص دنیا میں قرآن پر عمل کرتا ہے اس کے لیے قیامت کے دن قرآن کو بہت خوبصورت شکل میں بنادیا جائے گا، اس کا چہرہ خوبصورت اور اس کی خوشبو پاکیزہ ہوگی۔ وہ اپنے ساتھی کے پہلو میں کھڑا ہوگا، جب بھی وہ گھبرائے گا تو اس کی گھبراہٹ کو دور کرے گا، اُسے سکون دے گا اور اس کی امیدوں کو کشادہ کرے گا اور وہ شخص اسے کہے گا:

”جَزَاكَ اللَّهُ خَيْرًا مِنْ صَاحِبِ فَمَا أَحْسَنَ صُورَتَكَ! وَأَطْيَبَ رِيحَكَ!“  
 ”اللہ تعالیٰ تجھے اپنے ساتھی کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے، (تو کون ہے؟) کیا

ہی اچھی تیری صورت ہے اور کیا ہی اچھی تیری خوشبو ہے۔“

وہ اس سے کہے گا:

”أَمَا تَعْرِفُنِي؟“

”کیا تو مجھے نہیں پہچانتا؟“

”تعال! فَارْكَبْنِي فَمَا لَمَّا رَكِبْتَكَ فِي الدُّنْيَا أَنَا عَمَلُكَ. إِنَّ عَمَلُكَ كَانَ حَسَنًا

فَتَرَى صُورَتِي حَسَنَةً وَكَانَ طَبِيبًا فَتَرَى رِيحِي طَيِّبَةً“

”تو آ جا اور مجھ پر سوار ہو جا میں نے تجھ پر دنیا میں بہت لمبا عرصہ سواری کی میں تیرا عمل

ہوں، اگر تیرا عمل حسین تھا تو نے میری صورت بھی حسین دیکھی اور اگر تیرے عمل کی

خوشبو پاکیزہ تھی تو میری خوشبو بھی پاکیزہ دیکھے گا۔“

وہ عمل اسے اٹھا کر اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچا دے گا اور عرض کرے گا: اے میرے

رب! یہ فلاں ہے (حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کو اس سے زیادہ جانتے ہوں گے)، میں نے

اس کو زندگی کے دنوں میں مشغول رکھا، دنیا میں کبھی میں نے اس کو دن میں ~~پہنا دیا~~ اور

اس کو راتوں میں جگائے رکھا، آپ اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرمائیے۔

چنانچہ اس کو بادشاہ والا تاج پہنایا جائے گا اور بادشاہ والا جوڑا پہنایا جائے گا۔

قرآن مجید کہے گا:

”يَا رَبِّ! قَدْ كُنْتُ أَزْغَبُ لَكَ عَنْ هَذَا وَأَرْجُو لَكَ مِنْكَ ~~فَضْلًا~~ مِنْ هَذَا“

”اے میرے رب! میں اس کی خاطر دنیا کی چیزوں سے ~~میں~~ موڑے رہا، اب میں اس

کے لیے تیری طرف سے اس سے ~~میں~~ فضل کی امید رکھتا ہوں۔“

اس کے بعد اس کے دائیں جانب سے جنت اور بائیں جانب سے نعمتیں عطا کی

جائیں گی۔ قرآن مجید کہے گا:



”يَا رَبِّ! إِنَّ كُلَّ تَاجِرٍ قَدْ دَخَلَ عَلَى أَهْلِهِ مِنْ تِجَارَتِهِ، فَيُشَفِّعُ فِي أَقَارِبِهِ“  
[تفسیر درمنثور: تحت آیہ ۱۰۵ من سورۃ الکہف]

”اے میرے رب! ہر تاجر اپنے اہل و عیال پر اپنی تجارت کے ساتھ داخل ہوتا ہے،  
اس پر اس کی سفارش اس کے اقارب کے حق میں قبول کر لی جائے گی۔“

ایمان و عمل صالح کا انعام: (۱)

كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝۶

ان کے واسطے ہے ٹھنڈی چھاؤں کے باغ مہمانی

اللہ پر ایمان رکھنے والے، اس کے رسولوں کو سچا ماننے والے اور ان کی باتوں پر عمل کرنے والے بہترین جنتوں میں ہوں گے، یہی ان کا مہمان خانہ ہوگی۔ یہ یہاں ہمیشہ کے لیے رہیں گے، نہ نکالے جائیں گے اور نہ ہی انہیں وہاں سے نکلنے کا خیال آئے گا۔ اس سے بہتر کوئی اور جگہ نہیں ہوگی، ہر طرح کے اعلیٰ عیش مہیا ہوں گے، ایک پر ایک رحمت مل رہی ہوگی، روز بروز رغبت و محبت، انس و الفت بڑھتی جا رہی ہوگی، اس لیے نہ تو ان کی طبیعت اکتائے گی اور نہ ہی دل بھرے گا، بلکہ ہر روز شوق بڑھتا رہے گا اور نئی نئی نعمتیں ملتی رہیں گی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ”جَنَّات“ جمع لانے کی وجہ یہ ہے کہ

بہشت سات ہیں:

①..... جنت الفردوس

②..... جنت عدن

③..... جنت النعیم

④..... دارالخلد

⑤..... جنت الماویٰ

⑥..... دارالسلام

⑦..... علیین

فردوس کی تحقیق: (۱)

فردوس کا معنی ”باغ“ ہے۔ حضور ﷺ نے ”فردوس“ کو جنت کا اعلیٰ طبقہ قرار دیا ہے، اسی لیے فرمایا: ”فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللَّهَ فَاسْأَلُوهُ الْفِرْدَوْسَ“ (جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کیا کرو)، ”فَوْقَهُ عَرْشُ الرَّحْمَنِ“ (اسی جنت الفردوس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے) اسی طبقہ سے تمام نہریں جاری ہوتی ہیں جو جنت کے دوسرے طبقات میں پہنچتی ہیں۔ [صحیح بخاری، رقم: ۲۷۹۰]

جنت الفردوس کی پیدائش: (۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے تین چیزیں اپنے دست (عزّت) سے بنائیں:

- ①..... ”خَلَقَ آدَمَ بَيْدِهِ“ (آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے بنایا)۔
- ②..... ”كَتَبَ التَّوْرَةَ بَيْدِهِ“ (تورات کو اپنے ہاتھ سے لکھا)۔
- ③..... ”وَعَرْسَ الْفِرْدَوْسَ بَيْدِهِ“ (اور فردوس کو اپنے ہاتھ سے لکھا)۔

اور فرمایا:

”وَ عِزَّتِي وَ جَلَالِي! لَا يَدْخُلُهَا مُذْمِنٌ خَمِرٍ وَلَا سَكَاوَتْ“

”مجھے قسم ہے اپنی عزت و جلال کی! اس کے اندر شراب پینے والا داخل ہوگا اور نہ

عی کوئی دیوث۔“

صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ”مُذْمِنٌ خَمْرٌ“ کو تو ہم جانتے ہیں، دیوث کا کیا مطلب ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

”بَرِّئٌ يَقْرُءُ سُوءًا فِي أَهْلِهِ.“ [صحیح البخاری ج ۱: ۴۲/۱]

”وہ شخص جو اپنے گھر والوں کی بُرائی کو مانتا ہے، لیکن اُس سے مَس نہیں ہوتا۔“

(مبلغین کا مقام: ۱)

حضرت کعب بن عجرہؓ فرماتے ہیں: ”لَيْسَ فِي الْجَنَّةِ أَغْلَى مِنْ جَنَّةِ الْفِرْدَوْسِ، فِيهَا الْأَمْرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ“ [تفسیر مظہری: تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف] (جنتوں میں فردوس سے اونچی کوئی جنت نہیں ہے۔ بھلائی کا حکم دینے والے اور بُرائی سے روکنے والے اسی میں داخل ہوں گے)۔

﴿خُلِدَإِنَّ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا﴾ ۵۸

جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے (اور) وہ وہاں سے کہیں اور جانا نہیں چاہیں گے۔

(جنت الفردوس میں دوامِ رہائش کا بیان: ۱)

﴿خُلِدَإِنَّ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا﴾ ۵۸

رہا کریں ان میں نہ چاہیں وہاں سے جگہ بدلی

ایمان والے ہمیشہ ہمیشہ جنت الفردوس میں رہیں گے، اس سے ہٹنا نہ چاہیں گے۔

اور جو دنیا کے اوپر سمجھ گئے اور دنیا کو ہی کمانے لگ گئے، یہ لوگ آخرت میں جنت سے محروم ہوں گے اور جہنم میں ڈال دیے جائیں گے۔ اس لیے یہ لوگ خسارہ اٹھانے والے ہوں گے۔

قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِثْلَ دَاخِلِ الْكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفَذَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَذَ كَلِمَتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا ۝

(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لیے سمندر روشنائی بن جائے تو میرے رب کی باتیں ختم نہیں ہوں گی کہ اس سے پہلے سمندر خشک ہو چکا ہوگا، چاہے اس سمندر کی کمی پوری کرنے کے لیے ہم ویسا ہی ایک اور سمندر کیوں نہ لے آئیں۔

### عظمتِ الہی کا بیان: (۱)

قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِثْلَ دَاخِلِ الْكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفَذَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَذَ كَلِمَتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا ۝

تو کہہ! اگر دریا سیاہی ہو کر لکھے میرے رب کی باتیں۔ بے شک دریا خرچ ہو چکے، ابھی نہ پوری ہوں میرے رب کی باتیں اور اگرچہ دوسرا بھی لائیں ہم ویسا ہی اس کی مدد کو۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ اپنی تعریف بیان فرماتے ہیں۔ واقعی تعریف اللہ تعالیٰ کو سچی ہے۔ ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کی صفات ایسی ہیں کہ واقعی وہ تعریف کے قابل ہیں۔ بندے تو اس کی تعریف کا حق ادا کر ہی نہیں سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف یوں بیان فرمائی کہ آپ فرما دیجیے کہ اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لیے سیاہی ہو جاتا تو

میرے رب کی صفات تو ختم نہ ہوتیں، سمندر کی سیاہی اس سے پہلے ختم ہو جاتی، اگر اتنے ہی سمندر اور بھی اس کی مدد کے لیے لائے جاتے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات بیان کی ہیں کہ میں تو اتنی صفات والا ہوں، اتنا عظیم ہوں کہ اگر تم سمندروں کو سیاہی بنا کر میری تعریف لکھنا شروع کرو تو تم میری تعریفوں کا حق بھی ادا نہیں کر سکتے۔ ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَلَوْ أَنَّ فَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ﴾ [لقمان: ۲۷] (اور زمین میں جتنے درخت ہیں، اگر وہ قلم بن جائیں، اور یہ جو سمندر ہے، اس کے علاوہ سات سمندر اس کے ساتھ اور مل جائیں اور وہ روشنائی بن کر اللہ کی صفات لکھیں، تب بھی اللہ کی باتیں ختم نہیں ہوں گی)۔

### شان نزول: ﴿۱﴾

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قریش نے یہودیوں سے کہا:

”أَعْطُونَا شَيْئًا نَسْأَلُ عَنْهُ هَذَا الرَّجُلَ“

”ہمیں کوئی ایسی چیز بتلاؤ کہ ہم اس آدمی یعنی محمد ﷺ سے سوال کریں۔“

انہوں نے کہا:

”سَلُّوهُ عَنِ الرُّوحِ“

”ان سے روح کے بارے میں سوال کرو۔“

انہوں نے جب سوال کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ۖ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا

قَلِيلًا﴾ [الاسراء: ۸۵]

یہود کہنے لگے:

”أَوْتَيْنَا عَلَمًا كَثِيرًا، أَوْتَيْنَا التَّوْرَةَ وَمَنْ أَوْتِيَ التَّوْرَةَ فَقَدْ أَوْتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا“  
 ”ہمیں بہت علم دیا گیا ہے، ہمیں تورات دی گئی اور جس کو تورات دی گئی تو اس کو خیر کثیر  
 دی گئی۔“

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ﴿قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ  
 أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهَا مَدَدًا﴾ نازل فرمائی۔

[الباب العقول ص ۱۵۵]

### فوائد السلوك:

..... حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ بھی اپنے نام پاک کے  
 ساتھ القاب و آداب کی شرط لگاتے تو ہم وہ القاب و آداب کہاں سے لاتے، جو اس  
 بارگاہ کے لائق ہیں؟ اگر ازل سے لے کر اب تک ان القاب و آداب کو لانے میں مشغول  
 رہتے تو ان کو ہمارے القاب کی حق تعالیٰ کے اوصاف کے مقابلہ میں وہ نسبت بھی نہ  
 ہوتی جو ایک قطرہ کو سمندر سے ہوتی ہے۔

دامان نگہ تنگ ، و گل حسن تو بسیار  
 گلچیں بہار تو زیتکی داماں گلہ دارد

”نگاہ کا دامن تنگ ہے اور تیرے حسن کے پھول بہت ہیں۔ تیرے بہار کے پھول  
 چننے والا کوتاہی دامن کی شکایت کرتا ہے۔“

یعنی محبوب حقیقی کے کمالات و اوصاف بہت ہی ہیں، ان کی انتہا نہیں ہے۔ ہماری  
 زبان و نظر ان کے بیان کرنے سے قاصر و عاجز ہے۔

[اشرف التفاسیر: تحت هذه الآية من سورة الكهف]

﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ وَاحِدٌ ۚ فَمَن كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ ۚ أَحَدًا ۝۱۱﴾

کہہ دو کہ میں تو تمہی جیسا ایک انسان ہوں، (البتہ) مجھ پر یہ وحی آتی ہے کہ تم سب کا خدا بس ایک خدا ہے۔ لہذا جس کسی کو اپنے مالک سے جا ملنے کی اُمید ہو، اسے چاہیے کہ وہ نیک عمل کرے، اور اپنے مالک کی عبادت میں کسی اور کو شریک نہ ٹھہرائے۔

بشریت خاتم الانبیاء ﷺ کا اثبات:

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ

تو کہہ! میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم

اس آیت میں پہلے رسالت، پھر توحید اور اس کے بعد معاد کا ذکر آ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب پیغمبر ﷺ سے فرما رہے ہیں: آپ لوگوں سے کہہ دیجیے کہ میں بھی تمہارے جیسا انسان ہی ہوں، مجھ میں تمام انسانی لوازمات اور ضروریات پائی جاتی ہیں، لیکن اللہ نے مجھے یہ امتیاز بخشا ہے کہ میری طرف وحی کی جاتی ہے، اور یہ سب سے بڑا اعزاز ہے جو بعض انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس ہستی کو رسالت و نبوت کے لیے منتخب فرماتا ہے، اس کی طرف وحی بھی نازل فرماتا ہے اور اس کو شریعت کا قطعی اور یقینی علم بھی عطا کرتا ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ کی تحقیق انیق:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو تواضع کی

تعلیم دی، تاکہ آپ مغرور نہ ہو جائیں اور حکم دیا کہ اپنے آدمی ہونے کا اقرار کریں، لیکن اقرارِ بشریت کے ساتھ یہ بھی ظاہر کر دیں کہ میرے اندر صاحبِ وحی ہونے کی خصوصیت بھی ہے، میرے پاس وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود اکیلا معبود ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ اس حکم سے ایک بہت بڑے فتنے کا دروازہ بند ہو گیا جس میں نصاریٰ مبتلا ہو گئے تھے۔ انہوں نے اندھوں کو بینا ہوتے، لاعلاج بیماروں کو تندرست ہوتے اور مردوں کو زندہ ہوتے دیکھا، اللہ نے یہ معجزات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے ظاہر فرمائے تو عیسائی چکر میں پھنس گئے، کسی نے عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور کسی نے جزءِ الوہیت قرار دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو تو اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے زیادہ معجزات عطا فرمائے تھے، لوگوں کا فتنہ میں پڑ جانا غالب تھا، اس لیے حکم دیا کہ اپنی عبودیت اور اللہ کی توحید کا اعلان کر دیں۔ [دیکھیے: تفسیر مظہری: تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]۔

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ فخریہؓ سے دریافت کیا گیا کہ جب حضور ﷺ گھر میں ہوتے تو آپ کیا کام کرتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا: ”كَانَ بَشْرًا مِّنَ الْبَشَرِ“ (حضور ﷺ انسانوں میں سے ایک انسان تھے)، آپ انسانوں والے کام کرتے تھے، آپ کپڑے دھو لیتے یا مکان کی صفائی کر لیتے، بکری کا دودھ دھو لیتے، جوتے کو نانا لگا لیتے، کپڑے میں کوئی تکلیف دہ چیز کا نسا وغیرہ ہوتا تو اسے نکال دیتے اور پھر آرام بھی فرماتے۔ [تفسیر قرطبی: تحت آیہ ۷۲ من سورۃ النحل]

شرکیہ عقیدہ کی تردید: (۱)

حضور ﷺ کا تعلق نوعِ انسانی کے ساتھ تھا، آپ ﷺ کسی دوسری جنس میں سے



نہیں تھے، اسی مقام پر آ کر لوگ دھوکا کھاتے، بھٹک جاتے ہیں اور آپ ﷺ کو نوع انسانی سے ہی خارج کر دیتے ہیں۔ بحیثیت انسان آپ کی بیویاں تھیں، اولاد تھی، والدین اور آباؤ اجداد تھے، آپ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے، البتہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت زیادہ فضیلت عطا فرمائی، آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم تھا، تاہم آپ نسل انسانی میں سے تھے، ملائکہ، جنات یا کسی دوسری مخلوق میں سے نہیں تھے۔ انسان ہونا باعث شرف ہے، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا: ﴿إِنِّي خَالِقُ بَشَرًا مِّن طِينٍ﴾ [ص: ۱۷] (میں مٹی سے انسان بنانے والا ہوں) لوگ سمجھتے ہیں کہ نبی کو انسان کہنے سے (نعوذ باللہ) اس کی توہین ہو جاتی ہے۔ بھائی! ایسی بات نہیں ہے، انسان انسان میں بڑا فرق ہے، ایسے لوگوں کے سامنے اپنے جیسے انسانوں کا نمونہ ہوتا ہے جو ہر لمحہ نافرمانی کرتے اور فسق و فجور میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اگر حضور ﷺ کو بھی ایسا ہی انسان تصور کیا جائے تو بلاشبہ باعث توہین ہوگا، مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاص امتیاز بخشا ہے، اللہ کا ہر نبی معصوم عن الخطا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں گارنٹی حاصل ہوتی ہے کہ ان سے گناہ نہ سرزد ہونے دیا جائے۔ اگر کوئی معمولی سی لغزش ہو بھی جائے تو فوراً تنبیہ ہو جاتی ہے، مگر تمام انبیاء انسان ہی ہوتے ہیں اور حضور خاتم الانبیاء ﷺ تو سید البشر اور سید الانبیاء ہیں۔ آپ ﷺ پوری نوع بشر کے امام ہیں، آپ کو نسل انسانی سے خارج کر کے ”نُورٌ مِّنْ نُورِ اللَّهِ“ کا عقیدہ رکھنا غلط ہے اور یہ خدا کا جزو بنانے کے مترادف ہے۔

[تفسیر معالم العرفان: تحت هذه الآية من سورة الكهف]

قرآن مجید میں لفظ ”بشر“ کے 13 مصداق: (۱)

قرآن مجید میں لفظ ”بشر“ کے 13 مصداق بیان کیے گئے ہیں:

- ①..... حضرت آدم علیہ السلام۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿إِنِّي خَالِقُ بَشَرًا مِّن طِينٍ﴾ [ص: ۷۱]
- ②..... حضرت نوح علیہ السلام۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيدُ أَنْ يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ﴾ [المومن: ۲۴]
- ③..... حضرت صالح علیہ السلام۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿أَبَشَرًا مِّثْنًا وَاحِدًا تَتَّبِعُنَا﴾ [الزمر: ۲۴]
- ④..... حضرت یوسف علیہ السلام۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا هَذَا بَشَرًا﴾ [یوسف: ۳۱]
- ⑤..... حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَقَالُوا أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا﴾ [المومن: ۴۷]
- ⑥..... حضرت جبریل علیہ السلام۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا﴾ [مریم: ۱۷]
- ⑦..... ابن ماثان۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَلَمْ يُمْسَسْنِي بَشَرٌ﴾ [مریم: ۲۰]
- ⑧..... بنی اسرائیل کا ایک شخص۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَإِقَاتِرِينَ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا﴾ [مریم: ۲۶]
- ⑨..... دو عجی لڑکے جبر اور یسار، جن کے متعلق کفار مکہ کہتے تھے کہ محمد ﷺ ان سے قرآن اور سابقہ اُمتوں کے حالات سیکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿يَقُولُونَ إِنَّمَا يَعْلَمُهُ بَشَرٌ﴾ [النحل: ۱۰۳]
- ⑩..... خود نبی کریم ﷺ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ [فصلت: ۶]

⑪..... تمام رسول۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّكَ كَانْتَ تَاْتِيهِمْ رُسُلُهُمْ

بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْا اَبَشِّرْ يَّهْدُوْنَنَا﴾ [التغابن: ۶]

⑫..... انسانی جسم کی کھال۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿لَوْ اَحَدٌ لِّلْبَشْرِ ۙ﴾ [المدثر: ۲۹]

⑬..... سارے انسان۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ

تُرَابٍ ثُمَّ اِذَا اَنتُمْ بَشَرٌ تَّنٰثَرُوْنَ ۙ﴾ [الروم: ۲۰]

[بصائر ذوی التعمیر: ۲/ ۲۰۳، ۲۰۴]

رسالت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا اثبات: (۱)

يُوحٰى اِلَیَّ

حکم آتا ہے مجھ کو

لفظ ”وحی“ کے قرآنی استعمالات: (۱)

قرآن مجید میں لفظ ”وحی“ ۵ مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے:

①..... وہ وحی جو جبریل علیہ السلام انبیاء علیہم السلام پر لاتے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّا

اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ كَمَا اَوْحَيْنَا اِلٰى نُوْحٍ وَالتَّيْمِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَا اِلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ  
وَاسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاَتَيْنَا دَاوُدَ

زُبُوْرًا ۙ﴾ [النساء: ۱۶۳]

②..... بمعنی الہام۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاِذَا وُحِّیْتُ اِلَى الْحَوَارِیِّیْنَ اَنْ اٰمِنُوْا

بِیْ وَهَرَسُوْنِیْ﴾ [المائدہ: ۱۱۱] ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: ﴿وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ

اَتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ ۙ﴾ [النحل: ۶۸]

⑥ بمعنی وسوسہ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيْطَانِينَ﴾  
 الزمر، وَالْحَزَنُ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا ﴿١١٢﴾ [الانعام: ١١٢]

⑦ کہنے کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿إِنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا﴾  
 [الزلزال: ٥]

⑧ اشارہ کرنے کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِ مِنَ الْمِحْرَابِ فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ أَن سَبِّحُوا بُكْرَةً وَعَشِيًّا﴾ (١١) [مریم: ١١]  
 عقیدہ توحید کا بیان: (۱)

أَتَمَّ إِلَهُكُمْ إِلَهُ وَاحِدٌ

کہ معبود تمہارا ایک معبود ہے

یہ طے شدہ بات ہے کہ تمہارا معبود صرف اللہ ہے۔ حاجت روا، مشکل کشا، فریاد رس، دستگیر، قانون ساز، دینے اور لینے والا صرف ایک رب ہے۔  
 لقاء الہی کا شوق دلانے کا بیان: (۱)

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ

سو پھر جس کو امید ہو ملنے کی اپنے رب سے

جب اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات اور اپنے حسن و جمال کا تذکرہ کیا تو آگے پھر اپنی ملاقات کا طریقہ بھی بتا دیا۔ یعنی جو لوگ ایسے مالکِ حق کی کا دیدار کرنا چاہتے ہیں اور اس سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں، ان کے بارے میں فرمایا۔ فرمایا کہ وہ اللہ ہی سے محبت کرے، ماسوائے اللہ کی محبت اس کے دل میں نہیں ہونی چاہیے۔ تو جس بندے کے دل



میں یہ دو خوبیاں ہوں گی کہ اس کا دل غیر کی محبت سے خالی ہو اور اس کا جسم عبادت میں لگا رہے، یہ وہ بندہ ہے جو جنت میں جائے گا اور اپنے رب کا دیدار کرے گا۔ اس آیت میں گویا اللہ تعالیٰ نے اپنی ملاقات کا طریقہ بھی بتا دیا ہے۔ یہ اس سورت کی آخری آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے پوری سورت کا مقصود بتا دیا ہے۔ جس بندے نے یہ دونوں کام کر لیے اس نے گویا رب کو راضی کر لیا، ایسا بندہ ایمان بچا کر دنیا سے جائے گا اور اس کو آخرت میں اللہ کا دیدار نصیب ہو جائے گا۔

بھئی! اللہ تعالیٰ کا دیدار اور اس کی ملاقات تو ہر ایمان والا بندہ چاہتا ہے۔ جس نے کلمہ پڑھا ہے وہ چاہتا ہے کہ ایسا دن بھی آئے کہ جب مجھے جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے اللہ نے دنیا ہی میں کوہ طور کے اوپر تجلی ڈال دی تھی اور ہمارے لیے اللہ نے جنت کا وعدہ فرما دیا۔ اس لیے جنت میں جانے تک کا انتظار تو ہر بندے کو کرنا پڑے گا۔ یہ سستا سودا ہے۔ کیوں جی! یہ سستا سودا ہے نا۔ کبھی بھی دیدار ہو جائے، کہیں بھی ہو جائے، ہم تیار ہیں۔

سرِ طور ہو سرِ حشر ہو ہمیں انتظار قبول ہے  
وہ کبھی ملیں، وہ کہیں ملیں، وہ کبھی سہی، وہ کہیں سہی

**لقاتے الہی کے حصول کے لیے دو اصول**

پہلا اصول..... عمل، صالح ہو:

فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا

سودہ کرے کچھ کام نیک

اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور دیدار کے حصول کے لیے پہلا اصول یہ بیان فرمایا ہے کہ انسان کو چاہیے کہ نیک عمل کرے، جو شریعت و سنت کے مطابق ہو۔ اس کی برکت سے پھر انسان اللہ سے ملاقات کا شرف پاسکتا ہے۔

دوسرا اصول..... عمل، اخلاص سے بھرپور ہو: ﴿

وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ۝۱۱﴾

اور شریک نہ کرے اپنے رب کی بندگی میں کسی کو

اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور دیدار کے حصول کے لیے دوسرا اصول یہ بیان فرمایا ہے کہ انسان کو چاہیے کہ لوگوں کو دکھانے کے لیے نیک کام نہ کرے، اور نہ ہی عمل صالح کی تعریف اور جزا کا اللہ کے علاوہ کسی سے امیدوار ہو۔

شان نزول: ﴿

حضرت طاؤس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کہا:

”يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنِّي أَقِفُ مَوَاقِفَ أُرِيدُ وَجْهَ اللَّهِ وَأُحِبُّ أَنْ يَرَى مَوْطِنِي“

”اے اللہ کے نبی! میں موقف حج میں ٹھہرتا ہوں اور اللہ کی رضا منیٰ کو چاہتا ہوں اور میں

یہ بھی پسند کرتا ہوں کہ میرے یہاں ٹھہرنے کو دیکھا جائے، یعنی لوگ مجھے دیکھ لیں۔“

آپ ﷺ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا، یہاں تک کہ یہ آیت ﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا

لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ﴾ نازل ہوئی۔

[لہاب القول، ص ۱۵۶]

## ریا کاری شرک ہے: (۱)

..... عبدالواحد بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حسن رضی اللہ عنہ سے کہا: ”أَخْبِرْنِي عَنِ الرِّيَاءِ؟ أَشْرَكَ هُوَ؟“ (مجھے ریا کاری کے بارے میں بتائیے، کیا وہ شرک ہے؟) فرمایا: ”نَعَمْ! يَا بَنِي!“ (اے میرے بیٹے! ہاں وہ شرک ہے)، کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا﴾ (۱۱۰) نہیں پڑھا؟  
[تفسیر درمنثور: تحت هذه الآية من سورة الكهف]

..... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ پہلوں اور پچھلوں کو ایک میدان میں جمع فرمائیں گے اور ایک آنکھ ان کو دیکھے گی اور ایک بلانے والا ان کو اپنی بات سنائے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:

”أَنَا خَيْرُ شَرِيكَ كُلِّ عَمَلٍ لِي فِي دَارِ الدُّنْيَا كَانَ لِي فِيهِ شَرِيكَ فَأَنَا أَدْعُهُ الْيَوْمَ وَلَا أَقْبَلُ الْيَوْمَ إِلَّا خَالِصًا.“ [حوالہ بالا]

”میں شریک سے بہتر ہوں۔ ہر وہ عمل جو اس دنیا میں میرے لیے کیا گیا اور اس میں غیر لوگوں کو بھی شریک کیا گیا تو میں آج اس کو چھوڑتا ہوں اور آج کے دن میں صرف اس عمل کو قبول کروں گا جو خالص میری رضا کے لیے ہوگا۔“

پھر یہ آیت ﴿إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ﴾ (۱۱۰) [اصناف: ۲۰۰] پڑھی اور یہ بھی پڑھا: ﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا﴾ (۱۱۰) ﴿لِهَذَا﴾ جس کسی کو اپنے مالک سے جا ملنے کی امید ہو، اسے چاہیے کہ وہ نیک عمل کرے اور اپنے مالک کی عبادت میں کسی اور کو شریک نہ ٹھہرائے۔

..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ پہلوں اور پچھلوں کو جمع فرمائیں گے،

اس دن میں جس میں کوئی شک نہیں، ایک آواز دینے والا آواز دے گا: ”مَنْ كَانَ أَشْرَكَ فِي عَمَلٍ عَمِلَهُ لِلَّهِ أَحَدًا فَلْيَطْلُبْ ثَوَابَهُ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ، فَإِنَّ اللَّهَ أَغْنَى الشُّرَكَاءَ عَنِ الشِّرْكِ“ [جامع ترمذی، رقم: ۳۱۵۴] (جس شخص نے ایسے عمل میں کسی ایک کو شریک کیا جو اللہ کے لیے کیا تھا تو اس کو چاہیے کہ اس کا ثواب غیر اللہ سے طلب کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ شریکوں کے شرک سے مستغنی ہیں)۔

..... حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”كُنَّا نَعُذُّ الرِّيَاءَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشِّرْكَ الْأَصْغَرَ“ (ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ریاکاری کو چھوٹے شرک میں شمار کرتے تھے)۔ [تفسیر درمنثور]

..... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مَنْ صَلَّى يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ وَ مَنْ صَامَ يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ، وَ مَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ“ (جس نے دکھاوے کے لیے نماز پڑھی اس نے شرک کیا، جس نے دکھاوے کے لیے روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کے لیے صدقہ کیا اس نے شرک کیا)، پھر آپ ﷺ نے یہی آیت پڑھی۔ [مسند احمد، رقم: ۱۷۱۸۰]

..... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”الشِّرْكَ الْخَفِيُّ أَنْ يَقُومَ الرَّجُلُ يُصَلِّيَ لِمَكَانٍ رَجُلٍ“ (چھپا ہوا شرک یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کو دکھانے کے لیے نماز پڑھتا ہے)۔ [تفسیر درمنثور: تحت هذه الآية]

..... حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”أَمْرٌ اتَّخَوْهُ عَلَى أُمَّتِي مِنْ بَعْدِي“ (میں اپنی امت کے بارے میں ایک چیز سے ڈرتا ہوں)۔ میں نے عرض کیا: ”وَمَا هُوَ؟“ (وہ کیا چیز ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا:



”الشِّرْكَ وَشَهْوَةٌ خَفِيَّةٌ“ (شرک اور چھپی ہوئی شہوت)۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ”أَتَشْرِكُ أُمَّتَكَ مِنْ بَعْدِكَ؟“ (کیا آپ کی امت آپ کے بعد شرک کرے گی؟) آپ ﷺ نے فرمایا: ”يَا شَذَادُ! أَمَّا إِنَّهُمْ لَا يَغْبُدُونَ شِمْسًا وَلَا قَمَرًا وَلَا وَثَنًا وَلَا حَجَرًا وَلَكِنْ يُرَاوُونَ النَّاسَ بِأَعْمَالِهِمْ“ (ہاں! بلاشبہ وہ لوگ سورج، چاند، بت اور کسی پتھر کی عبادت نہیں کریں گے، لیکن وہ اپنے اعمال لوگوں کو دکھانے کے لیے کریں گے)، میں عرض کیا: یا رسول اللہ! ”الرِّيَاءُ شِرْكٌ هُوَ؟“ (ریا کاری شرک کے زمرے میں آتی ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا: جی ہاں! میں نے پوچھا: ”فَمَا الشَّهْوَةُ الْخَفِيَّةُ؟“ (چھپی ہوئی شہوت کیا چیز ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا: ”يُضْبِحُ أَحَدُكُمْ صَائِمًا فَتَغْرِضُ لَهُ شَهْوَةٌ مِنَ شَهَوَاتِ الدُّنْيَا فَيَفْطِرُ“ [مسند رک الحاکم، رقم: ۷۹۴۰] (تم میں کوئی آدمی روزہ کی حالت میں صبح کرے گا، پھر دنیا کی خواہشات میں سے کوئی خواہش اس کے اندر ابھرے گی تو وہ روزہ چھوڑ کر اپنی خواہش پوری کرے گا)۔

ریا کاری کے لیے جہاد کرنے کا وبال: ﴿١﴾

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مَنْ قَامَ بِخُطْبَةٍ لَا يَلْتَمِسُ بِهَا إِلَّا رِيَاءً وَ سُمْعَةً أَوْقَفَهُ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي مَوْقِفِ رِيَاءٍ وَ سُمْعَةٍ“ (جو شخص خطبہ دینے کھڑا ہوا اور اس میں وہ ریا کاری اور شہرت کو چاہتا ہے تو اللہ عزوجل قیامت کے دن اس کو ریا کاری اور شہرت کی جگہ پر کھڑا کریں گے [اور لوگوں کے سامنے اس کو رسوا کریں گے])۔ [مسند احمد، رقم: ۱۶۰۷۳]

نماز کو ریا کاری سے بچانا: ﴿٢﴾

..... حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک

دن خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ”أَيُّهَا النَّاسُ! اتَّقُوا الشِّرْكَ فَإِنَّهُ أَخْفَى مِنْ دَيْبِ الثَّمَلِ“ (اوکو! شرک سے بچو، کیونکہ یہ پیوٹی کے رینگنے بھی زیادہ چھپا ہوا ہے)۔ ہم نے عرض کیا: ”وَكَيْفَ نَتَّقِيهِ وَهُوَ أَخْفَى مِنْ دَيْبِ الثَّمَلِ؟ يَا رَسُولَ اللَّهِ!“ (یا رسول اللہ! ہم اس سے کیسے بچیں حالانکہ وہ پیوٹی کے رینگنے سے بھی زیادہ چھپا ہوا ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا: تم اس طرح کہو: ”اللَّهُمَّ إِنَّا نَعُوذُ بِكَ أَنْ نُشْرِكَ بِكَ شَيْئًا نَعْلَمُهُ وَنَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا نَعْلَمُ“ (اے اللہ! ہم آپ کی پناہ مانگتے ہیں کہ ہم آپ کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں جس کو ہم جانتے ہیں اور ہم استغفار کرتے ہیں اس سے جس کو ہم نہیں جانتے)۔ [تفسیر درمنثور: تحت ہذہ الآیۃ]

..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ باہر تشریف لائے اور فرمایا: ”تَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ حُبِّ الْحَزْنِ“ (تم غم کے کنوئیں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو) پوچھا گیا: ”مَنْ يَسْكُنُهُ؟“ (اس میں کون ٹھہریں گے؟) فرمایا: ”الْمُرَاؤُونَ بِأَعْمَالِهِمْ“ (اپنے اعمال میں ریاکاری کرنے والے)۔ [حوالہ بالا]

### فوائد اسلوک: ((

..... حدیث میں ”لَا يُشْرِكُ“ کی تفسیر ”لَا يُرَائِي“ آئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عبادت میں شرک نہ کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ریا شرک ہے، حالانکہ ریا میں غیر اللہ معبود نہیں ہوتا، مگر مقصود ہوتا ہے کہ اس کی نظر میں بڑا بننے کے لیے بنا سنوار کر عبادت کی جاتی ہے۔ اس لیے اس کو شرک قرار دیا گیا۔ اور یہ بالکل عقل کے مطابق ہے، کیونکہ اعضاء سے شرک یہ ہے کہ یہ غیر اللہ کے سامنے جھکے اور غیر اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہو۔ بالکل

اسی طرح قلب سے غیر اللہ کو مقصود بنانا کیسے شرک نہ ہوگا؟! پس غیر اللہ سے خوف و طمع پر صوفیاء کا لفظ شرک کا اطلاق کرنا غلط نہیں، کیونکہ جب دل کے اندر غیر اللہ سے خوف و طمع آجاتا ہے تو توحید وہاں نہیں ٹھہر سکتی۔ اسی وجہ سے اسے شرک کہتے ہیں۔

..... ﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ﴾ جو اللہ کا بے کیف قرب اور نزولِ خداوندی کا خواستگار ہے اور اس بے کیف وصل کا امیدوار ہے تو نیک کام کرے، یعنی پہلے نفس اور اس کے عیوب کو فنا کر دے، اس کے بعد نیک کام کرے۔ عیوبِ نفس نیک عمل کو تباہ کر دیتے ہیں، عمل میں صلاح فنائے نفس کے بعد ہی پیدا ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ کسی کو اپنے رب کی عبادت میں شریک نہ کرے، یعنی اللہ کے سوا اس کے دل کا تعلق کسی سے نہ رہے، نہ علمی تعلق، نہ محبت کا تعلق، نہ عقلی تعلق اور نہ جذباتی تعلق۔ علمی تعلق کا نام ذکر ہے اور ذکر عبادت ہے۔ اور محبت مقتضی عبادت ہے، محبوب معبود ہوتا ہے۔ عبادت کا معنی ہے: اپنے آپ کو حقیر سمجھنا اور محبوب کے سامنے انتہائی عاجزی کرنا، گویا اس کی پوجا کرنا ہے۔ پس عبادت میں شرک نہ کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ دل کا کسی قسم کا تعلق غیر اللہ سے نہ ہو۔

..... اللہ کے سوا دوسروں سے دل کا علمی تعلق تو اولیاء و انبیاء کا بھی ہوتا ہے، لیکن فنائے قلب کے بعد جو علم حاصل ہوتا ہے اس کا محل قلب نہیں ہوتا، اس وقت تو قلب پر تجلیاتِ رحمن کا نزول ہوتا ہے تو تعلقات سمجھ لیں کہ قلب سے باہر ہوتے ہیں۔

### ارکانِ عبادت:

بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ عبادت کے تین رکن ہیں: دل، آنکھ اور زبان۔

..... دل کی عبادت فکر و مراقبہ ہے۔

..... آنکھ کی عبادت حفاظتِ نظر ہے اور نگاہِ عبرت ہے۔

..... زبان کی عبادت حق اور سچ بولنا ہے۔

سب سے نفع بخش عبادت: (۱)

بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ سب سے نفع بخش عبادت یہ ہے کہ بندہ خیالاتِ قلبی کی اصلاح کرے۔

عبادت کی حقیقت: (۱)

شیخ اکبر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عبادت کی حقیقت یہ ہے کہ انسان ایسی عبادت کرے، جیسے وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے۔

زاہد اور عارف کی عبادت میں فرق: (۱)

صاحبِ روح البیان فرماتے ہیں کہ زاہد ساری دنیا کے مشغلوں سے فارغ ہوتا ہے، چنانچہ وہ پروردگار کی عبادت خوف و طمع کے ساتھ کرتا ہے..... جبکہ عارف دونوں جہانوں سے بے خبر ہوتا ہے، وہ پروردگار کی عبادت شوقِ ملاقات اور ذوقِ دیدار کی وجہ سے کرتا ہے۔

عبادت کی مٹھاس: (۱)

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”لَا تَجِدُ حَلَاوَةَ الْعِبَادَةِ، حَتَّى تَجْعَلَ بَيْنَكَ وَبَيْنَ الشَّهَوَاتِ حَائِطًا مِنْ حَدِيدٍ“ (آپ عبادت کی مٹھاس اس وقت تک نہیں پاسکتے، جب تک آپ اپنے اور شہوات کے درمیان آہنی دیوار نہ بن جائیں)۔

## ہماری تن آسانی: (۱)

آپ غور کریں کہ آج کے دور میں اتنی تن آسانی آگئی ہے کہ اتنی پہلے زمانے میں کبھی نہیں آئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے نعمتوں کی بھی انتہا کر دی ہے اور آج اٹھ کر کوئی کام کرنا مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ نوجوان بچے تو ہاتھ ہلانا مشکل سمجھتے ہیں، بلکہ اگر وہ کھیل بھی کھیلتے ہیں تو بھاگنے دوڑنے والا کھیل نہیں کھیلتے، بلکہ آج کے دور میں سکرین کے کھیل آگئے ہیں، ویڈیو گیمز۔ بس وہ ایک جگہ پر بیٹھے رہتے ہیں اور کھیل پر کھیل کھیلتے رہتے ہیں، ان کو دوڑنے بھاگنے والے کھیل اچھے نہیں لگتے۔ فقط تن آسانی کی وجہ سے۔ اسی لیے وہ بچے کھا کھا کے موٹے ہو جاتے ہیں، ان کے وزن بڑھ جاتے ہیں اور ان کے اندر سستی آ جاتی ہے۔ لہذا ان کے لیے نماز پڑھنا مشکل، قرآن پڑھنا مشکل۔ ان کو دین کا کوئی کام کہہ دو تو وہ کام کرنا ان کے لیے مشکل ہوتا ہے۔ بس وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہم کھاتے رہیں اور آرام سے سوتے رہیں اور اگر جاگیں تو تھوڑی دیر کے لیے سکرین پہ بیٹھ کے تماشے دیکھتے رہیں۔ یہ دجالی فتنہ ہے۔

یہ معصیت پرستی کا دور ہے۔ آج حکومتیں بھی اسی بندے کو اچھا سمجھتی ہیں جو زیادہ کمزور ہو۔ جو زیادہ مال پیسہ بنا رہا ہو۔ اور جس کو دیکھتے ہیں کہ یہ مال پیسہ کمانے والا نہیں اس کو بُرا سمجھتے ہیں۔

## مدارسِ عربیہ کے طلبہ کے بارے میں ذہن صاف کر لیں: (۱)

آپ ذرا خود غور کریں۔ مدارسِ عربیہ سے کسی کو کیا چڑ ہے؟ مدارسِ عربیہ نے کسی کا کیا نقصان کیا ہے؟ لیکن جہاں کہیں کسی طالب علم کا نام سنتے ہیں تو ایسے بھڑک اٹھتے

ہیں کہ پتہ نہیں یہ بندہ کیا کر رہا ہے؟! بھی! یہ بندہ قرآن پڑھ رہا ہے، حدیث پڑھ رہا ہے، دین پڑھ رہا ہے اور یہ اچھے اخلاق حاصل کرنے کے لیے تعلیم پا رہا ہے۔

پھر یہ کہتے ہیں کہ مدارس والے امن خراب کرنے والے لوگ ہیں۔ ہرگز ایسا نہیں ہے۔ آپ دیکھیں کہ جتنی بھی تفتیش کی گئی، بتاؤ! امن خراب کرنے والے کون نکلے؟ کن گھروں سے اسلحہ برآمد ہوا؟ سیاسی لوگ تھے۔ کن کے گھروں سے ایسی چیزیں برآمد ہوئیں جو لوگوں کو نقصان پہنچانے والی تھیں؟ یہ دوسرے لوگ تھے۔ یونیورسٹیوں کے پڑھے ہوئے لوگ تھے۔ کوئی مدرسہ ایسا نہیں جس سے کوئی ایسی چیز برآمد ہوئی ہو۔ کوئی طالب علم ایسا نہیں جو امن کو ناپسند کرتا ہو۔ مدارس والے لوگ امن پسند لوگ ہیں۔ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی کا کیا حق ہوتا ہے۔ یہ تو دوسرے کے دل کو بھی دکھ نہیں پہنچانا چاہتے، دوسرے کی جان کو کیسے نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ اس لیے اگر ان کو مدارس عربیہ والے لوگوں سے کوئی بیر ہے تو صرف اس بات کا ہے کہ یہ کمانے والے لوگ نہیں ہیں۔ کیونکہ زندگی کا اصل مقصود ہی کمانا بن گیا ہے۔ چونکہ یونیورسٹیوں والے لڑکے نوکریاں کریں گے اور کمائیں گے اس لیے ان سے بڑے خوش ہوتے ہیں کہ ان کو وظیفے بھی دینے چاہئیں اور ان کو اعلیٰ تعلیم کے لیے باہر بھی بھیجنا چاہیے۔ یہ اس لیے کہ دنیا دل میں بسی ہوئی ہے اور مقصود دنیا بن گئی ہے۔

### اچھا ملک؟ (۱)

آج اچھا ملک کس کو کہا جاتا ہے؟ جس ملک کے پاس دنیا کے وسائل زیادہ ہوں۔ جو امیر ملک ہے وہ اچھا ملک سمجھا جاتا ہے۔ اور جس ملک کے اندر نیکی ہے اس ملک کو

اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ ہم دنیا دار ہی بن گئے ہیں اور دنیا ہی کی زندگی کو ہم نے سب کچھ سمجھ لیا ہے۔

یہی وہ ذہن ہے جو دنیا کی فتنے سے جلدی متاثر ہو گا اور اپنے ایمان کو ضائع کر بیٹھے گا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے سورہ کہف میں مختلف واقعات بیان فرمائے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کے دلوں میں ایمان کی عظمت پیدا کی جائے اور دنیا سے ان کے دلوں کو ہٹا کر آخرت کے ساتھ جوڑا جائے اور ان کو بتایا جائے کہ زندگی کا مقصد اللہ کو راضی کرنا ہے، اپنے نفس کو راضی کرنا مقصد زندگی نہیں ہے۔ مَن آسانی زندگی کا مقصد نہیں ہے، بلکہ تکلیف بھی اٹھانی پڑے اور اس سے آخرت کی تیاری بھی ہو جائے تو یہ کامیاب زندگی ہے۔

سورہ کہف کے آخر کی تین باتیں: (۱)

اللہ تعالیٰ نے سورہ کہف میں پانچ واقعات کو بیان کرنے کے بعد اس سورت کو سمیٹتے ہوئے تین باتیں ارشاد فرمائی ہیں:

① سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ لب لباب بتایا کہ جو لوگ دنیا کی زندگی کو ہی بنانے میں لگے ہوئے ہیں اور دنیا کی زندگی میں ہی رہتے ہوئے ہیں، وہ سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا﴾ (۱۰۳) الکہف:

”کیا ہم تمہیں بتائیں کہ کون لوگ ہیں جو اپنے اعمال میں سب سے زیادہ ناکام ہیں؟“

﴿الَّذِينَ ضَلَّ سَبِيلُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ (۱۰۴) الکہف:

”یہ وہ لوگ ہیں کہ دنیوی زندگی میں ان کی ساری دوڑ دھوپ سیدھے راستے سے بھٹکی رہی۔“

یہ نقصان اٹھانے والے لوگ ہیں، لہذا تم فقط دنیا کو ہی نہ سنوارو، بلکہ اپنی آخرت کو سنوارنے کی بھی کوشش کرو۔

❶ دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کو بیان فرمایا۔ اپنے حسن و جمال کی تعریفیں لیں کہ دیکھو! اگر دنیا کے سارے سمندروں کے پانی کو سیاہی بتا دیا جاتا اور تم اس سیاہی سے اپنے رب کی تعریفیں لکھنی شروع کرتے تو تمہارا رب اتنا عظیم ہے، اتنا کریم ہے، ایسا حنان اور منان ہے کہ یہ سیاہی خشک ہو جاتی، مگر تیرے رب کی تعریفیں بھی ختم نہ ہوتیں۔ تو جو پروردگار اتنی عظمتوں والا ہے، اتنی صفات والا ہے، ہمیں چاہیے کہ اس پروردگار کو راضی کریں اور اس کا دیدار پانچیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دیدار کا وعدہ کہاں کیا ہے؟ جنت میں کیا ہے۔ لہذا مومن جنت میں جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے۔

❷ تیسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں اپنے دیدار کا وعدہ بھی بتا دیا۔ کون اللہ کا دیدار کر سکے گا؟

﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا﴾

”لہذا جس کسی کو اپنے مالک سے جا ملنے کی امید ہو، اسے چاہیے کہ وہ نیک عمل کرے۔“

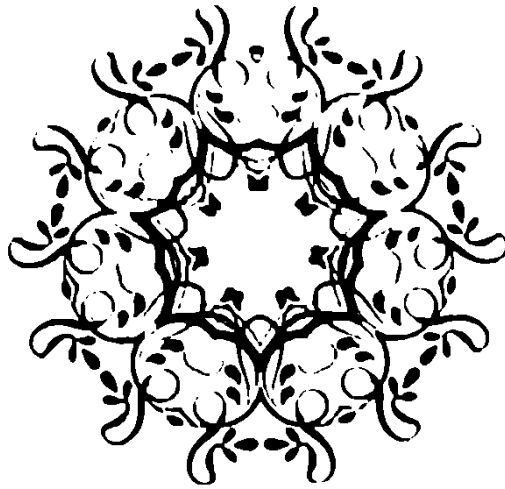
﴿وَلَا يَشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا﴾ (الف: ۱۱۰)

”اور اپنے مالک کی عبادت میں کسی اور کو شریک نہ ٹھہرائے۔“

اس کے دل میں فقط ایک اللہ کی محبت ہو اور ہسولی کی محبتیں اس کے دل سے نکل چکی ہوں۔ جو ایسا بندہ ہوگا اس کو اللہ تعالیٰ جنت میں اپنا دیدار عطا فرمائیں گے۔ یہ تمام



نعمتوں سے بڑھ کر نعمت ہے۔ یہ سورت انسان کو سبق سلماقتی ہے، اس کو ایمان بچانے  
 کے طریقے سلماقتی ہے، تاکہ یہ بندہ اپنا ایمان بچا کر اللہ کے حضور جائے اور قیامت  
 کے دن یہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کرنے والوں میں شامل ہو جائے۔



## سورہ کہف کا خلاصہ:

### تین دور تین مثالیں

(اصحابِ کہف)

پہلی مثال

اصحابِ کہف کے واقعہ پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ پورا واقعہ تین ادوار پر مشتمل ہے:

پہلا دور (دورِ ظلم و ستم):

یہ شروع کا دور تھا جب اصحابِ کہف اپنے گھروں میں زندگی گزار رہے تھے، اس وقت کا بادشاہ بھی کافر تھا اور قوم بھی کافر تھی۔ اور اصحابِ کہف کو یہ خطرہ پڑ گیا تھا کہ اگر ہم یہاں سے ادھر ادھر نہ ہوئے تو ہمارا ایمان بھی خطرے میں ہے۔ لہذا انہوں نے

فیصلہ کیا کہ ہمیں گھر بار، رشتہ دار اور بیوی بچے سب چھوڑ چھاڑ کے ایمان بچانے کے لیے کہیں چلے جانا چاہیے۔

دوسرا دور (دورِ ایمان و عافیت): (۱)

اللہ تعالیٰ نے ان نو جوانوں کو ایک کہف کے اندر پہنچا دیا۔ یہ دورِ ایمان و عافیت تھا۔ اصحابِ کہف تین سو سال وہاں رہے اور ان کا یہ وقت بہت عافیت کے ساتھ گزرا اور ان کا ایمان محفوظ رہا۔ یہ دوسرا دور، دورِ ایمان و عافیت کہلاتا ہے۔

تیسرا دور (دورِ فتح و نصرت): (۲)

پھر تیسرا دور شروع ہوتا ہے کہ جب وہ نو جوان جاگے اور انہوں نے ایک بندے کو کھانا لینے کے لیے بھیجا۔ کھانا لینے والے نے پیسے دیئے تو دکاندار نے اس سے پوچھا کہ تم نے یہ پیسے کہاں سے لیے ہیں؟ اس نے کہا: ہمارے پاس اپنے ہیں۔ دکاندار نے پوچھا: آپ لوگ کہاں سے آئے ہو؟ جواب دیا کہ ہم بس اپنے گھروں سے چلے تھے اور تھوڑی دیر کے لیے غار کے اندر سوئے، اُٹھے تو بھوک لگی ہوئی تھی اور ہم یہاں کھانا لینے کے لیے آگئے ہیں۔ دکاندار نے بتایا کہ محترم! یہ تین سو سال پہلے کا سکہ ہے، اب وہ زمانہ گزر چکا، اب بادشاہ بھی مومن ہے اور اکثر قوم بھی ایمان لا چکی ہے۔ اگر آپ لوگ بھی ایمان پر ہیں تو اب تمہیں کوئی خطرہ نہیں۔ چنانچہ وہ اس بندے کو لے کر بادشاہ کے پاس آئے، پھر بادشاہ پوری ٹیم کے ساتھ کہف دیکھنے آئے اور وہاں پر مسجد بھی تعمیر کی۔ یہ دور، دورِ فتح و نصرت کہلاتا ہے۔





## دوسری مثال (نبی علیہ السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم)

اگر ہم نبی علیہ السلام کی مبارک زندگی پر غور کریں تو اس میں بھی ایسے ہی تین دور نظر آتے ہیں:  
پہلا دور (دورِ ظلم و ستم):

یہ وہ دور ہے جب نبی علیہ السلام نے نبوت کا اظہار فرمایا تو مکہ میں 13 سال آپ کو رہنا پڑا، یہ دورِ ظلم و ستم تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی تکلیف پہنچائی گئی، نبی علیہ السلام کو بھی بہت ایذا پہنچائی گئی۔ مسلسل 13 سال تک مسلمان اس چکی میں پستے رہے۔

دوسرا دور (دورِ ایمان و عافیت):

جب نبی ﷺ نے ہجرت فرمائی تو مدینہ طیبہ کی زندگی دورِ ایمان و عافیت ثابت ہوئی۔ اس میں مسلمانوں کا ایمان بھی محفوظ تھا اور مسلمان سکون کی زندگی گزار رہے تھے۔ اسے دورِ ایمان و عافیت کہا جاتا ہے۔

تیسرا دور (دورِ فتح و نصرت):

جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو تیسرا دور (فتح و نصرت کا دور) شروع ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے

پھر اسلام کو پھیلا دیا اور بیت اللہ کو بتوں سے پاک کر دیا۔ یہ دور فتح و نصرت تھا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی:

﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۖ﴾ [النصر: ۱]  
 ”جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے۔“

## تیسری مثال برصغیر (ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش)

پہلا دور (دورِ ظلم و ستم):

برصغیر میں جب انگریز کی حکومت تھی تو علماء، طلبہ اور صلحاء کے لیے یہ دورِ ظلم و ستم تھا۔ انگریز نے عوام الناس کو تو کچھ نہیں کہا، مگر علماء اور طلبہ پہ ظلم کے پہاڑ ڈھائے۔ ”مدرسہ رحیمہ“ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا جو مدرسہ تھا اس کو بلڈوزر کے ذریعے سے گرا دیا گیا، وقف کی جائیداد حکومتی تحویل میں لے لی گئی اور یوں مدارس کا گلا گھونٹ دیا گیا۔ جس کے نتیجے میں 15 ہزار سے زائد مدارس بند ہو گئے۔

پھر انگریز نے مسلمان علماء پر بہت سختی شروع کی، چھوٹی چھوٹی باتوں پر ان کو پھانسیاں دی گئیں، لاہور سے لیکر پشاور تک جی ٹی روڈ کے دونوں اطراف پہ کوئی بڑا درخت ایسا نہیں تھا جس پر کسی عالم کو پھانسی نہ دی گئی ہو۔ پھانسی کے بعد لاشیں ہفتوں لٹکتی رہتی تھیں، انگریز چاہتا تھا کہ لوگوں کو سبق حاصل ہو جائے کہ آئندہ ہم اپنی اولاد کو



ملاں اور مولوی نہیں بنائیں گے۔

دوسرا دور (دورِ ایمان و عافیت): (۱)

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے پاکستان بنوا دیا۔ ملک پاکستان اہل ایمان کے لیے ایمان کی حفاظت کا قلعہ ثابت ہوا۔

الحمد للہ! پاکستان میں مدارس دین کی تعلیم دے رہے ہیں، اور لوگ اپنی منشاء کے مطابق تقویٰ و طہارت کی زندگی گزارنے میں آزاد ہیں، کوئی حکومتی پابندی اور دباؤ ان پر نہیں ہے۔ یہ دورِ ایمان و عافیت ہے۔

پاکستان کی قدر کیجیے: (۱)

اہل ایمان کو چاہیے کہ ملک پاکستان کی قدر کریں، اللہ نے اس کو ایک مقصد کے لیے بنوایا ہے، اور اس ملک کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اسلام کو آخری دور میں غلبہ عطا فرمائیں گے۔

اے وطن تو نے پکارا تو لہو کھول اٹھا

تیرے بیٹے ترے جانباز چلے آتے ہیں

ہم ہیں جو ریشم و کنخواب سے نازک تر ہیں

ہم ہیں جو آہن و فولاد سے ٹکراتے ہیں

ہم ہیں جو غیرت و ناموس پہ کٹ سکتے ہیں

ہم ہیں جو اپنی شرافت کی قسم کھاتے ہیں

ہم نے روندنا ہے بیابانوں کو صحراؤں کو

ہم ہیں جو بڑھتے ہیں تو بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں

ہم سے واقف ہیں یہ دریا یہ سمندر یہ پہاڑ  
 ہم نئے رنگ سے تاریخ کو دہراتے ہیں!!  
 پاکستان سے محبت ہماری رگ رگ میں ہونی چاہیے۔ کیونکہ اسے ہم مہاجرین و  
 انصار کے اس مدینہ کی مثال کے طور پر سمجھیں جو آج سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے انسان  
 کامل، رسول خدا ﷺ نے قائم کیا تھا۔ اور اس مدینہ کے تحفظ کے لیے آپ ﷺ اور  
 آپ کے ساتھیوں نے کتنی جنگیں لڑیں اور کس قدر جان فشانی کا مظاہرہ کیا۔

### آزادی کی قیمت؟

آج ہم پاکستان میں پیدا ہو گئے تو ہم بھول گئے کہ ہمارے اسلاف نے اس ملک کو  
 حاصل کرنے کے لیے کتنی قربانیاں دی تھیں۔ لاکھوں مہاجرین آگ اور خون کا دریا پار  
 کر کے یہاں پہنچے۔ اور مقصد تھا صرف ایک..... پاکستان کا مطلب کیا..... لَا إِلَهَ إِلَّا  
 اللَّهُ۔۔۔۔۔ ساتی جاوید صاحب نے خوب فرمایا ہے:

چاند میری زمیں پھول میرا وطن  
 میرے کھیتوں کی مٹی میں لعلِ یمن  
 میرے ملاح لہروں کے پالے ہوئے  
 میرے دہقاں پسینوں کے ڈھالے ہوئے  
 میرے مزدور اس دور کے کوہ کن  
 چاند میری زمیں پھول میرا وطن  
 میرے فوجی جواں جراتوں کے نشاں  
 میرے اہل قلم عظمتوں کی زباں



میرے محنت کشوں کے سنہرے بدن  
چاند میری زمیں پھول میرا وطن  
میری سرحد پہ پہرا ہے ایمان کا  
میرے شہروں پہ سایہ ہے قرآن کا  
میرا ایک اک سپاہی ہے خیر شکن  
چاند میری زمیں پھول میرا وطن  
میرے دہقاں یونہی ہل چلاتے رہیں  
میری مٹی کو سونا بناتے رہیں  
گیت گاتے رہیں میرے شعلہ بدن  
چاند میری زمیں پھول میرا وطن

### پاکستان کا دفاع:

اس ملک کا دفاع چند ہاتھوں اور چند دماغوں سے ناممکن ہے، اس ملک پر جتنے حریص حیوانوں کی للچائی ہوئی نگاہیں ہیں، اُن سب کی خواہش ہے کہ کسی نہ کسی طرح اس ارض پاک کو اس کے بے شمار وسائل، اس کی ہریالی، زرخیزی اور بیش قیمت خزانوں کی وجہ سے ہڑپ لیں۔ اتنے زہریلے سانپوں کا مقابلہ کرنا محض چند افراد سے ممکن نہیں۔ اس ملک کے ہر باشندے کو حق ادا کرنا ہوگا اور خود کو کھوج کر تلاش کر کے اپنی خاص خوبی کو ہتھیار بنا کر دشمنوں سے لڑنا ہوگا۔

ہے جرم اگر وطن کی مٹی سے محبت  
یہ جرم سدا میرے حسابوں میں رہے گا



پاکستان کا مطلب کیا۔ لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ: (۱)

پاکستان، جس کا مطلب ہے: ”پاک سرزمین“۔ جو اس نعرے کے ساتھ حاصل کیا گیا ہے کہ پاکستان کا مطلب کیا..... لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔ یہ سرزمین اسلام کے نام پہ حاصل کی گئی تھی اور دنیا کی کوئی بھی طاقت اس کو چت نہیں کر سکتی۔ ہم اپنے ملک سے محبت کریں تو اس نظریہ کی بنیاد پر کہ پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے، پاکستان کے قیام کا مقصد ہم مسلمانوں کو اپنی سرزمین پر اختیار دینا، اپنی ثقافت کی حفاظت کرنا اور آزادی سے، بلا خوف و خطر مذہبی کام سرانجام دینا ہے۔

فطری محبت: (۱)

جس طرح ماں باپ، بہن بھائی، اور اولاد کی محبت فطری اور طبعی ہوتی ہے اسی طرح وطن سے محبت بھی بلا تکلف ہوا کرتی ہے۔ جس سرزمین پر وہ اپنی زندگی کی پہلی آنکھیں کھولتا ہے، پروان چڑھتا ہے، شادی بیاہ کرتا ہے، اپنے سپنوں کو پورا کرتا ہے، خوبصورت رشتے بناتا ہے وہ یہ سب کیسے بھول سکتا ہے؟ اور یہ سب اس کو اسی وطن کی مٹی سے ہی نصیب ہوتا ہے جسے وہ چاہ کر بھی بھول نہیں سکتا۔ یہ مٹی اس کا اپنا گھر کہلاتی ہے۔ وہاں کی گلی، وہاں کے پہاڑ، وہاں کی وادیاں، وہاں کی فضا میں، وہاں کے ندی نالے، وہاں کے کھیت کھلیان، وہاں کی چٹانیں، وہاں کا پانی، وہاں کے درود یوار غرض یہ کہ وہاں کی ہر ایک چیز سے اس کی یادیں جڑی ہوتی ہیں اور یہ یادیں ہی اس کو وطن کی محبت کا احساس دلاتی ہیں۔

پاکستان سے محبت کی حد؟ (۱)

ایک شخص وطن سے کتنی محبت کرتا ہے؟ اس کا اندازہ یہاں بیٹھ کر لگانا مشکل ہے، مگر جب

آپ وطن سے دور ہوں تو آپ کو اس کا صحیح پتہ چلے گا کہ وطن سے محبت کیا ہوتی ہے اور کیوں ہے؟ جب ایک تارکِ وطن ملک سے باہر روزی کمانے کے لیے جاتا ہے تو اس کا دل پھٹا جاتا ہے، وہ اپنوں کے پیار سے دور ہو جاتا ہے، اس کو وطن کی مٹی کی خوشبو ستانے لگتی ہے کہ وہ کس دیس میں اور کیوں اس دیس میں آ گیا ہے؟ وجہ صرف یہی ہے کہ اس کے دل میں وطن کی محبت گھر کر چکی ہوتی ہے جو اس کے اپنے پن کا ہمیشہ احساس دلاتی ہے۔

### پاکستان کے وفادار بنیں..... غدار نہیں: ①

جو لوگ ملک سے غداری کرتے ہیں انہیں کبھی بھی اچھے لفظ سے یاد نہیں کیا جاتا، جبکہ اس کے برعکس جو لوگ وطن کی خاطر جان دیتے ہیں اور اس کی حفاظت کو اپنا اولین فرض سمجھتے ہیں انہی کا نام تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا جاتا ہے، وہ لوگوں کے دلوں میں ہمیشہ زندہ رہتے ہیں اور لوگ چاہ کر بھی انہیں بھول نہیں پاتے۔

س      نہ ڈگمگائے کبھی ہم وفا کے رستے میں  
چراغ ہم نے جلانے ہوا کے رستے میں

### پاکستان کے جانباز سپاہی: ②

ہمارے جوانوں کی بہادری، شجاعت کی داستانیں بھری پڑی ہیں، ہمارا ہر جوان جب ملک کی خاطر جان دینے کا عہد کرتا ہے تو پھر اس کے آگے سینے پر گولی کھانا ہی مقصد ہوتا ہے، وہ آخری سانس تک جمارہتا ہے۔ سپاہی مقبول حسین پاک فوج کے سپاہی تھے، جنہیں 1965ء کی پاک بھارت جنگ میں بھارتی فوج نے جنگی قیدی بنا کر 40 سال قید خانوں میں رکھا۔ بھارتی فوج ہر طرح کے تشدد کے بعد بھی اُن کی زبان سے پاکستان مردہ باد کا نعرہ نہ لگوا سکی۔ انہیں ستمبر 2005ء میں 40 سال بعد رہا کیا گیا،

ان کی زبان کٹی ہوئی تھی، وہ بولنے کی صلاحیت کھو چکے تھے، مہکار دشمن نے پاکستان مردہ باد کا نعرہ نہ لگانے کی پاداش میں ان کی زبان کو کھینچ ڈالا۔ یہ وطن سے محبت تھی کہ زبان تو کٹوا دی، لیکن پاکستان مردہ باد کا نعرہ نہ لگایا۔

مری داستانِ حسرت وہ سنا سنا کے روئے  
مرے آزمانے والے مجھے آزما کے روئے  
کوئی ایسا اہل دل ہو کہ فسانۂ محبت  
میں اُسے سنا کے روؤں وہ مجھے سنا کے روئے  
مری آرزو کی دنیا دل ناتواں کی حسرت  
جسے کھو کے شادماں تھے اسے آج پا کے روئے  
تری بے وفائیوں پر تری کج ادائیوں پر  
کبھی سر جھکا کے روئے کبھی منہ چھپا کے روئے  
جو سنائی انجمن میں شب غم کی آپ بیتی  
کئی رو کے مسکرائے کئی مسکرا کے روئے  
اسلام میں جذبہ حب الوطنی کا احترام: (۱)

وطن سے محبت کے اس فطری جذبے کا اسلام نہ صرف احترام کرتا ہے، بلکہ اس کے لیے ایک پُر امن ماحول بھی فراہم کرتا ہے جس میں رہ کر ہم وطن کی محبت کو یقینی بنا سکتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی زندگی میں وطن سے محبت کر کے ثابت کر دیا کہ وطن سے محبت کیسے کی جاتی ہے اور باقی تمام انسانوں کے لیے وطن سے محبت کر کے ایک بہترین پیغام دیا ہے کہ وطن سے محبت کیسے کی جاتی ہے؟

..... حدیث، تفسیر، سیرت اور تاریخ کی تقریباً ہر کتاب میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ جب



حضور نبی اکرم ﷺ پر نزول وحی کا سلسلہ شروع ہوا تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ ورقہ بن نوفل نے حضور نبی اکرم ﷺ سے نزول وحی کی تفصیلات سن کر تین باتیں عرض کیں:

..... آپ کی تکذیب کی جائے گی، یعنی آپ کی قوم آپ کو جھٹلائے گی،

..... آپ کو اذیت دی جائے گی،

..... آپ کو اپنے وطن سے نکال دیا جائے گا۔

اس طرح ورقہ بن نوفل نے بتایا کہ اعلان نبوت کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ کو اپنی قوم کی طرف سے کن کن مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا۔

امام سہیلی رحمہ اللہ نے ”الرَّوَضُ الْأَنْف“ میں باقاعدہ یہ عنوان باندھا ہے: ”حُبُّ الرَّسُولِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَطَنُهُ“ (رسول ﷺ کی اپنے وطن کے لیے محبت)۔

اس عنوان کے تحت امام سہیلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ جب ورقہ بن نوفل نے آپ ﷺ کو بتایا کہ آپ کی قوم آپ کی تکذیب کرے گی تو آپ ﷺ نے خاموشی فرمائی، ثانیاً جب اس نے بتایا کہ آپ ﷺ کی قوم آپ کو تکلیف و اذیت میں مبتلا کرے گی، تب بھی آپ ﷺ نے کچھ نہ کہا، تیسری بات جب انہوں نے عرض کی کہ آپ ﷺ کو اپنے وطن سے نکال دیا جائے گا تو آپ ﷺ نے فوراً فرمایا:

”أَوْ مُخْرِجِيْ هُمْ؟“

”کیا وہ مجھے میرے وطن سے نکال دیں گے؟“

یہ بیان کرنے کے بعد امام سہیلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”فَفِيْ هَذَا دَلِيْلٌ عَلَى حُبِّ الْوَطَنِ وَ شِدَّةِ مُفَارَقَتِهِ عَلَى النَّفْسِ.“

[الرَّوَضُ الْأَنْفُ لِسَهِيْلِي: ۲/۲۷۳]

”اس میں آپ ﷺ کی اپنے وطن سے شدید محبت پر دلیل ہے اور یہ کہ اپنے وطن سے جدائی آپ ﷺ پر کتنی شاق تھی۔“  
..... یہی وجہ ہے کہ ہجرت کرتے وقت رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

”مَا أَطْيَبَكَ مِنْ بَلَدٍ، وَ أَحَبَّكَ إِلَيَّ، وَ لَوْلَا أَنَّ قَوْمِي أَخْرَجُونِي مِنْكَ مَا سَكَنْتُ غَيْرَكَ.“ [سنن الترمذی، رقم: ۳۹۲۶]

”تو کتنا پاکیزہ شہر ہے اور مجھے کتنا محبوب ہے! اگر میری قوم تجھ سے نکلنے پر مجھے مجبور نہ کرتی تو میں تیرے سوا کہیں اور سکونت اختیار نہ کرتا۔“

یہاں حضور نبی اکرم ﷺ نے صراحتاً اپنے آبائی وطن مکہ مکرمہ سے محبت کا ذکر فرمایا ہے۔  
..... اسی طرح سفر سے واپسی پر حضور نبی اکرم ﷺ کا اپنے وطن میں داخل ہونے کے لیے سواری کو تیز کرنا بھی وطن سے محبت کی ایک عمدہ مثال ہے۔ گویا حضور نبی اکرم ﷺ وطن کی محبت میں اتنے سرشار ہوتے کہ اس میں داخل ہونے کے لیے جلدی فرماتے، جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

”أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ، فَنَظَرَ إِلَى جُدُرَاتِ الْمَدِينَةِ، أَوْضَعَ رَاحِلَتَهُ وَ إِن كَانَ عَلَى دَابَّةٍ حَرَّكَهَا مِنْ حُبِّهَا.“

[صحیح بخاری، رقم: ۱۸۸۶]

”حضور نبی اکرم ﷺ سفر سے واپس تشریف لاتے ہوئے مدینہ منورہ کی دیواروں کو دیکھتے تو اپنی اونٹنی کی رفتار تیز کر دیتے، اور اگر دوسرے جانور پر سوار ہوتے تو مدینہ منورہ کی محبت میں اُسے ایڑی مار کر تیز بھگاتے تھے۔“  
اس حدیث مبارک میں صراحتاً مذکور ہے کہ اپنے وطن مدینہ منورہ کی محبت میں حضور

نبی اکرم ﷺ اپنے سواری کی رفتار تیز کر دیتے تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے:

”و فی الحدیث دَلَالَةٌ عَلَى فَضْلِ الْمَدِينَةِ، وَ عَلَى مَشْرُوعِيَّةِ حُبِّ الْوَطَنِ وَ الْحَنَنِ إِلَيْهِ.“ [فتح الباری: ۱۶۲۱/۳]

”یہ حدیث مبارک مدینہ منورہ کی فضیلت، وطن سے محبت کی مشروعیت و جواز اور اس کے لیے مشتاق ہونے پر دلالت کرتی ہے۔“

..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب لوگ پہلا پھل دیکھتے تو حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوتے۔ حضور نبی اکرم ﷺ اسے قبول کرنے کے بعد دعا کرتے: ”اے اللہ! ہمارے پھلوں میں برکت عطا فرما، ہمارے (وطن) مدینہ میں برکت عطا فرما۔ ہمارے صاع میں اور ہمارے مد میں برکت عطا فرما۔“ اور مزید عرض کرتے:

”اللَّهُمَّ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ عَبْدُكَ وَ خَلِيلُكَ وَ نَبِيُّكَ، وَ إِنِّي عَبْدُكَ وَ نَبِيُّكَ، وَ إِنَّهُ دَعَاكَ لِمَكَّةَ، وَ إِنِّي أَدْعُوكَ لِلْمَدِينَةِ بِمِثْلِ مَا دَعَاكَ لِمَكَّةَ، وَ مِثْلِهِ مَعَهُ.“  
[صحیح مسلم، رقم: ۱۳۷۳]

”اے اللہ! ابراہیم علیہ السلام تیرے بندے، تیرے خلیل اور تیرے نبی تھے اور میں بھی تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں۔ انہوں نے مکہ مکرمہ کے لیے دعا کی تھی، میں ان کی دعاؤں کے برابر اور اس سے ایک مثل زائد مدینہ کے لیے دعا کرتا ہوں (یعنی مدینہ میں مکہ سے دو گنا برکتیں نازل فرما)۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد آپ ﷺ کسی چھوٹے بچے کو بلا کر وہ پھل دے دیتے۔

..... وطن سے محبت کا ایک اور انداز یہ بھی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ وطن کی مٹی، بزرگوں کے لعاب اور رب تعالیٰ کے حکم سے بیماروں کو شفا دیتی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ مریض سے فرمایا کرتے تھے: ”بسم اللہ، تُرْبَةُ أَرْضِنَا، بِرِيقَةِ بَعْضِنَا، يُشْفَى سَقِيمُنَا، بِإِذْنِ رَبِّنَا“ [صحیح بخاری، رقم: ۵۷۴۵] (اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں، ہماری زمین (وطن) کی مٹی بمع ہم میں سے بعض کے لعاب کے ذریعے، ہمارے بیمار کو شفا دی جاتی ہے، ہمارے رب کے حکم سے)۔

..... سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ کوئی شخص مکہ مکرمہ سے آیا اور بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے پوچھا کہ مکہ کے حالات کیسے ہیں؟ جواب میں اُس شخص نے مکہ مکرمہ کے فضائل بیان کرنا شروع کیے تو رسول اللہ ﷺ کی چشمان مقدسہ آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”لَا تُشَوِّقُنَا يَا فَلَانُ!“

”اے فلاں! ہمارا اشتیاق نہ بڑھا۔“

جبکہ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اُسے فرمایا:

”دَعِ الْقُلُوبَ تَقَرُّ.“ [شرح الزرقانی علی الموطا: ۴/۲۸۸]

”دلوں کو استقرار پکڑنے دو (یعنی انہیں دوبارہ مکہ کی یاد دلا کر مضطرب نہ کرو)۔“

طلبہ کے لیے علمی نکتہ:

”حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْإِيمَانِ.“

”وطن کی محبت ایمان کا حصہ ہے۔“

یہ حدیث نبوی نہیں ہے، بلکہ مَن گھڑت (موضوع) روایت ہے..... امام



سخاوی رحمہ اللہ نے ”المقاصد الحسنۃ“ ۱ صفحہ: ۲۹۷ میں لکھا ہے:

”لَمْ أَقِفْ عَلَيْهِ، وَ مَعْنَاهُ صَحِيحٌ.“

”میں نے اس پر کوئی اطلاع نہیں پائی، اگرچہ معنایہ کلام درست ہے (کہ وطن سے محبت رکھنا جائز ہے)۔“

ملاً علی القاری رحمہ اللہ نے ہی اپنی کتاب ”الأسرار المرفوعة في الأخبار الموضوعة“ [صفحہ: ۱۸۰، رقم: ۱۶۳] میں لکھا ہے:

”وَقِيلَ: إِنَّهُ مِنْ كَلَامِ بَعْضِ السَّلَفِ.“

”یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ سلف صالحین میں سے بعضوں کا قول ہے۔“

اسی لیے ملاً علی القاری رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

”إِنَّ حُبَّ الْوَطَنِ لَا يُنَافِي الْإِيمَانَ.“ [الأسرار المرفوعة في أخبار الموضوعة، صفحہ: ۱۸۱، رقم: ۱۶۳]

”وطن سے محبت ایمان کی نفی نہیں کرتی (یعنی اپنے وطن کے ساتھ محبت رکھنے سے بندہ

دائرۃ ایمان سے خارج نہیں ہو جاتا)۔“

/..... علامہ زرقانی رحمہ اللہ ”الموطا“ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن

العاص رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”أَصَابَتِ الْحُمَى الصَّحَابَةَ حَتَّى جَاهِدُوا مَرَضًا.“

”بخاری نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دبوچ لیا یہاں تک کہ وہ بیماری کے سبب بہت لاغر

ہو گئے۔“

اس قول کی تفصیل بیان کرتے ہوئے علامہ زرقانی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

”قَالَ السُّهَيْلِيُّ: وَ فِي هَذَا الْخَبَرِ وَ مَا ذَكَرَ مِنْ حَنِينِهِمْ إِلَى مَكَّةَ مَا جُبِلَتْ



عَلَيْهِ النَّفْسُ مِنْ حُبِّ الْوَطَنِ وَالْحَنِينِ إِلَيْهِ. [شرح الزرقانی: ۴/۲۸۸، ۲۸۷]

”امام سہلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس بیان میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مکہ مکرمہ سے والہانہ محبت اور اشتیاق کی خبر ہے کہ وطن کی محبت اور اس کی جانب اشتیاق انسانی طبائع اور فطرت میں ودیعت کر دیا گیا ہے (اور اسی جدائی کے سبب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیمار ہوئے تھے)۔“

..... قرآن حکیم کی سب سے معروف اور مستند لغت یعنی ”مفردات القرآن“ کے مصنف امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”محاضرات الأدباء“ [۲/۶۵۲] میں وطن کی محبت کے حوالے سے بہت کچھ لکھا ہے۔ ان کی گفتگو کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

”لَوْلَا حُبُّ الْوَطَنِ لَخَرِبَتْ بِلَادُ السُّوءِ. وَ قِيلَ: بِحُبِّ الْأَوْطَانِ عِمَارَةُ الْبُلْدَانِ.“

”اگر وطن کی محبت نہ ہوتی تو پسماندہ ممالک تباہ و برباد ہو جاتے (کہ لوگ انہیں چھوڑ کر دیگر اچھے ممالک میں جا بستے، اور نتیجتاً وہ ممالک ویرانیوں کی تصویر بن جاتے)۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ اپنے وطنوں کی محبت سے ہی ملک و قوم کی تعمیر و ترقی ہوتی ہے۔“

..... امام راغب اصفہانی نے ”فَضْلُ مَحَبَّةِ الْوَطَنِ“ (وطن سے محبت کی فضیلت) کے عنوان سے ایک الگ فصل قائم کرتے ہوئے لکھا ہے:

”حُبُّ الْوَطَنِ مِنْ طَيِّبِ الْمَوْلِدِ.“

”وطن کی محبت اچھی فطرت و جبلت کی نشانی ہے۔“

مراد یہ ہے کہ عمدہ فطرت والے لوگ ہی اپنے وطن سے محبت کرتے اور اس کی خدمت کرتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنے وطن کی نیک نامی اور اقوامِ عالم میں عروج و ترقی کا



باعث بنتے ہیں، نہ کہ ملک کے لیے بدنامی خرید کر اس پر دھبہ لگاتے ہیں۔  
 جہانِ تازہ کی افکارِ تازہ سے ہے نمود  
 کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا  
 ہمیں اپنے وطنِ عزیز سے ٹوٹ کر محبت کرنی چاہیے اور اس کی تعمیر و ترقی میں اپنا  
 بھرپور کردار ادا کرنا چاہیے۔

فقط گفتار نہیں..... کردار بھی: (۱)

وطن سے محبت صرف جذبات اور نعروں کی حد تک ہی نہیں ہونی چاہیے، بلکہ ہمارے  
 کردار میں بھی اس کی جھلک نظر آنی چاہیے۔

خدا کرے میری ارضِ پاک پر اترے  
 وہ فصلِ گل جسے اندیشہٴ زوال نہ ہو  
 یہاں جو پھول کھلے وہ کھلا رہے برسوں  
 یہاں خزاں کو گزرنے کی بھی مجال نہ ہو  
 یہاں جو سبزہ اُگے وہ ہمیشہ سبز رہے  
 اور ایسا سبز کہ جس کی کوئی مثال نہ ہو  
 گھنی گھٹائیں یہاں ایسی بارشیں برسائیں  
 کہ پتھروں کو بھی روئیدگی محال نہ ہو  
 خدا کرے نہ کبھی خم سرِ وقارِ وطن  
 اور اس کے حسن کو تشویشِ ماہ و سال نہ ہو  
 ہر ایک خود ہو تہذیب و فن کا اوجِ کمال  
 کوئی ملول نہ ہو کوئی خستہ حال نہ ہو

خدا کرے کہ میرے اک بھی ہم وطن کے لیے  
حیات جرم نہ ہو زندگی وبال نہ ہو  
ملک پاکستان کی مثال: (۱)

ملک پاکستان کی مثال ”ناقۃ اللہ“ یعنی حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی مانند ہے۔ وہ اونٹنی معجزے کے طور پر پیدا ہوئی تھی، اللہ نے اس سے خاص کام لینا تھا، اور جن لوگوں نے اس اونٹنی کو زخمی کیا، اللہ نے ان لوگوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ ملک پاکستان کی مثال بھی ایسی ہی ہے، معجزانہ طور پر اللہ نے اس کو وجود بخشا، جو اس ملک کے ساتھ دشمنی کرے گا، وہ تباہی اور بربادی سے بچ نہیں سکتا۔

## پاکستان کو توڑنے والوں کا انجام بد

1971ء میں ملک پاکستان کے دو ٹکڑے کر دیئے گئے۔ اور اس کے کرنے میں تین خاندانوں کا خاص دخل تھا:

### ①..... مجیب الرحمن کا خاندان: (۱)

اللہ تعالیٰ نے مجیب الرحمن اور اس کی اولاد کو نیست و نابود کروا دیا۔ وہ ”بنگلہ دیش عوامی لیگ“ پارٹی کا سربراہ تھا جو مسلم قومیت کی بجائے بنگالی قومیت کا علمبردار تھا، اس کے ساتھ عوامی لیگ سوشلزم اور سیکولرزم کی حامی جماعت تھی۔ بہر حال ملک پاکستان کے دو ٹکڑے کرنے میں مجیب الرحمن کا ہاتھ تھا۔ مجیب الرحمن خود بھارت نواز بندہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی اپنی فوج میں بغاوت کروا کے بھارت کی یوم آزادی کے دن 15 اگست 1975ء کو مجیب الرحمن کو ان کے اہل خانہ سمیت قتل کر دیا۔ صرف دو بیٹیاں شیخ



حسینہ اور شیخ ریحانہ زندہ بچیں جو مغربی جرمنی میں تھیں۔ اب اس کی بیٹی ہے جو بنگلہ دیش پہ حکومت کر رہی ہے، مگر بیٹی سے باپ کی نسل نہیں چلا کرتی۔ اس کا مطلب یہ کہ اللہ نے اس کی نسل کو ہی ختم کر دیا۔

## (2)..... اندرا گاندھی کا خاندان: (۱)

پاکستان کی ایک بڑی دشمن سابقہ وزیراعظم انڈیا اندرا گاندھی بھی غیر طبعی موت مری۔ اندرا گاندھی نے 1984ء میں بھارتی شہر ”امرتسر“ میں سکھوں کے مرکز گولڈن ٹیمپل (Golden Temple) پر بھارتی فوج کا آپریشن ”آپریشن بلیو سٹار (Operation Blue Star)“ کے نام سے کیا، جس کے نتیجے میں 31 اکتوبر 1984ء کو اپنے باڈی گارڈ کے دو سکھ محافظوں نے گولی مار کر اسے ہلاک کر دیا۔ اس کا ایک بیٹا راجیو گاندھی بھی غیر طبعی موت مرا، اور اس کا دوسرا بیٹا سنجے گاندھی ہوائی جہاز کے ایکسیڈنٹ میں گر کر مر گیا۔ غرض اس خاندان کا کوئی مرد بھی باقی نہیں بچا۔ اب سیاست، ان کی بہو سونیا گاندھی کر رہی ہے، مگر بہو سے کسی کی نسل آگے نہیں بڑھا کرتی۔ گویا کہ اللہ نے اندرا گاندھی کی بھی نسل کو ختم کر دیا۔

## (3)..... ذوالفقار علی بھٹو کا خاندان: (۱)

تیسری شخصیت تھی ذوالفقار علی بھٹو صاحب۔ جنہوں نے کہا تھا: ”اُدھر تم..... اُدھر ہم۔“ ذوالفقار علی بھٹو صاحب خود بھی غیر طبعی موت مرے اور ان کا بیٹا مرتضیٰ بھٹو بھی غیر طبعی موت مرا، ان کے خاندان کا کوئی مرد باقی نہیں بچا۔ اور بیٹیوں سے باپ کی نسل نہیں چلا کرتی۔ لہذا بینظیر بھٹو کی اولاد، زرداری صاحب کی اولاد ہے، بھٹو کی اولاد نہیں کہلا سکتی۔

ان تین مثالوں سے پتہ چلتا ہے کہ ملک پاکستان کے جتنے مخالفین تھے، اللہ نے ان کا نام و نشان ہی مٹا دیا۔

﴿وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (یوسف: ۲۱)  
 ”اور اللہ کو اپنے کام پر پورا قابو حاصل ہے، لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔“  
تیسرا دور (دورِ فتح و نصرت):

نبی علیہ السلام نے حدیث مبارکہ میں غزوہ ہند کی بشارت عطا فرمائی۔ غزوہ ہند دورِ فتح و نصرت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی تکوینی مدد پاکستان کے ساتھ ہوگی، اللہ تعالیٰ پاکستان کو فتح عطا فرمائیں گے اور اس غزوہ کے بعد پوری دنیا میں ہندو طریقے پر کہیں عبادت نہیں ہوگی اور ہندوؤں کے حکمرانوں کو ہتھکڑیاں لگا کر مسلمان بادشاہ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ یہ فتح و نصرت کا دور ہوگا۔

غزوہ ہند..... احادیث کی روشنی میں:

غزوہ ہند کے بارے میں مروی احادیث میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

①..... ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ وَعَدَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةِ الْهِنْدِ فَإِنْ اسْتُشْهِدْتُ كُنْتُ مِنْ خَيْرِ الشُّهَدَاءِ وَإِنْ رَجَعْتُ فَأَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ الْمُحَرَّرُ“ [مسند احمد، رقم: ۷۱۲۸ / متدرک الحاکم، رقم: ۶۱۷۷] (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے غزوہ ہند کے بارے میں وعدہ فرمایا تھا۔ سو اگر میں شہید ہو گیا تو بہترین شہیدوں میں سے ہوں گا، اور اگر واپس آ گیا تو میں آزاد ابو ہریرہ ہوں گا)۔

②..... ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ وَعَدَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

غَزْوَةَ الْهِنْدِ فَإِنْ أَدْرَكَتْهَا أَنْفَقُ فِيهَا نَفْسِي وَ مَالِي، فَإِنْ أُقْتِلَ كُنْتُ مِنْ أَفْضَلِ الشُّهَدَاءِ، وَ إِنْ أَزْجَعُ فَأَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ الْمُحَرَّرُ“ [سنن النسائي، رقم: ۳۱۷۳] (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے وعدہ فرمایا تھا کہ مسلمان ہندوستان میں جہاد کریں گے۔ اگر وہ جہاد میری موجودگی میں ہوا تو میں اپنی جان اور مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کروں گا۔ اگر میں شہید ہو جاؤں تو میں سب سے افضل ترین شہداء میں سے ہوں گا۔ اگر میں زندہ رہا تو میں وہ ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) ہوں گا جو عذابِ جہنم سے آزاد کر دیا گیا ہے)۔

③..... حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام تھے، سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”عَصَابَتَانِ مِنْ أُمَّتِي أَحْرَزَهُمَا اللَّهُ مِنَ النَّارِ عَصَابَةُ تَغْزُو الْهِنْدَ وَ عَصَابَةُ تَكُونُ مَعَ عِيسَى بْنِ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ“ [سنن النسائي، رقم: ۳۱۷۵ / مسند احمد بن حنبل، رقم: ۲۲۳۹۶] (میری امت کے دو گروہوں کو اللہ تعالیٰ دوزخ کے عذاب سے بچائے گا، ان میں سے ایک ہندوستان میں جہاد کرے گا اور دوسرا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوگا)۔

④..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہندوستان کا تذکرہ کیا اور ارشاد فرمایا:

”لَيَغْزُونَ الْهِنْدَ لَكُمْ جَيْشٌ، يَفْتَحُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ حَتَّى يَأْتُوا بِمُلُوكِهِمْ مُغْلَلِينَ بِالسَّلَاسِلِ، يَغْفِرُ اللَّهُ ذُنُوبَهُمْ، فَيَنْصَرِفُونَ حِينَ يَنْصَرِفُونَ فَيَجِدُونَ ابْنَ مَرْيَمَ بِالسَّامِ“

”ضرورتاً تمہارا ایک لشکر ہندوستان سے جنگ کرے گا، اللہ ان مجاہدین کو فتح عطا فرمائے

گا حتیٰ کہ وہ (مجاہدین) ان کے بادشاہوں کو بیڑیوں میں جکڑ کر لائیں گے اور اللہ ان کی مغفرت فرمادے گا۔ پھر جب وہ مسلمان واپس پلٹیں گے تو عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو شام میں پائیں گے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”إِنِّ أَنَا أَذْرَكُ تِلْكَ الْغَزْوَةَ بَعْتُ كُلَّ طَارِفٍ لِي وَتَالِدٍ وَغَزَوْتُهَا، فَإِذَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْنَا وَانْصَرَفْنَا فَأَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ الْمُحَرَّرُ، يَقْدُمُ الشَّامَ فَيَجِدُ فِيهَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ، فَلَا حَرِصَنَّ أَنْ أَدْنُو مِنْهُ فَأُخْبِرُهُ أَنِّي قَدْ صَحَبْتُكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ!“

”اگر میں نے وہ غزوہ پایا تو اپنا نیا اور پُرانا سب مال بیچ دوں گا اور اس میں شرکت کروں گا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح عطا کر دی اور ہم واپس پلٹ آئے تو میں ایک آزاد ابو ہریرہ ہوں گا، ملک شام میں اس شان سے آؤں گا کہ وہاں عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو پاؤں گا۔ یا رسول اللہ! اس وقت میری شدید خواہش ہوگی کہ میں ان کے پاس پہنچ کر انہیں بتاؤں کہ میں رسول اللہ ﷺ کا صحابی ہوں۔“

حضور ﷺ نے مسکرا کر فرمایا:

”هَيَّاهُ هَيَّاهُ.“ [کتاب الفتن لنعیم بن حماد الروزی، رقم: ۱۲۳۶]

”بڑی دور کی بات ہے، بڑی دور کی بات ہے۔“

ظہورِ امام مہدی..... احادیث کی روشنی میں: ①

امام مہدی کے ظہور کے بارے میں بہت ساری احادیث موجود ہیں جن کا انکار یا کوئی تاویل کرنا درست نہیں۔ اور ساتھ ساتھ کئی ایک سلف کے اقوال بھی موجود ہیں۔ پہلے چند احادیث پیش خدمت ہیں:



①..... حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو حضرت مہدی کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا، آپ ﷺ نے ان کے متعلق فرمایا: ”هُوَ حَقٌّ وَهُوَ مِنْ بَنِي فَاطِمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا“ [مستدرک الحاکم، رقم: ۸۶۷۱] (مہدی حق ہے) (یعنی ان کا ظہور برحق اور ثابت ہے) (اور وہ سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی اولاد سے ہوں گے)۔“

②..... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”يُقَاتِلُ عَلَي سُنَّتِي كَمَا قَاتَلْتُ أَنَا عَلَي الْوَحْيِ“ [کتاب الفتن لعنیم بن حماد، رقم: ۱۰۹۲] (میری سنت (کے قیام) کے لیے جنگ کریں گے، جس طرح میں نے وحی الہی (کی اتباع) میں جنگ کی)۔

③..... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”إِنَّ أَرْبَعِينَ سَنَةً كَانَ وَجْهَهُ كَوَكْبٍ دُرِّيٍّ، فِي خَدِّهِ الْأَيْمَنِ خَالٌ أَسْوَدُ، عَلَيْهِ عِبَاءَتَانِ قَطْوَانِيَتَانِ، كَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ بَنِي إِسْرَائِيلَ، يَمْلِكُ عِشْرِينَ سَنَةً يَسْتَخْرِجُ الْكُنُوزَ، وَ يَفْتَحُ مَدَائِنَ الشَّرِكِ“ [مجمع الزوائد، رقم: ۱۲۴۱۹/ المعجم الکبیر للطبرانی، رقم: ۷۴۹۵] (اس کی عمر چالیس سال ہوگی۔ اس کا چہرہ ستارہ کی طرح چمکدار، اس کے دائیں رخسار پر سیاہ تل ہوگا، اور دو قطوانی عباں پہنے ہوگا، بالکل ایسا معلوم ہوگا جیسا بنی اسرائیل کا کوئی شخص ہو، وہ بیس سال حکومت کرے گا، زمین سے خزانوں کو نکالے گا اور مشرکین کے شہروں کو فتح کرے گا)۔

④..... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لَا تَذْهَبُ الدُّنْيَا حَتَّى يَمْلِكَ الْعَرَبَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي، يُوَاطِئُ اسْمُهُ اسْمِي“ [سنن الترمذی، رقم: ۲۲۳۰] (دنیا اس وقت تک ختم نہ ہوگی یہاں تک کہ میرے اہل بیت سے ایک شخص عرب کا بادشاہ ہو جائے، جس کا نام میرے نام کے مطابق (یعنی محمد) ہوگا)۔

⑤..... رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”يَكُونُ فِي آخِرِ أُمَّتِي خَلِيفَةٌ يَحْيِي الْمَالَ“



حَتَّىٰ، لَا يَفْغَدُ عَدَاۤءُۨۙۤۤا“ [صحیح مسلم، رقم: ۲۹۱۳] (میری امت کے آخر میں ایک خلیفہ ہوگا جو (لوگوں میں) گنے بغیر مال تقسیم کرے گا)۔“

⑥..... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّىٰ تَمْلَأُ الْأَرْضُ ظُلْمًا وَ جَوْرًا وَ غَدَوَانًا، ثُمَّ يُخْرَجُ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي مَنْ يَمْلَأُهَا قِسْطًا وَ عَدْلًا“ [مستدرک الحاکم، رقم: ۸۶۶۹] (قیامت قائم نہیں ہوگی۔ یہاں تک کہ زمین ظلم و جور اور سرکشی سے بھر جائے گی، بعد ازاں میرے اہل بیت سے ایک شخص (مہدی) پیدا ہوگا جو زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا)۔

⑦..... حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”الْمَهْدِيُّ مِمَّا أَهْلَ الْبَيْتِ أَشْمُ الْأَنْفِ أَقْنَىٰ أَجَلِي يَمْلَأُ الْأَرْضَ قِسْطًا وَ عَدْلًا كَمَا مِلْتُ جَوْرًا وَ ظُلْمًا هَكَذَا وَ بَسَطَ يَسَارَهُ وَ إِضْبَعَيْنِ مِنْ يَمِينِهِ الْمَسْبُوحَةِ وَ الْإِبْهَامِ وَ عَقَدَ ثَلَاثَةً“ [مستدرک الحاکم، رقم: ۸۶۷۰] (مہدی میری نسل سے ہوں گے، ان کی ناک ستواں و بلند اور پیشانی روشن اور نورانی ہوگی۔ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے جس طرح (اس سے پہلے وہ) ظلم و زیادتی سے بھر گئی ہوگی اور انگلیوں پر شمار کر کے بتایا کہ (وہ خلافت کے بعد) سات سال تک زندہ رہیں گے)۔

⑧..... سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”يُخْرَجُ فِي آخِرِ أُمَّتِي الْمَهْدِيُّ، يَسْقِيهِ اللَّهُ الْغَيْثَ وَ تُخْرِجُ الْأَرْضُ نَبَاتَهَا وَ يُعْطَى الْمَالُ صَحَاحًا وَ تَكْثُرُ الْمَاشِيَةُ وَ تَعْظُمُ الْأُمَّةُ، يَعِيشُ سَبْعًا أَوْ ثَمَانِيًا يَعْنِي حِجَابًا“ [المستدرک للحاکم، رقم: ۸۶۷۳] (میری امت کے آخر میں مہدی آئے گا جس کے لیے اللہ تعالیٰ بارشیں نازل فرمائے گا اور زمین اپنے نباتات اُگلے گی، وہ عدل و انصاف سے



مال تقسیم کرے گا، مویشی زیادہ ہو جائیں گے اور اُمت کا غلبہ ہوگا، وہ (اپنے ظہور کے بعد) سات یا آٹھ سال زندہ رہے گا۔

②..... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”الْمَهْدِيُّ مَثَا أَهْلَ الْبَيْتِ يُصْلِحُهُ اللَّهُ فِي لَيْلَةٍ“ [مسند احمد بن حنبل، رقم: ۶۴۵] (مہدی ہمارے اہل بیت میں سے ہے، اللہ اسے ایک ہی رات میں درست کر دے گا)۔

مندرجہ بالا احادیث ظہورِ مہدی پر واضح دلالت کرتی ہیں، ان احادیث کے علاوہ اور بھی کئی احادیث ہیں جن کا انکار کرنا کسی صاحبِ ایمان کو زیب نہیں دیتا۔ اس کے ساتھ ساتھ ”ظہورِ مہدی“ پر کئی ایک اہل علم نے مقالے اور کتب تحریر کی ہیں، چند ایک کے نام پیش خدمت ہیں:

①..... مرعی بن یوسف بن ابی بکر الکریمی الحسینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر کتاب لکھی ہے: ”فوائد الفكر في ظهور المهدي المنتظر“۔

②..... امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ”العرف الوردی فی أخبار المہدی“ میں ذکر فرمایا ہے۔

③..... محمد بن عبدالسلام بن عبدالسید البدر زنجی نے ”الإشاعة في أشراف الساعة“ میں امام مہدی کا ذکر فرمایا ہے۔

④..... ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر ایک مستقل کتاب لکھی: ”رسالة المهدى من آل الرسول“۔

⑤..... مؤرخ ابو عبد اللہ محمد بن جعفر الکتانی نے بھی اپنی کتاب ”نظم المتناثر من الحديث المتواتر“ میں امام مہدی کا ذکر فرمایا ہے۔

⑥..... امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۵۸ھ) فرماتے ہیں: ”وَالْأَحَادِيثُ فِي التَّنْصِيفِ

علیٰ خُرُوجِ الْمَهْدِيِّ أَصَحُّ إِسْنَادًا. "تہذیب المال للمزی، ج ۶، ص ۵۹۷ (ظہور مہدی پر جو احادیث ہیں وہ صحیح ترین اسناد کے ساتھ ہیں)۔

۷..... شیخ الاسلام ابن تیمیہ الحرانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۲۸ھ) فرماتے ہیں: "إِنَّ الْأَحَادِيثَ الَّتِي يُخْتَجُّ بِهَا عَلَى خُرُوجِ الْمَهْدِيِّ أَحَادِيثٌ صَحِيحَةٌ رَوَاهَا أَبُو دَاوُدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ أَحْمَدُ وَ غَيْرُهُمْ" (منہاج السنۃ، ج ۴، ص ۴۱۱) (جن احادیث صحیحہ سے ظہور مہدی پر حجت لی جاتی ہے، ان کو امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام احمد نے روایت کیا ہے)۔

۸..... امام ابن القیم الجوزیہ رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں: "وَ يَنْتَظِرُونَ خُرُوجَ الْمَهْدِيِّ مِنْ أَهْلِ بَيْتِ النَّبُوَّةِ يَمْلَأُ الْأَرْضَ عَدْلًا كَمَا مِلَّتْ جَوْرًا" (اللفہان من مصائد الشیطان، ج ۲، ص ۳۳۲) (امت، امام مہدی کے خروج کی منتظر ہے، جو اہل بیت سے ہوں گے (جب وہ آئیں گے) تو زمین کو انصاف سے بھر دیں گے جس طرح وہ ظلم و جور سے بھری ہوئی تھی)۔

۹..... امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۴ھ) اپنی کتاب "کتاب الفتن والملاحم" میں باب قائم کرتے ہیں: "فَصُلِّ ذِكْرُ الْمَهْدِيِّ الَّذِي يَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ وَ هُوَ أَحَدُ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ وَ الْأَئِمَّةِ الْمَهْدِيَّتَيْنِ" (الفتن والملاحم، ج ۱، ص ۲۷) (یہ فصل ہے امام مہدی کے ذکر کے بارے میں، جو آخری زمانے میں ہوں گے اور وہ خلفائے راشدین اور ائمہ مہدیین میں سے ہوں گے)۔

## سورۃ کہف اور حالات حاضرہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”يَخْرُجُ الدَّجَالُ فِي خَفَقَةٍ مِنَ الدِّينِ وَ إِذْبَارٍ مِنَ الْعِلْمِ فَلَهُ أَرْبَعُونَ لَيْلَةً يَسِيحُهَا فِي الْأَرْضِ الْيَوْمُ مِنْهَا كَالسَّنَةِ وَ الْيَوْمُ مِنْهَا كَالشَّهْرِ وَ الْيَوْمُ مِنْهَا كَالْجُمُعَةِ ثُمَّ سَائِرُ أَيَّامِهِ كَأَيَّامِكُمْ هَذِهِ، وَ لَهُ حِمَارٌ يَرْكَبُهُ عَرَضُ مَا بَيْنَ أُذُنَيْهِ أَرْبَعُونَ ذِرَاعًا فَيَقُولُ لِلنَّاسِ: أَنَا رَبُّكُمْ وَ هُوَ أَغْوَرُ، وَ إِنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِأَغْوَرَ، مَكْتُوبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ كَافِرٌ كَفَرْتُ بِهِ بِمَا يَكْفُرُونَ كُلُّ مُؤْمِنٍ كَاتِبٌ وَ غَيْرُ كَاتِبٍ يَرُدُّ كُلُّ مَاءٍ وَ مَنْهَلٍ إِلَّا الْمَدِينَةَ وَ مَكَّةَ حَرَّمَاهُمَا اللَّهُ عَلَيْهِ وَ قَامَتِ الْمَلَائِكَةُ بِأَبْوَابِهَا.“ [مسند احمد بن حنبل، رقم: ۱۴۹۵۴]

”دجال اس وقت نمودار ہوگا جب لوگوں کی ایمانی حالت بہت پتلی ہوگی، اور دینی علم اٹھ چکا ہوگا، دجال دنیا میں چالیس دن گھومے گا، ان چالیس دنوں میں ایک دن ایک سال کے برابر ہوگا، اور ایک دن مہینے کے برابر اور ایک دن ہفتے کے برابر، اور بقیہ ایام معمول کے مطابق ہوں گے۔ دجال ایک گدھے پر سوار ہوگا، جس کے دوکانوں کے درمیان فاصلہ چالیس ہاتھ کا ہوگا، اور وہ لوگوں سے کہتا پھرے گا کہ میں تمہارا رب ہوں، اور وہ کانا ہوگا حالانکہ تمہارا رب کانا نہیں ہے۔ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان حروف تہجی سے کافر (ک، ف، ر) لکھا ہوا ہوگا جسے ہر پڑھا لکھا اور ان پڑھ ایماندار پڑھ لے گا، وہ مدینہ اور مکہ جنہیں اللہ نے اس پر حرام قرار دیا ہے، کے علاوہ ہر پانی اور گھاٹی پر اترے گا، ان کے دروازوں پر فرشتے کھڑے ہوں گے۔“

حدیث مبارکہ پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں ”یوم“ سے مراد ”مدت“ ہے۔ جیسے قرآن پاک میں ”یوم“ کے بارے میں آتا ہے: ﴿فِي يَوْمٍ كَانَ مِقدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ﴾ [المعارج: ۴] اس سے ”تین مدتیں“ مراد ہیں۔

### پہلا دن (برطانوی سامراج کا دور): (۱)

پہلا دن، جس کو ”ایک سال کے برابر“ کہا گیا، وہ ”برطانوی سامراج“ ہے۔ صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے 2 اکتوبر 1187ء میں بیت المقدس کو فتح کیا۔ اس کے بعد مسلمان تو میٹھی نیند سو گئے، مگر انگریز نے سائنسی ترقی کرنی شروع کر دی اور پوری دنیا پہ اپنا تسلط جمالیا۔ برطانوی حکومت اتنی بڑی ہو گئی تھی کہ انگریز کہتا تھا:

Sun dose not set in British Empire.

”برطانوی سامراج میں سورج غروب ہی نہیں ہوتا۔“

برطانیہ کا یہ تسلط 1914ء میں آ کر ختم ہوا جب جنگ عظیم شروع ہوئی۔ پہلی جنگ عظیم ختم ہونے کے بعد امریکہ سپر پاور کے طور پر ابھرا اور برطانیہ چھوٹا ہوتے ہوتے اتنا چھوٹا ہو گیا کہ اب دنیا کے نقشے پہ نظر مشکل سے آتا ہے۔ یہ ”ایک ہزار سال“ کا زمانہ حدیث پاک کے مطابق ”پہلا دن“ ہے۔

### دوسرا دن (سپر پاور امریکہ کا دور): (۲)

”دوسرا دن“ امریکہ کے سپر پاور بننے کا ہے۔ چونکہ حدیث پاک میں اس کو ”ایک مہینہ“ سے تشبیہ دی گئی اور سال کے 12 مہینے ہوتے ہیں، چونکہ ایک ہزار سال کو ایک دن کہا گیا تھا اور اس کا بار ہواں حصہ تقریباً 85 سال بنتے ہیں، امریکہ کے سپر پاور رہنے کی مدت 1914ء سے شروع ہوئی اور 2000ء میں جا کر ختم ہو گئی۔ اب امریکہ پاور تو ہے، سپر پاور نہیں ہے۔

### تیسرا دن (اسرائیل کا دور): (۳)

پھر تیسرا دن جس کی مدت ”ایک ہفتہ“ کہی گئی، وہ ”اسرائیل کا دور“ ہے۔ چنانچہ



حالات بتاتے ہیں کہ اب امریکہ ٹوٹے گا اور اسرائیل سپر پاور کے طور پہ اُبھرے گا، پوری دنیا پہ اسرائیل کا راج ہوگا، مگر اس کی مدت ایک ہفتہ بتائی گئی ہے۔ اگر ایک مہینہ 85 سال بنتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک ہفتہ جو چوتھا حصہ ہوگا، یعنی 25 سال بنیں گے۔ تو اب سے لے کے 25 سال کے اندر اندر پوری دنیا میں اسرائیل سپر پاور بنے گا۔

### بیت المقدس کی فتح: (۱)

امام مہدی کے ہاتھوں بیت المقدس دوبارہ فتح ہوگا۔

①..... عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عِيسَى قَالَ: بَلَغَنِي أَنَّهُ عَلَى يَدَيِ الْمَهْدِيِّ يَظْهَرُ تَابُوتُ السَّكِينَةِ مِنْ بُحَيْرَةِ طَبْرِيةَ حَتَّى يُحْمَلَ فَيُوضَعَ بَيْنَ يَدَيْهِ بَيْتِ مُقَدَّسٍ، فَإِذَا نَظَرْتُ إِلَيْهِ الْيَهُودُ أَسْلَمَتْ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ“ [كتاب الفتن للنعم بن حماد، رقم: ۱۰۵۰] (حضرت سلمان بن عیسیٰ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا کہ مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ بحیرہ طبریہ سے (امام) مہدی کے ذریعے تابوت سکینہ ظاہر ہوگا۔ یہاں تک کہ بیت المقدس میں آپ کے سامنے اسے اٹھا کر رکھ دیا جائے گا۔ جب یہود اس (تابوت) کو دیکھیں گے تو چند لوگوں کے سوا تمام اسلام قبول کر لیں گے)۔

②..... حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّاياتِ السُّودَ قَدْ جَاءَتْ مِنْ خُرَاسَانَ فَأَتَوْهَا وَلَوْ حَبَوًا عَلَى الثَّلْجِ، فَإِنَّ فِيهَا خَلِيفَةَ اللَّهِ الْمَهْدِيَّ“ [كتاب الفتن للنعم بن حماد، رقم: ۸۹۶ / مسند احمد بن حنبل، رقم: ۲۲۳۸۷] (جب تم خراسان کی طرف سے سیاہ پرچموں (کا قافلہ) آتے ہوئے دیکھو تو اس میں ضرور شامل ہو جانا، اگرچہ برف پر گھسٹ کر آنا پڑے، کیونکہ اس

میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ مہدی ہوں گے۔

③..... سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ”يُخْرِجُ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي يَقُولُ بِسُنَّتِي، يَنْزِلُ اللَّهُ لَهُ الْقَطْرَ مِنَ السَّمَاءِ، وَ تُخْرِجُ لَهُ الْأَرْضُ مِنْ بَرَكَتِهَا، تَمَلَأُ الْأَرْضُ مِنْهُ قِسْطًا وَ عَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ جَوْرًا وَ ظُلْمًا، يَعْمَلُ عَلَى هَذِهِ الْأُمَّةِ سَبْعَ سِنِينَ، وَ يَنْزِلُ بَيْنَ الْمُقَدَّسِ“ [مجمع الزوائد، رقم: ۱۲۴۱۲ / المعجم الاوسط للطبرانی، رقم: ۱۰۷۵] (میرے اہل بیت میں سے ایک شخص ظاہر ہوں گے جو میری سنت کی بات کریں گے، اللہ رب العزت ان کے لئے آسمان سے بارش برسائے گا اور زمین ان کے لیے اپنی برکات نکال دے گی) (یعنی اپنے خزانے اُگل دے گی)، زمین ان کے ذریعے عدل و انصاف سے بھر جائے گی، جس طرح پہلے وہ ظلم و ستم سے بھری ہوگی، وہ اس اُمت پر سات سال تک حکومت کریں گے اور بیت المقدس میں نزول فرمائیں گے۔

### اسرائیل کی تباہی:

عنقریب اسرائیل ٹوٹے گا۔ حدیث پاک میں جو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ یہودیوں نے مجھے تسلیم نہیں کیا تو یہ ساری زندگی ذلت میں ہی گزاریں گے کسی کی اوٹ میں، قرب قیامت میں اللہ ان کو ایک جگہ پر جمع کرے گا، تاکہ ان کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دے۔ تو لگتا ہے کہ وہ وقت بہت قریب ہے۔

حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں ایک دن حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کے ایک خطبہ میں موجود تھا اور وہ یہ حدیث اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کر رہے تھے:

”وَ إِنَّهُ يَخْصُرُ (أَي الدَّجَال) الْمُؤْمِنِينَ فِي بَيْتِ الْمُقَدَّسِ فَيُزَلْزَلُونَ زَلْزَالًا



شَدِيدًا شِمَةً يَهْلِكُهُ اللَّهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى وَ جُنُودُهُ، حَتَّىٰ إِنَّ جَذْمَ الْحَائِطِ أَوْ  
قَالَ أَضْلَ الْحَائِطِ وَ قَالَ حَسَنُ الْأَشْيَبِ وَ أَضْلَ الشَّجَرَةِ لِيُنَادِي أَوْ قَالَ  
يَقُولُ يَا مُؤْمِنُ أَوْ قَالَ يَا مُسْلِمُ! هَذَا يَهُودِيٌّ أَوْ قَالَ هَذَا كَافِرٌ، تَعَالَى  
فَاقْتُلْهُ. [مسند احمد، رقم: ۲۰۱۷۸]

”دجال اہل ایمان کو بیت المقدس میں محصور کر دے گا۔ پس اہل ایمان اچھی طرح  
آزمائشوں سے ہلما مارے جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ دجال اور اس کے لشکروں کو ہلاک  
کر دے گا۔ یہاں تک کہ دیوار کی بنیاد..... اور حسن اشیب نے کہا ہے کہ..... درخت کی  
جڑ پکارے گی اور کہے گی: اے بندہ مومن! یا اے بندہ مسلم! یہ یہودی ہے، یا یہ کہے  
گی: یہ کافر ہے، آؤ! اسے قتل کرو۔“

### ملک شام کے حالات:

ایک حدیث پاک میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

”إِذَا خَرِبَ الشَّامُ، فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ.“

”جب شام کے حالات خراب ہو جائیں تو تم قیامت کا انتظار کرنا۔“

آج کل شام کے حالات خراب ہو چکے ہیں، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بڑی  
علامات قیامت بہت قریب ہیں۔ نعمت اللہ شاہ ولی کی پیشینگوئی بھی انہی باتوں کی  
تصدیق کرتی ہے۔

### ملک شام کے متعلق بشارتیں:

ملک شام کے بارے میں مختلف احادیث میں بشارتیں بیان ہوئی ہیں۔ چند ایک

درج ذیل ہیں:



①..... حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”طُوبَى لِلشَّامِ“

”شام کے لیے خوشخبری ہو۔“

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا:

”لَا أَيْ ذَلِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟“

”اے اللہ کے رسول! کس وجہ سے خوشخبری؟“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”لَإِنَّ مَلَائِكَةَ الرَّحْمَنِ بِاسِطَةً أُجْنِحَتْهَا عَلَيْهَا.“ [سنن الترمذی، رقم: ۳۹۵۴]

”اس لیے کہ رحمن کے فرشتوں نے اپنے پر شام پر پھیلائے ہوئے ہیں۔“

②..... دو رفتن میں سرزمین بلادِ شام میں قیام کی تاکید کی گئی ہے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ

سے مروی ایک روایت کے الفاظ ہیں:

”أَلَا وَ إِنَّ الْإِيمَانَ حِينَ تَقَعُ الْفِتْنُ بِالشَّامِ.“ [مسند احمد، رقم: ۲۱۷۳۳]

”خبردار! فتنوں کے وقت ایمان شام کی سرزمین میں ہوگا۔“

③..... حضرت معاویہ بن قرۃ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ اللہ

کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”إِذَا فَسَدَ أَهْلُ الشَّامِ فَلَا خَيْرَ فِیْكُمْ، لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِیْ مَنْصُورِیْنَ

لَا یَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ.“ [سنن الترمذی، رقم: ۲۱۹۲]

”جب اہل شام بگڑ جائیں گے تو پھر اس امت میں کوئی خیر باقی نہیں رہے گی۔ اور



میری اُمت میں سے ایک گروہ ہمیشہ ایسا رہے گا کہ جسے قیامت تک خدائی نصرت شامل حال رہے گی۔ جو انہیں ذلیل کرنا چاہے وہ ان کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے گا۔“

④..... دنیا و دین کی ابتدا مکہ سے ہوئی اور دنیا و دین کی انتہا شام میں ہوگی۔ اللہ کے رسول ﷺ کے دین کی ابتدا اور ظہور مکہ سے ہوا اور اس کا کمال و عروج شام میں مہدی کے ظہور سے ہوگا۔ جیسا کہ بعض روایات میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے نزول کے بارے میں یہی بشارت منقول ہے کہ دمشق کی مشرقی جانب موجود سفید منارہ پر دو فرشتوں کے پروں پر ہاتھ رکھے ان کا نزول ہوگا۔ [سنن ابی داؤد، رقم: ۴۳۲۱]

⑤..... حضرت عبداللہ بن حوالہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

”سَيَصِيرُ الْأَمْرُ إِلَى أَنْ تَكُونُوا جُنُودًا مُجَنَّدَةً جُنْدٌ بِالشَّامِ، وَ جُنْدٌ بِالْيَمَنِ، وَ جُنْدٌ بِالْعِرَاقِ“

”تمہارے دین اسلام کا معاملہ یہ ہوگا کہ تم لشکروں کی صورت میں بٹ جاؤ گے۔ چنانچہ ایک لشکر شام میں، ایک عراق میں اور ایک یمن میں ہوگا۔“

ابن حوالہ نے کہا:

”خَيْرَ لِي يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنْ أَدْرَكْتُ ذَلِكَ،

”اے اللہ کے رسول! اگر میں اس زمانے کو پالوں تو مجھے اس بارے میں کوئی وصیت فرمادیں۔“

آپ ﷺ نے فرمایا:

”عَلَيْكَ بِالشَّامِ، فَإِنَّهَا خَيْرَةُ اللَّهِ مِنْ أَرْضِهِ، يَجْتَنِي إِلَيْهَا خَيْرَتَهُ مِنْ عِبَادِهِ، فَأَمَّا إِنْ أَبَيْتُمْ، فَعَلَيْكُمْ بِيَمَنِكُمْ، وَاسْقُوا مِنْ غُدْرِكُمْ، فَإِنَّ اللَّهَ تَوَكَّلَ لِي بِالشَّامِ وَ أَهْلِهِ.“ [سنن ابی داؤد، رقم: ۲۴۸۳]

”شام کو پکڑ لے، کیونکہ وہ اللہ کی زمینوں میں سے بہتر سرزمین ہے۔ اللہ کے بہترین بندے اس کی طرف کھنچے چلے جائیں گے۔ پس اگر تمہارا ذہن شامی لشکر کا ساتھ دینے پر مطمئن نہ ہو تو یمن کی طرف چلے جانا اور صرف اپنے گھاٹ سے پانی پینا۔ اللہ تعالیٰ نے میرا اکرام کرتے ہوئے شام اور اہل شام کی ذمہ داری لے لی ہے۔“

⑥..... حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

”سَتَكُونُ هِجْرَةٌ بَعْدَ هِجْرَةٍ، فَخِيَارُ أَهْلِ الْأَرْضِ الْأَزْمَهُمْ مُهَاجِرَ إِبْرَاهِيمَ، وَ يَبْقَى فِي الْأَرْضِ شِرَارُ أَهْلِهَا.“ [سنن ابی داؤد، رقم: ۲۳۸۲]

”ہجرت (مدینہ) کے بعد ایک اور ہجرت ہوگی اور زمین پر موجود بہترین لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کی جگہ کی طرف ہجرت کریں گے اور بقیہ زمین پر صرف شریر لوگ باقی رہ جائیں گے۔“

یہ دو رفتن کی ہجرت ہے اور اسے ہجرت مدینہ کی ہجرت کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ پس اسلام میں پہلی ہجرت، ہجرت مدینہ تھی جو اہل مکہ کے فتن و آزمائشوں کے سبب ہوئی اور مدینہ منورہ اس ہجرت کے سبب عظیم سلطنت اسلامیہ کے قیام کی نہ صرف بنیاد بنا، بلکہ خلافت اسلامیہ کا مرکز اوّل بھی قرار پایا۔

اسلام میں آخری ہجرت کفار کی آزمائش کے سبب بلاد شام کی طرف ہوگی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور امام مہدی کے ظہور کی سرزمین ہے اور اسی سرزمین میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو قتل کرنے کے بعد دوسری بار خلافت اسلامیہ علیٰ منہاج النبوة کی بنیاد رکھیں گے۔ پس اسلام کے ابتدائی عروج کا مرکز مدینہ تھا تو انتہائی عروج کا مرکز ارض مقدس ہے۔



⑦..... بعض روایات میں اس طرف اشارہ ہے کہ اہل روم کی طرف سے اہل شام پر اقتصادی پابندیاں عائد کی جائیں گی۔ حضرت ابونضرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھے کہ انہوں نے فرمایا:

”يُوشِكُ أَهْلُ الْعِرَاقِ أَنْ لَا يُجْبِيَ إِلَيْهِمْ قَفِيزٌ وَلَا دِرْهَمٌ“

”قرب ہے کہ اہل عراق کو ان کا قفیز (ماپ تول کا ایک پیمانہ) اور درہم (چاندی کی کرنسی) کچھ فائدہ نہ دے۔“

ہم نے کہا:

”مِنْ أَيْنَ ذَلِكَ؟“

”ایسا کہاں سے ہوگا؟“

انہوں نے کہا:

”مِنْ قَبْلِ الْعَجَمِ يَمْتَعُونَ ذَلِكَ“

”عجم (غیر عرب) سے ہوگا، وہ اسے روک دیں گے۔“

پھر حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”يُوشِكُ أَهْلُ الشَّامِ أَنْ لَا يُجْبِيَ إِلَيْهِمْ دِينَارٌ وَلَا مُدًى“

”قرب ہے کہ اہل شام کو ان کا دینار (سونے کی کرنسی) اور مدی (ماپ تول کا ایک

پیمانہ) کچھ فائدہ نہ دے۔“

ہم نے کہا:

”مِنْ أَيْنَ ذَلِكَ؟“

”ایسا کہاں سے ہوگا؟“

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”مِنْ قَبْلِ الرُّومِ.“ [صحیح مسلم، رقم: ۲۹۱۳]

”یہ اہل روم کی طرف سے ہوگا۔“

اس روایت کے مفہوم سے اہل فلسطین بھی مراد لیے جاسکتے ہیں کہ جنہیں اسرائیل کی طرف سے متعدد پابندیوں کا سامنا ہے اور موجودہ شام بھی مراد ہو سکتا ہے کہ جسے حالیہ شورشوں کے سبب کئی اعتبارات سے اقتصادی پابندیوں کا سامنا ہے۔

⑧..... ایک اور روایت میں دو رفتن میں سرزمین شام کو مسلمانوں کا وطن قرار دیا گیا ہے۔ حضرت سلمہ بن نفیل کندی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں اللہ کے رسول ﷺ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص نے کہا:

”يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَذَالَ النَّاسُ الْخَيْلَ وَ وَضَعُوا السِّلَاحَ وَ قَالُوا: لَا جِهَادَ، قَدْ وَضَعَتِ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا“

”اے اللہ کے رسول! لوگوں نے گھوڑوں کو حقیر سمجھ لیا ہے اور ہتھیار رکھ دیے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ اب کوئی جہاد نہیں ہے، جنگ ختم ہو چکی ہے۔“

اللہ کے رسول ﷺ اس شخص کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

”كَذَبُوا، الْآنَ الْآنَ جَاءَ الْقِتَالُ، وَ لَا يَزَالُ مِنْ أُمَّتِي أُمَّةٌ يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ وَ يُزِيغُ اللَّهُ لَهُمْ قُلُوبَ أَقْوَامٍ وَ يَرْزُقُهُمْ مِنْهُمْ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ وَ حَتَّى يَأْتِيَ وَعْدُ اللَّهِ، وَ الْخَيْلُ مَعْقُودَةٌ فِي نَوَاصِيهَا الْخَيْرُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَ هُوَ يُوحَى إِلَيَّ أَنِّي مَقْبُوضٌ غَيْرَ مُلَبَّثٍ وَ أَنْتُمْ تَتَّبِعُونِي أَفْنَادًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ وَ عُقْرُ دَارِ الْمُؤْمِنِينَ الشَّامُ.“ [سنن النسائي، رقم: ۳۵۶۱]

”یہ لوگ جھوٹ بول رہے ہیں۔ جنگِ تو اب شروع ہوئی ہے۔ اور میری اُمت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق پر لڑتی رہے گی اور اللہ تعالیٰ اقوام کے دلوں کو ان کے تابع کر دے گا اور اللہ تعالیٰ انہیں ان سے رزق دے گا یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے اور اللہ کا وعدہ آجائے۔ گھوڑوں کی پیشانیوں میں قیامت تک کے دن کے لیے خیر باندھ دی گئی ہے۔ میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ مجھے اُٹھالیا جائے گا اور تم مختلف فرقوں کی صورت میں میری اتباع کرو گے اور ایک دوسرے کی گردنیں مارو گے۔ ان حالات میں شام، اہل ایمان کا گھر ہوگا۔“

### قربِ قیامت اور بلاِ شام: (۱)

قربِ قیامت کے حالات و واقعات میں بھی سرزمینِ شام کی اہمیت کئی ایک روایات میں منقول ہیں۔

①..... ایک روایت میں علاماتِ قیامت کے ظہور کے بعد شام میں قیام کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمر اپنے والد عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

”سَتَخْرُجُ نَارٌ مِنْ حَضْرَمَوْتَ أَوْ مِنْ نَحْوِ بَحْرِ حَضْرَمَوْتَ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ تَحْشُرُ النَّاسَ“

”قیامت کے دن سے پہلے حضرموت سے یا حضرموت کے قریب سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو ایک جگہ جمع کرے گی۔“

صحابہ کرام نے عرض کیا:

”يَا رَسُولَ اللَّهِ! فَمَا تَأْمُرُنَا؟“

”اے اللہ کے رسول! ایسے حالات میں آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟“

آپ ﷺ نے فرمایا:

”عَلَيْكُمْ بِالشَّامِ.“ [سنن الترمذی، رقم: ۲۲۱۷]

”شام کی سرزمین کو پکڑ لو!“

اس روایت میں قربِ قیامت میں سرزمینِ شام میں قیام کی ترغیب دلائی گئی ہے۔  
 (۲)..... ایک اور روایت کے الفاظ ہیں، حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

”لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَتَحَوَّلَ خِيَارُ أَهْلِ الْعِرَاقِ إِلَى الشَّامِ وَ يَتَحَوَّلَ شِرَارُ أَهْلِ الشَّامِ إِلَى الْعِرَاقِ“

”قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ عراق کے بہترین لوگ شام اور شام کے بدترین لوگ عراق میں نہ چلیں جائیں۔“  
 اور اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

”عَلَيْكُمْ بِالشَّامِ.“ [مسند احمد، رقم: ۲۲۱۳۵]

”ایسے حالات میں شام میں سکونت اختیار کرو۔“

اس روایت کے مطابق قیامت سے پہلے تمام اہل ایمان شام میں جمع ہو جائیں گے۔  
 مذکورہ بالا روایات اور اس جیسی روایات سے یہ ہدایت ملتی ہے کہ خیر و شر کے آخری معرکہ میں اصل کردار جس خطۂ ارضی نے ادا کرنا ہے وہ سرزمینِ بلادِ شام ہے۔ بلادِ شام کی فضیلت و اہمیت، اہل ایمان کو دورِ فتن میں سرزمینِ مقدس کی طرف ہجرت کی ترغیب و تشویق، تا قیامت بلادِ شام کو اللہ کی نصرت پر مبنی مسلمانوں کی علمی و سیاسی قیادت و سپادت کا مرکز قرار دینا، دورِ فتن میں بلادِ شام کو مسلمانوں کا وطن قرار دینا، ارضِ شام میں



نزول عیسیٰ اور ظہور مہدی کی خبریں وغیرہ ایسی تعلیمات ہیں جو امت مسلمہ کے عروج ثانی میں سرزمین شام کے فیصلہ کن کردار کا فیصلہ سنا رہی ہیں۔

③..... حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”إِنَّ فُسْطَاطَ الْمُسْلِمِينَ يَوْمَ الْمَلْحَمَةِ بِالْغُوطَةِ، إِلَى جَانِبِ مَدِينَةٍ يُقَالُ لَهَا: دِمَشْقُ، مِنْ خَيْرِ مَدَائِنِ الشَّامِ“ [سنن ابی داؤد، رقم: ۴۲۹۸] (جنگ عظیم کے وقت مسلمانوں کا خیمہ..... آج کی زبان میں ہیڈ کوارٹر..... شام کے شہروں میں سب سے اچھے شہر دمشق کے قریب ”الغوطہ“ کے مقام پر ہوگا)۔

④..... حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چھوٹے خیمہ میں موجود تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس وقت قیامت کی چھ نشانیاں بتائیں:

”أَوَّلُهُنَّ مَوْتِي، وَاسْتَبْكَيْتُ حَتَّى جَعَلَ يُسْكِنُنِي، ثُمَّ قَالَ لِي: قُلْ إِحْدَى، فَقَالَ: وَالثَّانِيَةُ: فَتَحَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ، قُلْ: ثِنْتَانِ، فَقُلْتُ: ثِنْتَانِ، فَقَالَ: وَالثَّلَاثَةُ: مُوتَانُ يَكُونُ فِي أُمَّتِي يَأْخُذُهُمْ مِثْلُ عِقَاصِ الْغَنَمِ، قُلْ: ثَلَاثٌ، فَقُلْتُ: ثَلَاثٌ، فَقَالَ: وَالرَّابِعَةُ: فِتْنَةٌ تَكُونُ فِي أُمَّتِي وَعَظَمَهَا، ثُمَّ قَالَ: قُلْ: أَرْبَعٌ، فَقُلْتُ: أَرْبَعٌ، فَقَالَ: وَالْخَامِسَةُ: يَفِيضُ فِيكُمْ الْمَالُ حَتَّى أَنَّ الرَّجُلَ لَيُعْطَى الْمِائَةُ دِينَارٍ فَيَسْخَطُهَا، قُلْ: خَمْسٌ، فَقُلْتُ: خَمْسٌ، فَقَالَ: وَالسَّادِسَةُ: يَكُونُ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ بَنِي الْأَصْفَرِ هُدْنَةٌ فَيَسِيرُونَ عَلَيْكُمْ عَلَى ثَمَانِينَ غَايَةً تَحْتَ كُلِّ غَايَةٍ اثْنَا عَشَرَ أَلْفًا، فُسْطَاطُ الْمُسْلِمِينَ يَوْمَئِذٍ فِي أَرْضٍ، يُقَالُ لَهَا: الْغُوطَةُ فِي مَدِينَةٍ، يُقَالُ لَهَا: دِمَشْقُ.“



①..... میری موت۔

②..... بیت المقدس کی فتح۔

③..... میری اُمت میں اچانک موتوں کی کثرت۔

④..... میری اُمت میں فتنہ، جوآن میں بہت زیادہ جگہ کر جائے گا۔

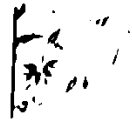
⑤..... میری اُمت میں مال و دولت کی فراوانی کہ اگر تم کسی کو ۱۰۰ دینار بھی دو گے تو وہ اس پر (کم سمجھنے کی وجہ سے) ناراض ہوگا۔

⑥..... تمہارے اور بنی اصفہر (صیہونی طاقتوں) کے درمیان جنگ کے بعد صلح ہوگی، پھر ان کی فوج میں ۸۰ جھنڈے ہوں گی اور ہر جھنڈے کے تحت ۱۲۰۰۰ فوجی ہوں گے۔ اس دن مسلمانوں کا خیمہ ”الغوطہ“ نامی جگہ میں ہوگا جو دمشق شہر کے قریب میں واقع ہے۔  
[المعجم الکبیر للطبرانی، رقم: ۷۲]

ایک حدیث پاک میں یہ بھی آیا ہے کہ بہت سارے ایسے فوجی ہوں گے جو غزوہ ہند میں بھی حصہ لیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات بھی کریں گے۔ جیسا کہ پہلے روایت گزر چکی ہے۔ لہذا اگر دونوں کے درمیان 25 سال کا فرق بھی ہو تو یہ ہونا عین ممکن ہے۔

مادی دور..... دجالی دور: ①

موجودہ مادی دور ہی دجالی دور ہے۔ اہل ایمان کو چاہیے کہ اپنے ایمان کو بچانے کی فکر میں لگیں اور توجہ الی اللہ کے ذریعے سے نیکی پر جمے رہیں اور نفس و شیطان کے ساتھ مقابلہ کریں۔ انٹرنیٹ جیسے فتنوں کی وجہ سے عریانی اور فحاشی کا سیلاب آ گیا ہے، لہذا اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہیے۔ سورۃ کہف کی تعلیمات کا یہی نچوڑ ہے۔



آخر میں ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس فتنوں کے وقت میں ہم کمزوروں کی مدد فرمائے اور ہمیں ایمان کی حفاظت کے ساتھ اپنے وقت پہ دنیا سے جانے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)۔

وَ آخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

